إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّٰهِ الإِسْلَامُ

(آلِ عمران)

اسلام دینِ حق

(انگریزی کتاب اسلام دی ریلیجن کا اردو ترجمہ)

مصنف
سیّد انور علی

* * * * *

مترجّم
شیخ فقیر محمّد

ناشر
سیّد پبلیکیشنز کراچی

Marfat.com

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

اِسلام دینِ حق

(انگریزی کتاب "اسلام دی ریلیجن" کا اردو ترجمہ)

مُصنّف

سیّد انور علی

مُترجّم

پروفیسر شیخ فقیر محمّد

ناشر

سیّد پبلیکیشنز کراچی

Marfat.com

59568

نام کتاب   اسلام دینِ حق۔

مصنّف : سیّد انور علی۔

مترجم : شیخ فقیر محمد۔

کاتب : مولانا ابوالکلام عبدالغنی حامد

ناشر : سیّد پبلیکیشنز ۲۰۶ - لائرز چیمبر ایم اے جناح روڈ کراچی ۱

طابع : رشید اینڈ سنز پرنٹرز ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸

بار اوّل : یکم محرّم الحرام ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۹۸۰ء

تعداد : ایک ہزار

ٹ : جملہ حقوق بحقِ مصنّف سیّد انور علی ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان محفوظ ہیں۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عذرِ مترجم

نفسِ ترجمہ کے متعلق یہ طے کرنا مشکل ہے کہ کسی کتاب یا مضمون کو جب ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت پیش آئے تو کیا اس صورت میں اصل مندرجات کو بلحاظ ساخت و اظہار بیان اس کو ماخذ سے قریب ترین رکھا جائے یا دوسری زبان کے تقاضوں کے پیشِ نظر" قابلِ قبول ترمیم و اضافہ کی آزادی کا فائدہ اٹھاتے ہوتے مصنف کے خیالات و افکار کی ترجمانی کو اوّلیت دی جائے۔ ترجمہ کا اصل مقصد" ابلاغ "یا کمیونیکیشن COMMU NICATION) ہے اور ابلاغ کی صحیح صورت اسی وقت ممکن ہے جب کسی دوسری زبان میں بیان کردہ خیالات و افکار کو سننے والے یا پڑھنے والے کے ذہن میں اس کی اپنی زبان میں اور اس کے مانوس طرزِ اظہار کے ذریعہ منتقل کر دیا جائے ایسی تمام کوشش دوہری پابندی یا احساسِ ذمہ داری سے عبارت ہے، یعنی ترجمہ نہ تو محض الفاظ یا جملوں کو ایک زبان سے دوسری زبان میں اٹھا کر رکھ دینے کا نام ہے، نہ اس قدر آزادانہ روش کا کہ اصل مضمون کا نقشہ ہی بدل جائے۔ اس قسم کی افراط و تفریط ترجمہ کی صحیح ترجمانی نہیں کرتی! ایک خوب صورت اور قابلِ تعریف ترجمہ ان دونوں انتہاؤں EXTREMES کے درمیان سے ابھرتا ہے اور ذہن و دماغ پر دیر تک قائم رہنے والا نقش چھوڑ جاتا ہے۔

Marfat.com

عذرِ مترجم

مجھے اس بات کے اعتراف میں ذرا تامل نہیں کہ جب محترمی سید انور علی نے اپنی نئی تصنیف ISLAM-THE RELIGION (اسلام دینِ بالحق) کو اردو میں ترجمہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو سب سے زیادہ مجھے جس چیز نے اس بارگراں کو بخوشی اٹھانے پر مائل کیا وہ میری اپنی خواہش تھی کہ یہ انتہائی مفید اور قابلِ قدر ذخیرۂ معلومات قومی زبان کے روپ میں معرضِ وجود میں آجائے اور ایک ترجمہ کی حیثیت سے ہی سہی میری کاوش کی یادگار بن جائے۔ میں اس ترجمہ کو ایک ایسی شکل میں پیش کرنیکا خواہش مند تھا جو سلاست وروانیٔ بیان اور تسلسل موضوع کے نقطۂ نظر سے مکمل اور مربوط ہو اور ترجمہ کی تکنیکی لوازمات کی تکمیل کے باوجود بادی النظر میں ترجمہ معلوم نہ ہو۔ ساتھ ہی قاری کا ذہن بھی اسے تخلیقی اعتبار سے کسی غیر زبان کا مرہونِ منت نہ گردانے بلکہ اسے ایک معیاری تخلیق کا درجہ دیکر ہر بیرونی اثر ونفوذ سے ماوریٰ اور بالاتر تسلیم کرے۔

ہر زبان کا اپنا مزاج ہوتا ہے اور اس کی اپنی فطری خصوصیات بھی اسے انفرادیت اور جامعیت سے بہرہ ور کرتی ہیں۔ ایک مصنف تو اپنی پسند کی زبان میں اور اپنے مخصوص اسلوب میں کسی تصنیف یا تالیف کو وجود میں لانے میں آزاد و خود مختار ہوتا ہے مگر ایک مترجم کو یہ آزادی اور خود پسندی حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف ایک مترجم کو صاحبِ تصنیف کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی پابندی اور دائرۂ کار کی حدود سے سابقہ پڑتا ہے۔ ساتھ ہی اُسے یہ فکر بھی دامنگیر رہتی ہے کہ اس کی کاوش جامعیت اور مکمل فن پارہ کے معیار سے فروتر نہ ہونے پائے

مندرجہ بالا حدود و قیود کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے میں اپنے فرض کی ادائیگی میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں اس کا اندازہ تو قارئینِ کرام ہی کر سکتے ہیں مگر اس ضمن میں میری اپنی کچھ معذرت نما معروضات بھی ہیں . . .

Marfat.com

• ۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، اس ترجمہ کو قلمبند کرتے وقت میری نظر اس آخری منزل پر بھی جہاں پہنچ کر یہ کتاب اپنے طور پر ایک مکمل و مربوط قالب میں ڈھل جائے اور پڑھنے والا ترجمہ کی اجنبیت اور غیر زبان سے متاثر اسلوبِ اظہار کا بھاری پن محسوس نہ کرے۔

• ۔ اس مقصد کے پیش نظر بعض مقامات پر ایزاد و توضیح سے بھی کام لینا پڑا تاکہ موضوع زیر بحث کا تسلسل اور استدلال برقرار رہے۔

• ۔ یوں بھی ہوا کہ بعض مقامات پر متن میں شامل کسی موضوع کی وضاحت کرتے وقت کوئی اضافی نقطۂ نظر ذہن میں آ گیا جس سے روانیٔ بیان اور تسلسل موضوع کا مقصد تو پورا ہو گیا مگر اس سے ترجمہ کی بنیادی شرط برقرار نہ رہ سکی اور یہ اضافہ ایک خارجی عنصر کی حیثیت سے نفسِ مضمون میں شامل ہو گیا (میں اپنی اس جرأتِ رندانہ پر معذرت چاہتا ہوں، تاہم ایسے تمام تجاوزات نظر ثانی کے موقع پر مصنف کی مرضی کے تحت نظر انداز کئے جا سکتے ہیں)

• ۔ قرآنی آیات کے ترجمہ میں بعض بعض جگہ آیاتِ ماسبق اور مابعد کو بھی شامل کر لیا گیا ہے تاکہ سیاق و سباق کے لحاظ سے احکامات و ہدایات پوری طرح واضح ہو جائیں۔

لطیف بود حکایت دراز تر گفتم

ناظم آباد۔ کراچی　　　(پروفیسر) شیخ فقیر محمد

۵ر جولائی ۱۹۷۹ء　　　سابق سربراہ شعبۂ انگریزی

گورنمنٹ کالج ناظم آباد کراچی

Marfat.com

عرضِ مصنّف

اسلام دینِ حق میری انگریزی کتاب اسلام دی ریلیجن کا اُردو ترجمہ بھی ہے اور ترجمانی بھی۔ ترجمہ اس لئے کہ اس میں نفسِ مضمون اور ترتیب عنوانات کو پوری طرح قائم رکھا گیا ہے اور ترجمانی اس لئے کہ مترجم کا قلم نفسِ مضمون کو اپنی زبان میں پیش کرنے کے لئے بالکل آزاد رہا ہے۔ بلکہ جس جگہ ضروری سمجھا مترجم نے خود اپنے تاثرات بھی اس میں شامل کر دئے ہیں۔

مترجم پروفیسر شیخ فقیر محمد صاحب اگرچہ انگریزی ادب کے پروفیسر رہے ہیں مگر انہیں اُردو ادب پر بھی کامل دسترس حاصل ہے۔ نیز وہ خود اہلِ قلم، اہلِ ذوق اور صاحبِ طرز ادیب ہیں چنانچہ انھوں نے ترجمہ ایک مکمل اور مربوط تالیف کی صورت میں پیش کیا ہے۔ زبان نہایت سادہ اور رواں استعمال کی ہے اور کسی مقام پر بھی ترجمہ کا روایتی انداز اختیار نہیں کیا ہے۔ میں اس سے پہلے بھی پروفیسر صاحب موصوف کی تحریریں دیکھ چکا ہوں اور اسی لئے جب اسلام دی ریلیجن کی مقبولیت کے تحت بعض احباب نے اردو ترجمہ کی فرمائش کی تو میں نے پروفیسر صاحب موصوف کو ہی اس کام کے لئے منتخب کیا اور جب اُن سے ترجمہ کی درخواست کی تو میں نے انہیں خود اس بات کا خواہشمند پایا کہ وہ اس کتاب کو اردو میں ترجمہ کریں چنانچہ انھوں نے میری درخواست کو فوراً قبول کر لیا اور پھر کئی ماہ کی مسلسل محنت کے بعد اس اہم ذمہ داری کو بطرزِ احسن پورا کر دیا۔ میں اس خلوص و محبت اور مسلسل محنت و جانفشانی کے لئے پروفیسر صاحب موصوف کا بہت ممنون و مشکور ہوں۔

Marfat.com

اسلام انسانی زندگی کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس نے حیات انسانی کے لئے عقائد اور عبادات سے لے کر اخلاقیات نیز سیاسیات اور معاشیات تک کے بنیادی اصول پیش کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا حل اسلام نے پیش نہ کیا ہو۔ چنانچہ اس کتاب کی تالیف اور ترجمہ کا بنیادی مقصد صرف یہ ہے کہ انسانی زندگی کے مختلف مسائل کو حل کرنے کے لئے جو اصول اسلام نے پیش کئے ہیں اُن سے عامۃ الناس کو روشناس کرایا جائے تاکہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی آخری کتاب یعنی قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کریں اور اُن پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کریں۔ خدا کرے کہ میری یہ کوشش خود میرے اپنے لئے بھی نجات کا سبب بنے۔ آمین۔

تاریخ

۲۰۶ - لائنز چیمبر
ایم اے جناح روڈ کراچی

سید انور علی

Marfat.com

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
عذرِ مترجم		مرتد۔	٣٦
عرضِ مصنف		کافر۔	٣٨
اسلام دینِ حق		مشرک۔	٤٠
الفاتحہ۔	٣	ایمان واطاعت۔	٤٢
انتساب۔	٥	لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔	٤٧
پیش لفظ۔	٧	عقیدت۔	٥١
تعارف۔	١٥	اطاعت۔	٥٢
کتابِ اوّل		عبادت۔	٥٣
عقائد		مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔	٥٥
باب اوّل		خلاصۂ کلام۔	٦٢
ابتدائی کلمات		اسلام میں عقیدہ کی نوعیت	٦٣
بنیادی عقائد۔	٢٩	اسلامی عقیدہ کی اجمالی تشریح	٦٦
مومن۔	٣٢	باب دوم	
فاسق۔	٣٣	اللہ تعالیٰ	
منافق۔	٣٤	تعارفی کلمات	٦٩

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
مابعد الطبیعاتی مسائل ۔	۶۹
سائنس کا اندازِ فکر ۔	۷۰
مذہب کا کردار ۔	۷۱
حقیقتِ منتہیٰ ۔	۷۲
ایک سوال ۔	۷۴
اللہ کی نشانیاں ۔	۷۶
اللہ تعالیٰ کی صفات	
صفتِ خالقیت ۔	۷۷
صفتِ ربوبیت ۔	۷۹
وسائلِ تحفظ ۔	۸۰
وسائلِ ہدایت و رہنمائی	۸۰
تنظیمِ کائنات کی صفت ۔	۸۱
صفتِ علم و حکمت ۔	۸۲
مقصدِ تخلیقِ کائنات ۔	۸۲
عملِ تخلیق ۔	۸۳
حیات بعدِ موت	۸۵
اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے ۔	۸۶
باب سوم	
انبیاء و رسل	
تعارفی کلمات ۔	۹۱

عنوانات	صفحہ
پیغمبروں پر ایمان ۔	۹۱
پیغمبروں کی اطاعت ۔	۹۲
پیغمبر انسان تھے ۔	۹۳
تمام پیغمبر مسلمان تھے ۔	۹۵
پیغمبروں کی تعلیمات ۔	۹۵
پیغمبروں کی مخالفت ۔	۹۸
منکرینِ حق کا خاص اعتراض	۱۰۱
بشریت ہی منصبِ رسالت کی شایان ہے ۔	۱۰۲
باب چہارم	
کتب و صحائفِ آسمانی	
تعارفی کلمات ۔	۱۰۷
اللہ کی الہامی کتابوں پر ایمان ضروری ہے ۔	۱۰۷
دیگر مذہبی کتابیں ۔	۱۰۸
بائبل یا انجیل مقدس ۔	۱۱۱
قرآنِ کریم ۔	۱۱۱
ایک چیلنج ۔	۱۱۲
پیغامِ ہدایت و تنبیہ ۔	۱۱۳
آخری کتابِ الٰہی ۔	۱۱۴
صداقت ۔	۱۱۴

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
سرچشمہ ہدایت ۔	۱۱۵
علم وحکمت کا خزانہ ۔	۱۱۶
حیات بعد موت ۔	۱۱۷
اخلاق وآداب ۔	۱۱۹
قرآن کریم اور مخالفین کے اعتراضات ۔	۱۲۰
باب پنجم	
اللہ کے فرشتے	
(۱۲۷ — ۱۳۰)	
باب ششم	
روزِ آخرت	
عام بیان ۔	۱۳۱
جنت الفردوس ۔	۱۳۶
دوزخ ۔	۱۳۸
اعراف ۔	۱۴۰
تقدیر ۔	۱۴۱
مشیت ۔	۱۴۵
مسئلہ ایمان ولیقین پر اختتامی معروضات	۱۴۷
کتاب دوم	
عبادات	

عنوانات	صفحہ
باب اول	
ذکر	
عام تعارف ۔	۱۵۷
تصوف ۔	۱۵۹
قال ۔	۱۶۰
حال ۔	۱۶۲
قیام ۔	۱۶۳
ولایت ۔	۱۶۵
مجذوب ۔	۱۶۶
سالک ۔	۱۶۶
ذکر عمومی اور ذکر خصوصی ۔	۱۶۹
باب دوم	
صلوۃ (نماز)	
عام تعارف ۔	۱۷۱
قیام صلوٰۃ کا مقصد ومدعا	۱۷۳
نماز کی امتیازی شان	۱۷۳
نماز فرض ہے ۔	۱۷۶
نماز کا طریقہ اور ارکان صلوٰۃ	۱۷۸
سمت قبلہ کی جانب رُخ کرنا	۱۷۹
تکبیر تحریمہ ۔	۱۸۰
قیام ۔	۱۸۰

Marfat.com

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
ثناء ۔	۱۸۰	مسجد ۔	۱۹۵
تعوذ ۔	۱۸۰	اذان ۔	۱۹۷
تسمیہ ۔	۱۸۱	نوافل ۔	۱۹۹
قرأت ۔	۱۸۱	نماز کے اثرات ۔	۲۰۱
رکوع ۔	۱۸۱	پاکیزگی ۔	۲۰۲
قومہ ۔	۱۸۲	نظم وضبط ۔	۲۰۳
سجدہ ۔	۱۸۲	شائستگی ۔	۲۰۴
جلسہ ۔	۱۸۲	صداقت وحق گوئی ۔	۲۰۵
رکعت ۔	۱۸۲	ہمت وجرءت ۔	۲۰۷
قاعدہ ۔	۱۸۳	ایثار وقربانی ۔	۲۰۸
التحیات ۔	۱۸۳	سماجی یا معاشرتی شعور ۔	۲۰۹
درود ابراہیم ۔	۱۸۴	صلوٰۃ وسیلۂ کامرانی ہے ۔	۲۱۱
دعاء ماثورہ ۔	۱۸۴	باب سوم	
سلام ۔	۱۸۵	زکوٰۃ	
فرض، واجب، سنت اور		تعارف ۔	۲۱۷
نفل ۔	۱۸۵	زکوٰۃ اور ماضی کی اقوام ۔	۲۱۸
ادائیگی نماز ۔	۱۸۷	زکوٰۃ اور ایمان ۔	۲۱۹
نماز کی روح ۔	۱۸۸	خیرات اور اس کی جزا ۔	۲۲۱
پیشگی شرائط نماز	۱۸۹	زکوٰۃ خیرات کا بہتر طریقۂ کار	۲۲۳
مستثنیات ۔	۱۹۲	زکوٰۃ کی روح ۔	۲۲۴
نماز باجماعت ۔	۱۹۴	زکوٰۃ اور خیرات ۔	۲۲۶

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
صلوٰۃ اور زکوٰۃ ۔	۲۲۹
باب چہارم	
صوم (روزہ)	
عام تعارف ۔	۲۳۳
صوم یا روزہ کا مطلب ۔	۲۳۳
مستثنیات ۔	۲۳۵
روزہ کے اوقات ۔	۲۳۶
روزہ کا مقصد ۔	۲۳۷
تقوٰی ۔	۲۳۷
انسانیت کا فروغ ۔	۲۳۹
یکسانیت اور ہم آہنگی ۔	۲۴۰
خلوص ۔	۲۴۱
شر یا بدی سے تحفظ ۔	۲۴۱
جہاد ۔	۲۴۲
حصول مقصد ۔	۲۴۳
لیلۃ القدر اور اعتکاف	۲۴۳
باب پنجم	
حج	
خانہ کعبہ ۔	۲۴۷
طواف ۔	۲۴۹
سعی ۔	۲۵۱

عنوانات	صفحہ
وقوف ۔	۲۵۱
رمی	۲۵۲
نحر (قربانی)	۲۵۳
حلق یا تقصیر	۲۵۴
تشریق ۔	۲۵۵
طواف الوداع ۔	۲۵۶
شرائط حج ۔	۲۵۶
لباس ۔	۲۵۷
مقام ۔	۲۵۸
وقت ۔	۲۵۸
عمرہ ۔	۲۵۹
حج کی فرضیت ۔	۲۵۹
حج کا مقصد ۔	۲۶۰
زیارت مدینہ	۲۶۰
عبادات پر اختتامی معروضات	۲۷۱
کتاب سوم	
اخلاقیات	
عام تعارف ۔	۲۸۵
اخلاقیات دیگر مشاہیر کی نظریں ۔	۲۸۵
اخلاقیات اسلامی نقطہ نظر سے ۔	۳۰۰

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
والدین اور اولاد۔	۳۰۳
میاں بیوی ۔	۳۰۶
حکومت اور افراد	۳۱۵
اخلاقیات عمومی روابط کے نقطہ نظر سے۔	۳۱۶
حق گوئی یا راست بازی۔	۳۱۷
عدل وانصاف ۔	۳۱۸
امانت اور دیانت داری۔	۳۱۸
زندگی کا احترام۔	۳۱۹
ملکیت کا احترام	۳۲۱
اخلاص عمل۔	۳۲۱
پاکیزگی ۔	۳۲۲
بے غرضی ۔	۳۲۳
بخیلی یا کنجوسی	۳۲۳
عاجزی وانکساری	۳۲۴
صبر و تحمل ۔	۳۲۵
استقامت ۔	۳۲۶
شکر گزاری ۔	۳۲۷
ضبط نفس ۔	۳۲۸
عفو و درگذر ۔	۳۲۹
ہمت و شجاعت ۔	۳۳۰

عنوانات	صفحہ
عصمت و پاکدامنی۔	۳۳۲
بدکاری کے روک تھام کے اقدامات	
پردہ ۔	۳۳۲
نکاح ۔	۳۳۴
سزا	۳۳۴
زانی اور زانیہ۔	۳۳۵
اغلام۔	۳۳۶
شراب نوشی اور قمار بازی	۳۳۶
اسلامی معاشرہ کے عمومی اصول	
تقلید خیر اور نیکی میں سبقت	۳۳۷
نیک کام کی ترغیب اور برائی سے اجتناب ۔	۳۳۷
مظلوم کے سوا کسی کو سخت لہجے میں شکایت روا نہیں ۔	۳۳۷
برائی کا بدلہ نیکی کے ساتھ	۳۳۷
سخاوت اور فراخدلی کی ترغیب	۳۳۸
بخیلی اور کنجوسی کی مذمت	۳۳۸
ناپ تول میں دیانت	۳۳۸
ایفائے عہد۔	۳۳۸
انصاف ۔	۳۳۸

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
ظاہرہ اور پوشیدہ برائیوں سے اجتناب ۔	۳۳۸
حدود الٰہی کی حرمت ۔	۳۳۹
جائز کمائی کا استعمال	۳۳۹
احسان کے بعد دل شکنی نہ کی جائے ۔	۳۳۹
دکھاوے کی سخاوت سے پرہیز	۳۳۹
ادائے قرض میں مہلت	۳۳۹
گناہ اور فواحش کی مغفرت طلبی ۔	۳۳۹
بے گناہ پر الزام تراشی سے پرہیز	۳۴۰
مال وجاہ کی طمع سے دوری ۔	۳۴۰
اخلاقی برائیوں سے بچنے کی ہدایت	۳۴۰
عاجزی اور انکساری ۔	۳۴۰
خرچ میں میانہ روی ۔	۳۴۰
نخوت اور کذب سے کنارہ کشی	۳۴۰
تضحیک اور عیب لگانے سے پرہیز ۔	۳۴۱
بدگمانی اور بے جا تجسس اور عیب سے اجتناب ۔	۳۴۱
حسن سلوک کی تلقین ۔	۳۴۱

عنوانات	صفحہ
فضول خرچی سے اجتناب اور نرم کلامی کی ترغیب ۔	۳۴۱
یتیم اور سائل سے حسن سلوک	۳۴۱
تحدیث نعمت ۔	۳۴۱
اخلاقیات پر اختتامی معروضات	۳۴۲
کتاب چہارم	
مالیات	
عام تعارف ۔	۳۴۷
نظریۂ اشتراکیت ۔	۳۴۸
سرمایہ دارانہ نظام مالیت	۳۵۲
اسلامی نظریہ معیشت	۳۵۴
اسلامی مالیاتی نظام کی بنیاد ۔	۳۵۶
حصول دولت ۔	۳۶۲
دولت کی ملکیت ۔	۳۶۸
دولت کا مصرف ۔	۳۶۹
زکوٰۃ اور خیرات	۳۷۲
بلاسود قرض ۔	۳۷۵
وصیت ۔	۳۷۸
شہادت ۔	۳۸۰
نیت یا مقصد ۔	۳۸۱
بیوی کے حق میں وصیت	۳۸۱

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
وصیت کی تعریف۔	۳۸۲
طریقِ کار۔	۳۸۲
وصیت کی تنسیخ۔	۳۸۳
بخشش تحفہ یا ہبہ۔	۳۸۳
ہبہ کے عناصر۔	۳۸۴
ہبہ بالعوض۔	۳۸۵
صدقہ۔	۳۸۶
وقف۔	۳۸۶
وقف کے شرائط۔	۳۸۷
وقف کا موضوع۔	۳۸۸
وقف کا مقصد۔	۳۸۸
وقف کا طریقِ کار۔	۳۸۸
وقف میں ردّوبدل۔	۳۹۰
وقف جائداد کی منتقلی۔	۳۹۰
وقف کی نوعیت۔	۳۹۱
وراثت۔	۳۹۱
خلاصۂ بیان۔	۳۹۶
بلاسود بنکاری۔	۳۹۶
قرضہ جات۔	۴۰۲
محنت کا عوض۔	۴۰۳
قومیانا۔ تحویل بالحکم اور	

عنوانات	صفحہ
تحصیل بالطلب۔	۴۰۹
مالیات پر اختتامی معروضات	۴۱۱
کتاب پنجم	
سیاسیات	
باب اوّل	
عام تعارف۔	۴۱۷
مملکت اور حکومت	۴۱۹
مملکت یا ریاست	
کا فروغ۔	۴۲۱
ریاست کے ارتقاء کے	
متعلق اسلامی نظریہ۔	۴۳۰
باب دوم	
مقصد حکومت۔	۴۵۰
صلوٰۃ و زکوٰۃ۔	۴۵۱
امر بالمعروف و	
نہی عن المنکر۔	۴۵۲
عدل و مساوات۔	۴۵۴
امن اور نظم و ضبط۔	۴۵۶
باب سوم	
طرزِ حکومت۔	۴۵۸
عام تعارف	۴۵۸

Marfat.com

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
شہنشاہیت، اشرافیہ		کی حیثیت سے۔	۵۲۷
اور جمہوریت۔	۴۵۸	امیدواری۔	۵۳۱
جمہوریت۔	۴۶۰	کتاب ششم	
بہترین طرزِ حکومت۔	۴۶۴	حکومت کے فرائض	
قرآنی نقطۂ نظر۔	۴۸۰	حکومت کے فرائض۔	۵۳۷
اقتدارِ اعلیٰ۔	۴۸۱	باب اوّل	
حاکم یا فرماں روا۔	۴۹۰	تعلیم۔	۵۳۸
وزراء۔	۴۹۷	باب دوم	
گورنر، سول اور		عدل و انصاف۔	۵۵۱
فوجی افسران۔	۵۰۱	مفہوم۔	۵۵۱
پارلیمنٹ۔	۵۰۲	اسلامی نقطۂ نظر۔	۵۵۳
قوانین۔	۵۰۴	عدل کے اسلامی بنیادی	
باب چہارم		اصول۔	۵۵۵
تشکیل حکومت۔	۵۰۸	شہادت یا گواہی۔	۵۵۷
عام تعارف۔	۵۰۸	ثالثی یا پنچایتی فیصلہ۔	۵۵۹
انتخاب۔	۵۰۹	قرض اور اس کی وصولیابی	۵۵۹
حق رائے دہندگی۔	۵۱۲	مقروض کا دیوالیہ پن	۵۶۲
نامزدگی۔	۵۱۵	فیصلہ پر نظر ثانی	۵۶۳
آخری نقطۂ نظر۔	۵۱۹	عدل و انصاف کا دوگونہ	
وقفہ جاتی انتخاب۔	۵۲۲	مقصد۔	۵۶۳
خواتین ووٹر یا امیدوار		سزا کا عام تصور۔	۵۶۲

Marfat.com

عنوانات	صفحہ
انصاف میں تاخیر۔	۵۷۵
باب سوم امن اور جنگ	
عام تعارف۔	۵۸۰
اندرون ملک امن وسلامتی	۵۸۱
بیرونِ ملک امن۔	۵۹۲
اسلام میں جنگ (جہاد) کا مفہوم اور اس کی اہمیت	۵۹۴
اسلام میں جنگ (جہاد) کا مقصد۔	۵۹۶
صرف جنگ کے خلاف جنگ	۵۹۷
جہاد فرض ہے۔	۵۹۸
جنگ کا خوف۔	۵۹۹
استثناءِ عذر خواہی اور الزام تراشی۔	۶۰۰
جہاد کی تیاری۔	۶۰۱
احتیاطی تدابیر۔	۶۰۲
جنگ کی حالت میں نماز۔	۶۰۲
مراجعت یا حکمت عملی کے تحت پسپائی۔	۶۰۳
اسیرانِ جنگ۔	۶۰۳
مالِ غنیمت۔	۶۰۴
جہاد کا اجر۔	۶۰۴
حرفِ آخر۔	۶۰۶

Marfat.com

Marfat.com

انگریزی کتاب "اِسلام دی ریلیجن" کا اُردو ترجمہ

اِسْلاَم

دینِ حق

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○
شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ○ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۙ○
مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ؕ○ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ؕ○
اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ○ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ
اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ
عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ○ ع

سب تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار بڑا مہربان نہایت رحم والا۔ انصاف کے دن کا حاکم (اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہم کو سیدھے رستے چلا۔ ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا۔ نہ انکے (رستے) جن پر (تو) غصہ ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے۔

(الفاتحہ ۔ القرآن)

Marfat.com

اِنتساب

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کی ذاتِ گرامی کے نام

جو

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر سب سے پہلے ایمان لائیں

اور

بلا تامل صدقِ دل اور کمالِ عقیدت کے ساتھ

اقرار کیا کہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ

یعنی

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں

اور

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کے رسول ہیں

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

جن خیالات و نظریات کا اظہار راقم الحروف نے کتاب زیرِ مطالعہ میں کیا ہے اُس کی مثال، دینِ اسلام کی حقانیت پر مشتمل مطبوعات کے سامنے ایک بحرِ ذخار کے مقابلہ میں ایک قطرۂ ناچیز کی سی ہے۔ یہ مطبوعات تاریخِ عالم کے صفحات پر پچھلے چودہ سو سال کے طویل زمانہ سے موجود ہیں اور ان میں بتدریج اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ یہ کوئی روایتی کسرِ نفسی کا اظہار نہیں بلکہ فی الحقیقت اس کتاب کے متعلق جو تقریباً چار سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے یہ میرے قلبی احساسات ہیں۔ چنانچہ جب بفضلِ ایزدی میری یہ کتاب اختتام کو پہنچی تو میں اپنے ضمیر اور دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والے اس سوال کو دبا نہ سکا کہ میں نے جس گراں بہا ذمہ داری کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اس سے عہدہ برآ ہو کر میں نے کون سا اہم فرض ادا کیا ہے (جس پر فخر کیا جا سکے) تو میرے ضمیر کے خاموش لبوں کے توسط سے میرے دل کے غیر مرئی مگر سدا حساس کانوں میں جواباً یہ صدا آئی ,, کچھ نہیں!

حقیقت الامر بھی یہی ہے کہ اس کتاب کی تصنیف یا تالیف میں میرا اپنا ذاتی حصّہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اور نہ میں نے اس میں کوئی نئی بات کہی ہے۔ غور و فکر کرنے والے انسان کی طرح میں نے بھی اپنے آپ کو ذہنِ انسانی پر وارد ہونے والے ان قدیم اور بنیادی مسئلوں کا حل معلوم کرنے کی کوشش میں غلطاں پایا کہ آخر یہ زندگی کیا ہے؟ اس کی ابتدا، اس کی انتہا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ اور اس مقصد کے کلّی اور حتمی حصول کے لئے کیا کچھ بروئے کار لانا ضروری ہے؟

مندرجہ بالا سوالات میں اول الذکر سوال کا جواب میری اپنی طرف سے کے

Marfat.com

مطابق یہ ہے کہ ،، زندگی ،، کائناتِ عالم میں حقیقت منتہی کی اصل، روح یا جوہر ہے ۔ اپنے اس نقطۂ فکر کو میں نے اس سلسلہ کی اولین کتاب ،، لائف دی الٹی میٹ ریالٹی ،، (یعنی زندگی حقیقتِ منتہی کی روح) میں وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ اور اس میں مختصراً ان مشہور و معروف علمائے فلسفہ اور مفکرین کے نظریات سے بھی بحث کی ہے جن کے علم وفضل نے انسانی تاریخ کے صفحات پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں ۔ اس سلسلہ کا دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ زندگی کی ابتدا و انتہا اور اس کا مقصد کیا ہے ؟ غور وفکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس سوال کا صحیح اور اطمینان بخش جواب مذہب اور صرف مذہب کے توسط سے ہی مل سکتا ہے ۔ اس نقطۂ نظر کی حمایت میں میں نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ میری دوسری کتاب ،، ریلیجن دی سائنس آف لائف ،، (یعنی مذہب زندگی کی سائنس) میں موجود ہیں (میری اپنی دانست میں سائنس کی اساس اور حقیقی معنوں میں اس کا وجود صرف مذہب ہی کی بنیاد پر قائم ہے اور سائنس کی بقا بھی مذہب کے ہی آغوشِ عاطفت میں ممکن ہے ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں لازم تھا کہ مذہب کو اس کے اصلی خدوخال میں پرکھنے اور اس کی ماہیت پر غور وفکر کے لئے دنیا کے مروجہ مذاہب کا مطالعہ و موازنہ کیا جائے لہٰذا) کتاب مذکورہ میں مختلف مذاہبِ عالم کی مختصر تاریخ اور ان کا تقابلی موازنہ بھی پیش کیا گیا ہے ۔ اور ٹھوس اور قابلِ فہم دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو صحیح معنوں میں مذہب کہلانے کا مستحق ہے یعنی اسلام دینِ حق ہے

مذکورہ بالا سوالات میں تیسرا سوال یہ ہے کہ جب زندگی ہی حقیقتِ منتہی کی اصل یا روح ہے تو اس زندگی کو صحیح معنوں میں کامیاب بنانے کے لئے اور اس سے مجموعی طور پر مستفید ہونے کے لئے کیا طریقۂ کار اختیار کیا جائے ؟ اس سوال کا جواب میں نے کتاب زیرِ مطالعہ ،، اسلام دی ریلیجن ،، (یعنی اسلام دینِ حق)

Marfat.com

میں مختصراً ایڈیشن کیا ہے جو اس سلسلہ کی تیسری اور آخری کتاب ہے اس کے ساتھ ہی یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ زیرِ نظر کتاب، اسلام کے مختلف نظریات و عقائد اور دیگر تفصیلات کا سیر حاصل مطالعہ نہیں ہے (اور نہ ہی یہ ممکن ہے) بلکہ اس کتاب میں جو مسائل و نظریات خصوصیت کے ساتھ اسلام کی بنیادی تعلیم کے طور پر زیرِ بحث آئے ہیں، اُن میں حقیقتِ کائنات، عقائد، عبادت کے طریقے اخلاقیات، مالیات، سیاسیات، اور قرآنی احکام کے تحت حکومت کے فرائض شامل ہیں۔ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت اور اثباتِ دلائل کے لئے راقم الحروف نے قرآنِ کریم (جو علم و ہدایت کا سرچشمہ ہے) اور سُنّۃ (یا احادیث نبویؐ، جو قرآن فہمی کا بنیادی ذریعہ ہیں) کو اپنا حَکَم بنایا ہے۔ چنانچہ ان دونوں ذرائع صداقت و شہادت کی موجودگی میں اور کچھ اس اندیشہ سے کہ کتاب کی ضخامت ضرورت سے زیادہ نہ بڑھ جائے، دیگر علمائے فلسفہ اور مفکرین کے نقطۂ نظر سے استفادہ ضروری نہیں سمجھا گیا۔ ساتھ ہی یہ فکر بھی دامن گیر رہی کہ ناظرینِ گرامی کا جو اپنی تمام تر مصروفیات کے بعد بمشکل مطالعہ کے لئے وقت نکال سکتے ہیں، وقت کا غیر ضروری اسراف نہ ہو اور ان کا ذوقِ مطالعہ مجروح نہ ہو۔ اس کے باوصف اگر آپ کو دیگر مفکرین اور فلاسفروں کے حوالے نظر آئیں تو وہ محض اس خیال سے شاملِ کتاب کر لئے گئے ہیں کہ اُن کا اپنا نقطۂ نظر بھی بالخصوص اخلاقیات، مالیات اور سیاسیات کے میدان میں پیش کر دیا جائے تاکہ قارئینِ کرام خود اُن کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ لگا سکیں۔

اسلام اللہ تعالیٰ کا منتخب اور پسندیدہ دین ہے۔ یہ انسانیت کی فلاح و بہبود کا الہامی قانون ہے جو ابدالآباد تک جاری و ساری ہے اور جس کے سامنے انسانی رنگ و نسل اور وطنیت کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اسلام، مساواتِ انسانی کا علمبردار ہے اور اس کا یہ مسلک خالقِ کائنات کی منشا کے عین مطابق ہے۔ اسلام اپنی حرفی حیثیت میں مکمل، جامع اور اُن تمام علمی و عملی نظریات و کمالات

Marfat.com

کا سرچشمہ ہے جن پر عمل پیرا ہو کر ہی دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم محض ایک ایسی کتاب نہیں ہے جس کا مطالعہ صرف ادبی ذوق کی تسکین کا باعث ہو بلکہ اس کا مطالعہ اس کا بھی متقاضی ہے کہ اس کے احکامات پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ اور اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے کہ قرآن کریم کا مطالعہ اگر جذبۂ عقیدت و احترام سے نہ کیا گیا اور اس پر پوری طرح عمل نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ دنیوی اور اُخروی کامرانی و شادمانی کا حصول محض خواب و سراب ہی ثابت ہوگا۔ میری اس کتاب کے وسعتِ قلب و نظر کے ساتھ مطالعہ کے بعد اگر کوئی ایک فرد واحد بھی اپنے آپ کو قرآن کریم کے مطالعہ اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے پر آمادہ پاتا ہے تو میں سمجھوں گا کہ مجھے میری تمام محنت و اثاثہ کا جو اس کتاب کی تصنیف و اشاعت میں صرف ہوئے نہ صرف نعم البدل مل گیا بلکہ اس سے مستزاد یہ کہ مجھے شرفِ قبولیت کے انعام و اکرام سے بھی نوازا گیا۔

میں انتہائی عجز اور جذبۂ تشکر کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں سربسجود ہوں کہ خداوندِ کریم نے اپنے فضل و کرم سے مجھے وقت، ہمت اور ہدایت کی فراواں دولت سے مالا مال کر کے اس کا اہل بنایا کہ میں اپنی تینوں کتابوں کا سلسلہ پایۂ تکمیل تک پہنچا سکا۔ اس تکمیلِ مراد اور حصولِ مقصد سے مجھے اپنے دل میں ابھرتے ہوئے جذبات کی تسکین کا سامان میسر ہوا، وہ جذبات و احساسات جو اوائلِ شباب سے ہی میرے دل میں انگڑائیاں لے رہے تھے کہ کاش وہ دن بھی آئے کہ میں زندگی، مذہب، اور دینِ اسلام کے عمیق سمندر کے چند موتی صفحۂ قرطاس کی زینت بنا سکوں۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں اور نہ ہی یہ مبالغہ ہے کہ ان ہی حسین و دلکش احساسات و جذبات کی سحر انگیز فضاؤں میں خود کو پرواز کناں پا کر ہی مجھے دل کا سکون اور روح کا چین نصیب ہوا اور یہی جذبات و احساسات بالآخر مجھے زندگی کے اس خوشگوار موڑ پر لے آئے جہاں میں اپنے آپ کو کامیابی و شادمانی سے سرشار پاتا ہوں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے لئے صمیم قلب اور جذبۂ شکر گزاری کے ساتھ یہ بھی سربسجود ہونے کا مقام ہے کہ اُس نے اپنے فضل وکرم بے پایاں کے صدقہ میں اس کتاب کی تکمیل کے فوراً بعد مجھے زیارتِ کعبۃ اللہ شریف اور آستانۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کی ایمان افروز دولت سے سرفراز کیا۔

یہ چند تعارفی گذارشات قرآن کریم میں تعلیم کی گئی اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفة وَاغْفِرْ لَنَا وقفة وَارْحَمْنَا وقفة أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ۝

یعنی اے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کیجیو اے پروردگار ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ (اے پروردگار جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا بوجھ ہمارے سر پر نہ رکھیو (اے پروردگار) ہمارے گناہوں سے درگذر کر، اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مالک ہے پس ہم کو کافروں پر غالب کر۔ آمین۔ (سورہ بقرہ: آیت ۲۸۶)

۵ر جولائی ۱۹۷۵ء
۲۰۶ - لائیرز چیمبر
بندر روڈ۔ کراچی نمبر (۱)

طالب خیر
سید انور علی

Marfat.com

Marfat.com

انگریزی کتاب

"اِسلام دی ریلیجن"

کا

اُردو ترجمہ

اِسلام دینِ حق

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا،
وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔
اور
ایسا شخص آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں ہوگا۔
(القرآن۔ سورۂ آلِ عمران آیت ۸۵)

Marfat.com

Marfat.com

اِسلام دینِ حق

تعارف

راقم الحروف نے اپنی کتاب "ریلیجن دی سائنس آف لائف" (مذہب زندگی کی سائنس) میں اس نکتہ کی وضاحت کی ہے کہ مذہب یا دین ضابطۂ حیات کا دوسرا نام ہے اور یہ کہ دینِ حق اسلام ہے۔ بالفاظِ دیگر اسلام ہی صحیح معنوں میں مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ "اسلام کیا ہے" ؟ اس کا سیدھا سادا اور جامع جواب یہ ہے کہ قرآن کریم ہی اسلام ہے۔ جہاں تک فہم و تشریح قرآنِ کریم کا تعلق ہے اس کے لئے اولین اور سب سے مستند ذریعہ "سُنّۃ" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور افعالِ مبارک ہیں۔ اس کے بعد "اجماع" اور "قیاس" ایسے ذرائع ہیں جنکی رہنمائی میں ہماری روزمرّہ کی تغیر پذیر زندگی کے فروعی مسائل حل کئے جاسکتے ہیں۔ اسلئے ضروری ہے کہ دینِ اسلام کا صحیح مفہوم سمجھنے اور اس کے عملی پہلو کا جائزہ لینے کے لئے مندرجہ بالا اصنافِ دین سے متعلق اسلامی کتب (لٹریچر) کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ تاہم راقم الحروف نے اس کتاب میں اس اہم اور بنیادی سوال کا جواب اپنے طور پر دینے کی کوشش کی ہے۔ اور اس کے لئے قرآنِ کریم ہی کے حوالے سے اسلام کے خصوصی محاسن کا اجمالی خاکہ پیش نظر رکھا ہے تاکہ حیاتِ انسانی سے وابستہ اور اس پر اثر انداز ہونے والے بنیادی مسائل اور بنیادی ضروریات کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے اور ان کی حدود متعین کرکے ان کا قابلِ عمل حل پیش کیا جائے۔

Marfat.com

تعارف

زندگی جیسا کہ ہم دیکھتے اور سمجھتے ہیں دو واضح صورتوں میں ہمارے مشاہدہ اور تجربہ میں آتی ہے (۱) طبیعاتی اور (۲) مابعدالطبیعاتی ۔ اول الذکر کا تعلق زندگی کے خارجی وجود سے، اور موخرالذکر کا روحانی وجود سے ہے. یا اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ کائنات میں موجود زندگی کے طبیعاتی پہلو کا تعلق مادہ سے ہے اور مابعدالطبیعاتی پہلو کا روح یا روحانیت سے ہے ۔ دونوں صورتوں میں زندگی کا عمل یا تو فعّالی ہے یا انفعالی ۔ یعنی یا تو خود حرکت پذیر ہے اور دوسری اشیاء پر اثر انداز ہوتی ہے یا دیگر اشیاء کی حرکت سے خود حرکت میں آکر اُن کا اثر قبول کر لیتی ہے ۔ پہلی صورت میں واقع ہونے والی حرکت یا فعّالی کیفیت، تہیج یا جذبۂ ہیجان بن کر کشش یا اثر انگیزی کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور دوسری صورت میں اس جذبۂ ہیجان کا جوابی فعل (ردِ عمل) بن کر احساس، تعریف و تحسین یا افہام و تفہیم کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے ۔

لیکن حیات یا زندگی خواہ وہ طبیعاتی ہو یا ماوراء طبیعاتی، فعّالی ہو یا انفعالی، ہر حالت میں ہمارے لئے نت نئے مسائل پیش کرتی رہتی ہے جن کی ماہیت اور کیفیت کو سمجھنا بہرحال ضروری ہے نہ صرف اس لئے کہ اس طرح قلب و روح کو سکون و اطمینان میسر آئے بلکہ اس لئے بھی کہ ہم ان مسائل کے حل کرنے کے لئے خصوصی مواقع پر جو عملی قدم اٹھائیں، اس کا جواز بھی پیش کیا جا سکے ۔ حیات اپنے تسلسل اور بقا کے لئے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اُس پر مشتمل تمام ضروریات کا بھی احاطہ کیا جائے تاکہ ان ضروریات کی تکمیل کے صلہ میں ہم صحیح لذت و شادمانی سے ہمکنار ہوں اور زندگی بھی رواں دواں رہے زندگی یا حیات جو مسائل اپنے جلو میں لئے ہوتی ہے اور ان سے جو ضروریات معرضِ وجود میں آتی ہیں، اُن کو ہم دو فطری (نیچرل) درجوں میں تقسیم کر سکتے ہیں یعنی ابتدائی (پرائمری) اور ثانوی (سیکنڈری) چنانچہ حقیقتِ منتہٰی اور اس سے انسان اور کائنات کا رشتہ (مابعدالطبیعاتی نقطۂ نظر سے)، اور خوراک

Marfat.com

یا امکان (طبعی نشو ونما اور تحفظ کے ذرائع) پرائمری یا بنیادی ضروریات کے زمرہ میں آتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں انفرادی یا معاشرتی زندگی کے وہ مسائل جن کی تکمیل، جزوی تکمیل یا عدم تکمیل فوری طور پر انسانی زندگی کی تباہی یا عدم اطمینان کا باعث نہیں بنتی، انہیں ہم سیکنڈری یا ثانوی مسائل کا درجہ دے سکتے ہیں۔ تاہم یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیئے کہ ان ضروریات کو (خواہ ان کی نوعیت کچھ ہی ہو) اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل کو پوری طرح سمجھنا اور ان کا حل تلاش کرنا اس لئے ضروری بلکہ انتہائی ضروری ہے کہ ان کی تحلیل و تکمیل پر ہی دنیا اور آخرت کی کامیابی اور کامرانی کا انحصار ہے۔ معمولی غور وفکر سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ یہی سکون وکامرانی کی تلاش کا جذبہ ہمیں مختلف نقطہ ہائے نظر کی طرف کشاں کشاں لے جاتا ہے۔ خواہ ان کا تعلق فلسفیانہ نظریات سے ہو یا سائنٹفک یا ٹیکنالوجی کی اختراعات وتحقیقات سے ہو یا مذہبی عقائد وایمانیات سے ہو۔

حیات یا زندگی اس کائنات میں کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ سے جلوہ گر رہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انسانی شعور نے اس کے وجود وقیام کے متعلق قرنوں بعد غور وفکر کرنا شروع کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام تفکر وتحقیق کے کمال وعروج کے باوجود انسان اب تک حیات (یا روح، جو زندگی کی بنیاد ہی) کا بجز مبتدیات کے خاطر خواہ احاطہ نہیں کر سکا ہے۔ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً۔ حیات یا زندگی کی مثال ایک بحرِ رواں یا شعاعِ نور کی لہروں سے دی جا سکتی ہے جس کی کلی طور پر نہ تو ابتدا ہی معلوم ہوتی ہے اور نہ انتہا۔ پیدائش اور موت کا روزمرہ کا مشاہدہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ کسی ذی روح پر وارد ہونے والے یہ واقعات یا وقوع پذیر امکانات ہی زندگی کی ابتدا یا انتہا ہیں۔ ان مشاہدات کو ہم کسی فرد یا ذی روح کے طولِ حیات کا طبعی پیمانہ تو کہہ سکتے ہیں مگر یہ دعویٰ ہرگز نہیں کر سکتے کہ ہم نے اس پیمانہ کی مدد سے

Marfat.com

زندگی کا شعوری یا مشاہداتی احاطہ بھی کرلیا ہے (زندگی تو پیدائش سے پہلے بھی موجود تھی اور مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ ہمیں اس کا ادراک وشعور نہیں) کیونکہ ہم نہ تو زندگی کو ہیولائی شکل میں دیکھ سکتے ہیں اور نہ اس کی آخری منزل کا تصور کرسکتے ہیں۔ ہماری اپنی زندگی اتنی مختصر بلکہ لمحاتی ہوتی ہے کہ ہم زندگی کی ابتدا یا انتہا کا فی الواقع مشاہدہ کرہی نہیں سکتے۔ ہم نے اور ہم سے صدہا سال پہلے آنے والے انسانوں نے بھی زندگی کو محض درمیان سے دیکھا اور برتا ہے (اور ہمارے بعد آنے والا ہر انسان بھی اس تجربہ سے گزرے گا یعنی ابتدا (ماضی) اور انتہا (مستقبل) سے بے خبری اور درمیانی (حال) کا وقوف!) پھر بھی ہمارے دل و دماغ پر یہ استعجاب طاری رہتا ہے کہ اس ابتدا کی نوعیت کیا تھی؟ کیا محض اتفاقی حادثہ تھی یا کسی علت ومعلول کا منطقی نتیجہ تھی؟ اگر کسی شئ، فرد یا طاقت کو اس کا محرک قرار دیا جاسکتا ہے تو اس کی اپنی فطری ساخت یا توانائی صورت کیا تھی؟ یہ اور اس قسم کے بے شمار سوالات ذہن پر ابھرتے ہیں۔ اسی طرح زندگی کی انتہا کے بارے میں بھی بیسیوں تجسس آمیز سوالات دل و دماغ پر وارد ہوتے ہیں کہ اگر اس زندگی کا کوئی اختتام ہے تو کیا وہی نقطۂ آخر ہے؟ اس کے بعد کیا ہر چیز تباہ و برباد ہوجائے گی اور اس سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوگا؟ (گویا جمی جمائی بساط الٹ دی گئی اور کھیل تمام ہوا!) یا اس (اختتامِ صوری) کے بعد کوئی اور حیات (معنوی) ظہور میں آنے والی ہے؟ آخر زندگی کی ان تمام ابتدا و انتہا، اور وجود و عدم کے پیچھے کوئی مقصد بھی ہے؟ اور اگر واقعی اس تخلیق و ناپیدگی کے پیچھے کوئی مقصد وارادہ ہے تو اس کو کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ سوالات اور تجسس انگیز احساسات ہیں جو زندگی کی اولین وثانوی حقیقت کی بنیاد ہیں اور جن پر مابعد الطبیعات کے میدان میں ہستی کی نوعیت اور کائناتی مسائل کی عمارت قائم ہے۔

Marfat.com

اس منتہائے حقیقت کی روح یعنی "زندگی" کے متعلق زمانۂ قدیم سے ابتک ہر دور کے مفکر اور اہلِ دانش مختلف نظریات وتصورات پیش کرتے رہے ہیں اور سوء فکر ہر کس بقدر ہمتِ اوست کے تحت پیش کردہ ان خیالات ونظریات میں تضاد نہ سہی، ایک گونہ بوقلمونی اور کثیر الجہتی ضرور نظر آتی ہے چنانچہ اسی حقیقتِ عظمیٰ کو تھیلس (THALES) نے "پانی" کے نام سے تعبیر کیا (کہ اس میں تسلسل وروانی پائی جاتی ہے) اناکسیمنڈر (ANAXIMANDER) نے اسی کو "ہوا" اناکسی مانس (ANAXIMINES) نے "سادہ مادۂ لاتجربی" ڈیماکریٹس (DEMOCRATES) نے "آگ کا ایٹم" اور پرمانائیڈس (PARMANIDES) نے اسے "ہستی" قرار دیا۔ اسی دورِ قبل مسیح کے ایک اور محقق ہیراکلائی ٹس (HER ACLITUS) نے اسے "صورت پذیر وجود" اور دوسرے نامور فلاسفر ایمپیڈوکلیس (EMPEDOCLES) نے زندگی کو "چار ابتدائی مادی اجسام کے مجموعہ سے تعبیر کیا۔ افلاطون (PLATO) کی دانش نے اسے نظریۂ خیر قرار دیا اور اس کے مشہور ومعروف شاگرد اور عظیم فلسفی ارسطو (ARISTOTLE) کی نگاہ میں یہی زندگی "صورت منزہ یا حقیقتِ صوری" ٹھہری۔ اسپائی نوزا (SPINOZA) نے اسے محض "مادہ وجود الاصل" سے تعبیر کیا۔ لائب نیٹز (LIEBNITZ) نے اسے "نامیاتی اکائی" اور اناکساغورث (ANAXAGORUS) نے اسے نقطۂ استدلال یا منطقی طرزِ فکر" کے نام سے پکارا۔ ہیگل (HEGEL) نے آگے بڑھ کر اسی زندگی کو استدلالِ کلی (منطقی عینیت) (ABSOLUTE REASON) اور برگسان (BARGSON) نے توانائی متحرکہ (VITAL SURGE) یا "برتر قوتِ حیات یا ارفع توانائی" (ELAN VITAL) کے توانائی بخش لقب سے یاد کیا۔ ایک اور مشہور فلاسفر وہائٹ ہیڈ (WHITE HEAD) نے اسے "متشخص واقعی" (ACTUAL ENTITY) کے نام سے پکارا۔

مذکورۂ بالا یونانی اور مغربی مفکرین اور دانشوروں کے علاوہ مشرق اور

Marfat.com

بالخصوص دنیائے اسلام کے عظیم مفکرین اور علماء نے بھی اس حقیقتِ ثانیہ پر اپنی منفرد طرزِ فکر سے روشنی ڈالی اور زندگی کو مشاہدۂ عمومی اور انسانی فہم و ادراک کی تنگنائی سے نکال کر اُسے ارفع و اعلیٰ اور گراں قدر مقام دیا۔ چنانچہ امام غزالی حقیقتِ زندگی کو ،،عزم (WILL) کا عکس اور الاشراقی اسے نور اور الجیلی، اسم قرار دیتے ہیں۔ غرضیکہ ہر صاحبِ علم و بصیرت نے اس حقیقت کو ایک نئے زاویۂ نگاہ سے پیش کر کے اس پر غور و فکر کے گوناگوں امکانات و رجحانات پیدا کر دیئے یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ یہ تمام دماغی کاوشیں اور ذہنی تگ و دو اور یہ تمام اصطلاحات و تشریحات صرف اس دریافت کے لئے اختراع کی گئیں کہ زندگی یا حیات کی ابتدا کیا تھی اور اس کا اختتام کس طرح وقوع پذیر ہوگا!!

اسی طرح مختلف سائنسی علوم کی تحقیق و دریافت میں بھی اسی حقیقت کی تلاش سالہا سال سے جاری ہے۔ ان علوم میں طب، جراحی، کیمیا، حیاتیات، ریاضی، نجوم، جغرافیہ، تاریخ اور قانون و قضاۃ کے محققین اور سائنس دان حضرات مثلاً طبری، اسحاق، بقراط، گالن، (GALEN)، رازی، ہشیم، زہراوی، ابن سینا، قندی، راجر بیکن، اقلیدس، طالمی، جابر، البیرونی، خوارزمی، نسادی، خیام، زرقالی، قرنی، بطالی، وافع، بغدادی، خجندی، خازن، مستعز، یونس، استاخری، خلدون، نیوٹن، آئنسٹائن، ڈارون اور ان کے علاوہ دنیا کے دوسرے سائنسدانوں کا مرکزِ توجہ اسی حقیقت کی تلاش تھی کہ زندگی کی بنیادی ضروریات پر اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل و افکار پر کس طرح عبور حاصل کیا جائے اور کون سے ذرائع بروئے کار لائے جائیں کہ یہ زندگی سکون و راحت کا گہوارہ بن جائے۔

ان علومِ متذکرۂ بالا کے ساتھ ساتھ جو فی الواقع منقولات پر مبنی ہیں مختلف مذاہب نے بھی اس ضمن میں اپنا اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے اور بتلایا ہے کہ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ یہ کس طرح وجود میں آئی؟ اس کا انجام کیا اور کیسا ہوگا؟ اور وہ کون سے ذرائع ہیں جن کی وساطت سے زندگی کو کامیابی کے ساتھ بسر کر کے

Marfat.com

درجۂ کمال تک پہنچا سکتے ہیں چنانچہ بدھ مت کے بانی گوتم بدھ نے اس عقیدہ کا پرچار کیا کہ نفسانی خواہشات پر مبنی زندگی غیر حقیقی اور بے سود ہے ہر قسم کی خواہشوں سے دامن بچا کر اور خود کو فنا کر دینے کے بعد ہی درمیانی راہ (نجات) کا شعور و ادراک حاصل ہوتا ہے۔ اور یہی درمیانی راہ اعلیٰ بصیرت اور سکونِ دائمی کا سرچشمہ ہے اسی سے "نروان" یا شکتی کی لازوال دولت ملتی ہے۔ گوتم بدھ کی یہ تعلیم وجود یا زندگی کی نفی پر مبنی نہ تھی بلکہ اس امر کے اظہار کے لئے تھی کہ جب تک مادی زندگی کی قربانی نہ دی جائے، حقیقتِ حیات کا ادراک نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مقصدِ حیات کی تکمیل ممکن ہے۔

اسی طرح زرتشت نے بھی زندگی کی حقیقت کو اس تبلیغی پیغام کے ذریعہ پیش کیا کہ "میں دیواس (DAEVAS) کا منکر اور مزدا (MAZDA) کا پرستار ہوں۔ مزدا، زرتشتی اوتار اور دیواس کا دشمن، یزداں کا پیامبر، لافانی پاک خدائے واحد کا مداح اور پرستار۔ میں خدائے علیم و بصیر کے حضور تمام اعمالِ خیر (اختیار کرنے) کا اقرار کرتا ہوں۔ وہ خدا جو سرچشمۂ خیر، صاحبِ فیض و کرم، ہادیٔ برحق، اعلیٰ شان، لائق احترام ہے، اُسی کے حضور تکمیلِ خیر کا عہد کرتا ہوں۔ اسی خداوند کی طرف سے گائے، قانون اور برگزیدہ بندے ہدایت و رہنمائی کے لئے بھیجے گئے ہیں یعنی وہ روشن طبع ہستیاں جن کی ذات سے فیض و احسان وابستہ ہے۔

ان عقیدت مندانہ جذبات کے پس منظر میں زرتشت دراصل اس مادی عالم کی تہ میں پوشیدہ، زندگی کے حقائق کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ اس سے اُس کی غایت و منشا۔ یہ تھی کہ ایک ایسے مبنی بر اخلاق معاشرہ کی تشکیل کیجائے، جس کے ذریعہ صحیح معنوں میں کامیابی اور فلاح و خیر کا حصول ممکن ہو اور جو تمام برائیوں سے پاک ہو۔

اس ضمن میں ملکِ چین کے عظیم مفکر اور صاحبِ دانش کنفوشس

Marfat.com

(CONFUCIUS) کا ذکر بھی ذکر آتا ہے جس نے اپنی زندگی، یکے بعد دیگرے مختلف ریاستوں (مملکتوں) کے مسلسل سفر اور اپنے زمانہ کے اہلِ جاگیر اور صاحبانِ اقتدار کو اس بات کی ترغیب دینے میں گزار دی کہ وہ اپنی زندگی کو معاشرتی اصلاح (سوشل ریفارم) کے اصولوں کے سانچے میں ڈھالیں تاکہ اس طرح معاشرتی اصلاحات پر مبنی ایک ایسا منظم معاشرہ وجود میں آئے جس سے دنیا میں امن وامان قائم کرنے میں مدد ملے۔ اس معاشرتی اصلاح سے کنفوشس کا یہی مقصد و مدّعا تھا کہ دنیا میں بسنے والے نیک عمدہ اور پُرامن زندگی گزار سکیں۔ اسی طرح جب کنفوشس کے ہمعصر فلاسفر اور قومی رہنما تاؤ (TAO) نے بھی اس بات کی تلقین کی کہ لوگ قانونِ فطرت کے خلاف کسی قسم کے اقدام سے گریز کریں تاکہ خیر و شر کی باہمی کشمکش میں خیر خود اپنی راہ متعین کر لے تو اُس کی بھی غایت یہی تھی کہ جب لوگ فطرت کے ان قوانین پر عمل پیرا ہوں گے تو وہ لامحالہ خود کو ایک ایسی غیبی طاقت کے حضور پیش کر دیں گے، جو یکتا، دائمی اور اپنی ذات میں تمام و کمال (عیب و نقص سے پاک) ہے اور جس کے ذریعہ وہ ایسی زندگی حاصل کر سکیں گے جو پرامن، استوار، ہم آہنگ اور علم و آگہی کی برکتوں سے مالا مال ہے۔

برصغیر ہند میں جنم لینے والے سکھ مت کے بانی گرونانک کی تعلیم تھی کہ خدا ایک ہے اور بتوں کی شرکت سے پاک ہے چنانچہ خدا کی بندگی اور اطاعت اس طور پر کی جائے کہ زندگی خیر سے ہمکنار ہو اور اس کے نام کی مالا، عبادت ہو، اس تسلسل اور عقیدت مندی کیساتھ کہ ایک معتقد کی روح، وجود کے مختلف مراحل سے گزر کر اپنے پیدا کرنے والے (خدا) کی ذات سے مملو ہو جائے۔ یہ تعلیمات اور یہ تجربات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ انسان کے وجود کے اندر ایک ایسی خواہش اور جستجو کا جذبہ موجود ہے کہ زندگی یا حیات کی ماہیت اور کیفیت تلاش کی جائے اور اس بات کا پتہ چلایا جائے کہ اس زندگی کی ابتداء، انتہا اور اس کا مقصد کیا ہے یہ وہی بنیادی سوالات ہیں جو ہر مذہب و ملت کی تعلیم میں کسی نہ کسی شکل اور

59568

Marfat.com

تصور میں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ ہندو مت جو سراسر بت پرستی کے عقیدہ پر قائم ہے، اس میں بھی دیوی، دیوتا، اوتار، بلیدان (قربانی) اور آواگون (تناسخ) سے متعلق جتنی رسومات اور عبادات کے طریقے موجود ہیں، ان کی تہ میں بھی ایک ایسی حقیقت کے اعتراف کا شائبہ موجود ہے جو اس مادی زندگی سے ماوراء بھی ہے اور وابستہ بھی۔

اِن تمام خیالات اور نظریات سے ماوراء وہ رشد و ہدایت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ نازل کی ہے اور جس کی تعلیم اللہ کا ہر نبی اپنی اپنی قوم کو دیتا آیا ہے چنانچہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری برادری کے لوگو خدا کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں (اعراف: ۵۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے (عنکبوت: ۱۶) حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کی بھی یہی تعلیم تھی (ملاحظہ ہو سورت ہود آیات ۵۰ اور ۶۱) حضرت شعیب علیہ السلام نے توحید پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کو معاشرتی خرابی اور ناپ تول میں بد دیانتی سے احتراز کرنے کی بھی ہدایت کی۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ ہم نے اہلِ مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا تو انھوں نے کہا کہ قوم! خدا ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی آچکی ہے تو تم ناپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو اگر تم صاحبِ ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمھارے حق میں بہتر ہے (اعراف: ۸۵) حضرت الیاس علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو بعل (اُس زمانے کا مشہور بت جس کی پوجا قومِ الیاسؑ میں عام تھی) کی پرستش سے منع کیا اور فرمایا کہ کیا تم اپنے اور اپنے آباواجداد کے خدا کو چھوڑ کر بعل کی پرستش کرتے ہو؟ (صٰفّٰت ۱۲۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے فرمایا کہ میں اللہ رب العالمین

Marfat.com

طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں اور تمھارے پاس واضح ہدایات لے کر آیا ہوں۔
اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اُسی پر بھروسہ کرو (اور غیر خدا سے مدد واستعانت
طلب نہ کرو) اگر تم اللہ کی نافرمانی کرو گے تو اللہ بے نیاز ہے اور تمھارے (اور
سارے جہان کے) مقابلہ میں کافی ہے (اعراف: ۴۰ یونس: ۴۸ ابراہیم: ۸) حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی بھی یہی تعلیم تھی۔ قرآنِ کریم میں حضرت عیسیٰ کی ہدایات کا خلاصہ
ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے کہ جب عیسیٰ نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ میں
تمھارے پاس دانائی کی کتاب لے کر آیا ہوں۔ نیز اس لئے کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف
کرتے ہو تم کو سمجھا دوں۔ تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا ہی
میرا اور تمھارا پروردگار ہے۔ پس اُسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔
(زخرف ۴۳: ۶۳-۶۴) اسی طرح نبیٔ آخرالزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی تبلیغ وہدایات کا ایک اجمالی خاکہ اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے کہ (اے محمدؐ!
کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اس کا رسول ہوں)
وہ جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زندگانی
بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ تو خدا پر اور اُس کے رسول پیغمبر اُمّی پر جو خدا پر
اور اُس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں، ایمان لاؤ اور اُن کی پیروی کرو تاکہ ہدایت
پاؤ (اعراف: ۱۵۸)

مندرجہ بالا توضیحات اور تشریحات سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ تمام
فلسفیانہ خیالات وتصورات، سائنسی تحقیقات اور مذہبی تعلیمات کا مرکزی
نقطہ ذہن وروحِ انسانی کی سطح پر اُبھرنے والے فطری احساسات کو پایۂ تکمیل تک
پہنچانا اور سکون وراحت کے ساتھ ساتھ نجات وانعامِ اُخروی کا سامان مہیا کرنا
ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ لازم ہے کہ حقائقِ زندگی کی ماہیت اور اصلیت کا
مطالعہ کیا جائے تاکہ مقصدِ حیات کا صحیح اِدراک حاصل ہو اور اس کا ثمرہ دائمی
سکون وکامرانی کی صورت میں میسّر ہو۔ بالفاظ دیگر ان تمام ذہنی اور روحانی

Marfat.com

کاوشوں کا صرف ایک ہی مقصد و مدعا ہے کہ حقیقتِ حیات کا مطالعہ کر کے انسانی ضروریات کو بہتر اور سود مند طریقہ پر پورا کیا جائے۔ لیکن جیسا کہ میں اس سے پیشتر کی تصنیف "ریلیجن۔ دی سائنس آف لائف" میں عرض کر چکا ہوں۔ تمام ادیان و مذاہب کے مقابلہ میں صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے ان تمام مسائل کا صحیح ترین اور مکمل ترین حل پیش کیا ہے اور اُن راہوں کی واضح نشان دہی کر دی ہے جن پر عمل کر کے ہم زندگی کی جملہ ضرورتوں کو پورا کر سکتے ہیں۔

چنانچہ زیرِ نظر تصنیف "اسلام۔ دی ریلیجن (اسلام دینِ حق) کی غرض و غایت یہی ہے کہ میں اس کی وساطت سے حیاتِ انسانی کے بنیادی حقائق اور بنیادی ضرورتوں کو قرآن و سنہ کی روشنی میں اجمالی طور پر پیش کروں۔ اس مقصد کے لئے میں نے اس کتاب میں بیان کئے گئے مابعد الطبیعاتی مسائل کو عقائد اور عبادات کے تحت اور انفرادی مسائل اور خانگی امور کو "اخلاقیات" کے درجہ میں معاشرتی اور معاشی مسائل کو مالیات، سیاسیات، تعلیم، انصاف و قانون اور جنگ و امن کے شعبہ میں تقسیم کیا ہے تا کہ ہر موضوعِ بحث اپنے اصلی اور موزوں مقام پر بآسانی دستیاب ہو اور اُس سے خاطر خواہ استفادہ کیا جا سکے۔

Marfat.com

کتابِ اوّل

عقائد

مُشتملات

ابتدائی نُکات۔ اللہ تعالیٰ۔ اَنبیاء و رُسُل۔
کُتُبِ سَماوی۔ ملائکہ ۔ روزِ آخرت۔

Marfat.com

Marfat.com

بابِ اوّل

اِبتدائی نکات

۱۔ بنیادی عقائد

اسلام میں داخل ہونے کے لئے اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کے ساتھ اس حقیقت کا تسلیم کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس دوہری حقیقت پر مشتمل کلمہ کو عقیدہ کی زبان میں کلمۂ طیبہ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) کہتے ہیں۔ اسی کلمہ کا اقرار اور اسی کی تصدیق دینِ اسلام میں داخل ہونے کی اوّلین شرط ہے۔ کلمۂ طیبہ کے اقرار کے بعد ایک فرد (مسلمان) اپنے آپ کو خدائے بزرگ و برتر کے روبرو اس کے احکام کی اطاعت کے لئے کامل طریقہ پر پیش کر دیتا ہے یعنی وہ احکام جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس تک پہنچے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے احکام کی فرمانبرداری، اسلامی طرزِ زندگی کی دو ایسی بنیادی شرائط ہیں جن پر خلوصِ نیت کے ساتھ ساری زندگی عمل پیرا ہونا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے جس طرح عام طرزِ معاشرت میں ایک شخص کا اپنے آپ کو خدمت یا ملازمت کے لئے پیش کرنا اس وقت تک بے معنی اور ناقابلِ قبول ہے تاوقتیکہ وہ اپنے آقا کی عملاً

Marfat.com

اور خلوصِ نیت کے ساتھ فرمانبرداری کا مظاہرہ نہ کرے۔ بالکل اسی طرح کسی فرد کا دینِ اسلام کا پیرو ہونے کا محض زبانی اقرار کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کا عملی ثبوت نہ دے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایمان اور اطاعت؛ دونوں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور ان میں علیحدگی یا امتیاز کا تصور بھی جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان اور اطاعت میں ایک کی عدم موجودگی دوسرے کی نفی بن جاتی ہے یعنی ایمان ہے تو اطاعت بھی لازمی ہے اور اگر اطاعت نہیں تو ایمان بھی مقبول نہیں۔ یہ ایک فطری امر ہے اور اس سے مفر کی کوئی صورت نہیں، خواہ عقل کے معیار پر اس بات کو پرکھیں یا جذبات کی کسوٹی پر۔ ایمان کے بغیر اطاعت یا اطاعت کے بغیر ایمان کا تصور عقل و شعور سے اسی طرح بعید ہے جس طرح بنیاد کے بغیر عمارت۔ یا محض ایسی بنیاد جس پر کوئی عمارت نہ ہو۔ چنانچہ ایمان اور اطاعت لازم و ملزوم ہیں اور ان کا بیک وقت ظہور میں آنا فلاحِ دارین کا موجب ہے۔ اس کا صلہ دنیاوی انعام و کامرانی کی شکل میں بھی ملتا ہے اور آخرت کی ابدی مسرت و شادمانی کی صورت میں بھی۔ لہٰذا اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک موجود نہ ہو تو لازمی طور پر فلاحِ دارین جو ان دونوں بنیادی ارکان کے مشترکہ عمل سے ہی میسر آسکتی ہے، اس سے محرومی ہوگی اور تمام اعمال اکارت جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں ایمان کا ذکر آیا ہے وہاں اطاعت (عملِ صالح) کا ذکر بھی موجود ہے۔

قرآنِ کریم کے ارشاد کے مطابق بشارت اُن پاک نفوس کے لئے ہے جو ایمان لاتے ہیں اور عملِ صالح سے ایمان کو تقویت پہنچاتے ہیں (البقرہ: ۲۵) اُن لوگوں کے لئے یقیناً خدا کی طرف سے بہت اچھا صلہ ہے جو ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے ہیں (البقرہ: ۱۰۳) جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے اُن کو خدا پورا صلہ دیگا اور خدا ظالموں کو دوست نہیں رکھتا (آلِ عمران آیت ۵۷)

Marfat.com

جو اہلِ کتاب خدا پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اچھے کام کرنے کو کہتے اور بُری باتوں سے منع کرتے اور نیکیوں پر لپکتے ہیں، یہی لوگ نیکوکار (صالحین میں سے) ہیں (آل عمران: ۱۱۴) اللہ تعالیٰ نے ایسے باایمان اور نیک عمل لوگوں کے لئے مزید انعام واکرام کی نوید سنائی ہے۔ سورۂ نساء میں ارشادِ ربانی ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، اُن کو ہم بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ابدالآباد اُن میں رہیں گے۔ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے اور خدا سے زیادہ بات کا سچا کون ہوسکتا ہے (نساء: ۱۲۲) اللہ تعالےٰ نے ان نیکوکاروں کو اپنا دوست کہہ کر پکارا ہے اور انھیں غم و حزن سے نجات کی بشارت دی ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ انھیں اہلِ ایمان اور اہلِ تقویٰ کہا گیا ہے اور مزید ارشاد ہے کہ اُن کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ خدا کی باتیں بدلتی نہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے (یونس: ۶۲-۶۴) اُن کے لئے بہشت کے باغوں کی مہمانی کا مژدہ ہے (الکہف: ۱۰۷) مغفرت اور رزقِ کریم (بخشش اور آبرو کی روزی) کی یقین دہانی ہے (الحج: ۵۰) یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہوتے ہیں اور نجات پانے والے ہیں (بقرہ: ۵) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کی اور انھیں آسمان سے زمین پر اترنے کا حکم دیا، اُس وقت بھی اللہ تعالےٰ نے اہلِ طاعت کے لئے یہ اعلان فرمایا کہ جب میرے پاس سے ہدایت پہنچے تو جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی، اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (بقرہ: ۳۸) یہ بشارت اہلِ ایمان اور صالحین کے لئے روزِ اول سے قیامت تک کے لئے ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور عملِ نیک کئے اور اپنے پروردگار کے آگے عاجزی کی۔ یہی صاحبِ جنت ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے (ہود: ۲۳)

Marfat.com

مومن

قرآنی اصطلاح میں مومن یا اہلِ ایمان وہ لوگ ہیں جو احکامِ خداوندی پر صدق دل سے یقین رکھتے ہیں اور جن کا شعار اعمالِ صالحہ یا اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ اگر تم اپنے آپ کو اہلِ ایمان میں شمار کرتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو۔ (انفال: ۱)۔ مزید ارشاد ہوا کہ مومن تو وہ ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اُنھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور (مومن) وہ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں یہی سچے مومن ہیں اور ان کے لئے پروردگار کی طرف سے بڑے بڑے درجے اور بخشش اور عزت کی روزی ہے (انفال ۴-۲) خدا نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور اس کے عوض میں ان کیلئے بہشت تیار کی ہے (توبہ: ۱۱۱) اس سے ظاہر ہے کہ محض ایمان کا اعلان کافی نہیں بلکہ بے سود ہے تاوقتیکہ عملِ صالح بھی ایمان کے ساتھ وابستہ نہ ہو۔ اعراب (عرب کے دیہات میں بسنے والوں) نے بھی صرف اسی اعلانِ ایمان کو کافی سمجھ رکھا تھا اور وہ اسی کو رضائے الٰہی، اطاعتِ رسول اور نجاتِ اُخروی کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔ قرآنِ کریم ان سادہ لوحوں کو حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے متنبہ کرتا ہے کہ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبیؐ) آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان تو ہنوز تمھارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اور اگر تم خدا اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کروگے تو خدا تمھارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ درحقیقت مومن تو وہ ہیں جو خدا

Marfat.com

اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ پھر شک میں نہ پڑے اور خدا کی راہ میں جان اور مال سے لڑے۔ یہی لوگ ایمان کے سچے ہیں (الحجرات: ۱۵-۱۴)

فاسق

دینی اصطلاح میں "فاسق" یا حدِ اعتدال سے گزرنے والے وہ لوگ ہیں جو زبان سے تو ایمان کا اعلان کرتے ہیں مگر عمل کے میدان میں اطاعت اور فرمانبرداری سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ایسے ناپسندیدہ لوگوں کو مختلف انداز میں تنبیہ کی گئی ہے اور ان کی اصلاح و ہدایت کے لئے بشارت و نذارت کے طور پر جزا و سزا سے بھی خبردار کیا ہے۔ اہلِ فاسق جو طریقہ کار اختیار کرتے ہیں اور اس پر اصرار بھی کرتے ہیں تو گویا یہی اُن کا مطمحِ نظر اور معیارِ عمل ہے۔ قرآنِ کریم نے متعدد مقامات پر ان کی اس غلط گمانی اور غلط کاری کی نشاندہی کی ہے۔ اور انہیں اس سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہوئے انجام سے ڈرایا بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کے اقرار کو (مضبوطی سے قائم رہنے کا وعدہ کرکے) توڑ دیتے ہیں اور جس چیز (یعنی رشتۂ قربت) کے جوڑے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے، اس کو قطع کر ڈالتے ہیں اور زمین میں خرابی کرتے ہیں۔ یہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں (بقرہ: ۲۷) اور جو خدا اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اُس کی حدوں سے نکل جائیگا، اُس کو خدا دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہیگا اور اس کو ذلت کا عذاب ہوگا (نساء: ۱۴) ان فاسق لوگوں کو توبہ کے متعلق بھی اس خوش فہمی سے باز رکھا گیا ہے کہ زندگی کے آخری حصہ میں توبہ کرکے سارے فسق و فجور کی تلافی اور ازالہ کر دیں گے۔ ارشاد ہے کہ خدا انھی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو نادانی سے بُری حرکت کر بیٹھتے ہیں، پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خدا مہربانی کرتا ہے اور وہ سب جانتا اور حکمت والا ہے۔ مگر ایسے لوگوں کی

Marfat.com

توبہ قبول نہیں ہوتی جو ساری عمر بُرے کام کرتے ہیں، یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کو موت آموجود ہو تو اُس وقت کہنے لگے کہ اب توبہ کرتا ہوں۔ اور نہ اُن لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو کفر کی حالت میں مریں۔ ایسے لوگوں کے لئے ہم نے اذیّت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے (نساء ۱۸: ۱۷) مزید ارشاد ہوا کہ ہم نے پیغمبر اس لئے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔ چنانچہ (اے نبیؐ) تمھارے پروردگار کی قسم جب تک یہ لوگ اپنے تنازعات میں تم کو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اُس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اُس کو خوشی سے مان لیں، تب تک مومن نہیں ہونگے (نساء ۶۵: ۶۴) جو لوگ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ قیامت کے روز اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے بڑا فضل کیا (نساء ۶۹) اہلِ ایمان کو ان فسق و فجور میں مبتلا لوگوں کی ہمنوائی سے دور رہنے کی نصیحت کرتے ہوا اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تم اُن لوگوں جیسے نہ ہونا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے حکمِ خدا سُن لیا مگر حقیقت میں وہ سُنتے اور سمجھتے نہیں۔ کچھ شک نہیں کہ خدا کے نزدیک ایسے لوگ تمام جانوروں سے بدتر، گونگے اور بہرے ہیں اور عقل و شعور سے بے بہرہ ہیں (انفال ۲۲: ۲۱)

مُنافق

منافق کی اصطلاح دینی نقطۂ نظر سے بھی وہی ہے جو عام طور پر نفاق پر کاربند افراد کے طرزِ عمل سے وابستہ ہے۔ یعنی ایسے لوگ جو ظاہر میں جو کچھ کہتے ہیں، باطن میں یا پیٹھ پیچھے اس کے خلاف عمل کرتے ہیں خالص دینی نقطۂ نگاہ سے منافق اُس شخص کو کہتے ہیں جو ظاہری طور پر لوگوں کو دکھانے کے لئے ایمان تو لے آتا ہے مگر درحقیقت اُس کی نیت دھوکے اور فریب کے ذریعہ مطلب براری ہوتی ہے اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اہلِ نفاق، منکرینِ حق سے سازباز کر کے

Marfat.com

درپردہ سازش میں لگے رہتے ہیں تاکہ اسلام اور اہلِ اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ قرآنِ کریم نے نہایت وضاحت کے ساتھ ایسے لعنت زدہ لوگوں کی نشاندہی کی ہے اور اہلِ ایمان کو ان کے دجل وفریب سے خبردار بھی کیا ہے۔ ان منافقین کی برخود غلط اور خطرناک طرزِ فکر وعمل کو واضح طور پر بیان کرتے ہوئے، ارشادِ ربانی ہے کہ بعض لوگ (یعنی منافقین) ایسے ہیں جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ یہ لوگ اپنے پندار میں خدا کو اور مومنوں کو دھوکا دیتے ہیں مگر حقیقت میں اپنے سوا کسی کو دھوکا نہیں دیتے (ان کی نادانی اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ) ان کو اپنے طرزِ عمل (کے بودے پن) کی خبر بھی نہیں ہے۔ ان کے دلوں میں کفر کا مرض تھا، خدا نے ان کا مرض اور بڑھا دیا اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ برپا کرو تو (بزعمِ خود) کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ دیکھو بلاشبہ یہ مفسد ہیں لیکن اپنے انجام کی خبر نہیں رکھتے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں بھلا جس طرح بے وقوف ایمان لے آئے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی ایمان لے آئیں؟ سُن لو کہ یہی بیوقوف ہیں۔ لیکن انہیں اس کا علم نہیں۔ اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ ہم تو تمھارے ساتھ ہیں اور (پیروانِ محمدؐ سے) تو ہم ہنسی کیا کرتے تھے۔ ان مُنافقوں سے خدا ہنسی کرتا ہے اور انھیں مہلت دیے جاتا ہے کہ شرارت وسرکشی میں پڑے بہکتے رہیں۔ (بقرہ: ۱۵-۸)

یہ منافقین اگر کبھی اپنی دانست میں در کارِ خیر کے لیئے خرچ بھی کرتے ہیں تو خدا کے لیۓ نہیں بلکہ صرف لوگوں کو دکھانے کی خاطر تاکہ لوگ ان کی نیکوکاری اور خیرخواہی کو سراہیں اور یہ لوگ اس کے عوض اپنا مطلب نکالیں۔ قرآنِ کریم

Marfat.com

نے ان لوگوں کا بھی پردہ چاک کیا ہے۔ ارشاد ہے کہ اگر یہ منافقین کبھی کچھ خرچ بھی کرتے ہیں تو خدا کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کو دکھانے کو۔ ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہے اور کچھ شک نہیں کہ شیطان بہت ہی برا ساتھی ہے (نساء: ۳۸) کچھ شک نہیں کہ قیامت کے دن منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم ان کا وہاں کسی کو مددگار نہ پاؤ گے (نساء: ۱۴۵) منافقین کے باہم ربط وتعلق کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس یعنی ایک ہی طرح کے ہیں کہ برے کام کرنے کو کہتے ہیں اور نیک کاموں سے منع کرتے ہیں اور خرچ کرنے میں ہاتھ بند کئے رہتے ہیں۔ انھوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے ان کو بھلا دیا۔ بیشک منافق نافرمان ہیں۔ اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے آتش جہنم کو بھر دینے کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتے رہیں گے۔ وہی ان کے لائق ہے اور خدا نے ان پر لعنت کر دی ہے۔ اور ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب تیار ہے (توبہ: ۶۸-۶۷) قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ منافقین کے لئے بخشش ومغفرت کے دروازے بند ہیں اور انھیں ہر حال میں اپنے کئے کی سزا بھگتنی ہوگی۔ ارشاد ہے کہ تم (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان (منافقین) کے لئے بخشش مانگو یا نہ مانگو (بات ایک ہے) اگر ان کے لئے ستر دفعہ بھی بخشش مانگو گے تو بھی خدا ان کو نہیں بخشے گا۔ یہ اس لئے ہے کہ انھوں نے خدا اور اس کے رسولؐ سے کفر کیا اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (توبہ: ۸۰)

مُرتد

مُرتد یعنی ارتداد کا مرتکب وہ شخص ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا منکر ہو جائے اور اپنے سابقہ لادینی یا غیر اسلامی شعار کو دوبارہ اختیار کر لے

Marfat.com

ایسے لوگ کسی خاص ذاتی منفعت یا مجبوری کے تحت اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ مگر موقع ملتے ہی وہ علی الاعلان اسلام سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ دشمنانِ اسلام سے ساز باز میں شریک ہو کر اسلام اور اہلِ ایمان کی ضرر رسانی بلکہ بیخ کنی تک کے بہانے تلاش کرنے لگتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ ان فتنہ پرور لوگوں کے کرتوت اکثر مواقع پر بیان کئے ہیں۔ اور مسلمانوں کو ان کے ہاتھوں نقصان سے محفوظ رہنے کے لئے اُن کے عزائم بھی ظاہر کر دئے ہیں۔

ارتداد ایک خطرناک فتنہ سے کم نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسلام سے منحرف ہو جانے والوں کو عذابِ الیم کی وعید سُنائی ہے تاکہ وہ خود اپنے انجام سے آگاہ رہیں اور دوسرے بھی ان کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کُفر کرے۔ وہ نہیں جو کفر پر زبردستی مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو بلکہ وہ جو دل سے اور دل کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور اُن کو بڑا سخت عذاب ہوگا (النحل: ۱۰۶) یہ اس لئے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں عزیز رکھا اور اس لئے کہ خدا کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر خدا نے مہر لگا رکھی ہے اور یہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ یہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہوں گے (النحل: ۱۰۹۔۱۰۷) سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور پھر کفر میں بڑھتے گئے، ایسوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی اور یہ لوگ گمراہ ہیں (آل عمران: ۹۰) دوسری جگہ اس بات کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے اور پھر کفر ہی میں بڑھتے گئے اُن کو خدا نہ تو بخشے گا اور نہ سیدھا راستہ دکھائیگا (نساء: ۱۳۷) بلاشبہ یہ لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان پانے والے ہیں (ہود: ۲۲)

Marfat.com

کافر

کافر سے مراد دینی اصطلاح میں اُس شخص سے ہے جو دینِ اسلام کو قبول نہ کرے یا اس کا انکار کر دے ایسے لوگ نہ صرف خدا کا انکار کرتے ہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر، کتبِ سماوی، ملائکہ، اور حشر و نشر کے بھی قائل نہیں ہوتے۔ دوسرے لفظوں میں ان لوگوں سے قبولِ حق کی صلاحیت بھی سلب کر لی جاتی ہے اور وہ ایسی راہ پر چل پڑتے ہیں جہاں تاریکی اور گمراہی اور ہوا و ہوس کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ان کے دل، کان اور آنکھ پر پردے پڑ جاتے ہیں جس سے وہ دینِ حق کی باتوں کو دیکھنے، سننے اور سمجھنے کے باوجود ان کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے اسی مناسبت سے ان منکرینِ حق کو جانوروں سے بدتر قرار دیا ہے۔ دُنیا میں جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے کے بعد قیامت کے دن انھیں مزید ذلت و رسوائی اور دردناک عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ قرآنِ کریم نے ان کا ذکر مختلف انداز میں کیا ہے اور انہیں انجامِ بد سے ڈرایا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے کہ جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے، ایسوں پر خدا کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی، سب کی لعنت (البقرہ : ۱۶۱) جو لوگ کافر ہوئے ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکارا اور آواز کے سوا کچھ نہیں سُن سکے۔ یہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں کہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکتے (البقرہ : ۱۷۱) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تھی تو خدا نے اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب عذاب میں پکڑ لیا تھا اور خدا سخت عذاب کرنے والا ہے (آلِ عمران : ۱۱) اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منکرینِ اسلام کی ریشہ دوانیوں پر دل گرفتہ ہونے سے منع فرماتا ہے۔ ارشاد ہے کہ جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں، اُن کی وجہ سے غمگین نہ ہونا۔ یہ خدا کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ خدا چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کو کچھ حصّہ نہ دے

Marfat.com

اور ان کے لئے بڑا عذاب تیار ہے اور جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔ (آل عمران: ۱۷۶ ۱۷۷) جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کرتے رہے خدا ان کو بخشنے والا نہیں اور نہ ہی انہیں رستہ (صراطِ مستقیم) دکھائیگا۔ ہاں دوزخ کا رستہ جس میں وہ ہمیشہ جلتے رہیں گے۔ اور یہ بات خدا کو آسان ہے (نساء: ۱۶۹-۱۶۸)

کفر اور انکارِ حق کی یاداشت ناقابلِ تلافی ہے۔ قرآنِ حکیم کے الفاظ میں سارے جہان کے زر و جواہر بھی بطور تاوان ادا کر کے کفر کی تعزیر اور عذاب کو نہیں ٹالا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس روئے زمین کے تمام خزانے اور اس کا سب مال و متاع ہو اور اس کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہو تاکہ قیامت کے روز عذاب سے رستگاری حاصل کرنے کا بدلہ دیں تو اُن سے قبول نہیں کیا جائیگا اور اُن کو دردناک عذاب ہوگا (مائدہ: ۳۶) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اُن سے سرتابی کی، اُن کے لئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ نکل جائے۔ اور یہ گنہ گاروں کو ہم ایسی سزا دیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے نیچے بچھونا بھی آتشِ جہنم کا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی اُسی کا۔ اور ظالموں کو ہم ایسی سزا دیتے ہیں۔ (اعراف: ۴۱-۴۰) جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا، اُس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اُسے اندھا کر کے اٹھائیں گے (طٰہٰ: ۱۲۴) کافر کے اعمال کی مثال ریگستان میں سراب کی سی ہے کہ ہمیشہ اس کے پیچھے بھاگتا پھرے اور کچھ ہاتھ نہ آئے (نور: ۳۹) جن لوگوں نے بُرائی کی اُن کا انجام بھی بُرا ہوا۔ اس لئے کہ خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے اور اُن کی ہنسی اُڑاتے رہتے تھے۔ (الروم: ۱۰) جس شخص نے کفر کیا تو اُس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے اور جس نے نیک عمل کئے تو ایسے لوگ اپنے ہی لئے آرامگاہ درست کرتے ہیں (الروم: ۴۴) جنھوں نے نافرمانی کی اُن کے رہنے کیلئے دوزخ

Marfat.com

ہے۔ جب چاہیں گے کہ اُس میں سے نکل جائیں تو اُس میں لوٹا دیے جائیں اور اُن سے کہا جائیگا کہ جس دوزخ کے عذاب کو تم جھوٹ سمجھتے تھے اس کے مزے چکھو (سجدہ ۲۰) جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ انھیں نہ موت آئیگی کہ مر جائیں اور نہ اُس کا عذاب ہی اُن سے ہلکا کیا جائیگا۔ ہم ہر ایک ناشکرے کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں وہ اُس میں چلّائیں گے کہ اے پروردگار ہم کو نکال لے۔ اب ہم نیک عمل کیا کریں گے، نہ وہ جو پہلے کرتے تھے (اُن سے کہا جائیگا کہ) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اُس میں جو سوچنا چاہتا، سوچ لیتا، اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی آیا، تو اب مزہ چکھو، ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (فاطر، ۳۷-۳۶)
جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو خدا کے راستہ سے روکا، خدا نے اُن کے اعمال برباد کر دیئے (محمدؐ: ۱) جو لوگ کافر ہوئے اور خدا کے راستہ سے روکتے رہے، پھر کافر ہی مر گئے، خدا اُن کو ہرگز نہیں بخشے گا (محمدؐ: ۳۴)

مُشرک

"مشرک" سے مراد وہ شخص ہے جو اگرچہ اللہ کو اپنا معبود تسلیم کرتا ہے مگر اُس کے ساتھ ہی دوسرے دیوی دیوتا یا کسی دوسری طاقت یا ہستی کو بھی خدائی میں شریک قرار دیتا ہے۔ یعنی ان خود ساختہ "خداؤں" کو بھی الوہیت کا درجہ دیکر ان کے آگے بھی اپنا مقصود و مطلوب حاصل کرنے کی نیت سے سر جھکاتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ خدائی میں شریک ہونے سے وہ خدائی صفات قدرت و اختیار میں بھی شریک ہیں اور اس کی مراد پوری کر دیں گے۔ ان مشرکین کے متعلق بھی قرآن کریم میں کئی جگہ ان کے فتورِ عقل اور فقدانِ بصیرت کا تذکرہ آیا ہے، "خدا نے فرمایا ہے کہ دو دو معبود نہ بناؤ۔ معبود وہی ایک (اللہ) ہے تو مجھی سے ڈرتے رہو (النحل، ۵۱) اور جو نعمتیں تم کو میسر ہیں، سب خدا کی طرف

Marfat.com

سے ہیں۔ پھر جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُس کے آگے چلاتے ہو۔ پھر جب وہ تم سے تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں سے خدا کے شریک کرنے لگتے ہیں (النحل ۵۲-۵۴) اے نبیؐ ان مشرکوں سے کہو کہ جن لوگوں کی نسبت تمھیں معبود ہونے کا گمان ہے، اُن کو بُلا دیکھو۔ وہ تم سے تکلیف کے دور کرنے یا اُس کے بدل دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جن کو خدا کے سوا پکارتے ہیں، وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعۂ تقرب تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون اُن میں خدا سے زیادہ مقرب ہوتا ہے اور اُس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں، بے شک تمھارے پروردگار کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے (بنی اسرائیل ۵۶-۵۷) (اے نبیؐ) کہو کہ سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اُس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتوان ہے کوئی اس کا مددگار ہے اور اُس کو بڑا جان کر اُس کی بڑائی کرتے رہو۔ (بنی اسرائیل ۱۱۱) بھلا لوگوں نے جو زمین کی چیزوں سے بعض کو معبود بنا لیا ہے تو کیا وہ اُن کو مرنے کے بعد اٹھا کھڑا کریں گے؟ اگر آسمان اور زمین میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں، خدائے مالک عرش اُن سے پاک ہے (انبیاء: ۲۱-۲۲) اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ خدا کے سوا میں معبود ہوں تو اُسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں (انبیاء: ۲۹)

اللہ تعالیٰ نے ان نام نہاد ”شریکِ خدائی“ ہستیوں کی ”قدرت و طاقت“ کا نقشہ بھی نہایت دلنشیں پیرایہ میں پیش کیا ہے کہ ایک حقیر سی مکھی کے مقابلہ میں بھی کتنے بے بس اور ناتواں ہیں۔ غالباً کسی فرد یا ہستی کا بوداپن اور کھوکھلاپن ظاہر کرنے کے لئے اس سے زیادہ موثر اور عبرت انگیز مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ ارشاد ہوا کہ ”لوگو (تمھاری ہدایت کے لئے اور تمھارے شعوری بے مائیگی کا پردہ چاک کرنے کے لئے) ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ اسے غور سے سنو کہ جن لوگوں کو تم

Marfat.com

خدا کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں پیدا کر سکتے اگرچہ اُس کے لئے سب مجتمع ہو جائیں۔ اور اگر اُن سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اُسے اس سے (ہرگز) چھڑا نہیں سکتے۔ طالب و مطلوب (یعنی عابد اور معبود دونوں) کتنے گئے گزرے ہیں! (الحج ۷۳) ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ جس دن قیامت برپا ہو گی، گنہگار ناامید ہو جائیں گے۔ اور ان کے بنائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی اُن کا سفارشی نہ ہو گا اور وہ اپنے شریکوں سے نامعتقد ہو جائیں گے (یعنی پہچاننے سے انکار کر دیں گے اور ان کو انہی کے حال پر چھوڑ دیں گے کہ اپنی جہالت اور گمراہی کا مزہ چکھیں (الروم: ۱۳-۱۲) خدا اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے۔ اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ اور جس نے خدا کے ساتھ شریک بنایا وہ راستے سے دُور جا پڑا۔ یہ جو خدا کے سوا پرستش کرتے ہیں تو عورتوں ہی کی (یعنی اپنے بتوں کے نام عورتوں جیسے رکھ لئے ہیں، جیسے لات، منات، عُزّیٰ وغیرہ) اُو پکارتے ہیں تو شیطان سرکش ہی کو، جس پر خدا نے لعنت کی ہے اور جس شخص نے خدا کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔ وہ اُن کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ وہاں سے مخلصی نہیں پا سکیں گے (نسآء ۱۲۱-۱۱۶)

ایمان واطاعت

قارئین کرام اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دینِ اسلام میں ایمان اور اطاعت دونوں ناقابلِ تقسیم اور لازم و ملزوم ہیں۔ ایمان کو ہم عمل کے قلعہ کی بنیاد قرار دے سکتے ہیں اگر بنیاد مضبوط اور استوار ہو گی تو عمارت بھی مستحکم اور استوار ہو گی۔ اسی طرح اگر بنیاد میں کجی رہ جائے تو ظاہر ہے عمارت بھی ٹیڑھی اور

Marfat.com

ناپائیدار ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں ایمان کو تعمیرِ انسانیت کا ڈھانچہ بھی کہہ سکتے ہیں جس پر انسانیت پروان چڑھتی ہے اور اخلاق و کردار کی واضح تصویر سامنے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ایمان کی فی نفسہٖ اہمیت اور اس کی صدقِ دل کے ساتھ قبولیت پر امتناز دیا ہے۔ جہاں تک اعمال کا تعلق ہے، اس کا اظہار و صدور غیر مسلموں سے بھی ہوتا رہتا ہے اور ان میں بعض اوقات خیر و بہبود کا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے مگر محض اعمالِ خیر ہی خدائے تعالیٰ کی رضا اور اُس کے موعودہ انعام و کرام کا استحقاق نہیں رکھتے تاوقتیکہ اعمالِ خیر کے ساتھ ایمان بھی شاملِ نہ ہو۔ کیونکہ ایمان کے تحت کئے گئے اعمال بالعموم ذاتی نمود، عارضی مسرت اور وقتی جذبۂ فلاح و بہبود سے پاک ہوتے ہیں۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اعمال کا دارومدار نیّت پر ہوتا ہے اور اسی پر نتائج مرتّب ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر ظاہری طور پر یا مادّی حیثیت سے "نیک" کام انجام دینے والے کی نیت خود اپنی شہرت یا نیک نامی ہے اور اُس کا اللہ پر ایمان نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے کارنامے جذبۂ اطاعت سے عاری ہیں اور اُسے کبھی خیال نہیں آسکتا کہ یہ کارِ خیر اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان اور اطاعت سے دُور (محروم) رہ کر انجام دیے گئے ہیں۔ ایسے تمام کارناموں کے متعلق یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کی بنیاد وقتی ضرورت، خودداری اور کسی خاص دنیاوی غرض اور مطلب کے سوا کچھ نہیں۔ ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ ان کارناموں کی تہ میں جھوٹ، فریب، بدنیتی اور ان سے بھی بڑھ کر باہمی رقابت و حسد اور اپنے حریف کو نیچا دکھانے اور اس کی اہمیت ختم کرنے کا جذبہ شامل نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ کارِ خیر کا یہ "شیدائی"، اپنی محنت و دولت کا ثمرہ کسی دنیاوی جاہ و منصب یا اقتدار و غلبہ کی شکل میں طلب کرے۔ ایسی صورتِ حال کو کارِ ضیاع کے سوا اور کون سا نام دیا جاسکتا ہے؟

اس کے برعکس ایک ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ ہمیشہ

Marfat.com

اس بات کی احتیاط کرتا ہے کہ اُس کے ہر کام میں ایمان اور اطاعت کا جذبہ شامل ہو۔ وہ یہ بھی کوشش کرتا ہے کہ اس کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرے۔ اس طرح اُس کے کسی کام میں اس کی اپنی مرضی اور ذاتی خواہش کا دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی حالات کی مجبوری اس کو جادۂ استقلال و اطاعت سے ہٹا سکتی ہے۔ حالات کی روش اور ذاتی غرض کو اس معاملہ میں قطعی دخل نہیں ہوتا۔ اسی بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ شخص حالات و ماحول سے بے نیاز رہتا ہے۔ گویا وہ ایک ایسا با اختیار فرد ہے جو حالات اور تقاضوں کا پابند نہیں بلکہ حالات و حوادث اُس کے پابند رہتے ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ ایسے صاحبِ ایمان اطاعت گزار اور فرمانبردار بندہ کی اپنی ذات کوئی علیحدہ وجود نہیں رکھتی، وہ سرتاسر فرمانِ الٰہی کا عکس بن جاتا ہے۔ یہی اللہ پر ایمان کا صلہ ہے اور کیا ہی عظیم صلہ ہے!

چونکہ ایمان اور اطاعت دراصل ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں، اس لئے جو ثمرات اللہ پر ایمان لانے سے حاصل ہوتے ہیں وہی خوش گوار نتائج اطاعتِ احکامِ الٰہی سے بھی ظہور میں آتے ہیں فی الحقیقت عمل تو ایمان کا آئینہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کسی شخص کے اعمال کو دیکھکر اُس کے ایمان اور عقیدہ کے متعلق بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ایمان ذہنِ انسانی کے اندرونی یا ضمیری کیفیت کا نام ہے اور عمل کے ظہور میں آئے بغیر کسی فرد کے ایمان و عقیدہ کو پرکھنے کا کوئی اور ذریعہ ہے ہی نہیں چنانچہ ایک مومن، فاسق، مرتد، کافر اور مشرک کے درمیان وجہ امتیاز یا ذریعۂ شناخت اُس کے اعمال ہیں۔ اور اعمال کی کسوٹی پر ہی کسی شخص کے ایمان کو پرکھا جا سکتا ہے۔

اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ افراد کی تقسیم یا درجہ بندی قرآنی نقطۂ نگاہ سے کتنی فطری اور مبنی بر حقیقت ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان رکھتا ہے اور اسی کے احکام کے مطابق عمل کرتا ہے۔ چنانچہ ایسا شخص ہی

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سے جزا و انعام کا مستحق ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر احکامِ خداوندی پر عمل نہیں کرتا۔ یا کوئی شخص محض لوگوں کو دکھانے یا دھوکا دینے کی غرض سے اللہ کے احکام کے مطابق اپنے عمل کو پیش کرتا ہے مگر اللہ پر اس کا ایمان نہیں ہے یا کوئی فرد ایمان لانے کے بعد دین سے پھر جائے یا اللہ پر سرے سے ایمان ہی نہ لائے یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور دیوی دیوتاؤں کو لائقِ عبادت سمجھے اور انھیں اللہ کا شریک ٹھہرائے تو ایسا شخص فاسق، منافق، مرتد، کافر، یا مشرک تو ہو سکتا ہے، مومن یا صاحبِ ایمان ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اُس کے ساتھ اس کے اپنے طرزِ فکر اور طریقۂ عمل کے مطابق ہی روزِ حشر فیصلہ کیا جائے گا۔

یہاں ایک سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور قضائے الٰہی سے اُس کی زندگی کو اتنی مہلت نہ ملے کہ اطاعتِ خداوندی کے ضمن میں کوئی کام انجام دے سکے تو کیا ایسا شخص مومن کہلائیگا یا اُس کا شمار غیر مسلموں میں ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ پر ایمان لانا، بذاتِ خود اطاعتِ الٰہی کے تحت ہوتا ہے اس لئے ایسے شخص کو مومن ہی کا درجہ دیا جائیگا۔ ایمان اور اطاعت کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ نہ صرف ایمان لانا اطاعت کے ساتھ مشروط ہے اور ایمان لانے کے ساتھ ہی اطاعت کی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے بلکہ ایمان لانا بذات خود بھی اطاعت ہے۔ اگر دورانِ ایمان محض یہ خیال پیشِ نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کیا جائے تو یہ حزم و احتیاط ہی اطاعت فرمانِ الٰہی کی علامت ہوگی اور کسی دوسرے عملِ خیر کی عدم ادائیگی یا اُس کا موقع میسّر نہ ہونے کے باوجود اُس کا شمار اہلِ ایمان ہی میں ہوگا۔ ایسے تمام احکام جو ایمان سے متعلق ہیں، اُن کی بجا آوری ہر مسلمان پر فرض ہے اور اُن سے احتساب، احتراز، یا انکار ایمان کے ضائع ہونے کے مترادف ہے۔ مثال کے طور پر ایک مسلمان کے لئے اللہ، اس کے رسولؐ، ملائکہ، کتبِ سماوی، اور روزِ قیامت پر ایمان لانا لازم

Marfat.com

ہے۔اسی کے ساتھ غیر اللہ کی پرستش سے بچنے کی بھی اتنی ہی تاکید کی گئی ہے۔اب اگر ایک مسلمان ان شرائط کو پورا کرتا ہے اور اپنے ایمان کی حفاظت کرتا ہے مگر کوئی دوسرا عملِ خیر انجام نہیں دیتا تو اس حالت میں بھی وہ مسلمان یا صاحبِ ایمان ہی رہے گا۔زیادہ سے زیادہ اس کے بارے میں اتنا کہا جائیگا کہ اس نے احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی تو نہیں کی مگر کوئی ایسا عمل بھی نہ کر سکا جو کارِ خیر کا درجہ رکھتا۔یہ بھی ایک فروگزاشت ہے مگر اس کی تلافی اور اس کا ازالہ توبہ و رحمت طلبی سے ہو سکتا ہے کیونکہ قرآنِ کریم اس پر گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر اور شرک کے سوا تمام گناہ معاف کر دیں گے (نسآء ۴۸،۱) لیکن اگر کوئی فرد اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا اقرار تو کرتا ہے مگر اللہ کے پیغمبر، ملائکہ، کتبِ سماوی اور روزِ آخرت پر ایمان قائم نہیں رکھتا یا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتا ہے تو اس حالت میں اس کے ایمان باللہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور وہ مرتد گنا جائیگا اور کافر کی سزا کا مستوجب ہوگا۔اس امر کی تصدیق و توضیح کے لئے بنی اسرائیل کی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔جب موسیٰ علیہ السلام تورات لینے اور خدا سے ہمکلام ہونے کے لئے کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو ان کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل نے گائے کے بچھڑے کی، جسے سامری نے اپنی ذہانت و بصیرت کا غلط استعمال کر کے بنایا تھا، پرستش شروع کر دی تھی اللہ تعالیٰ کو بنی اسرائیل کا یہ فعل پسند نہ آیا کیونکہ یہ کھلا شرک تھا چنانچہ سزا کے طور پر گئوسالہ کی پرستش کرنے والوں کو ملعون قرار دے کر سزا بھی دی گئی۔
(بقرہ ۵۴،۱۔ اور اعراف ۷: ۱۵۲)

اس واقعہ سے راقم الحروف کا یہ موقف درست نظر آئیگا کہ ایمان بغیر اطاعت و فرمانبرداری فی الحقیقت ایمان کی نفی کے مترادف ہے۔دیگر امور میں عدم اطاعت سے جن سے ایمان پر ضرب نہ پڑتی ہو ایک مسلمان ایمان سے خارج نہیں (حالانکہ اس صورتِ حال سے بھی اجتناب لازم ہے، کیونکہ محض ایمان

Marfat.com

اس حالت میں ایک بے معنی فعل سے زیادہ نہیں رہتا) اگر ایسا شخص اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف اور آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کر کے اُس کی مغفرت اور بخشش طلب کریگا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی توبہ قبول فرما کر اُسے معاف کر دے گا۔ قرآنِ کریم کے ارشاد کے مطابق اگر ایک مسلمان اپنے گناہوں پر شرمندہ ہو کر خدا سے بخشش و مغفرت کی التجا کرے تو وہ خدا کو بہترین معاف کرنے والا پائے گا۔ (نساء ۴/۶۴)۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

جب کوئی فرد اسلام قبول کرتے وقت زبان سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے تو وہ دراصل لَآ اِلٰہَ (کوئی معبود نہیں) کہہ کر دوسرے تمام خداؤں اور دیوتاؤں کی "خدائی" اور ان کی نام نہاد برتری کا انکار کرتا ہے۔ اور جب اس کے ساتھ ہی وہ اِلَّا اللّٰہُ (سوائے اللہ کے) کا کلمہ ادا کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ ترین ذات اور لاشریک توحید کا اقرار بھی کرتا ہے۔

"لَآ اِلٰہَ" کی مصلحت اور اہمیت کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ زمانہ قدیم سے لوگ دنیا کے مختلف حصوں میں سورج، چاند، ستارے، زمین، پانی، آگ، دیوی دیتاؤں اور دیگر معبودانِ باطل کی پرستش کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً اللہ کے پیغمبر مبعوث ہوئے اور انھوں نے پیغامِ الٰہی کی روشنی میں اپنی اپنی قوم کو اس بات کی تعلیم دی کہ اللہ کے سوا کوئی اور فرماں روا، لائقِ عبادت نہیں اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی دونوں جہاں کا خالق و مالک اور لائقِ عبادت ہے۔ یعنی سب سے پہلے تمام معبودانِ باطل کی نفی کی اور پھر وحدانیت کی تعلیم دی۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ قابلِ ذکر ہے، ان کے زمانہ میں بھی ستارے چاند اور سورج کی پوجا ہوتی تھی

Marfat.com

چنانچہ جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے جب اُنہیں ستارہ نظر آیا تو کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ ڈوب گیا تو کہا کہ مجھے ڈوب جانے والے پسند نہیں۔ (مقصد یہ تھا کہ ڈوب جانے والا خدا نہیں ہو سکتا) پھر جب انھوں نے چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے کہ یہ میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ چھپ گیا تو بول اُٹھے کہ اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ نہیں دکھائیگا تو میں ان لوگوں میں ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں (مقصد یہ تھا کہ چاند کی پوجا کرنے والے بھٹکے ہوئے ہیں) پھر جب انھوں نے سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے کہ یہ میرا پروردگار ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے کہ لوگو جن چیزوں کو تم خدا کا شریک بناتے ہو اُن سے میں بیزار ہوں۔ (انعام ۷۶-۷۹) اس تجزیہ سے گذرنے کے بعد انھوں نے اعلان کیا کہ میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ (انعام ۸۰)۔

اسی طرح بت پرستوں کو راہِ راست پر لانے کے سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ ایک دفعہ موقع پاکر حضرت ابراہیمؑ بتخانہ میں تبر لے کر داخل ہوئے اور سوائے ایک بڑے بُت کے سب کو توڑ ڈالا اور تبر بڑے بت کے پاس رکھ دیا بُت پرستوں نے پوچھا کہ اے ابراہیمؑ! کیا یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ تو نے کیا ہے؟ ابراہیمؑ نے جواب دیا بلکہ یہ اُن کے بڑے (بُت) نے کیا ہوگا اگر یہ (بُت) بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔" انھوں نے اپنے دل میں غور کیا تو آپس میں کہنے لگے کہ بے شک تم سب ہی بے انصاف ہو۔ پھر شرمندہ ہو کر سر نیچا کر لیا۔ اس پر بھی ابراہیمؑ سے کہنے لگے کہ تم جانتے ہو کہ یہ بُت بولتے نہیں۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ پھر تم خدا کو چھوڑ کر کیوں ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ تمھیں فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں؟ تُف ہے تم پر اور جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو اس پر بھی کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (انبیاء ۶۲-۶۷)

Marfat.com

بُت پرستی کی لعنت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی عام ہوگئی تھی۔ چنانچہ اُن کی قوم بنی اسرائیل نے خود حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی کہ دوسری قوموں کی طرح ہمارے لئے بھی کوئی بُت یا معبود بنا دیجئے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ جس شغل میں پھنسے ہوئے ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بے ہودہ ہیں اور یہ بھی کہا کہ بھلا میں خدا کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کروں؟ حالانکہ اُس نے تم کو تمام اہلِ عالم پر فضیلت بخشی ہے (اعراف: ۱۴۰-۱۳۸)

بنی اسرائیل نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ جب حضرت موسیٰؑ توریت لینے کے لئے کوہ طور پر تشریف لے گئے تو انھوں نے ایک بچھڑے کی (جس میں سامری نے اپنے سحر سے ایک قسم کی آواز ڈال دی تھی) پرستش شروع کر دی۔ حضرت موسیٰؑ نے واپسی پر کہا کہ (میری قوم کے لوگو) تم نے بچھڑے کو معبود ٹھیرا کر بڑا ہی ظلم کیا ہے۔ اب تم اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو۔ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ (البقرہ: ۵۴) اسی طرح دیگر پیغمبرانِ کرام حضرت الیاسؑ، حضرت لوطؑ، حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اپنی اپنی قوم کو بت پرستی سے منع کیا اور خدا کے عذاب سے ڈرایا اور اس بات کی تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہستی لائق عبادت نہیں۔

جب سلسلۂ نبوت کے آخر ترین مرحلہ میں حضور رسالتمآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں کی حیثیت سے دنیا میں تشریف لائے تو سارا ملکِ عرب بُت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھا۔ کثرت اصنام کی یہ کیفیت تھی کہ صرف خانۂ کعبہ میں تین سو سے زیادہ بُت نصب تھے جس میں ہر ایک بُت اُن کے نزدیک ایک خصوصیت یا قدرت کا حامل تھا۔ اور اسی عقیدت یا ہیبت کے تحت اُس بُت کی پرستش کی جاتی تھی۔ چنانچہ کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے ذریعہ سب سے

Marfat.com

پہلے تمام معبودانِ باطل کی نفی کی گئی اور اس کے ساتھ ہی اللہ وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت کا اعلان کیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ذاتِ پاک خدا ہی ہے جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ وہی زندگانی بخشتا اور وہی موت دیتا ہے اور خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے (توبہ ، ۱۱۶)

اس سلسلۂ کلام سے کلمۂ طیّبہ کے ابتدائی جزو لَآ اِلٰہَ کا مفہوم آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ دراصل انہی دو الفاظ میں تمام معبودانِ باطل کا ابطلان ہے اور اس کے ساتھ ہی دوسرے دو الفاظ یعنی لَآ اِلٰہ میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت کا اعلان ہے چنانچہ کلمۂ طیبہ پر ایمان انسان کو دنیا جہان کے "دیگر سہاروں اور معبودوں" کے انحصار سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ کلمۂ طیبہ کے ابتدائی جزو لَآ اِلٰہَ سے نہ صرف بتوں یا دیگر معبودوں کی نفی ہوتی ہے بلکہ اس سے اُن تمام فلسفیانہ اور سائنسی نقطہ ہائے نظر کا ابطلان بھی ہوتا ہے جنہیں ماہرینِ علم و فن نے اپنی اپنی دانست اور دانش کے بَل بوتے پر حقیقتِ کبریٰ یا حقیقتِ منتہیٰ کی تشریح و تعبیر کے طور پر اپنایا تھا۔ اور جن کی تشہیر و تبلیغ سے قلوب و اذہان میں انتشار اور عدم یقینی کا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ کلمۂ طیبہ کے ہر دو ایجابی اور سلبی پہلو (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) پر ایمان لانا اس بات کا بھی اعلان ہے کہ حقیقتِ منتہیٰ کا جوہر تھیلس کا "آب"، اناکسی مینڈر کی "ہوا"، اناکسا مانس کا "سادہ مادۂ لاتجزا" ڈیماکرٹس کا "آگ کا ایٹم"، پرمانائڈس کا "نظریۂ ہستی"، ہیراکلائٹس کا "صورت پذیر وجود"، ایمپیڈاکلس کا "چار ابتدائی مادی اجسام کا مجموعہ"، افلاطون کا "نظریۂ خیر"، ارسطو کا نظریۂ "صورتِ منزّہ"، اسپائی نوزہ کا "مادہ وجود الاصل" لائب نیٹز کی "نامیاتی اکائی"، اناکساغورث کا "منطقی طرزِ فکر"، ہیگل کا "استدلالِ کلی"، برگساں کی "توانائی متحرک"، وہائٹ ہیڈ کا "تشخصِ واقعی"، الغزالی کا "عزم"، الاشراقی کا "نور"، یا الجیلی کا "اسم" نہیں ہے۔ اور یہیں سے یہ حقیقت

Marfat.com

تمام ممکنہ تظنین و تردد سے بالاتر ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس کائنات کے انتظام و انصرام کے سلسلہ میں تمام تر عظمت، خالقیت اور سربراہی کی سزاوار ہے۔ وہی اس کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا مالک و مختار ہے خواہ وہ (ذرّہ) زمان و مکان کی حدود میں کہیں بھی پایا جاتا ہو۔

لیکن یہ کلمۂ طیبہ کے جزوِ اوّل کے صرف ایک پہلو کا مفہوم ہے۔ دوسرا پہلو اس جزو کے لفظ "اِلٰہ" سے وابستہ ہے۔ الٰہ کے لغوی معنی معبود کے ہیں یعنی وہ ذات یا ہستی جس کی عقیدت، اطاعت، اور عبادت لازمی ہے۔ راقم الحروف "الٰہ" کے ان تینوں اہم لوازمات کے متعلق کسی قدر تفصیل کے ساتھ اسی کتاب میں آگے چل کر اپنا نقطۂ خیال پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ سردست صرف اتنا کہنا کافی نظر آتا ہے کہ جب کوئی شخص زبان سے لفظ الٰہ (معبود) ادا کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی دراصل وہ اس بات کا اقرار بھی کرتا ہے کہ جس ذات یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود قرار دیتا ہے وہی فی الحقیقت عقیدت، اطاعت، اور عبادت کی صوری اور معنوی حیثیت سے سزاوار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا خالق ہے (انعام: ۲-۱۰۲) وہی مہربان ہے اور رحم کرنے والا ہے (فاتحہ: ۲-۱) وہی حیات و ممات کا مالک ہے (توبہ ۱۱۶) وہی علم و عقلِ کل پر قدرت رکھتا ہے (بقرہ ۲۱ ۳) اور تمام عظمت اُسی کو سزاوار ہے (قصص ۷۰، یونس ۶۵، منفقون ۸)

عقیدت

عقیدت کا لفظ اپنے معنی و مفہوم میں جامع اور وسیع ہے۔ اس کے اظہار کے لئے ہم اُن مثبت جذبات و احساسات کا نام بھی لے سکتے ہیں جنہیں عرفِ عام میں تعریف و توصیف، محبت و اُنسیت، عزت و احترام، اور ذریعۂ امید و توقع کہتے ہیں۔ جس ارفع و اعلیٰ ذات نے ہمیں پیدا کیا، جو ہمیں زندگی اور اُس کی آسائش

Marfat.com

کے حصول کے لئے قوت و توانائی عطا فرماتا ہے۔ جسکے دستِ قدرت میں ہماری زندگی اور موت ہے، جو نیک اعمال کی جزا اور گناہوں کی مغفرت کرتا ہے۔ جو دانش و ادراک کا مکمل ترین اور لازوال سرچشمہ ہے۔ فی الواقع وہی تمام تعریف و توصیف، محبت و عقیدت اور عزت و اکرام کا مستحق ہے۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ ارشاد ہے کہ وہی خدا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ دنیا اور آخرت میں اُسی کی تعریف ہے اور اسی کا حکم، اور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے (قصص ۷۰) تم اپنے پروردگار بزرگ کے نام کی تسبیح کرو (الواقعہ ۷۴) مومنو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے (آل عمران ۱۰۲) یہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات لاشریک ہے جس سے تمام کامرانی و کامیابی کی امیدیں اور عقوبت کا خوف ہونا چاہیئے۔ قرآن کریم کے ذریعہ یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہمیں کسی حالت میں بھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ وہی ہماری خطاؤں سے درگذر کرتا ہے بشرطیکہ ہم صدق دل سے توبہ کرلیں اور آئندہ گناہ کے کاموں سے اجتناب کریں۔ ہاں جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی حالت درست کر لیتے ہیں اور احکامِ الٰہی کو صاف صاف بیان کر دیتے ہیں تو میں اُن کے قصور معاف کر دیتا ہوں اور میں بڑا معاف کرنے والا اور رحم والا ہوں (بقرہ ۱۶۰) لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو (نساء ۱)

اِطاعت

عقیدت کے تصور کے ساتھ ہی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ عقیدت اور اطاعت ہر لحاظ سے لازم و ملزوم ہیں۔ بغیر عقیدت کے اطاعت کا اور بغیر اطاعت کے عقیدت کا تصور محال ہے۔ عقیدت اگر ایک طرف محبت و احترام کا اظہار ہے تو دوسری طرف اطاعت اسی محبت و احترام کا عملی مظاہرہ ہے

Marfat.com

خدائے تعالیٰ ہر شئے کا خالق ہے (الحجر: ۸۶) اُس کا علم تمام اشیائے کائنات پر محیط ہے (البقرہ: ۲۳۱) حکم اُسی کا ہے (قصص: ۸۸) اور وہی احکم الحاکمین ہے (التین: ۸) چنانچہ مخلوق کے لیئے لازم ہے کہ اُسی کی اطاعت کرے (آلِ عمران ۱۳۲) قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم اس کے عذاب سے بچو (بقرہ: ۲۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی واجب ہے (آلِ عمران ۳۱) دوسرے مقام پر حیاتِ انسانی کا مقصد اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت واطاعت ہی کے لیئے پیدا کیا ہے۔ (الذاریات: ۵۶) لہٰذا اللہ کے سوا کسی غیر کی بندگی اور اطاعت کسی طرح روا نہیں۔ (ہود: ۲) اسلام کے معنی ہی تسلیم و رضا یعنی اطاعت و بندگی ہیں، اور قبولِ اسلام کے بعد یا اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کے بعد زندگی کا یہی نصب العین ہونا چاہیئے۔ کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا۔ بلکہ گناہ ہے کہ معبود تو اللہ کو تسلیم کرے مگر اس کے ساتھ ماسوا اللہ کی اطاعت کا بھی دم بھرے۔ یہ شان اطاعت وبندگی کے منافی ہے کہ آقا کی اطاعت و فرمانبرداری سے پہلو تہی کی جائے یا اس کی بندگی میں کسی اور کو بھی شریک سمجھا جائے اس سے آقا یا مالک کی ناراضگی لازمی ہے جو دونوں جہان کے خسارہ کا باعث ہے۔

عبادت

عبادت، عقیدت واطاعت کا حاصل ہے جس ذات کے لیئے کمالِ عقیدت اور اطاعتِ کلی لازم ہے وہی ذات عبادت وبندگی کی بھی سزاوار ہے۔ یہ بات عقل ودانش سے قطعاً بعید ہے کہ ایک شخص اطاعت واحترام کے لیئے تو اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرے، اس کو رحمٰن ورحیم مانے، اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہے

Marfat.com

اور عملِ خیر کی جزا کی توقع بھی اُسی سے وابستہ رکھے یہاں تک کہ اُسی ذاتِ واحد کو موت وحیات کا مالک جانے مگر جب عبادت کا مقام ہو تو اُس میں بتوں، سورج، چاند، ستارے، زمین، آسمان وغیرہ کو شریک ٹھہرائے۔ اس سے بڑھ کر کسی انسان کی نادانی کیا ہو گی کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں تراشے ہوئے صنم کو خدا مانے یا خدائی میں شریک ٹھہرائے! درآنحالیکہ اُسے اس بات کا بھی یقین ہو کہ یہ پتھر کے صنم نہ تو کسی قسم کا نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ انسان اپنی تحقیر و تذلیل کا سامان خود اپنے ہاتھوں کرے اور اپنے کرتوت پر پشیمان بھی نہ ہو یہ وہ حقائق ہیں جن کو ہم خود اپنی عقل و فہم سے بھی سمجھ سکتے ہیں مگر قرآنِ کریم بھی اس سلسلہ میں واضح طور پر ہمیں حکم دیتا ہے کہ "اُسی کی عبادت کرو یہی سیدھا رستہ ہے" (آلِ عمران ۵۱) مزید حکم ہوا کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو (ہود ۲) لوگو! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں (المومنون ۲۳) ارشادِ ربی ہے کہ بیشک میں ہی خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو (طٰہٰ ۱۴) مزید ارشاد ہوا کہ جملہ اشیائے کائنات اُسی خدا کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہیں، اُسی خدائے لاشریک کی تسبیح کرتی ہیں اور اپنے فرض سے کبھی غافل نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، سب خدا کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے (النحل ۴۹) ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے، سب اُسی کی تسبیح کرتے ہیں اور مخلوقات میں سے کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے بے شک وہ بردبار اور غفار ہے (بنی اسرائیل ۴۴) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے اور جس کو خدا ذلیل کرے، اُس کو کوئی

Marfat.com

عزت دینے والا نہیں۔ بے شک خدا جو چاہتا ہے، کرتا ہے (الحج ۱۸) جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے، خدا کی تسبیح کرتی ہے۔ اور وہ غالب اور حکمت والا ہے (الحدید ۱)

متذکرۂ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات کسی تردد یا خوفِ تردید کے بغیر کہی جا سکتی ہے کہ عقیدت، اطاعت اور عبادت کا مرکز و منبع صرف ذاتِ باری تعالےٰ ہے جو کلمۂ طیبہ کے لفظ "اِلٰہ" کی معنوی تفسیر ہے اور دینِ اِسلام کی بنیاد ہے۔ چنانچہ اسلام قبول کرنے کے بعد اور صدق دل کے ساتھ زبان سے لا اِلٰہ اِلّا اللہ کہنے کے بعد ایک مسلمان خدائے بزرگ و برتر کے احکام کی بجا آوری کے لئے اپنے آپ کو تمام و کمال اس کے حضور پیش کر دیتا ہے۔ اور اسی مسلک پر مستقل مزاجی اور تسلیم و رضا کے جذبہ کے ساتھ قائم رہنا ہی اطاعت کا صحیح مفہوم ہے اور اسی کی بنیاد پر عبادت و عقیدت کی عظیم الشان عمارت کی تعمیر ممکن ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم)

کلمۂ طیبہ کا دوسرا تکمیلی جزو "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اس طرح کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ کلمۂ طیبہ کے اس جزو کی تصدیق بھی بالکل اُسی طرح لازمی ہے جس طرح جزو اوّل کی۔ یہ دونوں صداقتیں یعنی خدائے تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ایمان کی اصل بنیاد ہیں۔ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر نہ تو ایمان کی تکمیل ممکن ہے اور نہ ہی "اِلَّا اللّٰہُ" کا مفہوم ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ اگر لَآ اِلٰہَ سے غیر خدا کی نفی ہوتی ہے تو "اِلَّا اللّٰہُ" سے خدا کے وجود کا علم ہوتا ہے اور اس "اِلَّا اللّٰہُ" کی

Marfat.com

نشانا ندہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسّل و وسیلہ سے ہی ممکن ہے۔ یہ بات فلسفیانہ نظریات اور سائنسی تحقیقات کے امکان سے باہر ہے کہ وہ حقیقتِ منتہیٰ کی منزلِ مقصود تک پہنچنے میں ہماری مدد کر سکیں۔ سائنس یا فلسفہ ہمیں زیادہ سے زیادہ یہی بتلا سکتا ہے اور عقل اُسے تسلیم بھی کرے گی کہ سورج، چاند، زمین، آسمان اور بُت وغیرہ محض مظاہراتِ قدرت میں سے ہیں اور دیگر مخلوقات کی طرح یہ بھی قادرِ مطلق کے دائرۂ ملکیت و حاکمیت میں محبوس و مقید ہیں۔ لیکن حقیقتِ کبریٰ اس سے کہیں ماوراء ہے اور اس کا نشان و پتہ صرف وہی ذات والا مرتبت دے سکتی ہے جسے خدا نے براہِ راست اپنے علمِ خاص سے نوازا ہے اور جس کا تعلق و سلسلہ براہِ راست اُس مبداءِ فیض و حکمت سے ہے جو ہر آن ایک نئی شان میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہ ذاتِ بابرکات اللہ کے رسولؐ ہی کی ہو سکتی ہے اور درحقیقت حضراتِ انبیاء کرام میں ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں یہ کمالاتِ علم و حکمت ودیعت کئے گئے ہیں۔ اور آپؐ کی ذاتِ اقدس ہی خالق و مخلوق کے درمیان دائمی وسیلۂ قرب و فیضان ہے

دوسری بات یہ ہے کہ وحی والہاماتِ الٰہیہ کی صداقت کے لئے ایک پیغمبر ہی کی ذات قابلِ اعتنا ہو سکتی ہے۔ جو اپنے کانوں سے کلماتِ ربّانی کو سُنتا اور اپنی آنکھوں سے نورانی مظاہرات کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس طرح وحی و مشاہدہ کے مُصدقات لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ پیغمبر کی ذات کے علاوہ کوئی ہستی اس بارِ گراں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ یوں پیغمبر کی رسالت اور صداقت پر ایمان لانا دراصل ایمان کے استحکام و تنظیم کے لئے بنیاد قائم کرتا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار اور ابلاغ کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے، حضورؐ نبئ کریمؐ ہی کی ذاتِ اقدس ہی کر سکتی ہے۔ اسی لئے پیغمبرِ خدا پر ایمان لانا کلمۂ طیبہ کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ایمان کی تکمیل کی جانب بھی صحیح اور استوار قدم ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اسلام کو دینِ مکمل کی حیثیت اور اللہ تعالیٰ کا محبوب

Marfat.com

دین ہونے کی سند بھی پیغمبر ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی ملی ہے۔ قرآنِ کریم بھی اس کا شاہد ہے مگر قرآن اور رضائے الٰہی دونوں ذرائع رحمانی کی تصدیق آپؐ کے توسط سے ہی عام لوگوں تک پہنچی ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اسلام کا مکمل عملی نمونہ بھی ہمیں جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہی ملتا ہے۔ اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ہماری رہنما صرف آپؐ کی ذاتِ مقدس ہی ہے چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت پر ایمان کی تصدیق اور تکمیل ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ساتھ نبی آخرالزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا بھی کلمہ طیبہ کا جزو لاتجزٰی قرار پایا درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ہے اس کے بغیر نہ تو ایمان کی بنیاد ہی مستحکم اور پائیدار ہو سکتی ہے اور نہ دنیا و آخرت میں کامرانی و رضائے الٰہی کی توقع۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ کفر دراصل حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار ہے

جب ہم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کا ذکر کرتے ہیں تو اُس سے رسالت کی تصدیق کے پس منظر میں یہ حقیقت بھی مضمر ہوتی ہے کہ آپؐ کے نبی آخرالزماں یا خاتم النبیین ہونے کا بھی صدق دل سے اقرار کر لیں۔ آپؐ کی ذاتِ اقدس پر رسالت اور نبوت کا سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، کیونکہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ جملہ تعلیم و ہدایت کا مخزن و سرچشمہ ہے اور اسلام خدا کا منتخب اور پسندیدہ آخری اور کامل ترین مذہب یا دین ہے

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ آپؐ کی ذات گرامی منصبِ رسالت کی مہر (علامت تکمیل) ہے کیونکہ آپؐ کی بعثت کے بعد نبوت اور رسالت کا مشن اپنی تکمیل کو پہنچ گیا۔ اب

Marfat.com

رسالت و نبوت کا سلسلہ ختم ہونا از روئے عقل و دانش بھی ضروری تھا کہ قرآن، رسالت، اور دین کے نقطۂ تکمیل پر پہنچنے کے بعد مزید اضافہ و تسلسل کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اب یہی پیغام ابدالآباد تک جاری و ساری رہے گا۔ اسلام کے پیروخواہ وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہوں اور اُن کا تعلق کسی رنگ و نسل سے ہو، تمام کے تمام اس امر کے مکلف ہیں کہ وہ پیغامِ خداوندی جو قرآن و سُنّہ کی صورت میں موجود ہے، دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلائیں۔ اپنی رسالت کی تکمیل و ختمیت پر خود قول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہے۔ صحیح بخاری اور ابوداؤد میں آپ کا ارشاد ہے کہ "میں خاتم الانبیاء ہوں اور میرے بعد کوئی اور پیغمبر نہیں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نبی آخرالزماں ہوں اور میری مسجد آخری مسجد ہے (مسلم) آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ "میرے بعد کوئی اور پیغمبر نہیں آئے گا) اور میری اُمت کے بعد کوئی اور (نبی) اُمت نہیں آئیگی" (بیہقی، طبرانی)

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخرالزماں ہی نہیں بلکہ آپ نبی اول الزماں یعنی پیغمبر اوّلیں بھی ہیں اس کی تصدیق خود قرآن کریم سے ہوتی ہے۔ ارشادِ ربّی ہے کہ جب خدا نے پیغمبروں سے (روزِ اوّل میں) عہد لیا کہ جب میں تم کو دانائی اور کتاب عطا کروں، پھر تمھارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمھیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اور عہد لینے کے بعد پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا؟ انھوں نے کہا ہاں ہم نے اقرار کیا۔ خدا نے فرمایا کہ تم اس عہد و پیمان کے گواہ ہوا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں" (آلِ عمران: ۸۱)

چنانچہ جب تمام پیغمبروں نے روزِ اوّل آپ کی رسالت و نبوت کا اقرار کر لیا تو گویا آپ کی امتوں نے بھی کر لیا۔ اس عہد و اقرار کے ایفا کی ذمہ داری کا تقاضا ہے کہ آپ کو اوّلین و آخرین نبی تسلیم کیا جائے اور اس پر ایمان لایا جائے اور اسی کے ساتھ آپ کی اطاعت و فرمابرداری کو حرزِ جاں بنایا جائے تاکہ ایمان کی تکمیل ہو جائے

Marfat.com

قرآن کریم کی آیات سے یہ بھی واضح ہے کہ نہ صرف جملہ انبیا علیہم السلام نے روزِ اول آپ کی نبوت کا اقرار کیا بلکہ اپنے دور میں ہر نبی نے اپنی امت کو یہ بھی اطلاع دی کہ مستقبل میں ایک نبی (آخرالزماں) تشریف لائیں گے جن کا دین اور جن کی رسالت جملہ ادیان و رُسُل کا تتمہ ہونگے اور اس کے بعد وحی و رسالت کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا۔ قرآن کریم اس پر شاہد ہے کہ توراۃ و انجیل میں بھی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ورود و بعثت کی خبر دی گئی تھی۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ "وہ جو (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) رسول (اللہ) کی جو نبی امی ہیں، پیروی کرتے ہیں۔ جن کے اوصاف کو وہ اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں،، (الاعراف ۵۷) حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے بھی آپؐ کی بعثت کے لئے دعا فرمائی۔ ان کی دعا قرآن کریم میں باصراحت مرقوم ہے۔ "اے پروردگار ان لوگوں میں یعنی (ذریاتِ ابراہیمؑ) میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے۔ اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے۔ اور ان کے دلوں کو پاک صاف کیا کرے، بے شک تو غالب اور صاحبِ حکمت ہے،، (البقرہ: ۱۲۹) توراۃ (بائبل، قانون ۳: ۲۲ - ۲۱) میں بھی آپؐ کی آمد کی خبر دی گئی ہے "حضرت موسیٰؑ نے سردارانِ قوم سے فرمایا کہ تمھارا خدا تمھاری آنے والی نسلوں کے لئے ایک پیغمبر مبعوث فرمائے گا، جیسا کہ خدا نے مجھے تمھارے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے لہٰذا تم پر (تمھاری آئندہ نسلوں پر) واجب ہے کہ اس رسول کے احکام کو بغور سنیں اور اس کی اطاعت بجا لائیں،، حضرت عیسیٰؑ نے بھی آپؐ کی بشارت دی (جان ۱۶: ۱۳) میں منقول ہے،، وہ (آئندہ زمانہ میں مبعوث ہونے والا نبی) تمہیں (تمھاری نسلوں کو) صداقتِ کاملہ کی تعلیم دے گا اور نیک کاموں کی تلقین کرے گا کیونکہ اس کا صداقت سے معمور کلام اس کی اپنی ذات (کی نمود) کے لئے نہ ہوگا۔ (بلکہ اس کا یہ عمل خدا کے پیغام کی تشہیر و ترویج کے لئے ہوگا) اور جو کچھ (اسے بذریعہ وحی) خدا کا کلام پہنچے گا وہ لوگوں تک پہنچا دے گا۔ قرآن کریم میں بھی ایک مقام

Marfat.com

پر حضرت عیسیٰؑ کا قول مذکور ہے کہ جب انھوں نے قوم بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی توراۃ) اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمدؐ ہوگا، اُن کی بشارت سناتا ہوں (الصّف: ۶)۔

تفصیلات مذکورۂ بالا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت روزِ اوّل سے ہی عرصۂ یقین و ایمان میں آچکی تھی۔ درآنحالیکہ آپ ابھی عالم اسباب میں تشریف بھی نہیں لائے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جیسا کہ خود رسالت مآبؐ کا فرمان ہے یہ "ساری کائنات آپؐ ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے"۔ (بخاری) آپؐ صحیح معنوں میں "خلاصۂ عبدیت"، "یا عبدیت کا تشخص"، "یا" عبدِ کامل "، کا مظہر بن کر دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ یعنی آپؐ نے اپنے آپ کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لئے مکمل و آزاد ارادہ و اختیار کے ساتھ وقف کر دیا تھا اس اطاعت و بندگی میں کسی بیرونی دباؤ یا ذاتی منفعت کا شائبہ تک نہ تھا۔ یہی عبدیت کی معراج اور تکملۂ عبدیت کی دلیل ہے۔ آپؐ کی یہی تعلیم اور یہی طرزِ عمل ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں کہ منصبِ رسالت کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کی کامل اور شعور و ادراک کے ساتھ اطاعت و بندگی کا نمونہ پیش کرنا ہے۔ اس نمونہ کا عملی ثبوت حتمی طور پر حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے ملتا ہے۔ رسولِ کریمؐ کی ذاتِ اقدس کی مثال اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت و بندگی کے اظہار کے لئے اُس پھول کے بیج کی مانند ہے جس کی آبیاری حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دیگر لاتعداد پیغمبرانِ کرام علیہم السّلام نے کی اور اُسے پروان چڑھایا۔ بادی النظر میں پھول اور بیج خواص و ہیئت کے اعتبار سے جُدا جُدا دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن فی الواقع پھول بیج کی نمود و ارتقاء کا مظہر ہوتا ہے۔ گویا بیج کی ذات میں پھول پنہاں ہے جو ابھی نرم و نازک شاخ پر شگفتگی اور اظہارِ حسن و خوبی کا منتظر ہے۔

Marfat.com

یوں پھول اور بیج دونوں اپنی نمود و بقا میں جداگانہ ہستی نہیں رکھتے بلکہ دونوں اپنی بقا اور ارتقاء کے لئے ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اصل ہستی اور وجہ تخلیق پھول ہی کی ذات ہے جو اپنی اوّلین صورت میں بیج ہوتا ہے، پھر کونپل اور شاخ میں پرورش پاکر کلی اور آخر میں مکمل پھول بن کر حسن و شادابی کا معطر عکسِ لطیف فضائے بسیط میں بکھیر دیتا ہے۔ یہ گلِ نو شگفتہ حاصلِ انتظار اور صلۂ محبت و انسیت ہے جو بیج سے پھول بننے تک مختلف مراحل طے کرتا رہتا ہے اس طرح گلزارِ کائنات کی تمام سروسامانیاں اسی نورافشاں اور عطر بیز گلِ رسالت کی شگفتگی کی مرہونِ منت ہیں اور ہمیں نہایت لطیف اور دلکش پیرائے میں اس حقیقت کو تلاش کرنے کی دعوت دیتی ہیں کہ اگر مالکِ کائنات کو اسی گلِ نوبہارِ رسالتِ آخرالزماں کی نمود و ظہور اور اس کی عطر پاشیوں سے ربعِ مسکون کو معطر و معنبر کرنا مقصود نہ ہوتا تو یہ گلزارِ حیات پذیر نہ ہوتا یہی حدیثِ قدسی لولاک لما خلقت الافلاک (اگر مجھے آپ کو وجود میں لانا مقصود نہ ہوتا تو پھر کائناتِ سماوی (وارضی) بھی وجود میں نہیں لاتا) کا صحیح اور حقیقت آفریں مفہوم ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوئے مرتبت کا کچھ اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ روزِ اوّل اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ کائنات سے پہلے تمام پیغمبروں سے حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت و اطاعت کا اقرار لیا۔ چنانچہ حضور رسولِ اکرمؐ کی رسالت اور اطاعت کا سکہ روزِ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ آپ کی بعثت اور وجودِ ظاہری جب عرصۂ حیات میں جلوہ افروز ہوئے تو گویا یہ وہی وقت تھا جب رسالت کا بیج اپنی معیادِ آبیاری اور نشوونما سے گزر کر گلِ رسالت کے معطر مزیّن روپ میں جلوہ کناں ہوچکا تھا اس لحاظ سے صرف آنحضرتؐ کی ذاتِ اقدس ہی صحیح معنوں میں رسول اللہ کہلانے کی مستحق ہے۔ آپؐ کے علاوہ جتنے انبیاء و رسُل دنیا میں تشریف لائے تو

Marfat.com

وہ ایک معنی میں اللہ تعالیٰ کے مقصدِ آخریں کی تکمیل و ترویج میں اپنا اپنا فرضِ منصبی ادا کر رہے تھے اور بتدریج اُس مشن کو آگے بڑھا رہے تھے جس کی تشکیل و تکمیل اپنے آخری مرحلہ میں دینِ اسلام کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کو تمام اُممِ سابقہ پر گواہ اور شاہد قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ہم نے تمکو اُمتِ وسط (معتدل) بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبرِ آخر الزماں تم پر گواہ بنیں (بقرہ ۱۴۳۱)

خلاصۂ کلام

اس وقت تک جو موضوع زیرِ بحث رہا ہے اس کا خلاصہ مختصر طور پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے لئے بنیادی شرط کلمۂ طیبہ پر ایمان لانا ہے یعنی اقرارِ زبان اور صدقِ دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ کہنا ہے یعنی اس صداقت پر ایمان لانا کہ اللہ کے سوا کوئی اور لائقِ عبادت نہیں اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول (آخر الزماں) ہیں۔ زبان سے الفاظِ کلمہ کی ادائیگی اور خلوصِ نیت سے اس کی صداقت کا اقرار، ایمان کا سب سے اہم، سب سے اوّل اور سب سے عظیم رکن ہے۔ محض زبان سے اقرار اور دل سے انکار یا اس کے برعکس، کوئی معنے نہیں رکھتا۔ اور اس سلسلہ میں کوتاہی براہِ راست قبولِ اسلام کو مشکوک اور ناقابلِ اعتناء بنا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حاکمیتِ اعلیٰ کا تصور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و اطاعت کے اقرار کے بعد ہی دل و دماغ پر اپنا نقش قائم کر سکتا ہے۔ احکامِ خداوندی کی پاسداری اور تعمیل اور اس کی جزا و انعام سے بہرہ یاب ہونے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔

Marfat.com

۲- اسلام میں عقیدہ (ایمان) کی نوعیت

یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے لئے اس دو جہتی صداقت کا اقرار لازم ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود اور حاکم اعلیٰ ہے۔ اور اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت و پرستش کا سزاوار نہیں۔ دوم یہ کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی آخر الزماں ہیں۔ یہ عقیدہ اسلام لانے کیلئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام میں عقیدہ کی وضاحت اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عقیدہ وایمان کی حیثیت اور افادیت کا جائزہ لیا جائے اور پھر یہ معلوم کیا جائے کہ اس عقیدہ وایمان کی عمومی حیثیت کے مقابلہ میں اسلامی عقائد و نظریات کس خصوصی اہمیت اور امتیاز سے متصف ہیں۔

عقیدہ کے لغوی معنے کسی شئے کو فی نفسہٖ سچ تصور کرنے یا کسی فرد کی کہی یا بتلائی ہوئی بات کو صحیح اور سچ تسلیم کرنے کے ہیں۔ یہ گویا ایک ذہنی فعل یا فعالی کیفیت کا نام ہے جس کے تحت کسی واقعہ یا مجوزہ امر کو سچ اور صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ لیکن یہ ایک سطحی اور عمومی طرز فکر ہے کیونکہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعہ یا امر مجوزہ مبنی بر صداقت ہے اور اس کی تصدیق بھی ممکن ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری نہیں کہ ایسے تمام اُمور عقل کی کسوٹی پر بھی صحیح اور معیاری اتریں اور ان کی صداقت کا جواز بھی موجود ہے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عقیدہ کورانہ تقلید کا نام ہے اور وہ جائز و ناجائز اور افادیت و غیر افادیت سے سروکار نہیں رکھتا اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بات باآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ عقیدہ (اور ایمان) کی ضرورت وہاں محسوس ہوتی ہے جب کوئی چیز گہرے اور تجزیاتی مطالعہ کے باوجود فہم و شعور کی حدود سے بالاتر رہتی ہے اور ایک شخص اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے کہ وہ ایسے فہم سے بعید امور کو بھی سچ اور صحیح تسلیم کرے محض اس بناء پر کہ اس تک یہ

Marfat.com

بات ایک ایسے ذریعہ سے پہنچی ہے جس پر اُسے پورا پورا اعتماد ہے (کہ اس ذریعہ سے آنے والی بات غلط نہیں ہو سکتی)۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے علاوہ تمام مروجہ مذاہب میں عقیدہ یا ایمان عموماً اُن نظریات یا قیاسات پر مشتمل ہوتا ہے جن کا کوئی عقلی یا منطقی جواز نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہندومت میں مسئلہ تناسخ یا آواگون کا عقیدہ یا بُت پرستی کے علاوہ گائے، سورج، چاند وغیرہ کی پرستش ایسی باتیں ہیں جن کو عقلی دلائل سے مفید اور صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ بدھ مت بھی کچھ اسی قسم کے توہمات اور مفروضات کا شکار ہے۔ بدھ مت کے پیروکاروں کا عقیدہ ہے کہ یہ کائنات ایک غیر مختتم چکر پر چل رہی ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہر کاسمک (کائناتی) چکر کے ختم پر زندگی ایک بہت بڑی اور خوفناک آگ سے جل کر ختم ہو جاتی ہے۔ اُس کے بعد ایک سیلاب کے ذریعہ زندگی عود کر آتی ہے۔ نیز اس مذہب کے ماننے والے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ موت کے بعد روح، دوسرے جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ نیز یہ کہ نروان یا دائمی نجات، الہامی روشنی اور ذہانت تامّہ کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ باتیں شعوری اور استدلالی نقطۂ نظر سے بے بنیاد اور دوراز کار واہمہ سے زیادہ نہیں۔ اس طرح زرتشت کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے والے بھی بعید از قیاس مفروضات کا شکار ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ خدائی دو حصوں میں منقسم ہے، یعنی خیر اور شر میں بٹی ہوئی ہے اور دونوں "دنیائیں" علیحدہ علیحدہ دو خداؤں، یزدان (خیر) اور اہرمن (شر) کے حکم اور اختیار سے چل رہی ہیں۔ اس کے علاوہ زرتشت کے عقیدت مند آگ کو مقدس خیال کرتے ہیں اور اس کی پرستش بھی کرتے ہیں۔ مذہب یہود کے پیرو اب بھی ایک نام نہاد توراۃ قدیم کو الہامی کتاب سمجھتے ہیں حالانکہ اصل توراۃ ناپید ہے اور جو کتاب اس نام سے پائی جاتی ہے وہ تحریف و تنقیص سے بھری پڑی ہے۔ اس کے علاوہ اس (مسخ شدہ) توراۃ میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی شان میں ناقابلِ بیان گستاخیاں اور الزامات تک نہایت بے باکی کے ساتھ شامل

Marfat.com

کر دیئے گئے ہیں۔ مذہب نصاریٰ بھی سربستہ رازوں اور بعید از فہم عقیدوں کے تانے بانے سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس ضمن میں مقدس تثلیث، اور تصلیبِ مسیح کے عقائد نیز یہ عقیدہ کہ مسیح نے اپنی جانِ عزیز، نذرِ صلیب کر کے اپنے ماننے والوں کے ماضی، حال اور مستقبل کے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ یہ سب ایسے عقائد ہیں جن کو عقل و فہم کی بنیاد پر صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ یہ بات اب مزید ثبوت و وضاحت کی محتاج نہ رہی کہ ان مذکورہ تمام مذاہب میں عقیدہ و ایمان کی بنیاد کچھ ایسی باتوں پر رکھی گئی ہے جن کو انسانی عقل و شعور ماننے کو تیار نہیں۔ یہ عقائد دراصل کورانہ تقلید کی پیداوار ہیں۔ جو واہمہ یا خام خیالی سے اتنے ہی قریب ہیں جتنا فہم و دانش سے دور! دوسرے لفظوں میں یہ عقائد و نظریات محض ماننے کے لئے ہیں سمجھنے کے لئے نہیں۔

جہاں تک اسلامی عقائد و ایمان کا تعلق ہے، صورتِ حال بالکل مختلف ہے اسلام میں کورانہ تقلید یا توہمات پر مبنی نظریات جیسی کوئی چیز نہیں بلکہ اسلام کا ہر عقیدہ اور ہر نظریہ سراسر عقلی دلائل پر مبنی ہے جسے سچ ماننے یا سچ ثابت کرنے کے لئے پیچ در پیچ افکار اور دلائل کی ضرورت نہیں پڑتی اس میں ہر عقیدہ سیدھا صاف اور مبنی بر عقل ہے، جس کا سمجھنا اور جس کا جواز ایک عامی کے لئے بھی مشکل نہیں۔ "اسلام" بذاتِ خود تسلیم صداقت سے عبارت ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس کو خواہ مخواہ سچ مانا یا سچ جانا جائے۔ یہ ہمیں ایسی کوئی تعلیم ہی نہیں دیتا جو تنقیدی شعور یا شعوری تنقید کا سامنا کرنے سے کترائے۔ اس کے برعکس اسلام تو اہلِ دانش کو دعوت دیتا ہے کہ اگر اُن کے علم و مشاہدہ کے امکان میں ہو تو وہ اسلام کے بنیادی نظریات و عقائد پر تنقید کر کے اُس کے انکار یا بطلان کی واضح دلیل اور ثبوت پیش کریں۔ مثلاً اسلام میں داخل ہونے کی اوّلین شرط کلمۂ طیبہ پر ایمان ہے یعنی زبان و دل سے اس کا اقرار کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ یہ ایک بنیادی حقیقت ہے اور اس کی

Marfat.com

صداقت ایسی ہی عیاں ہے جیسا خود زندگی کا وجود۔ اس حقیقت کو دنیا کا کوئی مفکر یا دانشور اپنی تمام تر علمی معلومات اور تحقیق و تنقید کے سروسامان کے باوجود نہ جھٹلا سکا۔ اور نہ آئندہ کوئی اسے غلط یا ناقابلِ فہم ثابت کر سکتا ہے۔ بلکہ اگر کبھی اس ابدی صداقت کو غلط یا عقل و فہم سے بعید ثابت کرنے کی کوشش بھی کی گئی تو اس کا اثر یہ ہوا کہ اسلام کے نظریاتی عقائد اور عملی حقائق اپنی تمام سچائیوں اور جواز کے ساتھ سامنے آ گئے اور پھر انہی تنقید کاروں کو اسلام کی حقانیت کا قائل ہونا پڑا اور انھیں یہ بات ماننی پڑی کہ عقیدہ و ایمان کا مفہوم اسلام میں اُس صداقت کی قبولیت، تصدیق اور حصول سے عبارت ہے جو ازل سے ابد تک قائم و دائم ہے۔ اس میں توہم و خام خیالی سربستہ راز و سحر طرازی یا قیاس و فہم سے بالاتر عقائد و افکار کا گذر تک نہیں۔

اسلامی عقیدہ کی اجمالی تشریح

اسلامی عقیدہ کی بنیاد اللہ تعالیٰ، جملہ انبیاء و رُسُل، کتبِ سماوی، ملائکہ اور روزِ حساب (قیامت) پر صداقتِ قلب و زبان سے اقرار کرنے اور ان پر ایمان لانے پر قائم ہے۔ قرآن کریم کی ابتدائی آیات ہی میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں کہ کلامِ خدا ہے، خدا سے ڈرنے والوں کی رہنما ہے۔ جو غیب پر ایمان لاتے اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے اُن کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کتاب (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر نازل ہوئی اور جو کتابیں تم سے پہلے پیغمبروں پر نازل ہوئیں اُن سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں (البقرہ ۵۱-۱) (اللہ کے) رسول اس کتاب پر جو اُن کے پروردگار ک طرف

Marfat.com

سے اُن پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔ سب خدا پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اُس کے پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ خدا سے عرض کرتے ہیں کہ ہم نے تیرا حکم سُنا اور قبول کیا۔ اے پروردگار ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے (البقرہ ۲۸۵) مومنو! خدا پر اور اُس کے رسولؐ پر اور جو کتاب اُس نے اپنے پیغمبرؐ (آخر الزماں) پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں، سب پر ایمان لاؤ۔ اور جو شخص خدا اور اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اُس کے پیغمبروں اور روزِ قیامت سے انکار کرے، وہ رستہ سے بھٹک کر دُور جا پڑا (النساء: ۱۳۶)

Marfat.com

Marfat.com

بابِ دوم

اللہ تعالیٰ

۱۔ تعارفی کلمات۔

اسلام کا پہلا رکن اللہ تعالےٰ پر ایمان ہے۔ یعنی یہ اقرار کرنا کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالےٰ ہی ساری کائنات کا خالق، پالنے والا، قائم رکھنے والا اور اس میں رواں دواں انتظام و انصرام خواہ وہ کسی شکل میں اور کسی جگہ سے متعلق ہو، اُن سب کی نگراں اور محافظ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تمام حمد، عبادت اور اطاعت صرف اللہ تعالےٰ کے لئے ہے۔ وہ اپنی ذات میں یکتا، حاکمِ مطلق، منتہی اور لازوال ہے۔

۲۔ مابعد الطبیعاتی مسائل۔

اگر ہم مابعد الطبیعاتی نقطۂ نظر سے ہستی اور کائنات کا جائزہ لیں تو ہم اِس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہر غور و فکر کرنے والے ذہن میں چند اس نہج کے بنیادی سوالات اُبھرتے ہیں کہ کیا یہ کائنات جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور جس کا واضح تر خاکہ ہمارے ذہن میں موجود ہے، حقیقی ہے اور نقطۂ کمال کو پہنچ چکی ہے؟ یہ کائنات کیونکر وجود میں آئی؟ اور اس کا انجام کیا ہوگا؟ ان سوالات کا جواب مابعد الطبیعاتی

Marfat.com

فہم و دانش کے نزدیک زمانۂ قدیم سے ابتک یہی رہا ہے کہ یہ اپنی شکل میں نہ تو حقیقی ہے، نہ آخری اور نہ ہی قائم بالذات ہے۔ نیز یہ کہ کثرتِ مظاہرات میں پوشیدہ اک ایسی ذاتِ مطلق ہے جو اس کارخانۂ عالم کی خالق بھی ہے اور اس کا انصرام و انتظام بھی سنبھالے ہوئے ہے اور وہی مختارِ اعلیٰ ہے لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ذاتِ مطلق کی اپنی ہستی کی نوعیت کیا ہے؟ اور اُس نے کائنات کو کس طرح پیدا کیا ہے؟ اور اس کائنات کا انجام کیا ہے؟ علمائے بعد الطبیعات اس قسم کے سوالات سوچ تو سکتے ہیں مگر اُن کے فہم و ادراک کی بے بسی یہ ہے کہ وہ ان سوالات کا اپنے رجحانِ طبع اور اپنے میلانِ فکر سے کوئی کافی اور حتمی جواب نہیں دے سکتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان سوالات کا صحیح جواب علمِ مابعد الطّبیعات سے قطعاً ماوراء ہے۔

۳۔ سائنس کا اندازِ فکر۔

سائنس کے میدان میں سائنس دانوں نے "اٹامک تھیوری" کے ذریعہ مادہ کو توانائی (انرجی) میں تبدیل کر کے مادّہ کی حقیقت اور ہیئت کو بدل کر رکھ دیا ہے اب نہ تو مادہ حقیقی رہا نہ مطلق اور نہ حتمی۔ اس کے ساتھ ہی حقیقت الامر یہ ہے کہ گوناگوں مظاہراتِ قدرت کے درمیان آفاقیت (ہمہ گیری) کی موجودگی، اور دنیا میں تخلیق شدہ ہر نوع و جنس کی ماہیت اور خواص و کردار میں اختلاف کے باوجود اُن کے طرزِ عمل میں یکسانیت اور ہر شئے کی بلا استثنار وجود و فنا کے مراحل سے گذرنے کی لازمیت اور اسی قسم کے تمام امور اس بات کی علی الاعلان گواہی دیتے ہیں کہ اس کائنات کی تخلیق میں اجتماعی طور پر کوئی مقصد ضرور پوشیدہ ہے۔ یہی حقیقت اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ ان سب کی موجد اور خالق کوئی ایسی ذات ضرور موجود ہے جو ذہن اور ارادہ کے درجۂ منتہی کی مالک ہے اور جس کے دستِ قدرت میں ارادہ کی قوت اور اس قوت کو تشکیل و تخلیق

Marfat.com

کے عملی مظاہر دیں پیش کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد فطری طور پر ذہنِ انسانی یہ بھی جاننا چاہتا ہے کہ آخر وہ ذاتِ مطلق ہے کیا ؟ اور اس کی نوعیت اور طریقہ کار کیا ہے ؟ لیکن ان لطف بر سیدھے مگر اہم اور بنیادی سوالات کا جواب سائنس کے حیطۂ امکان سے باہر ہے !!

۴۔ مذہب کا کردار۔

بلاشبہ انسانی فہم نے فلسفہ اور سائنس کی مدد سے اس امر کی تصدیق کر لی ہے کہ اس کائنات کی تخلیق و تزئین میں ایک حقیقتِ منتہی کارفرما ہے جو اپنے وجود و قدرت میں یکتا و مختارِ کل ہے لیکن اس سے ماوری حقائق کا علم و انکشاف. سائنس اور فلسفہ کی حدود اور دسترس سے باہر ہے۔ یہیں سے مذہب کا کردار (رہنمائی کا عمل) شروع ہوتا ہے. اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندومت کا عقیدہ "مایا"، بدھ مت کا فلسفہ "نروان" اور زرتشت کا نظریہ "اہورامزدا" یہ تمام حقیقتِ اعلیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں مگر یہ عقائد ذہنِ انسانی کو اس سوال پر مطمئن نہیں کر سکتے کہ اس حقیقتِ اعلیٰ کی ماہیت کیا ہے ؟ اسی طرح یہودیت اور نصرانیت بھی اگرچہ مختارِ اعلیٰ خدا کی موجودگی کا نظریہ پیش کرتے ہیں مگر امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ان مذاہب کے صحائفِ آسمانی یعنی تورات و انجیل میں تحریف و ترمیم کے باعث ان مذاہب کی تعلیم و ہدایت بھی اپنے اصلی خدوخال میں موجود نہ رہی اور ان کا مروجہ عقیدہ نہ صرف یہ کہ خود اپنی جگہ لائقِ شہادت و یقین نہیں رہا بلکہ ان کے ہاں اب بھی ان سوالات کا کوئی حتمی جواب نہیں ملتا کہ ذاتِ خدائے واحد و مختار کی نوعیت کیا ہے اور اللہ کے پیغمبر کیا پیغام لے کر آئے تھے۔ لہٰذا اب صرف قرآن کریم ہی وہ واحد سرچشمۂ رشد و ہدایت ہے جس میں خالقِ کائنات کی ذاتِ مطلق کے بارے میں تمام

Marfat.com

سوالات کا کافی و شافی جواب موجود ہے۔

۵۔ حقیقتِ مُنتہیٰ۔

قرآنی نقطۂ نظر سے حقیقتِ منتہیٰ کی مالک اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ معبودِ برحق ہے کہ اُس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ زندہ، ہمیشہ رہنے والا، اُسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔ کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اُس سے کسی کی سفارش کر سکے جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہو چکا ہے اُسے سب معلوم ہے۔ اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں جس قدر وہ چاہتا ہے اُسی قدر معلوم کرا دیتا ہے۔ اُس کی بادشاہی اور علم، آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے اور اُسے اُن کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں۔ وہ بڑا عالی رتبہ اور جلیل القدر ہے (البقرہ: ۲۵۵) خدا ایسا خبیر و بصیر ہے کہ کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہیں۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں (آل عمران: ۵)
اللہ وہی تو ہے جس نے تمھارے لئے رات بنائی تاکہ اُس میں آرام کرو۔ اور دن کو روشن بنایا کہ اُس میں کام کرو۔ بے شک خدا لوگوں پر فضل کرنیوالا ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (مومن: ۶۱) یہی خدا تمھارا پروردگار ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو؟ (مومن: ۶۲) وہ زندہ ہے جسے موت نہیں۔ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو اُس کی عبادت کو خالص کر کے اُسی کو پکارو۔ ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے۔ جو تمام جہان کا پروردگار ہے (مومن: ۶۵) اللہ وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ بنا کر، پھر لوتھڑا بنا کر، پھر تم کو نکالتا ہے کہ تم بچہ ہوتے ہو۔ پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو۔ پھر تم بوڑھے ہو جاتے ہو اور کوئی تم میں پہلے ہی مر جاتا ہے اور تم موت کے وقتِ مقرر (انتہائے عمر) تک پہنچ جاتے

Marfat.com

ہو اور تاکہ تم سمجھو (مومن: ۶۷) اللہ وہی تو ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ پھر جب وہ کوئی کام کرنا اور کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہدیتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتا ہے (مومن: ۶۸)۔

اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں بادشاہی اُسی کی ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر جا ٹھہرا۔ جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو آسمان سے اُترتی اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے سب اس کو معلوم ہے۔ اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو، خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اُسی کی ہے اور سب اُمور اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دلوں کے بھید تک سے واقف ہے (الحدید: ۶-۱)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بادشاہِ حقیقی، پاک ذات، ہر عیب سے سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا۔ اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔ وہی اللہ تمام مخلوقات کا ایجاد و اختراع کرنے والا اور صورتیں بنانے والا ہے۔ اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔ جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اُس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے (حشر: ۲۴-۲۲)

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے مگر تم کم احسان مانتے ہو۔ کہدو کہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا اور اُسی کے روبرو تم جمع کیے جاؤ گے (الملک: ۲۴-۲۳)

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اُس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا طاق

Marfat.com

ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل ایسی صاف و شفاف کہ گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارہ ہے۔ اُس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے یعنی زیتون، کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تیل خواہ آگ اُسے نہ بھی چھوئے، جلنے کو تیار ہے۔ بڑی روشنی پر روشنی ہو رہی ہے۔ خدا اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ اور خدا جو مثالیں بیان فرماتا ہے تو لوگوں کے سمجھانے کے لئے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے (النور: ۳۵)

۶۔ ایک سوال۔

مندرجہ صدر اجمال کی تفصیل میں جانے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسے سوال پر غور کیا جائے جو عام طور سے ذہنِ انسانی میں پیدا ہوتا ہے اور شدت سے جواب کا تقاضا کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر واقعی اللہ موجود ہے تو وہ ہمارے حواس کی پہنچ میں کیوں نہیں آتا اور ہم اُسے کیوں دیکھ یا چھو نہیں سکتے؟ اس سوال کا جواب دینے سے پیشتر اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا کسی شے کی موجودگی کے اعتراف کا صرف یہی ایک معیار ہے کہ وہ ہمارے حواسِ خمسہ کی حدود میں آجائے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو پھر پوچھا جاسکتا ہے کہ ہم "آدمی" کا وجود کیوں تسلیم کرتے ہیں؟ کیا درحقیقت "آدمی" کو کبھی ہم نے اپنے حواسِ خمسہ کی مدد سے دیکھا، چھُوا، سونگھا، چکھا یا سُنا ہے؟ شاید یہ سوال کچھ عجیب نظر آئے کیونکہ بادی النظر میں ہم روز، بلکہ ہر آن "آدمی" سے دوچار ہوتے ہیں بلکہ حقیقت میں ہم خود بھی "آدمی" ہیں! لیکن کسی خاص نتیجہ پر پہنچنے سے پیشتر یہ ضروری ہے کہ ہم پہلے خود "آدمی" کا تجزیہ کریں!! فرض کیجئے ایک شخص ہے جس کا نام احمد ہے۔ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم اُسے دیکھ بھی رہے ہیں۔ اب سوچئے احمد کیا ہے؟ وہ ایک گوشت پوست کا مجموعہ

Marfat.com

جس کے اجزائے ترکیبی سر، بازو، پیر، ناک، کان، آنکھ وغیرہ ہیں ہمارے سامنے ہے مگر کیا ہم اُس کے سر، ہاتھ، پیر، آنکھ، کان یا ناک یا مجموعی طور پر پورے جسم کو احمد کہتے ہیں؟ نہیں۔ بلکہ انفرادی طور پر سر کو احمد کا سر، پیر کو احمد کا پیر، ہاتھ کو احمد کا ہاتھ، آنکھ کو احمد کی آنکھ، کان کو احمد کا کان، ناک کو احمد کی ناک اور پورے جسم کو احمد کا جسم کہیں گے۔ تو پھر احمد کیا ہے؟ دراصل ہم احمد اس شخص کو نہیں کہتے جو ہمارے سامنے کھڑا ہے بلکہ فی الحقیقت احمد اس کا نام ہے جو اُس کے کالبدِ خاکی میں کارفرما ہے اور جس کے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد ہم کو کہنا پڑتا ہے کہ احمد کی موت واقع ہو گئی حالانکہ جسمانی حیثیت سے احمد اب بھی (مُردہ شکل میں) صحیح وسالم ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ چنانچہ احمد (یعنی آدمی مجرّد) ہمارے حواسِ خمسہ کی زد سے باہر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی گوشت پوست کے ڈھانچہ کا نام نہیں ہے۔ بلکہ وہ اُس شئی کا نام ہے جو اُس کے اندر حرکت پذیر ہے اور جس کی وساطت اور جس کے عمل اور ردِّ عمل سے انسانی حرکات ظہور میں آتی ہیں۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ ہم آدمی کا وجود اُس کے اعمال یا افعال سے جانتے ہیں جن کو ہم اُس کے آثار یا نشانیاں بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی موجودگی کا علم خود خدا کو اپنے حواسِ خمسہ کے ذریعہ جسمانی طور پر تجربہ یا مشاہدہ کرنے سے نہیں بلکہ اُس کی نشانیوں (آثارِ فطرت اور مظاہراتِ قدرت) کے مشاہدہ و تجربہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ سوال کہ خدا کو ہم دیکھ یا چھُو کیوں نہیں سکتے اپنی جگہ خود نامناسب ہے کیونکہ خدائے تعالےٰ مادی جسم کی کثافت سے پاک ہے یعنی اُس کا کوئی مادّی وجود نہیں۔ لہٰذا اُس کا ہمارے حواسِ خمسہ کی حدود میں آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ قرآن کریم نے بھی خدائے تعالےٰ کے حکم (عمل) سے وجود پانے والی چیزوں کو اس کی نشانیاں کہا ہے۔ اور انہی نشانیوں کا مطالعہ ہمارے لئے خدا کے موجود ہونے کی علامت اور ثبوت کا درجہ رکھتا ہے۔ ہم یہ حقیقت بلا تامل تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں محسوس کرتے۔

Marfat.com

۷۔ اللہ کی نشانیاں۔

اللہ تعالیٰ کی واضح نشانیوں میں اُس کی قدرت خالقیت، حاکمیت، ملکیت، طاقت وقوت، علم وحکمت، مقصدِ خلق، ربوبیت، زندگی، موت اور اُس کے سامنے مخلوق کی بے چارگی اور بے بسی وغیرہ ہیں۔ ان نشانیوں کا ذکر تفصیل سے قرآنِ کریم کی روشنی میں بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے وجود کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دیا جائے۔ جب مذہب ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ اللہ ہی تمام مخلوق کا خالق ہے تو یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ پھر خدا کا خالق کون ہے؟ یہ سوال دراصل تضادِ فکر پر محمول ہے۔ ہم پہلے ہی تسلیم کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ایسی قدرت وطاقت کی مالک ہے جو منتہائے اعلیٰ، برتر از ہمہ، لازوال اور غیر تغیر پذیر (نقطۂ آخریں) ہے۔ لہٰذا اگر ہم اپنی فہم وبصیرت کے ساتھ اس علّت ومعلوم کے ربط وتواز ن کا کسی بھی زاویہ سے جائزہ لیں تو ہم اس نقطہ پر ضرور پہنچ سکیں گے جو اس طاقت وتوانائی اور انتہائے علم وحکمت کا نقطۂ اولیں ہے۔ جو خود اپنا وجود اور اپنا موجد ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر مخلوقات کا سببِ وجود اور ذریعۂ ارتقاء بھی ہے۔ یہی نقطۂ اول جو تمام نقاطِ کائنات کا سرچشمہ اور خالق ہے، اللہ، خالق اور ربّ العالمین ہے۔

دوم یہ کہ ہم اس مسئلہ کو کسی مملکت کے سربراہِ اعلیٰ (شہنشاہ) کے اختیار واقتدار کی مثال سے بھی واضح کر سکتے ہیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ حکومت کی مشنری میں قانون کا نفاذ واجراء اعلیٰ عہدہ پر فائز افسران کے توسط سے ماتحتین کے سب سے نچلے طبقہ تک ہوتا ہے اور مملکت کا سب سے بڑا عہدہ دار خود اپنے حاکم اعلیٰ بادشاہ یا شہنشاہ سے اختیار وطاقت حاصل کرتا ہے۔ مگر یہ اختیار وطاقت خود بادشاہ نے کہاں سے حاصل کئے؟ ظاہر

Marfat.com

ہے کہ بادشاہ خود اپنی طاقت و قدرت کا سرچشمہ ہے یعنی جس دن وہ تخت و تاج کا مالک ہوا، اُس لمحہ وہ اختیار و اقتدار کا مالک ہو گیا۔ اُس کی مرضی اور خواہش ہی طاقت و قدرت کا دوسرا نام بن گئی۔ جب ہم کسی دنیاوی بادشاہ کے سلسلہ میں اُس کے اختیار و اقتدار کو خود اُسی کی مرضی اور خواہش کا سبب تسلیم کر سکتے ہیں تو کائنات کے شہنشاہ اور مالکِ حقیقی کے متعلق یہی حقیقت تسلیم کرنے میں ہمیں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ کے تمام اختیار و طاقت کا سرچشمہ خود اللہ تعالیٰ کا منشاء و ارادہ ہے جس میں کسی بیرونی عنصر یا ذریعہ کا کوئی دخل یا جبر نہیں۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ کی ذات علتِ کائنات ہے اور اس علت کی معلول اور مظہر ہے اسی کی ذات میں حکمت و ارادہ کی مطلق صفات پوشیدہ ہیں اور اسی کی قدرت و منشاء کے اشارہ سے "ہستی" وجود میں آتی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی چیز کا ارادہ (تخلیق و ظہور) کرتا ہے تو صرف لفظ "کُن" سے وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری بات یہی ہے کہ اُس کو کہہ دیتے ہیں کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے (النحل: ۴۰) اللہ کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اُس سے فرما دیتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے (یٰسین: ۸۲) بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اُن کو پھر ویسے ہی پیدا کر دے؟ کیوں نہیں؟ وہ تو بڑا پیدا کرنے والا اور علم والا ہے (یٰسین: ۸۱)

اللہ تعالیٰ کی صفات

صفتِ خالقیت

اللہ تعالیٰ کی صفات میں صفتِ خالقیت اُس کے وجود کا سب سے

Marfat.com

بڑا ثبوت اور سب سے واضح نشانی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا کئی جگہ ذکر آیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لئے رواں ہیں اور مینہ میں جس کو خدا آسمانوں سے برساتا اور اُس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ یعنی خشک ہوئے پیچھے سرسبز کر دیتا ہے اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں سب عقلمندوں کے لئے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں (بقرہ ۱۶۴) وہی تو ہے جو ماں کے پیٹ میں جیسی چاہتا ہے تمھاری صورتیں بناتا ہے۔ اُس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (آل عمران، ۶) اور خدا ہی تو ہے جس نے باغ پیدا کئے، چھتریوں پر چڑھائے ہوئے اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے جاتے ہیں وہ بھی اور کھجور اور کھیتی جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں۔ اور زیتون اور انار جو بعض باتوں میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور بعض باتوں میں نہیں ملتے۔ جب یہ چیزیں پھلیں تو اُن کے پھل کھاؤ اور جس دن پھل توڑو اور کھیتی کاٹو تو خدا کا حق بھی اُس میں سے ادا کرو۔ اور بیجا نہ اُڑانا کیونکہ خدا بیجا اُڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا (انعام: ۱۴۲) اور چارپایوں میں بوجھ اُٹھانے والے یعنی بڑے بھی پیدا کئے اور زمین سے لگے ہوئے یعنی چھوٹے چھوٹے بھی۔ پس خدا کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ وہ تمھارا صریح دشمن ہے (انعام: ۱۴۳) اور ہم ہی نے تم کو ابتداء میں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر تمھاری شکل بنائی (اعراف: ۱۱) خدا وہی تو ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان، جیسا کہ تم دیکھتے ہو اتنے اونچے بنائے۔ پھر عرش پر جا ٹھیرا۔ اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا۔ ہر ایک ایک میعادِ معین تک گردش کر رہا ہے۔ وہی دنیا کے کاموں کا انتظام کرتا ہے (الرعد ۲) اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اُس میں پہاڑ اور دریا پیدا کئے۔ اور

Marfat.com

ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں بنائیں۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے۔ غور کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں (الرعد: ۳) اور اس نے تم کو کان اور آنکھیں اور دل بخشے (النحل: ۷۸) اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بنایا۔ یہ سب یعنی سورج، چاند اور ستارے آسمان میں اس طرح چلتے ہیں گویا تیر رہے ہیں (انبیاء: ۳۳)

صفتِ ربوبیت۔

اللہ تعالیٰ نہ صرف کائنات کا خالق ہے بلکہ اس نے اپنی تمام مخلوقات کی نشوونما اور فروغ وارتقاء کے اسباب ووسائل بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ خدا وہی ہے جو آسمان سے مینہ برساتا ہے جس سے ہر قسم کے نباتات، اناج، کھجور، انگور، زیتون اور انار کے باغ پیدا ہوتے ہیں (انعام: ۱۰۰) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمھارے لئے چارپایوں میں بھی مقامِ عبرت اور غور ہے کہ اُن کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے (النحل: ۶۶) اور کھجور اور انگور کے میووں سے بھی تم پینے کی چیزیں تیار کرتے ہو کہ ان سے شراب بناتے ہو اور عمدہ رزق کھاتے ہو (النحل: ۶۷) (نوٹ: یہ آیت تحریم شراب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ شراب کے حرام قرار دیے جانے کا حکم سورۃ مائدہ آیت ۹۰ میں مذکور ہے۔ مترجم) اور تمھارے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو ارشاد فرمایا کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور اونچی اونچی چھتریوں میں جو لوگ بناتے ہیں گھر بنا۔ اور ہر قسم کے میوے کھا اور اپنے پروردگار کی طرف صاف چلی جا۔ اس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ اس میں لوگوں کے کئی امراض کی شفا ہے۔ (النحل: ۶۸-۶۹) پس خدا نے جو تم کو حلال اور طیب رزق دیا ہے، اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو (النحل: ۱۱۴) خدا ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا

Marfat.com

ہے تنگ کر دیتا ہے۔ (عنکبوت: ۶۲) وہ خدا ہی تو ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تم پر آسمان سے رزق اُتارتا ہے (مومن: ۱۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بے شک ہم ہی نے پانی برسایا۔ پھر ہم ہی نے زمین کو چیرا پھاڑا۔ پھر ہم ہی نے اُس میں اناج اُگایا۔ اور انگور اور ترکاری، اور زیتون اور کھجوریں، اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارا، یہ سب کچھ تمھارے چوپایوں کے لئے بنایا (عبس: ۲۴-۳۲)

وسائل تحفظ۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کا ایک مظہر اُس کی صفتِ تحفظ اور سایہ گستری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی خواہ وہ کسی جنس یا نوع سے ہو، تحفظ و بقاء کے لئے رہائش و آبادکاری کے اسباب بھی مہیا کئے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے کہ خدا ہی نے تمھارے لئے گھروں کو رہنے کی جگہ بنایا اور اُسی نے چوپایوں کی کھالوں سے تمھارے لئے ڈیرے بنائے جن کو تم سبک دیکھ کر سفر اور حضر میں کام میں لاتے ہو۔ اور اُن کی اُون اور پشم اور بالوں سے تم اسباب۔ اور برتنے کی چیزیں بناتے ہو جو مدت تک کام دیتی ہیں۔ اور خدا ہی نے تمھارے آرام کے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور پہاڑوں میں غاریں بنائیں اور کرتے جو تم کو گرمی سے بچائیں۔ اور ایسے کرتے بھی جو تم کو اسلحۂ جنگ کے ضرر سے محفوظ رکھیں۔ اسی طرح خدا اپنا احسان تم پر پورا کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار بنو (النحل: ۸۰-۸۱) اے بنی آدم! ہم نے تم پر پوشاک اُتاری تاکہ تمھارا ستر ڈھانکے اور تمھارے بدن کو زینت دے اور جو پرہیزگاری کا لباس ہے وہ سب سے اچھا ہے (اعراف: ۲۶)

وسائلِ ہدایت و رہنمائی۔

مادّی اسباب و وسائل کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ذہنی و روحانی رہبری و رہنمائی کے ذرائع و مواقع بہم پہنچائے ہیں تاکہ انسان اپنی زندگی

Marfat.com

کو کامیابی کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچا سکے اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو اپنی واضح ہدایات (صحائفِ آسمانی) کے ساتھ دنیا میں بھیجا۔ ارشادِ ربانی ہے کہ بیشک یہ کتاب (سرچشمۂ ہدایت ونصیحت) ہمیں نے اُتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ اور ہم نے تم سے پہلے بھی لوگوں میں پیغمبر بھیجے تھے (الحجر: ۱۰-۹) اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ خدا ہی کی عبادت کرو اور بتوں کی پرستش سے اجتناب کرو (النحل: ۳۶) اور ہم نے جو تم پر کتاب نازل کی ہے تو اس لئے کہ جس امر میں ان لوگوں کو اختلاف ہے، تم اُس کا فیصلہ کر دو۔ اور یہ قرآن مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ (النحل: ۶۴)

تنظیمِ کائنات کی صفت

اللہ تعالیٰ اس کائناتِ عالم کا منتظمِ اعلیٰ اور مختارِ کُل بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب خدا ہی کا ہے اور خدا ہی کارساز و کافی ہے (نساء: ۱۳۲) وہی آسمان سے زمین تک کے ہر کام کا انتظام کرتا ہے۔ پھر وہ ایک روز جس کی مقدار تمھارے شمار کے مطابق ہزار برس ہوگی، اس کی طرف صعود اور رجوع کرے گا (سجدہ: ۵) خدا ہی تو ہے جس نے دریا کو تمھارے قابو میں کر دیا تاکہ اُس کے حکم سے اُس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل سے معاش تلاش کرو اور شکر کرو۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمھارے کام میں لگا دیا (جاثیہ ۱۳-۱۲) خدا کے سوا تمھارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے (توبہ ۱۱۶) تمھارا پروردگار تو خدا ہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر عرش (تختِ شاہی) پر قائم ہوا۔ وہی ہر ایک کام کا انتظام کرتا ہے (یونس: ۳) آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب خدا ہی کا ہے اور خدا ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (نساء ۱۲۶) خدا آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے (اعراف: ۱۵۸) جو کچھ آسمانوں

Marfat.com

میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے اور جو کچھ زمین کی مٹی کے نیچے ہے، سب اُسی کا ہے (طٰہٰ: ۶) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (الحدید: ۲) وہ خدا جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے، بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے (الملک: ۱) خدا ہی بادشاہِ حقیقی اور معبودِ برحق ہے (النّاس: ۱-۳)

صفتِ علم و حکمت

اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں کُل کائنات کا علم ہے۔ اور وہی علم و حکمت کا سرچشمہ ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے کہ خدا ایسا خبیر و بصیر ہے کہ کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (آلِ عمران: ۵) اور اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اُسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے (انعام: ۵۹) اور آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزوں کا علم خدا ہی کو ہے (ہود: ۱۲۳) اور جو کچھ تم چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو سب سے خدا واقف ہے (بنی اسرائیل: ۵۵) اور جو اُن (یعنی لوگوں) کے سینوں میں پوشیدہ ہوتا ہے اور جو کام وہ ظاہر کرتے ہیں تمہارا پروردگار اُن سب کو جانتا ہے (النمل: ۷۴) خدا ہی کو قیامت کا علم ہے (لقمٰن: ۳۴) وہ حکمت والا اور خبردار ہے۔ جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اُس میں سے نکلتا ہے اور جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو آسمان سے اُترتا ہے اور جو اُس پر چڑھتا ہے، سب اُس کو معلوم ہے (سبا: ۱-۲) وہ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے (طلاق: ۱۲) اُسی نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اُس کو علم نہ تھا (العلق: ۵-۳)

مقصدِ تخلیقِ کائنات

اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کارخانۂ کائنات کو بلا مقصد اور بے سود نہیں بنایا

Marfat.com

اس کی تخلیق میں ضرور کوئی خاص مقصد و منشا پنہاں ہے۔ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور کچھ ان میں ہے، ان کو کھیلتے ہوئے نہیں بنایا۔ ان کو ہم نے تدبیر سے پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (الدخان: ۳۸-۳۹) بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آتے جاتے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے خدا کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے اور کہتے ہیں کہ اے پروردگار تو نے اس کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔ (آلِ عمران: ۱۹۱-۱۹۰) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مبنی بر حکمت پیدا کیا ہے۔ (النحل: ۳) کچھ شک نہیں کہ ایمان لانے والوں کے لئے اس میں نشانی ہے (عنکبوت: ۴۴) اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو اور جو کائنات ان میں ہے، اُس کو خالی از مصلحت نہیں پیدا کیا (صٓ: ۲۷)

عملِ تخلیق

قدرتِ تخلیق یا صنعتِ خالقیت اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نشانیوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ اس کا مشاہدہ ہم خود اپنی آنکھوں سے روزمرہ کی زندگی میں کرتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہی (یعنی خدا ہی) تو ہے جو ماں کے پیٹ میں جیسی چاہتا ہے تمھاری صورتیں بناتا ہے۔ اُس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (آلِ عمران: ۶) وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اُس سے اُس کا جوڑا بنایا تاکہ اُس سے راحت حاصل کرے۔ جب وہ اُس کے پاس جاتا ہے تو اُسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے اور وہ اُس کے ساتھ چلتی پھرتی ہے پھر جب کچھ بوجھ معلوم کرتی ہے (یعنی بچہ پیٹ میں بڑا ہوتا ہے) تو دونوں میاں بیوی اپنے پروردگار خدائے عزوجل سے التجا کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح و سالم بچہ دے گا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے (اعراف: ۱۸۹) خدا ہی اُس بچے سے واقف ہے جو عورت کے پیٹ میں ہوتا ہے اور پیٹ کے سکڑنے اور

Marfat.com

بڑھنے سے بھی واقف ہے اور اُس کے ہاں ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر ہے (الرعد: ۹)
اُسی نے انسان کو نطفہ سے بنایا مگر وہ اس خالق کے بارے میں علانیہ جھگڑنے لگا۔ (النحل: ۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے۔ پھر اس کو ایک مضبوط اور محفوظ جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفہ کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی۔ پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھایا پھر اُس کو نئی صورت میں بنا دیا تو خدا جو سب سے بہتر بنانے والا ہے، بڑا بابرکت ہے، (المومنون: ۱۴-۱۲) اور وہی تو ہے جس نے پانی سے آدمی پیدا کیا۔ پھر اُس کو صاحب نسب اور صاحب قرابت دامادی بنایا (یعنی کسی کا باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا خسر، کسی کا داماد) اور تمھارا پروردگار ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے (الفرقان: ۵۴)

یہی کچھ عمل تخلیق نباتات اور حیوانات کے سلسلہ میں بھی مشاہدہ میں آتا ہے۔ نباتات سے متعلق ہمارا روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ پودے، ساگ پات ترکاریاں اور درخت کس طرح بیج سے نکل کر نشو ونما پاتے ہیں۔ پہلے پہل بیج سے کونپل نمودار ہوتی ہے جو اپنی ٹہنی پر مضبوطی سے جم جاتی ہے اور پوری طرح بڑھ کر کاشتکار کے دل کی راحت کا سامان مہیا کرتی ہے (الفتح: ۲۹) قرآن کہتا ہے کہ اللہ ہی تو ہے جو اپنی رحمت یعنی مینہ سے پہلے ہواؤں کو خوش خبری بنا کر بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہے تو ہم اُس کو ایک مُردہ بستی (خشک زمین) کی طرف ہانک دیتے ہیں۔ پھر بادل سے مینہ برساتے ہیں۔ پھر مینہ سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں (اعراف: ۵۷) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم ہی نے آسمان سے ایک اندازہ کے ساتھ پانی نازل کیا۔ پھر اُس کو زمین میں ٹھہرا دیا اور ہم اُس کے نابود کر دینے پر بھی قادر ہیں۔ پھر ہم نے اُس سے تمھارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ بنائے (المومنون: ۱۹-۱۸) اور ہم نے نچڑتے بادلوں سے موسلادھار مینہ برسایا۔ تاکہ اُس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں اور گھنے گھنے باغ

Marfat.com

(النبا: ۱۶-۱۴) بے شک ہم ہی نے پانی برسایا، پھر ہم ہی نے اُس میں اناج اُگایا، اور انگور اور ترکاری، اور زیتون اور کھجوریں، اور گھنے باغ، اور میوے اور چارا، یہ سب کچھ تمھارے اور تمھارے چوپایوں کے لئے بنایا (عبس: ۳۲-۲۵) ان تمام واضح نشانیوں اور ناقابلِ انکار عملی مشاہدات کے باوجود بہت سے بصیرت وشعور سے محروم ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت کے منکر ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ خدا کس طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر کس طرح اُس کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے۔ یہ خدا کو آسان ہے۔ کہدو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اُس نے کس طرح خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے۔ پھر خدا ہی پچھلی پیدائش پیدا کرے گا۔ بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے (عنکبوت ۲۰-۱۹) اگر تم اُن سے پوچھو کہ آسمان سے پانی کس نے برسایا۔ پھر اُس سے زمین کو اُس کے مرنے کے بعد کس نے زندہ کیا تو کہدیں گے کہ خدا نے۔ کہدو کہ خدا کا شکر ہے لیکن ان میں اکثر نہیں سمجھتے۔ (عنکبوت ۶۳)

حیات بعدِ موت

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ وہ اس دنیا میں ہر ذی روح کی موت کے بعد ایک وقتِ مقررہ پر اُس کو دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ ہر فرد کے اعمال کا جو اُس سے دنیا میں سرزد ہوئے محاسبہ کیا جائے اور جزا یا سزا کا فیصلہ کیا جائے۔ اسی کا نام حیات بعد الموت ہے اس کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دو برگزیدہ پیغمبروں کو اس دنیا میں بھی کرا دیا۔ پہلا مشاہدہ غالباً حضرت عُزیر علیہ السلام کا ہے جس کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا ہے کہ: "کیا اُس شخص کو نہیں دیکھا؟ جسکا ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اتفاقاً گذر ہوا تو اُس نے کہا کہ خدا اس (بستی کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا۔ تو خدا نے اُس کی روح قبض کر لی اور سَو برس تک اُس کو

Marfat.com

مُردہ رکھا۔ پھر اُس کو جِلا اُٹھایا اور پوچھا تم کتنے عرصہ (مَرے) رہے۔ اُس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ خدا نے فرمایا؛ نہیں بلکہ تم سَو برس مُردہ رہے ہو۔ اب ذرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ اتنی مدت میں مطلق سڑی بُسی نہیں۔ اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو جو مرا پڑا ہے۔ غرض ان باتوں سے یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کی نشانیاں بنائیں۔ اور ہاں گدھے کی ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم اُن کو کیونکر جوڑے دیتے ہیں اور اُن پر کس طرح گوشت پوست چڑھائے دیتے ہیں۔ جب یہ واقعات اُس کے مشاہدہ میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ (البقرہ: ۲۵۹) دوسرا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے کہ جب انھوں نے خدا سے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ مُردوں کو کیونکر زندہ کرے گا۔ خدا نے فرمایا کیا تم نے اس بات کو باور نہیں کرتا؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں؛ لیکن میں دیکھنا اس لئے چاہتا ہوں کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کرلے۔ خدا نے فرمایا کہ چار جانور پکڑ کر اپنے پاس منگالو اور ٹکڑے ٹکڑے کرادو۔ پھر اُن کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھ دو، پھر اُن کو بلاؤ تو وہ تمھارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے۔ اور جان رکھو کہ خدا غالب اور صاحبِ حکمت ہے (البقرہ: ۲۶۰)

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟

ان تمام حقائق و شواہد کے باوجود بھی یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فلسفیانہ اور سائنسی اندازِ تفہیم جوازِ تخلیقِ کائنات اور اعترافِ حقیقت بہ لحاظ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے سوا چارہ کار نہیں ایمان یا عقیدہ دراصل انسانی زندگی کا ایک فطری تقاضا ہے۔ جس طرح خورد و نوش کے بغیر ہماری مادّی زندگی قائم نہیں رہ سکتی ہے اسی طرح ایمان اور عقیدہ کے بغیر روحانی زندگی ممکن نہیں ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ ایمان کس پر ہو یا اس کی نوعیت کیا ہو؟

Marfat.com

اگر کوئی فرد اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کسی اور قوت پر بھی یقین نہیں رکھتا ہے وہ لازمی طور پر کسی ایسی چیز پر یقین رکھتا ہے جو اُس کے نقطۂ نظر سے ماورائے فطرت (یعنی سُپر نیچرل) ہے اور جس کی حاکمیت اور غلبہ کو تسلیم کرنے میں وہ مجبور ہے۔ جب یہ حقیقتِ حال ہے تو بلاشبہ دوسری صورت کے مقابلہ میں اول الذکر یعنی اللہ پر ایمان بہر حال بہتر ہے کہ یہی دل اور ضمیر کی آواز ہے۔ اور ایک حقیقتِ ثابتہ کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ جس طرح سورج کی موجودگی دن ہونے کی علامت ہے۔ اس طرح کائنات کی موجودگی، خالقِ کائنات (اللہ تعالیٰ) کے موجود اور کارساز ہونے کی دلیل ہے۔ پھر اس حقیقت پر ایمان لانے سے انکار یا اس پر اعتراض کا کیا جواز ہے۔

انسانی فطرت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ ہر شئے کی ماہیت و غایت جاننے کے لئے کیوں اور کیسے ؟ قسم کے سوالات میں ہر وقت اُلجھا رہتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اُسے ذہنی خلجان سے نجات ملے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک متجسس دل و دماغ کے لئے اس قسم کے استفسارات کا شافی جواب اللہ تعالیٰ پر ایمان کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا۔ اس سے ماورا، انسانی قلب و روح کو اطمینان اور یقین پرور سکون دلانے کا کوئی اور ذریعہ نہیں۔ مگر یہ کوئی محض تصوراتی یا تظمینی حیلہ یا بہلاوا نہیں۔ یہ فی الحقیقت کسی موجود و مشہود حقیقت کو محسوس کرنے یا اُس پر یقین کرنے کی عام کیفیت ہے جس سے کسی حالت میں بھی مفر نہیں۔ سچائی بہرحال اپنے آپ کو بلور کرا کے دم لیتی ہے!

لہٰذا جب اللہ تعالیٰ ہی ہمارا مالک، خالق، پروردگار اور حافظ و ناصر ہے تو ہم کو اس حقیقت پر ایمان لانے سے احتراز یا اس پر اعتراض کیوں ہو؟ وہ مالکِ حقیقی اور مختارِ کُل ہے۔ ہماری زندگی اور موت اسی کی رضا پر موقوف ہے۔ چنانچہ ہم زندگی کی جملہ کامرانیاں بھی اُسی قادرِ مطلق کی خوشنودی کے طفیل ہی حاصل کر سکتے

Marfat.com

ہیں ۔ یہ کتنی عجیب بات ہوگی کہ ایک نوکر یا ملازم اپنے آقا کی بالادستی کو تسلیم نہ کرے اور اس کے باوجود خود کو اُس کا نمک خوار کہلائے ۔ اگر ایک دنیاوی بادشاہ اپنی مملکت میں کسی کی شرکتِ اقتدار کی اجازت نہیں دیتا اگرچہ بلاشبہ اس کی بادشاہت فوج وسپاہ کی مرہونِ منت ہے تو اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ گمان کیونکر صادق آسکتا ہے کہ وہ اپنے اختیارِ اعلیٰ میں کسی کی شراکت قبول کرلے گا جب کہ اُس (شریک !) نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت یا انصرام کائنات میں نہ تو کسی قسم کا حصّہ لیا ہے اور نہ ہی لے سکتا ہے ؟ اگر کوئی کم فہم یا عقل وشعور سے عاری شخص اِس کے بعد بھی کسی غیر کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ تعالیٰ کے غضب وناراضگی کے سوا اُس کے نصیب میں اور کیا آئیگا ؟

یہ اس سوال کا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے ، ایک پہلو ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایک صانع اور خالق ہی اپنی صنعت وخلقت کے بارے میں جانتا ہے کہ اُس کے خواص وفوائد کیا ہیں چنانچہ اُس کی ہدایت اور نشاندہی کے بغیر کوئی دوسرا اُس کے راز وکوائف سے آگاہ نہیں ہو سکتا ۔ اللہ تعالیٰ حیات کا مالک ہے اور وہی اُس کے متعلق جملہ اطلاعات رکھتا ہے لہٰذا صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے طفیل ہی ہم جان سکتے ہیں کہ زندگی کیا ہے اور اُسے کس طرح برتنا چاہیئے ۔ پھر زندگی اپنے اندر ایک مقصد بھی رکھتی ہے ۔ اور اُس کا علم بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت وکرم گستری سے ہی حاصل ہو سکتا ہے ۔ اسی طرح ، خدائے تعالیٰ ساری کائنات کا مالک ، پروردگار ، حافظ وناصر ، منتظمِ اعلیٰ اور مختارِ کُل ہے ۔ لہٰذا وہ ہی اس کی ابتداء وانتہا اور مقصد کے رازوں سے پردہ اٹھا سکتا ہے ۔ اور بتا سکتا ہے کہ دائمی کامرانی اور کمال کارکردگی کے حصول کے لئے ہمیں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے ۔ چنانچہ ہماری زندگی کا عملی پہلو بھی اللہ تعالےٰ پر ایمان کا مرہونِ منت ہے ۔ لہٰذا ہمیں نہ صرف نظریاتی طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے بلکہ ان احکامات پر عمل بھی کرنا ہے جو اُس

Marfat.com

کے پیغمبروں کے ذریعہ کتبِ سماوی کی صورت میں ہم تک پہنچے ہیں۔
نفسیاتی نقطۂ نظر سے بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا لازمی امر ہے۔ انسان دراصل ایک متحرک مشین کی مانند ہے۔ ہر لمحہ اس مشین سے کوئی نہ کوئی حرکت یا عمل صادر ہوتا رہتا ہے۔ ہر حرکت یا عمل کی نوعیت کا انحصار نظریات پر ہے اور نظریات کی تشکیل میں انسان کا عقیدہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ چنانچہ عقیدہ یا ایمان ہی انسان کے تمام ذہنی رجحانات کو کنٹرول کرتا ہے۔ انجام کار اُس کے تمام افعال و کردار عقیدے کے تحت تشکیل پاتے ہیں یا پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں مثال کے طور پر مادہ پرستوں کو لیجئے۔ چونکہ یہ لوگ خدا پر عقیدہ نہیں رکھتے ہیں لہٰذا یہ اپنے ہر عمل کو خیر و شر سے نہیں بلکہ راحت و اذیت کے پیمانہ سے ناپتے ہیں۔ اگر کسی عمل کے نتیجہ میں راحت و مسرت نصیب ہو تو وہ عمل اُن کے نزدیک اچھا ہوگا اور اگر نتیجہ میں اذیت ہو تو بُرا ٹھہرے گا۔ جب مسرت اور اذیت ہی معیار ہوں گے تو لامحالہ اس قماش کا ہر انسان دنیا میں ہر کام اپنی خوشی کے لئے سرانجام دیگا خواہ اُس میں دوسروں کی جان و مال اور عزت و آبرو کو خطرہ یا نقصان ہی ہو۔ اس طرح ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئیگا جس میں ہر فرد خود مختار ہوگا اور کوئی کسی کا ماتحت یا ہمدرد نہ ہوگا، نہ ہی اُس معاشرہ میں کوئی مشترک اور مفیدِ عام اصول و قانون کا نفاذ ممکن ہوگا۔ ایسے معاشرہ میں صرف بُرائیوں ہی کو فروغ پہنچے گا۔ دنیا میں جہاں جہاں آزادئ افکار و اعمال کے اصول پر معاشرہ وجود میں آیا ہے وہاں انسانیت سوز کردار کا رواج عام ہوا ہے۔ لالچ اور خود غرضی، ظلم و استبداد، رشک و حسد، کلفت و اذیت، فحاشی و بدکاری، قتل و غارت گری، بے عزتی و بے آبروئی، جھنجلاہٹ اور بیزاری، خیانت اور استحصال، ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ، اسمگلنگ، چور بازاری اور اسی قسم کی دوسری بہت سی بُرائیاں ایسے معاشرہ کا معمول بن جاتی ہیں جن سے سوسائٹی کے ہر طبقہ کا اخلاقی شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ جب کردا

Marfat.com

کی پستی اس حد کو پہنچ جاتی ہے تو سب سے پہلے اخلاقی سرطان زدہ معاشرہ اور اس کے بعد پوری قوم تباہی کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ انجام صرف اس بنیادی فکر کی بے راہ اور خود سری کا ہے کہ سوسائٹی کے افراد نے اللہ تعالیٰ پر ایمان سے انکار کیا اور نتیجہ میں اپنے ہی ہاتھوں تباہی کو پہنچے۔

اب اس کے مقابلہ میں اس معاشرہ کا تصور کیجیے جس میں اللہ کا تصور اور اس پر ایمان کا دور دورہ ہے۔ اور جس کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے قانون کا پابند ہے۔ قانونِ الٰہی سب کے لئے ایک ہے اس میں افراد کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں بلکہ امتیاز کا اگر کوئی معیار ہے تو وہ صرف احکامِ الٰہی کی پابندی اور اعمال کی درستی ہے۔ ایسی حالت میں ذاتی خوشی یا ناخوشی، نفع و نقصان وغیرہ کا احساس باقی نہیں رہتا۔ اس کے برعکس ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب اہلِ ایمان کو اپنی خوشی اور دولت راہِ الٰہی میں قربان کرنی پڑتی ہے مگر پھر بھی ماتھے پر بل نہیں آتا کیونکہ اس کا صلہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے نہ کہ ذاتی خواہشات کی لذّت و راحت۔ ایسے صالح معاشرہ میں خود غرضی، نمود و نمائش، غرور و تکبر، رشک و حسد، ظلم و ستم اور ناانصافی واستحصال، اخلاقی گراوٹ اور عدم مساوات جیسے سنگین افکار و اعمال ناپید ہو جاتے ہیں اور ایک خوش حال و مطمئن معاشرہ وجود میں آجاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر یقین و ایمان، ذہنی رجحانات کو یکسر ایک نئے سانچے میں ڈھال دیتا ہے اور انسانی افکار و کردار کا دھارا ایک نئے انداز میں ایک نئی سمت کو ذاتی فائدہ کی بجائے سماجی انصاف اور اخلاقی کجروی کی بجائے نظم و شائستگی کی طرف بہنے لگتا ہے۔ ایسے افراد پر مشتمل معاشرہ کا کاروانِ حیات، کامرانی اور امن و سکون کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔ یہی وہ عظیم انقلاب ہے جو قرآنِ کریم حیاتِ انسانی میں برپا کرنا چاہتا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ پر غیر متزلزل ایمان عام ہو اور احکامِ خداوندی کی اطاعت و فرمانبرداری جس کا طرۂ امتیاز ہو۔

Marfat.com

بابِ سوم

انبیاء و رُسُل علیہم السّلام

۱۔ تعارفی کلمات۔

اہلِ جہاں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کے جملہ احکامات و پیغامات انبیاءؑ و رُسُل کی معرفت ہی موصول ہوتے رہے ہیں۔ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تاریخِ انسانی کے مختلف اَدوار میں منصبِ رسالت و نبوت اللہ تعالیٰ کے اُن برگزیدہ بندوں کو عطا ہوتا رہا، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اُس کے بندوں تک نہایت دیانتداری کے ساتھ پہنچایا اور جنہوں نے احکاماتِ خداوندی پر خود بھی عمل کر کے دنیا کے سامنے اُن کی عملی تشریح پیش کی اور اپنے کردار و گفتار سے ان کی حقانیت اور افادیت کا عملی نمونہ پیش کیا۔ یہ احکامات و پیغامات اپنے اپنے دور میں توراۃ، زبور، انجیل، اور سب سے آخر میں قرآن کریم کی صورت میں جمع کئے گئے۔

۲۔ پیغمبروں پر ایمان۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر ایمان اسلامی عقیدہ کا دوسرا اہم جزو ہے ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تمام پیغمبروں پر ایمان

Marfat.com

لائے۔ قرآن کریم کے مطابق اہل ایمان خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اُس کے پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ (البقرہ ۲۸۵) جو شخص اللہ کے پیغمبروں کا انکار کرتا ہے وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑتا ہے (نساء: ۱۳۶) جو لوگ خدا اور اُس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے وہ بلا اشتباہ کافر ہیں۔ اور کافروں کے لئے اللہ تعالٰے نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے (نساء ۱۵۱-۱۵۰) اس کے برعکس جو لوگ خدا اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور اُن میں سے کسی میں فرق نہ کیا یعنی سب کو مانا وہ اپنا انعام پائیں گے (نساء: ۱۵۲)

۴۔ پیغمبروں کی اِطاعت۔

ایمان کی پختگی اور تکمیل کے سلسلہ میں صرف اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر ایمان لانا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ان کی پیروی اور اطاعت بھی لازمی ہے ارشادِ ربانی ہے کہ خدا اور اُس کے رسول کے حکم پر چلو (انفال: ۴۶) جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک اُس نے خدا کی فرمانبرداری کی (نساء: ۸۰) ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے تو اس لئے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اس کا حکم مانا جائے۔ (نساء: ۶۴) اے پیغمبرؐ لوگوں سے کہدو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا بھی تمھیں دوست رکھیگا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ کہدو کہ خدا اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اگر نہ مانیں تو خدا بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا (آل عمران ۳۱-۳۰) اور خدا کی فرمانبرداری اور رسولِ خدا کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔ اگر منہ پھیروگے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمہ تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے (مائدہ: ۹۲)

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کے بھیجنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ ان کی اطاعت کیجائے

Marfat.com

تا کہ نافرمانی کے سبب روزِ آخرت میں پچھتانا نہ پڑے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے پیغمبرؐ ہم نے تم کو اس لئے بھیجا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اگر ان کے اعمال کے سبب جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں۔ ان پر کوئی مصیبت واقع ہو تو یہ کہنے لگیں کہ اے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں ہوتے (قصاص ۴۷)

۴۔ پیغمبر انسان تھے۔

پیغمبر انسان تھے اور انسانوں ہی میں سے منتخب کئے گئے تھے۔ اُن کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے کیا تھا (الحج: ۷۵) اللہ تعالیٰ نے ہی آدمؑ اور نوحؑ اور خاندانِ ابراہیمؑ اور خاندانِ عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا (آلِ عمران: ۳۳) اللہ تعالیٰ نے حضور رسالتمآب سے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپؐ سے پہلے لوگوں میں بھی پیغمبر بھیجے تھے (الحجر: ۱۰) اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا (خدا ہی کی عبادت کرو اور بتوں کی پرستش سے اجتناب کرو (النحل ۳۶) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے (النحل: ۶۳) ارشادِ ربی ہے کہ من جملہ اور نعمتوں کے ہم نے تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور تمھیں پاک بناتا ہے اور کتاب یعنی قرآن اور دانائی سکھاتا ہے اور ایسی باتیں بتاتا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے (البقرہ: ۱۵۱) قرآن تصدیق کرتا ہے کہ حضرتِ نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرتِ موسیٰؑ، اور حضرتِ عیسیٰ علیہم السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ حضرت ہودؑ قوم عاد کی طرف حضرت صالحؑ قوم ثمود کی طرف، اور حضرتِ شعیب اہلِ مدین کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اسی طرح حضرتِ یونسؑ، حضرتِ ادریسؑ، حضرتِ یوسفؑ، حضرتِ یعقوؑ حضرتِ اسحاقؑ، حضرتِ اسمٰعیلؑ، حضرتِ الیاسؑ، حضرتِ زکریاؑ، حضرتِ یحییٰؑ حضرتِ سلیمانؑ اور حضرتِ ہارونؑ یہ سب نبی تھے (صافات: ۱۲۳ اور ۱۳۹ مریم: ۵۶

Marfat.com

نساء: ۱۶۳؛ انعام: ۸۵؛ مریم: ۵۳؛ انبیاء: ۸۵)

قرآن کریم میں ان پیغمبروں کا ذکر علوئے شان اور عزت واحترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جملہ پیغمبر اپنی قوم کو اعمال خیر کے صلہ میں نعمتِ الٰہی کی بشارت دینے والے اور اطاعت وفرمانبرداری سے پھر جانے والوں کے لئے خدا کے عذاب سے ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے (النساء: ۱۶۵، الانعام: ۴۸ اور الکہف: ۵۶) حضرت آدمؑ، حضرتِ نوحؑ اور آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمران خدا کے برگزیدہ اور منتخب بندے تھے۔ (آلِ عمران: ۳۲) حضرت ابراہیمؑ لوگوں کے پیشوا اور امام اور خدا کے فرمانبردار تھے۔ خدا کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اور خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا انھیں خدا نے دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہونگے۔ وہ نہایت سچے پیغمبر تھے (خلاصہ آیات لبقرہ: ۱۲۴، النحل: ۱۲۰، مریم: ۴۱) حضرت موسیٰؑ خدا کے برگزیدہ اور پیغمبر مُرسل تھے (مریم: ۵۱) حضرتِ ادریسؑ سچے نبی تھے (مریم: ۵۶) قرآن کریم نے پیغمبروں کی خدماتِ جلیلہ کے اعتراف میں جو انھوں نے خدا کے دین اور اپنی اپنی قوم کی اصلاحِ احوال کے سلسلہ میں انجام دی تھی اُن پر سلامتی اور خدا کی خوشنودی کی بشارت دی ہے۔ ان میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت الیاسؑ اور جملہ پیغمبران شامل ہیں (صافات ۷۹، ۱۰۹، ۱۲۰، ۱۳۰، ۱۸۱) حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرتِ ایوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت الیاسؑ، حضرتِ اسمٰعیلؑ، حضرت الیسعؑ، حضرت یونسؑ، حضرت لوطؑ علیہم السلام تمام نیکوکار، اہلِ جہاں کے خیرخواہ اور فیض رساں، راست کردار اور علوئے شان کے حامل تھے (انعام: ۸۴-۸۷) اللہ تعالیٰ نے انھیں کتاب (ہدایت)، اختیار (عمل خیر) اور نبوت عطا فرمائی تھی (انعام: ۸۹)

Marfat.com

۵۔ تمام پیغمبر مسلمان تھے۔

قرآن کریم نے تمام انبیاء و رسل کے دین اسلام پر قائم رہنے کی شہادت دی ہے ارشاد ربانی ہے کہ (حضرت) ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائیؑ (نصرانی) بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک خدا کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے (آلِ عمران: ۶۷) اے یہود و نصاریٰ) کیا تم اس بات کے قائل ہو کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا خدا؟ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو خدا کی شہادت کو جو اس کے پاس کتاب میں موجود ہے چھپائے؟ (البقرۃ ۱۴۰) جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو (انبیاء ۲۵) اور ہم نے تم سے پہلے مرد ہی پیغمبر بنا کر بھیجے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ اگر تم نہیں جانتے ہو تو جو یاد رکھتے ہیں اُن سے پوچھ لو۔ (انبیاء: ۷) اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم سے پہلے بھی پیغمبر بھیجے تھے اور اُن کو بیبیاں اور اولاد بھی دی تھی۔ (رعد: ۳۸)

۶۔ پیغمبروں کی تعلیمات (پیغامِ ہدایت)

تمام پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہی پیغام لے کر آئے تھے مگر ہر ایک پیغمبر کو اس کی قوم نے جھٹلایا اور ایذا دی۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو خدا کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں مگر اُن کی قوم نے اُن کی تکذیب کی (اعراف: ۶۴-۵۹ اور ہود: ۲۵) حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی عبادت کرو اور اُس سے ڈرو مگر اُن کی قوم کے لوگ جواب میں بولے کہ اسے مار ڈالو یا جلا دو (عنکبوت: ۲۴-۱۶) حضرت لوطؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو تم سے پہلے اہلِ عالم میں سے کسی نے ایسا کام نہیں

Marfat.com

کیا تو ان کی قوم کے لوگ جواب میں بولے کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب لے آؤ (عنکبوت ۲۹ - ۲۸) حضرت ہودؑ نے قوم عاد سے کہا کہ بھائیو خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ تم ہمیں احمق نظر آتے ہو اور ہم تمھیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ (اعراف: ۶۶ - ۶۵) حضرت صالحؑ نے قوم ثمود سے کہا کہ اے قوم کے لوگو خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ تمھارے پاس پروردگار کی طرف سے ایک معجزہ آچکا ہے یعنی یہی خدا کی اونٹنی تمھارے لئے معجزہ ہے تو اُسے آزاد چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں چرتی پھرے۔ مگر انھوں نے اونٹنی کی کونچوں کو کاٹ ڈالا (اعراف: ۷۷-۷۳) حضرت شعیبؑ نے اہل مدین سے کہا کہ قوم خدا ہی کی عبادت کرو اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی آچکی ہے۔ تو ماپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو مگر انھوں نے کہا کہ ہم تم کو اور جو لوگ تمھارے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو اپنے شہر سے نکال دیں گے (اعراف: ۸۸ - ۸۵) حضرت الیاسؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں۔ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑے دیتے ہو۔ مگر اُن لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا (الصّٰفّٰت ۱۲۵) حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو تو فرمانبرداری کا تقاضا ہے کہ اُسی پر بھروسہ رکھو۔ اور اگر تم نے اور روئے زمین پر بسنے والوں نے نافرمانی کی اور اس کی نعمتوں کی شکرگزاری سے پہلوتہی کی تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ کارساز، بے نیاز اور قابلِ تعریف ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اہلِ دربار کو بھی ایمان کی دعوت دی آپ نے فرمایا کہ میں رب العالمین کا فرستادہ یعنی پیغمبر ہوں میں تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح نشانیاں (معجزات) لیکر آیا ہوں۔ مگر اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ یہ تو کوئی صریح جادوگر ہے جو اپنے جادو کے زور سے تمھیں ملک سے نکال باہر کرنا چاہتا ہے (اعراف: ۱۰۴، یونس: ۸۴ اور

Marfat.com

ابراہیم: ۸) اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ بلاشک میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب (انجیل) اور نبوت عطا کی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ میرا اور تم سب (سارے جہان) کا رب ہے تو لازم ہے کہ (میری طرح) تم بھی اسی کی اطاعت کرو۔ یہی سیدھا اور سچا راستہ (راہِ ہدایت) ہے۔ لیکن ان کی قوم میں سے اکثر نے اُن سے اختلاف کیا اور اُن کی بات ماننے سے انکار کر کے درپے آزار ہو گئے۔ پس بڑی خرابی ہے اُن منکرین حق کے لئے اور آخرت میں بھی اُن کے لئے دردناک عذاب ہے (خلاصہ آیات مائدہ: ۱۱۷، مریم: ۳۰ اور زخرف: ۶۴)

اسی طرح نبیؐ آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی پیغامِ توحید اپنی قوم کے سامنے پیش کیا اور انھیں ہدایت کی کہ بت پرستی اور دوسری جاہلیت کی رسوم و عقائد سے دستبردار ہو کر خدائے تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ آپؐ کی نبوت کا بھی اقرار کریں تاکہ انھیں اطاعت و ایمان کا صلہ ملے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو آپؐ سے بیشتر پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کے رسول آخرالزماں کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے اور وہ آپؐ کا ذکر اپنی اپنی قوم کے سامنے عزت و احترام کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم شاہد ہے آپؐ کا اور آپؐ کے صحابۂ کرام کا ذکر توراۃ اور انجیل میں بھی مذکور ہے (خلاصۂ آیات اعراف: ۱۵۷ اور فتح: ۲۹) آپؐ کی دعوت الی الحق کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہدو کہ لوگو میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اس کا رسول ہوں) وہ جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ تو خدا پر اور اُس کے رسول پیغمبر اُمّی پر جو خدا پر اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں، ایمان لاؤ اور اُن کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ (اعراف: ۱۵۸) آپؐ نے قیامِ صلوٰۃ (نماز قائم کرنے) اور ادائے زکوٰۃ کی بھی تاکید فرمائی۔ شرک اور بت پرستی اور دوسری اخلاقی برائیوں سے منع فرمایا۔ آپؐ نے اہلِ جہاں کو اُس انعام و اکرام کی نوید بھی سنائی جس

Marfat.com

سے اہنیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری کے صلہ میں بطور جزا آخرت میں نوازا جائیگا (خلاصہ آیات نور: ۵۶،۵۴،۵۲،۳۱، حشر: ۵۲ اور بقرہ: ۴،۲)

۷۔ پیغمبروں کی مخالفت

قرآن کریم نے اللہ کے پیغمبروں کی صداقت اور اُن کے خلوصِ عمل کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں اور اپنے منفرد اندازِ کلام سے اہلِ جہاں کو باور کرانے کے لئے پند و نصیحت، وعظ و ترغیب، اور زجر و توبیخ کا کوئی گوشہ نہ چھوڑا تاکہ ذہنِ انسانی اپنے رجحان و نظریہ کے مطابق ان سے استفادہ کرے اور عبرت پکڑے۔ اس رشد و ہدایت کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ نفوس پیغمبروں کی حیاتِ طیبہ اور اُن کا بے غرض بلکہ انسانی ہمدردی سے مملو، جذبۂ عملِ خیر خود اس بات کی ضمانت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اصلاح و فلاح کے لئے کتنا عظیم اور مشفقانہ نصب العین بنایا ہے۔ یہ ایک ایسی بیّن اور روشن حقیقت ہے اور تاریخ انسانی اس پر گواہ ہے کہ ان پاک طینت نفوس نے انسانیت کی بقاء و ارتقاء کے لئے کتنی قربانیاں دیں اور کن کن اذیت ناک مرحلوں سے گذرے وہ بھی ابنائے وطن کے ہاتھوں اور محض اس بناء پر کہ انھوں نے بنی نوعِ انسان کو ضلالت و گمراہی سے نکال کر اُن کو وہ مقام دینا چاہا جس کے وہ مستحق تھے اور جس کی وجہ سے وہ کائنات کی دیگر جملہ مخلوقات کے مقابلہ میں اپنا شرف و وقار برقرار رکھ سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان پیغمبرانِ کرام کا اس تبلیغ و ترویجِ حق میں اُن کا اپنا کوئی ذاتی مفاد، لالچ، شہرت اور اقتدار کے حصول کا شائبہ تک نہ تھا۔ لیکن یہ تاریخ انسانی کا کتنا الم انگیز پہلو ہے کہ جن لوگوں کی رشد و ہدایت کے لئے یہ شفقت آمیز سلسلۂ ربانی پیش کیا گیا، انھی لوگوں نے کلام الٰہی کو جھٹلایا اور اس پیغام کو پیش کرنے والے پیغمبروں کا نہ صرف برسرِ عام تمسخر کیا بلکہ اُن کو جسمانی اذیت پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ کبھی اُن کو جادوگر کہا اور کبھی دیوانہ اہنیں دھمکیاں دی گئیں اور اُن میں سے بعض کو شہید بھی کر دیا گیا۔ اُن کی ہدایات

Marfat.com

اور اُن کے پیغامات و ارشادات میں ترمیم و تنسیخ کی گئی اور اُن میں غلط باتیں شامل کر کے اُن کی تعلیمات کو مضحکہ خیز یا نا قابلِ فہم بنانے کی مذموم کوشش کی گئی لیکن اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ اور صابر و شاکر پیغمبروں نے اُن تمام مصائب و آلام اور سب و شتم کو خندہ پیشانی اور جرأت و استقلال کے ساتھ برداشت کیا یہاں تک کہ تائید ربانی اُن کی مدد کو آپہنچی اور اُن کے دشمنوں اور مخالفوں کو ہزیمت و شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

حضرت نوحؑ کی قوم کو اُن کی سرکشی و طغیان کے سبب ایک بہت بڑے اور ہلاکت خیز طوفان نے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ قرآن کریم میں طوفانِ نوحؑ کا ذکر اکثر مقامات پر آیا ہے ارشاد ربّی ہے کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور جوش مارنے لگا ... اور حضرت نوحؑ کی کشتی اُن کو اور اُن کے اہلِ ایمان ساتھیوں کو لے کر طوفان کی لہروں میں چلنے لگی۔ لہریں کیا تھیں گویا پہاڑ تھے (ہود: ۴۱-۴۰) قوم نوحؑ نے اپنے پیغمبر کی تکذیب کی تو ہم نے نوحؑ کو اور جو اُن کے ساتھ کشتی میں سوار تھے ان کو تو بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا۔ انھیں غرق کر دیا کچھ شک نہیں کہ وہ اندھے لوگ تھے (اعراف: ۶۴) قوم عاد جس نے اپنے پیغمبر حضرت ہودؑ کی تکذیب کی انھیں نہایت تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا۔ خدا نے اس آندھی کو سات رات اور آٹھ دن مسلسل قوم عاد پر چلائے رکھا تو وہ اس طرح مر کھپ گئے جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے۔ (حشر: ۷-۶) ان میں سے کوئی باقی نہ بچا۔ جن لوگوں نے حضرت صالحؑ کو جھٹلایا ان پر راکھ اور چنگاری کی بوچھار سے جس کے ساتھ خوفناک زمین کی گھڑگھڑاہٹ اور زلزلہ تھا، تباہ و برباد کر دیا گیا۔ کچھ یہی حشر قوم لوطؑ کا ہوا جس کو اپنے خلافِ فطرت ارتکاب کی پاداش میں پتھروں اور آگ کے مینہ سے ہلاک کر دیا گیا (اعراف ۸۴) حضرت موسیٰؑ کے مخالفین فرعون اور اس کی قوم پر غرقاب ہونے سے پیشتر بطورِ تنبیہ کئی مرتبہ عذابِ الٰہی نازل ہوا مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے اور بالآخر دریائے نیل کی بپھرائی موجوں کی زد میں آکر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صفحۂ ہستی

Marfat.com

سے مٹ گئے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ اسی قوم فرعون کے متعلق یوں ارشاد ہوا ہے۔ ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون، اور کتنی کھُلی ہوئی (عذاب کی) نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبّر کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی گنہگار (اعراف: ۱۳۳) ہم نے اُن سے بدلہ لے کر ہی چھوڑا کہ اُن کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور اُن سے بے پروائی کرتے تھے (اعراف، ۱۳۶) اسی طرح جن لوگوں (کفار اہل قریش) نے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے کا منصوبہ بنایا، انھیں بدر کے مقام پر کفر و اسلام کے مابین پہلے ہی مقابلہ میں عبرت ناک شکست ہوئی۔ قرآن کریم میں اس فیصلہ کن جنگِ بدر کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے (ملاحظہ فرمایئے سورۂ انفال آیات ۷ تا ۱۴)

یہ تمام تاریخی شواہد اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے ہدایات ربانی کی تبلیغ و اشاعت میں ہر طرح کی ذہنی، جسمانی اور روحانی تکلیفیں برداشت کیں مگر وہ اپنے مشن کی تکمیل میں پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوطی اور استقلال کے ساتھ جمے رہے اور ان سنگین آزمائشوں کے دوران کسی وقت بھی بلکہ ایک لمحہ کے لئے بھی اُن کے پائے استقلال میں ذرا جنبش نہ ہوئی اور نہ کبھی اپنے مخالفین یعنی منکرین حق کی افرادی طاقت اور دنیاوی مال و زر سے مرعوب ہو کر مصلحت و مفاہمت کی راہ اختیار کی۔ بالآخر قرآن کریم کے ارشاد جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا " (حق آگیا اور باطل نابود ہوگیا۔ بے شک باطل نابود ہونے والا ہے) (بنی اسرائیل: ۸۱) کے مطابق حق کو فتح اور باطل کو شکست ہوئی اور اب انشاء اللہ عنقریب یہ چمکتا ہوا سورج اور روشن چاند ستارے وہ مبارک دور بھی دیکھیں گے جب باطل کا نام و نشان دنیا سے مٹ جائیگا اور ہر طرف دینِ حق یعنی اسلام کا بول بالا ہوگا۔

Marfat.com

۸۔ منکرینِ حق کا خاص اعتراض

آگے بڑھنے سے پیشتر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں منکرین حق کے ایک مخصوص اعتراض کا جائزہ لیں جو وہ عموماً کلام اللہ اور احکام ربانی کو پیغمبروں کی معرفت سن کر پیغمبروں کے خلاف پیش کیا کرتے تھے۔ منکرینِ حق کبھی کلام الٰہی کی تکذیب تو نہ کر سکے اور نہ اُس کے جواب میں کوئی اور کلام پیش کر سکے۔ مگر اللہ کے پیغمبروں اور اُس کے کلام کا مذاق اُڑانے اور مخالفت برائے مخالفت سے کبھی باز نہ آئے۔ اُن کی سمجھ میں کبھی یہ بات نہ آسکی کہ اگر اللہ تعالیٰ کو انسانوں کی ہدایت منظور تھی تو اُس نے انھی میں کا ایک فردِ بشر اس کام کے لئے کیوں منتخب کیا؟ انکے نزدیک بشر بہرحال بشر ہی تھا۔ اور چونکہ انھوں نے انسانیت یا بشریت کو بتوں یا دوسری قوتوں کے مقابلہ میں جن کی وہ پرستش کرتے تھے یا جن کی ہیبت اُن کے دلوں میں گھر کر چکی تھی، ہیچ سمجھ رکھا تھا۔ لہٰذا اُن کے ذہن و دماغ میں کمالاتِ انسانی یا عروج انسانیت کا تصور مشکل سے آسکتا تھا۔ وہ سمجھتے تھے اور اس پر مُصر بھی تھے کہ اللہ کا پیغمبر کوئی فرشتہ ہو یا اگر انسان ہی ہو تو وہ مافوق البشر قوتوں کا مالک ہو جس کی ہیبت و جلال کے آگے کوئی دم نہ مار سکے یا جس کی ذہنی و جسمانی قوتوں کے کمالات سے دنیا دنگ رہ جائے۔ یہ عام طرز کی بشریت و نبوت کا اتصال اور پھر انہی کی قوم میں سے ان کے نزدیک قابل قبول نہ تھا۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ منکرینِ حق کے اس اعتراض کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ جب ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے تو انھوں نے اپنے ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیئے کہ خاموش رہو اور کہنے لگے کہ ہم تو تمھاری رسالت کو تسلیم نہیں کرتے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس سے قوی شک میں ہیں (ابراہیم: ۹)۔ پیغمبروں نے اُن سے کہا کہ ہاں ہم تمھارے ہی جیسے آدمی ہیں۔ لیکن خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نبوت کا احسان کرتا ہے (ابراہیم: ۱۱) جب لوگوں کے پاس

Marfat.com

ہدایت آگئی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر کر کے بھیجا ہے؟ کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے کہ اس میں چلتے پھرتے اور آرام کرتے یعنی بستے تو ہم اُن کے پاس فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے (بنی اسرائیل: ۹۵-۹۴) ایک دوسرے مقام پر منکرین رسالت کا اعتراض اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس پر کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا کہ اُس کے ساتھ ہدایت کرنے کو تیار رہتا۔ یا اس کی طرف آسمان سے خزانہ اُتارا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا کہ اس میں سے کھایا کرتا۔ اور ظالم کہتے ہیں کہ تم تو ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔ اے پیغمبر دیکھو تو یہ تمھارے بارے میں کس کس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ پس وہ گمراہ ہو گئے اور راہ ہدایت نہیں پا سکتے (فرقان: ۹-۷) ان اعتراضات کے جواب میں قرآن کریم کا مسکت جواب یہ تھا کہ (اے نبیؐ) ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ اور ہم نے تمھیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا۔ کیا تم صبر کرو گے اور تمھارا پروردگار تو دیکھنے والا ہے۔ (فرقان: ۲۰) ہم نے تم سے پہلے مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو (النحل: ۴۳) ہم نے تم سے پہلے مرد ہی (انسان) پیغمبر بنا کر بھیجے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو۔ اور ہم نے اُن کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے (انبیاء: ۸-۷)

بشریت ہی منصب رسالت کی شایاں ہے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت و رسالت کے لئے انسان یا بشر کا انتخاب کوئی بعید از عقل مسئلہ نہیں بلکہ لوازمات نبوت و رسالت میں بشریت ہی

Marfat.com

شرطِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انسان کے علاوہ کوئی اور مخلوق اس شرف کا استحقاق نہیں رکھتی تھی کیونکہ نبوت و رسالت فی الحقیقت انسان ہی کی فلاح و بہبود کے لئے اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ پروگرام تھا، اس لئے درجۂ پیغمبری پر انسان کا فائز ہونا خود منصب و مسلکِ نبوت کی تکمیل اور جواز ہے انسان کے بجائے کوئی اور مخلوق اس عظیم منصب کے لئے اہل ثابت نہیں ہوتی، وجہ ظاہر ہے کہ انسان سے رابطہ کے لئے انسان ہی موزوں ہے اور صرف اسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا پیغام انسانوں تک پہنچ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ وہ (انسان) خود بھی ان احکام پر تکمیل کرنے کے بعد ہی اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے لئے نمونہ تقلید و تعمیل بن سکتا تھا۔ یہ دوہرا بارِ گراں ایک انسان ہی اٹھا سکتا تھا کیونکہ اس کا خطاب عالم انسانیت سے تھا جب تک ایک برگزیدہ فرد پیغمبر ہونے کے ساتھ بشر نہ ہو اور جنسِ بشریت سے وابستہ فطری تقاضوں کا مالک نہ ہو، اُس وقت تک اس جیسا دوسرا انسان اُس کے کمالات اور افضلیت و تکریم کا کیوں کر قائل ہو سکتا ہے۔ انسان کی حیثیت سے ایک پیغمبر کی فطری خواہشات، تصورات، جذبات و احساسات، جبلت، ضروریات یا احتیاجات بھی عام انسان کی طرح ہوتے ہیں۔ اس کے بھی رنج و راحت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے طور و طریق، نظریات اور تجربات عام آدمی سے مختلف نہیں ہوتے۔ زندگی اور موت کے قانون کا اطلاق بھی ایک پیغمبر اور ایک عام آدمی پر یکساں ہوتا ہے۔ معاشرہ کی زندگی جس میں اہل و عیال کی خبر گیری اور ذمہ داری عام زندگی کی طرح ہوتی ہے۔ چنانچہ ان تمام امور اور دیگر فرائض زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کا نمونہ بنی نوعِ بشر کی تقلید و تعمیل کے لئے ایک ایسا پیغمبر ہی پیش کر سکتا ہے جو کمالاتِ رسالت کے ساتھ ساتھ اوصافِ انسانی سے بھی متصف ہو۔

پھر یہ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ انہی بشری صفات کو منکرینِ حق نے

Marfat.com

منصبِ رسالت و نبوت سے متصادم اور بعید از فہم جانا۔ قرآن کریم نے ان کے خیالات واعتراضات کی ترجمانی اوپر بیان کردہ آیات (فرقان: ۷-۸) میں کردی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت و بہبود کے احکام اس لئے نازل فرمائے ہیں کہ ان کی غیر مشروط اطاعت کی جائے۔ اس فرمانبرداری اور اطاعت میں نہ کسی فردِ واحد کی خواہشوں کا دخل ہوتا ہے اور نہ معاشرہ کے تقاضوں کا جب کہ وہ راہِ اعتدال سے تجاوز کرتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت و ترویج میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔ خود خاندان میں مخالفت و مخاصمت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ بیگانوں کا تو کیا ذکر، اپنے بھی بعض اوقات دشمنی اور مزاحمت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ اہلِ خاندان، والدین، بیوی بچے اور قریبی رشتہ دار بھی اس راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے سے نہیں ہچکچاتے بلکہ بعض اوقات اذیت رسانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے آگے سرِ اطاعت جھکانے والے اس مخالفت اور دشمنی کی کبھی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ اپنے مشن کی تکمیل میں منہمک رہتے ہیں اور یہی اطاعت اور فرمانبرداری کا تقاضا بھی ہے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اگر منصبِ رسالت فرشتوں کو یا انسان کے سوا کسی اور مخلوق کو سپرد کیا جاتا اور وہ اس فرض کی ادائیگی کیلئے انسانی معاشرے سے خطاب کرتے تو آسانی سے کہا جا سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے یہ احکام و فرائض انسان کے لئے مناسب اور قابلِ عمل نہیں ہیں بلکہ ان احکام کا تو وہی گروہ مکلّف ہے جو ان کا مبلغ و ناشر ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ فرشتوں اور جنات کا کردار (اگر وہ منصبِ رسالت پر فائز ہوتا) اپنی نوع کے فطری و جبلّی کردار ہی کا حامل ہو سکتا ہے؛ بشری خصائل کا وہاں گذر کہاں! نہ ہی یہ انسانی امکان میں ہے کہ وہ کسی فرشتہ یا جن کا عملی تتبع کر سکے!! لہٰذا بشر اور فرشتہ میں کوئی وجہ مشترک نہیں سوائے اس کے کہ وہ دونوں علیحدہ علیحدہ اپنی نوع کے مختلف تخلیقی مظاہر ہیں۔ رسالت اور نبوت کا شرف انسان کو عطا کر کے اس

Marfat.com

عظیم ذمہ داری کے منصب کا دروازہ غیر انسان نوع کے لئے ہمیشہ کے واسطے بند کر دیا گیا ہے۔ انسان کو اس شرف و محبوبیت کے منصب کا مکلف بنا کر اس دعویٰ کی دلیل بھی مہیا کر دی گئی ہے کہ ایمان بالغیب کے لئے اتمام حجت ہو جائے۔ نبی یا پیغمبر لیظاہر ایک انسان ہوتا ہے مگر باطن میں اس پر وہ کمالات و درجات منکشف ہو جاتے ہیں جو ایک پیغمبر کے لئے دعویٰ و مظاہرہ پیغمبری کے طور پر ضروری ہیں اور جن پر ایک پیغمبر شاہد ہوتا ہے۔ اب کسی انسان کے لئے ایمان بالغیب سے انکار کی کوئی صورت باقی نہیں رہی اِلّا یہ کہ عقل و فہم کو بالائے طاق رکھ کر خدا اور رسول ہی کا انکار کر بیٹھے۔ ان احکام خداوندی کی جزئیات کا ایک پیغمبر ہی شاہد و داعی ہو سکتا ہے، خواہ وہ ان جزئیات کا تعلق صلوٰۃ و صوم، زکوٰۃ و حج، حِلّت و حُرمت، شراب و بدکاری سے اجتناب، پردہ و حیا کے عملی پہلو سے ہو یا علمی استفہام و تفہیم سے۔ پیغمبر ایک بشر کی شکل میں، ان تمام احکام پر بذاتِ خود عمل کر کے یہ ثابت کر دکھاتا ہے کہ اس کی طرح ان احکام کی فرمانبرداری، انسانی امکانات سے ماوریٰ نہیں خواہ ان احکام کا تعلق میدانِ جنگ میں دشمن سے نبرد آزمائی سے ہو یا اُمورِ مملکت کی گتھیوں کے سلجھانے سے ہو یا عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر انصاف و ظلم کے درمیان حدِ فاصل قائم کرنے سے ہو یا عائلی زندگی کی ذمہ داریوں کو نبھانے میں انہماک و سرگردانی سے ہو۔

مندرجہ بالا گفتگو کا ماحصل یہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے نبوت اور رسالت پر یقین رکھنا لازمی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کی صداقت کا یقین اسی وقت ممکن ہے جب اس پیغام کے لانے والے (یعنی پیغمبر) کی صداقت و دیانت پر اعتمادِ کلی اور یقین کامل ہو۔ اللہ تعالیٰ کوئی مادی جسم نہیں رکھتا کہ ایک انسان اُس کو مادی آنکھ، کان، ناک، ہاتھ کے توسط سے پہچان سکے۔ اُس کے وجود اور اس کی قدرت کا علم پیغمبر کی معرفت ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس

Marfat.com

کی وجہ یہ ہے کہ انسان جلال و تجلیاتِ الٰہی کا متحمل نہیں ہو سکتا، ماسوا ان نفوسِ قدسیہ کے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اس اہم ذمہ داری کے منصب کا اہل بنائے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے، مگر الہام کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے، یا کوئی فرشتہ بھیجدے تو وہ خدا کے حکم سے جو خدا چاہے، القا کرے۔ بیشک وہ عالی مرتبہ اور حکمت والا ہے (شوریٰ: ۵۱) اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام رسول یا نبی تک پہنچانے کے لئے اپنے مقرب ترین فرشتے حضرت جبرئیل کو مامور فرمایا تھا۔ حضرت جبرئیل اور انبیاء کرام کے درمیان براہِ راست اور مکمل وقوف و آگاہی کے ساتھ رابطہ قائم تھا۔ یہی پیغام اللہ تعالیٰ کے رسول من وعن اپنے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا کرتے تھے۔ اہلِ بصیرت اور اہلِ یقین ان احکام پر بلا عذر و تکلف یقین لا کر دولت ایمان سے مالا مال ہو جاتے تھے کیونکہ ایمان بہ یقین و اعتماد اللہ تعالیٰ کے یقین و خود سپردگی کے مترادف ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کے لئے یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبروں کے ساتھ ان پر نازل شدہ صحائف و کتب الٰہی پر بھی ایمان لائیں اس کے ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی گئی ہے کہ جو مسلمان اس باب میں تردد یا غیر یقینی کا شکار ہوں گے، ان کے ساتھ روزِ محشر غیر مسلموں کا سا سلوک برتا جائیگا اور انہیں اپنی ایمانی کمزوری اور اس سے پیدا ہونے والے اعمال کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

Marfat.com

باب چہارم

کتب وصحائفِ آسمانی (الہامی کتابیں)

۱۔ تعارفی کلمات

اللہ تعالیٰ نے جو احکامات اور پیغامات اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے توسط سے اپنے بندوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے نازل فرمائے انہیں اولاً توراۃ، زبور اور انجیل اور اخیر میں قرآن کریم کی صورت میں محفوظ و مربوط کیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن کریم اور احادیث نبوی (جو قرآن کریم کی عملی تفسیر اور عملی نمونہ ہیں) ہماری رہنما ہیں چنانچہ صحائف آسمانی پر ایمان اسلامی عقیدہ کا تیسرا رکن ہے۔

۲۔ اللہ کی الہامی کتابوں پر ایمان ضروری ہے

اسلام نے واضح طور پر ہر مسلمان کے لئے اُن تمام کتب سماوی پر ایمان لانا لازمی قرار دیا ہے جو وقتاً فوقتاً انبیاء کرام پر نازل ہوئیں۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ (مسلمانو) کہو کہ ہم خدا پر ایمان لائے۔ اور جو کتاب ہم پر اتری اُس پر اور جو صحیفے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اُن کی اولاد پر نازل ہوئے اُن پر اور جو کتابیں موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کو عطا ہوئیں اُن پر اور جو پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے ملیں، اُن پر (یعنی سب پر ایمان لائے) ہم اِن پیغمبروں میں سے کسی میں

Marfat.com

کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اُس خدائے واحد کے فرمانبردار ہیں (بقرہ، ۱۳۶، وال عمران : ۸۴) ایک اور جگہ ارشاد ہوا کہ خدا پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اُس نے اپنے پیغمبر (آخرالزماں) پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں سب پر ایمان لاؤ اور جو شخص خدا اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اُس کے پیغمبروں اور روزِ قیامت سے انکار کرے وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔ (نساء : ۱۳۶)

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب ہوا کہ ہم نے تمہارے پاس سلجھی ہوئی آیتیں (آیاتِ بیّنات) نازل فرمائی ہیں اور ان سے وہی انکار کرتے ہیں جو بدکردار ہیں۔ (توبہ : ۹۹) (اس کے برعکس) جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور جو کتاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوئی اسے مانتے رہے جو اُن کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے (تو اللہ تعالیٰ نے) اُن سے اُن کے گناہ دور کر دیئے اور اُن کی حالت سنوار دی (محمد : ۲)

۳۔ دیگر مذہبی کتابیں۔

راقم الحروف نے اپنی کتاب ’’ریلیجن۔ دی سائنس آف لائف‘‘ (مذہب۔ زندگی کی سائنس) میں مختلف مذاہب میں مروجہ مختلف کتابوں کی نوعیت، تالیف، اور اُن کی ’’صداقت‘‘ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان مذہبی کتابوں میں ہندو مت کی وید، بدھ مت کا پالی اور مہایانا لٹریچر، زرتشتی عقائد کی اوِشتا، اور یہودیت ونصرانیت کی تعلیمات پر مبنی تورات۔ اور انجیل شامل ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ قرآن کریم کے متعلق بھی کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

کتب مندرجہ بالا میں اول الذکر تینوں کتابیں وحی یا کلامِ الٰہی پر مبنی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان کا ماخذ کوئی اور کتابِ الٰہی ہے۔ لہٰذا انھیں کتب سماوی

Marfat.com

ا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتابوں کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ جہاں تک
بائبل (انجیل) کا تعلق ہے۔ اس کی دونوں تالیفات یعنی انجیل قدیم یا عہدِ عتیق
(OLD TESTAMENT) اور انجیل جدید یا عہد نامۂ جدید (NEW
TESTAMEN) ان کے بارے میں یہ حقیقت تسلیم کی جا چکی ہے کہ یہ دونوں
ت میں زمانۂ نزول کے بہت عرصہ بعد تالیف کی گئی ہیں۔ اس لئے ان کی صداقت
صحت، شبہ سے بالاتر نہیں۔ اصلی توراۃ، زبور اور انجیل صدیوں پیشتر تلف
ہو چکی ہیں۔ لہٰذا موجودہ اناجیل کو محض تحریفات کا مجموعہ ہی کہا جا سکتا ہے جو
ن کے مؤلفین کے ذاتی اغراض و مقاصد، پسند و ناپسند اور زمانہ کے مقتضیات
ر مبنی ہیں ان کتابوں کے مختلف مروجہ مطبوعات کا ماخذ و منبع محض تحریفات
یں۔ اور اسی لئے ان کے کلامِ الٰہی یا منجانب اللہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
نہیں، اصلی کتابوں کا ترجمہ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ اصل نسخے تو مدت دراز سے
پید ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان مذہبی
تابوں میں وقتاً فوقتاً ضرورت وقت کے تحت ترمیم و تنسیخ اور کمی بیشی کی گئی ہے

قرآن کریم نے بھی اس امر کی شہادت دی ہے کہ بنی اسرائیل نے اللہ کی
تابوں میں تحریفات کیں اور اُن کی اصل تعلیمات کو مسخ کر دیا۔ ارشادِ ربانی ہے
ہ (مومنو!) کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے دین کے قائل ہو جائیں گے۔
حالانکہ ان میں سے کچھ لوگ کلامِ خدا یعنی توراۃ کو سنتے، پھر اُس کے سمجھ لینے کے
بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں (البقرہ: ۷۵) مزید ارشاد ہوا کہ جو لوگ
خدا سے کئے ہوئے وعدوں اور اپنی قسموں کو بیچ ڈالتے ہیں۔ اور ان کے عوض تھوڑی
سی قیمت حاصل کرتے ہیں، اُن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ اُن سے خدا نہ تو کلام
کرے گا اور نہ قیامت کے روز اُن کی طرف دیکھے گا اور نہ اُن کو پاک کرے گا اور
اُن کو دُکھ دینے والا عذاب ہوگا (آل عمران: ۷۷) اہلِ کتاب
میں بعض ایسے ہیں کہ کتاب (توراۃ) کو زبان مروڑ مروڑ کر پڑھتے ہیں تاکہ تم یہ سمجھو کہ

Marfat.com

جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں کتاب (ہی) میں سے ہے۔ حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہوتا۔ اور کہتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے، حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتا۔ یہ لوگ خدا پر جھوٹ بولتے ہیں اور یہ بات انہیں اچھی طرح سے معلوم بھی ہے (آل عمران: ۷۸) احکامِ خداوندی کی تحریف و ترمیم میں جس قوم نے سب سے زیادہ قابل نفرین کردار ادا کیا وہ بنی اسرائیل تھی۔ قرآن پاک میں نہایت وضاحت کے ساتھ ان کی شرارتوں کا ذکر موجود ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ یہ جو یہودی ہیں، ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو اُن کے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا اور نہیں مانا اور سُنیئے نہ سنوائے جایئے۔ اور زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے تم سے گفتگو کرتے وقت "راعنا" کہتے ہیں۔ اور اگر یوں کہتے کہ ہم نے سُن لیا اور مان لیا اور صرف اسمع اور "راعنا" کی جگہ "انظرنا" کہتے تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا اور یہ بات بھی بہت درست ہوتی۔ لیکن خدا نے اُن کے کفر کے سبب اُن پر لعنت کر رکھی ہے تو یہ کچھ تھوڑے ہی ایمان لاتے ہیں (النساء: ۴۶) ایک اور مقام پر اس قوم بنی اسرائیل کے متعلق یوں ارشاد ہوا ہے کہ ان لوگوں کے عہد توڑنے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، اُن کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم اِن کی ایک نہ ایک خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو۔ تو ان کی خطائیں معاف کر دو اور ان سے درگذر کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (مائدہ: ۱۳) اہلِ نصاریٰ بھی اسی قسم کی ناعاقبت اندیش حرکات کے مرتکب ہوئے تو انہیں خداوند تعالیٰ کی طرف سے سرزنش کی گئی کہ جو لوگ اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے اُن سے بھی عہد لیا تھا مگر انھوں نے بھی اس نصیحت کا جو اُن کو کی گئی تھی ایک حصہ فراموش کر دیا تو ہم نے اُن کے باہم (درمیان) قیامت تک کے لئے دشمنی اور کینہ ڈال دیا

Marfat.com

اور جو کچھ وہ کرتے رہے، خدا عنقریب اُن کو اُس سے آگاہ کرے گا (مائدہ : ۱۴) -

۴ - بائبل یا انجیلِ مقدّس

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہے کہ موجودہ انجیل نہ تو اصل کتابِ الٰہی سے اخذ کیے ہوئے اصلی احکام کا مجموعہ ہے نہ اُن احکام کا ترجمہ ہے۔ ان حالات میں یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ان مروّجہ کتابوں کو اپنا جزوِ ایمان بنانے والے اور ان پر عمل کرنے والے دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے مستفیض ہونے کی کن حالات پر امید لگائے ہوئے ہیں! کیا ایسے معتقدین کا طرزِ عمل زندگی جیسی قیمتی نعمت کا ضیاع اور بالآخر تباہی کا باعث نہیں؟ جب کہ ان کتابوں کے توسط سے نہ تو تلاشِ حق کی کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہیں اور نہ ہی نجاتِ اُخروی کی منزل تک رسائی کی کوئی راہ نصیب ہو سکتی ہے جب احکامِ ہدایت کی بنیاد ہی مشکوک ہو اور ان کی تفصیلات کی تصدیق کا کوئی جواز یا ذریعہ نہ ہو تو ان احکام پر عمل کرنے والا کس طرح کامیاب و کامران ہونے کی توقع کر سکتا ہے؟

۵ - قرآنِ کریم

اب صرف قرآنِ کریم ہی وہ الہامی کتاب ہے جس کے متعلق معترضین بھی اس کی صداقت اور منجانب اللہ ہونے سے باوصف تمام خودساختہ دلائل و براہین کے انکار نہیں کر سکتے۔ یہ وہ کتابِ مبین ہے جس میں کلامِ الٰہی کا ایک ایک حرف اپنے اوّلین مقررہ مقام پر نہایت صحت و استقامت کے ساتھ موجود ہے اور اس کے معانی و مطالب بالخصوص نصوصِ محکمات میں کسی قسم کے ابہام و تشکیک کا گذر تک نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو کتابِ روشن کا لقب دے کر اس کی قسم کھائی ہے اور فرمایا ہے کہ ہم نے اس

Marfat.com

کو قرآن عربی بنایا ہے تاکہ تم اسے (آسانی سے) سمجھ سکو۔ اور یہ ام الکتاب یعنی لوح محفوظ میں ہمارے پاس لکھی ہوئی اور بڑی فضیلت اور حکمت والی ہے (زخرف : ۲-۴) مزید ارشاد ہوا کہ یہ قرآن تو اہل عالم کے لئے نصیحت ہے (ص: ۸۷ اور ن ۵۲) اس زمین پر بسنے والے انسانوں کے علاوہ غیر مرئی مخلوق جنات بھی اس کی عظمت کے قائل تھے۔ سورہ جن کی ابتدائی آیت اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ارشاد ہوا ہے کہ اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے اس (قرآن) کو سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو بھلائی کا راستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے (جن : ۱-۲) اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی حفاظت کے لئے فرشتوں کی جماعت کو مامور کر دیتا ہے جو اس کی ہر جانب سے نگرانی کرتے ہیں تاکہ ان پیغمبروں کو پیغام الٰہی کو دوسروں تک پہنچانے میں کوئی رکاوٹ و اذیت نہ پہنچے (جن : ۲۷) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بیشک یہ کتاب (قرآن) ہمیں نے اُتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں (الحجر: ۹)

۶۔ ایک چیلنج

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تم کو اس کتاب (قرآن میں جو ہم نے اپنے بندے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی ہے، کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمھارے مددگار ہوں اُن کو بھی بلا لو۔ اگر تم سچے ہو (بقرہ : ۲۳) اس سے اگلی ہی آیت میں یہ بات بھی قرآن نے واضح کر دی ہے کہ تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی فرد بشر اس قرآن کے معاملہ میں کسی قسم کی جعل و افترا کی کوششوں میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس محبوب کتاب کو اس قسم کی تحریف و تنقیص سے محفوظ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ یہ قرآن ایسا نہیں

Marfat.com

کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا اس کو اپنی طرف سے بنا لائے، ہاں ہاں یہ خدا کا کلام ہے جو الہامی کتابیں اس سے پہلے کی ہیں، ان کی تصدیق کرتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ قرآن اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس (کتاب) کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم بھی ایسی طرح کی ایک سورت بنا لاؤ۔ اور خدا کے سوا تم جن (معاون و مددگار) کو بلانا چاہتے ہو، انھیں (اپنی کوشش میں شریک کرنے کے لئے) بلا لو (یونس: ۳۷-۳۸)۔ مزید ارشاد ہوا کہ اے نبیؐ کہہ دو کہ اگر تمام انس و جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا (دوسرا) بنا لائیں تو نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار و معاون ہوں۔ (بنی اسرائیل: ۸۸)

۷۔ پیغامِ ہدایت و تنبیہ

قرآن کریم تمام جہان والوں کے لئے پیغام رشد و ہدایت بھی ہے اور تنبیہ بھی۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن مجھ پر اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے تم (یعنی موجود لوگوں) کو اور جس شخص کو (مستقبل میں) پہنچ سکے، آگاہ کروں (انعام: ۱۹) وہ خدائے عزوجل بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندہ پر قرآن نازل فرمایا تاکہ اہل عالم کو ہدایت کرے (فرقان: ۱) قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں، بشارت دیتا ہے کہ اُن کے لئے اجر عظیم ہے۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے لئے ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے (بنی اسرائیل: ۹-۱۰) قرآن کریم تمام کتب سماوی کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ ارشاد ربّی ہے کہ اے پیغمبرؐ، ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلے کی تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان سب پر شامل ہے ... جو حکم اُس نے تم کو (یعنی اہل جہان کو) دیئے ہیں، اُن میں وہ تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے۔ لہذا

Marfat.com

نیک کاموں میں جلدی کرو۔ تم سب کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر جن باتوں میں تمھیں اختلاف تھا (اس کی حقیقت) وہ تم کو بتادے گا (مائدہ: ۴۸)

۸۔ آخری کتابِ الٰہی۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری، جامع اور مکمل ترین کتاب ہے جس میں ہر زمان و مکان کے لئے رشد و ہدایت کا خزانہ موجود ہے۔ اور رہتی دنیا تک انسان جن مسائلِ حیات و ممات سے دوچار ہو سکتا ہے، ان سب کا وافی و شافی حل موجود ہے۔ تکمیلِ قرآن کے ساتھ ہی نزولِ وحی یا کلام الٰہی کا سلسلہ بھی اختتام کو پہنچا جس طرح نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سلسلۂ نبوت ظہور اسلام کی شکل میں تکمیل پذیر ہوا۔ یہی دینِ اسلام، مکمل اور خدا کا محبوب ترین دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آج ہم نے تمھارے لئے تمھارا دین کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمھارے لئے اسلام کو دین پسند کیا (مائدہ: ۳) سب تعریف خدا ہی کو ہے جس نے اپنے بندہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ کتاب (قرآن) نازل فرمائی۔ اس میں کسی طرح کی کجی اور پیچیدگی نہ رکھی بلکہ سیدھی اور سلیس اُتاری تاکہ لوگوں کو عذاب سخت سے جو اُس کی طرف سے آنے والا ہے، ڈرائے۔ اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں، خوشخبری سُنائے کہ اُن کے لئے اُن کے نیک کاموں کا بدلہ (یعنی) بہشت ہے جس میں وہ ابدالآباد رہیں گے (الکھف: ۱-۳) بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔ (نساء: ۸۲)

۹۔ صداقت۔

"آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کے بمصداق قرآن کریم کے منصۂ شہود پر آنے

Marfat.com

سے صداقت و دیانت کا معیار قائم ہوگیا جس سے انسانیت کا وقار بلند ہوا۔ حق کا بول بالا ہوا اور باطل نے راہ فرار اختیار کی (بنی اسرائیل ۸۱) ارشاد ربی ہے کہ ہم قرآن کے ذریعہ سے وہ چیز نازل کرتے ہیں، جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے (بنی اسرائیل: ۸۲) جو ایمان لاتے ہیں ان کے لئے یہ قرآن ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی یعنی بہرا پن ہے اور یہ ان کے حق میں موجب نابینائی ہے۔ گرانی کے سبب ان کو گویا دُور جگہ سے آواز دی جاتی ہے (حٰم سجدہ: ۴۴) یہ قرآن کفر کی ظلمت کو دور کر کے ایمان کی روشنی پھیلاتا ہے۔ یہ پُر نور کتاب ہے اس کو ہم نے تم پر نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لیجاؤ (ابراہیم: ۱) یہ قرآن پاکیزگی قلب و روح کا سرمایہ ہے اور عقل و شعور کو بڑھانے اور جہالت و ضلالت کو دُور کرنے کا موثر ذریعہ ہے (البقرہ: ۱۵۱ اور ۱۵۲) یہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی اور والدین کی خصوصاً جب وہ عمر رسیدہ ہو جائیں اطاعت و فرمانبرداری اور حسن سلوک اور نرمی گفتار کا حکم دیتا ہے (بنی اسرائیل: ۲۲-۲۴) یہ نیکی کا حکم دیتا ہے اور بُرائی سے اجتناب کی تعلیم دیتا ہے (معارج: ۲۱-۳۵) یہ فلاح دارین کا سرچشمہ ہے (البقرہ: ۱-۵) خدا مومنوں کے دلوں کو صحیح اور قولِ ثابت (امر محکم) سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی رکھیگا (ابراہیم ۲۷) اے نبی! یہ کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اسکی آیتوں میں غور و تدبر کریں اور تاکہ اہلِ عقل نصیحت پکڑیں۔ (صٓ: ۲۹)

۱۰۔ سرچشمۂ ہدایت

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہی کلام ربانی انسان کی طبعی ضروریات اور مابعد الطبیعاتی مسائل اور ان سے درپیش تمام مشکلات کو حل کرنیکا واحد ذریعہ ہے۔ تدبرِ قرآن کے صلہ میں جو ہدایت و رہنمائی حاصل ہوتی ہے وہ عالم انسانیت کے علم و عمل کی ہدایت و کامرانی کے لئے ہر لحاظ سے مکمل، درجۂ کمال پر فائز اور ہمہ گیر اور اثر آفریں ہوتی ہے۔ یہ صرف کلامِ الٰہی کا فیضان تھا جس نے ذہنِ آدم

Marfat.com

کو روزِ ازل ہی سے شعور و آگہی بخشی۔ جس کے توسط سے آدم نے سورج کو سورج چاند کو چاند، پودے کو پودا، آدمی کو آدمی اور جانور کو جانور کی مختلف النوع حیثیت سے جانا اور پہچانا اور ان کی کیفیت و ماہیت کا شعور حاصل کیا۔ قرآن بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آدم کو حقیقتِ اشیاء کا علم بخشا (بقرہ: ۳۱) اللہ تعالیٰ کا عرفان، کائنات اور خود اپنی ذات کا شعور علمِ الٰہی کے فیضان سے ہی انسان کو حاصل ہوا۔ انسان میں سننے، دیکھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیتیں اسی لئے پیدا ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کان، آنکھ اور دل عطا کئے۔ قرآن کہتا ہے وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمھارے کان، اور آنکھیں اور دل بنائے (ملک: ۲۳) انسان اس لئے بولتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسی نے اس کو بولنا سکھایا (رحمٰن: ۳۔۴) انسان اس لئے کھاتا پیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال و طیب رزق دیا اور کہا کہ اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور اسی کی عبادت کرتے رہو (النحل: ۱۱۴) انسان اس لئے ستر پوشی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بتایا کہ اے بنی آدم! ہم نے تم پر پوشاک اُتاری کہ تمھارا ستر ڈھانکے اور تمھارے بدن کو زینت دے (اعراف: ۲۶) انسان اس لئے علم سیکھتا ہے کہ اللہ نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور اُسے وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا۔ (علق: ۴۔۵) علمِ الٰہی کے ذریعہ ہی انسان کو یہ ادراک ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان، اور اُن کے درمیان ساری موجودات و مخلوقات کا خالق و مالک ہے (طٰہٰ: ۶)

۱۱۔ علم و حکمت کا خزانہ

فلسفیانہ طرزِ فکر، سائنسی تحقیقات، اور صنعتی اختراعات کی فراوانی اس حقیقت کا پتہ دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ادراک و تجسس کی بے پایاں دولت سے نوازا ہے اور انہیں فہم و ادراک کے توسط سے غور و فکر

Marfat.com

کے ساتھ ساتھ تجربہ ومشاہدہ کا حکم دیا ہے کہ زمین وآسمان کی تخلیق، موسموں کا تغیر وتبدل، گردشِ لیل ونہار، بہتے ہوئے چشمے اور نالے، پھلوں اور پھولوں کے باغات، چوپایوں کی سبزہ زاروں میں خوش خرامی، سطحِ سمندر پہ تیرتے ہوئے طویل القامت اور وزنی جہاز، دریا، پہاڑ، بادل، ہوائیں، چاند سورج اور ستارے اپنی تخلیق وترکیب میں قانونِ قدرت کے کون سے راز چھپا رکھے ہیں۔ ساتھ ہی روزمرہ کے وہ تجربات جو فہم وشعور سے براہِ راست تعلق رکھتے ہیں، ان پر انسان کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، یہ زندگی و موت کے سربستہ راز، افراد وقوم کا عروج وزوال، ضمیر وشعور کا باہمی توازن وتفاوق اور اس نہج کے دوسرے مسائل دوقائع بصیرت افزا بھی ہیں اور عبرت انگیز بھی۔ علم وحکمت کے یہ خزانے قرآن کریم میں اس طرح بکھرے ہوئے ہیں کہ انسان بے ساختہ خالق کائنات کی قدرت وحکمت پر ایمان لانے اور سربسجود ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے (ملاحظہ ہو بقرہ: ۱۶۴، آلِ عمران: ۱۹۰، یونس: ۶، رعد: ۲، النمل: ۸۔۷، مومن: ۶۷)

اسی طرح صنعت وحرفت کی راہیں بھی کلامِ الٰہی کا فیضان ہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوہا پیدا کر کے اس کے فوائد وطریقِ استعمال بھی بیان کر دیئے جن سے استفادہ کر کے انسان نے صنعت وحرفت میں روزافزوں ترقی ومہارت کا راز حاصل کر لیا۔ آلاتِ حرب اور اسبابِ امن وراحت کی ایجادات اور ان میں ترقی بھی علمِ الٰہی کی مرہونِ منت ہے (سبا: ۱۰۔۱۱، حدید: ۲۵) اسی طرح حضرت نوحؑ کے ذریعہ کشتی بنوا کر اور طوفان میں آپ کے ذریعہ مومن بندوں کو سلامتی کے ساتھ کنارے پہنچا کر کشتی بانی اور جہازرانی کا فن بھی اللہ تعالیٰ نے ہی عطا کیا ہے (ہود: ۳۷۔۳۸)

۱۲۔ حیات بعدِ موت

یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت وعلم بخشی کا فیضان تھا کہ انسان، زندگی اور موت

Marfat.com

اور خاص طور پر حیات بعد موت کے متعلق غور وفکر کرنے پر مائل ہوا۔ قرآن کریم نے واضح شہادتوں اور روشن دلیلوں کے ساتھ یہ حقیقت واضح کر دی کہ موت و زندگی جس سے ہم اس مادی دنیا میں بخوبی واقف ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اُٹھنے کی واقفیت، اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے مظاہر میں سے ہے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ قرآن میں اس طرح مذکور ہے کہ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس کا گذر ایک ایسے گاؤں پر ہوا جو چھتوں کے بل گرا پڑا تھا تو اس نے کہا کہ خدا اس کے ہلاک شدہ باشندوں کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا تو خدا نے اس کی روح قبض کر لی۔ اور سو برس تک اس کو مُردہ رکھا۔ پھر اس کو جلا اٹھایا (البقرہ: ۲۵۹) یہ واقعہ غالباً حضرت عزیرؑ کا ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کے ذریعہ بھی حیات بعد موت کا عملی ثبوت قرآن نے پیش کیا ہے تاکہ دنیا اس حقیقت یعنی دنیاوی زندگی کے خاتمے اور حیاتِ اُخروی کا یقین کر لے کہ (یہ بھی جزو ایمان ہے) اس واقعہ کی تفصیل سورۂ بقرہ آیت ۲۶۰ میں اس طرح مذکور ہے کہ جب ابراہیمؑ نے خدا سے کہا کہ اے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کریگا۔ خدا نے فرمایا۔ کیا تم کو اس بات پر یقین نہیں؟ تو ابراہیمؑ نے کہا کیوں نہیں (یعنی یقین تو ہے) لیکن میں اس لئے دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرا قلب اطمینان کامل حاصل کر لے۔ خدا نے فرمایا کہ چار جانور پکڑ کر اپنے پاس منگا لو پھر اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر (علیحدہ علیحدہ) رکھدو، پھر اُن کو اپنی طرف بلاؤ تو وہ جاندار زندہ اور سالم ہو کر تمھارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے۔ جان رکھو کہ خدا غالب اور صاحب حکمت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنی ہدایت کے ذریعہ اہل ایمان کو زندگی کے اعلیٰ مقاصد سے روشناس کرایا۔ جن کی روشنی میں اور جن سے تقویت پاکر انبیاء و رسل نے اپنے حریفوں اور مخالفین پر غلبہ حاصل کیا حضرت ابراہیمؑ کو نمرود پر، حضرت موسیٰؑ کو فرعون اور اس کے سرداروں پر اور نبی

Marfat.com

آخر الزماں حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکہ پر فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی مدد اور ہدایت کے ذریعہ ہی حاصل ہوئی۔ اور اس حکمت و اعانت کے ذریعہ دیگر انبیاء کرام حضرت نوحؑ حضرت صالحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت لوطؑ، حضرت شعیبؑ اور حضرت عیسٰیؑ علیہم السلام نے کلمۂ حق کا پرچم بلند کیا اور نہایت پامردی کے ساتھ طاغوتی قوتوں کا مقابلہ کرکے انجام کار ان پر فتح پائی۔

۱۳۔ اخلاق و آداب

کلام و ہدایتِ الٰہی کی بدولت جو نبی نوعِ انسان تک کتب سماوی بالخصوص قرآن کریم کے ذریعہ پہنچے، معاشرہ کی اصلاح و فروغ کے اصول مرتب ہوئے۔ ان واضح ارشادات الٰہی کے بغیر اولاد اور والدین کے حقوق و فرائض جان و مال کا تحفظ، قمار، شراب نوشی، بدکاری، اور جبر و استحصال کے صحیح مفہوم اور ان کے نتائج سے انسان ہرگز واقف نہ ہو سکتا تھا۔ نہ قصاص و دین کے قوانین مرتب ہوتے نہ اخلاقی جرائم کی سزاؤں کی حدود متعین کی جا سکتی تھیں۔ اور نہ کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے ہضم کرنے والا یا سود خور اس انسانیت سوز عمل کی سنگینی سے واقف ہو سکتا تھا۔ ان امور کی وضاحت اور تصدیق اپنے اپنے مقام پر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے ہوتی ہے (البقرہ: ۱۸۸ رشوت اور دوسروں کا مال ناجائز طور پر کھانے کی ممانعت)، (البقرہ: ۱۷۸-۱۷۹: قانون قصاص)، (البقرہ: ۲۷۵: سود خوری کی لعنت)، (النساء: ۲۹: رضامندی سے لین دین)، (مائدہ: ۳۸: چوری کی سزا)، (بنی اسرائیل: ۲۳-۲۴: والدین کی اطاعت و فرمانبرداری)، (النور: ۲: بدکاری کی سزا)

یہ تو معاشرتی حدود میں جزا و سزا کے اعمال اور ان سے متعلق احکام تھے۔ ان کے علاوہ انفرادی اصولِ اخلاق مثلاً سچائی، دیانت، پاکیزگی، بے غرضی، انکساری، صبر و استقلال، شکر گذاری و احسان مندی، ضبطِ نفس، عزت اور آبرو کی حفاظت

Marfat.com

سخاوت، ہمت، عفو و درگذر اور دیگر اخلاق و آداب کے اصول و قوانین اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر کس طرح ذہنِ انسانی میں سما سکتے تھے۔ ان کے علاوہ عقیدہ و عبادت کے اصول، زوجین کے حقوق، عزیز و اقارب کے ساتھ سلوک، صلہ رحمی، اور دیگر امور زندگی سے آگاہی کا ذریعہ احکامِ خداوندی کے سوا اور کہاں سے میسّر آسکتا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا فیضان ہے کہ ان اصول و ضوابط پر عمل کر کے ہی انسانی معاشرہ مستحکم بنیادوں پر استوار ہوسکتا ہے۔ اور صلہ اور انعام کے طور پر دونوں جہان کی نعمتیں بھی اہلِ خیر کے حصہ میں آسکتی ہیں، یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام یا کتبِ سماوی جو کلامِ الٰہی کا مجموعہ ہیں عقیدہ و ایمان کی بنیاد ہیں جن پر عمل کر کے ہی ہم اس فانی زندگی اور اسکے بعد قائم ہونیوالی لافانی زندگی (حیات بعد موت) کو کامیاب و کامراں بنا سکتے ہیں۔

۱۴۔ قرآن کریم اور مخالفین کے اعتراضات

اس مضمون کو ختم کرنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند باتیں منکرینِ حق کے اعتراضات کے جواب میں بیان کر دی جائیں جو وہ قرآن اور قرآن کی حقانیت کے متعلق کرتے رہے ہیں (اور جن کی بازگشت اب بھی دور و نزدیک سے کبھی کبھی سنائی دیتی ہے) اسلام کے مخالفین اور قرآن کے معترضین نے یا تو خود گمراہی میں مبتلا ہو کر یا دوسروں کو گمراہ کرنے کی نیت سے قرآن سے متعلق جو اعتراضات کئے ہیں ان میں یہ اعتراضات خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ اور جن کا جواب فی نفسہٖ قرآن کی زبان اور قرآن کے حوالے سے دینا ضروری ہے۔

(۱) قرآن کریم اللہ کا کلام ہے تو یہ بتدریج نازل ہونے کی بجائے تمام کا تمام ایک ساتھ کیوں نازل نہ ہوا۔ (۲) قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے ثبوت میں اور اس کی تصدیق کے لئے نشانیاں یا معجزات کیوں نہ ساتھ ساتھ پیش کئے گئے (۳) قرآن کو (نعوذ باللہ) رسولؐ نے خود اپنی طرف سے بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دیا۔ (۴) یا کسی دوسرے شخص نے رسولؐ کو املا کرایا (کیونکہ آپ اُمّی تھے) (۵) یہ قرآن

Marfat.com

جھوٹی اور بعید از فہم کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

قرآن کریم نے ان مخالفین کے تمام اعتراضات اور افترا پردازیوں کا کافی اور مدلل جواب پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے قرآن کو تدریجاً نازل کیا ہے تاکہ پیغمبرؐ کے قلب کو تقویت پہنچے اور ہم نے اسے خاص طرز سے مرتب کیا ہے۔ ارشاد ربّی ہے کہ کافر کہتے ہیں کہ اس (پیغمبرؐ) پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں اُتارا گیا؟ (اے نبیؐ) اس طرح آہستہ آہستہ اس لئے اُتارا گیا کہ اس سے تمہارے دل کو قائم رکھیں اور اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے رہے ہیں اور یہ لوگ تمہارے پاس جو اعتراضات کی بات لاتے ہیں، ہم تمہارے پاس اس کا معقول اور خوب مشرح جواب بھیجدیتے ہیں (فرقان: ۳۲۔۳۳ اور ۱۷: ۱۰۶)

دوسرے اعتراض کے جواب میں یہ کہدینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مستغنیٰ اور بے نیاز ہے۔ خدا اپنے بندوں سے قرآن یا حق کو جبراً تسلیم کرانا نہیں چاہتا وہ اس سے بے نیاز ہے کہ کوئی اس کے کلام پر یقین لائے یا نہ لائے جہاں تک اہل یقین اور حق کے پرستاروں کا تعلق ہے تو وہ آیاتِ الٰہی کو سنتے ہی سجدہ میں سرِ نیاز جھکا کر گریہ وزاری کے ساتھ اپنے اللہ تعالیٰ سے عفو و کرم طلب کرتے ہیں (اے نبیؐ) کہدو کہ تم اس قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (یہ فی نفسہٖ حق ہے) جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے۔ جب یہ قرآن ان کو پڑھ کر سُنایا جاتا ہے (زیادہ از راہِ شوق نیاز خود اس کی تلاوت کرتے ہیں) تو وہ منہ کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بیشک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور روتے جاتے ہیں۔ اور اس سے ان میں اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے (بنی اسرائیل: ۱۰۷)

معجزات یا تصدیقی نشانیوں کے متعلق پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب یہ تھا کہ اللہ کی نشانیاں یا معجزات منکرین کے تقاضوں یا خواہشوں کی پابند نہیں۔ پیغمبرؐ کے ذمہ صرف واضح طور پر بلا کم و کاست اللہ کے پیغام کو اُس کے بندوں

Marfat.com

تک پہنچا دینا ہے۔ ارشادِ ربّی ہے کہ کافر کہتے ہیں کہ اس (یعنی پیغمبر) پر اس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوئیں؟ کہدو کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلم کھلا ہدایت کرنے والا ہوں (عنکبوت: ۵۰)۔ اور یہ لوگ تم سے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں۔ اگر ایک وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان پر عذاب آ بھی گیا ہوتا۔ اور وہ (عذاب) کسی وقت میں ان پر ضرور ناگہاں آ کر رہیگا اور ان کو معلوم بھی نہ ہوگا (عنکبوت: ۵۴) جن لوگوں نے باطل کو مانا اور خدا کا انکار کیا، وہی نقصان اٹھانے والے ہیں (عنکبوت: ۵۲)

قرآن کریم میں پیغمبر کی طرف سے تبدیلی یا خود نویسی یا خود تصنیفی کے اعتراض و شکوک کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان منکرین کو چیلنج کیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ پیغمبر نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے؟ کہدو کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنا لاؤ۔ اور خدا کے سوا جن کو تم بلا سکو، بلا بھی لو (یونس: ۳۸ اور ہود: ۱۳) معترضین کا یہ بھی کہنا تھا کہ قرآنی آیات میں خود خدا کی طرف سے ترمیم و تنسیخ ہوتی رہی ہے، جس سے قرآن کی جامعیت اور اصلیت پر حرف آتا ہے۔ اس کے جواب میں ارشادِ ربانی ہے کہ ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ خدا ہر بات پر قادر ہے (بقرہ: ۱۰۶) جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں۔ اور خدا جو کچھ نازل فرماتا ہے اُسے خوب جانتا ہے۔ کافر (یہ بھی) کہتے ہیں کہ تم تو یونہی اپنی طرف سے بنا لاتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں اکثر نادان ہیں (النحل: ۱۰۱) کہدو کہ اس کو روح القدس تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں تاکہ یہ قرآن مومنوں کو ثابت قدم رکھے اور حکم ماننے والوں کے لئے تو یہ ہدایت اور بشارت ہے (النحل: ۱۰۲) بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو کوتاہ اندیش قرآن کے متعلق تحریف یا خود تصنیفی کا اعتراض کرتے ہیں، وہ خود من گھڑت کہانیاں بیان کرتے ہیں اور وہی خود کذب و افترا کے

Marfat.com

مرتکب ہیں۔ جھوٹ اور افترا تو وہی لوگ کرتے ہیں جو خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے وہی جھوٹے ہیں (النحل: ۱۰۵) اور آخرت میں وہی لوگ خسارہ میں رہیں گے۔

یہ منکرینِ حق اسی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ دوسرے لوگوں اور کمزور عقیدہ مسلمانوں کو بھی ورغلانے کی کوشش کرتے تھے۔ ارشادِ ربّی ہے کہ ظالم کہنے لگے کہ یہ قرآن پریشان باتیں ہیں جو خواب میں دیکھ لی ہیں۔ بلکہ اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے۔ بلکہ یہ شعر ہے جو اس شاعر کا نتیجہ طبع ہے (انبیاء: ۵) پیغمبر آخرالزماںؐ کو کبھی وہ ساحر کہتے تھے اور کبھی شاعر۔ اللہ تعالیٰ نے ان گمراہوں کو پچھلی قوموں کے انجامِ بد سے خبردار کیا جو رشد و ہدایت آنے کے بعد بھی مسلسل حق کا انکار کرتے رہے۔ قرآن حکیم نے نہایت وضاحت کے ساتھ بتلادیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے۔ چنانچہ آپؐ نے نہ تو پہلے کسی شخص سے قرآن پڑھا اور نہ ہی اپنی طرف سے تصنیف فرمایا۔ ارشادِ ربانی ہے کہ ہماری آیتوں سے وہی انکار کرتے ہیں جو کافرلی ہیں۔ اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے۔ ایسا ہوتا تو اہلِ باطل ضرور شک کرتے۔ بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں۔ جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں یہ قرآن محفوظ ہے۔ اور ہماری آیتوں سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں (عنکبوت: ۴۷ تا ۴۹)

جب ان تمام اعتراضات کا مسکت جواب منکرینِ حق کو مل گیا اور وہ لاجواب ہو گئے تو انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ پانچ علمائے نصاریٰ آپ کو تعلیم دیتے ہیں اور ستم ظریفی تو ملاحظہ ہو کہ انھوں نے ان پانچ "مقتدرہ" علمائے نصاریٰ کے نام بھی گنادیئے یعنی جبر، یاسر، عیش، قیس اور عداس جو حقیقت میں نصاریٰ غلام تھے اور غیر عرب (عجمی) تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خود ساختہ الزام کا بھی مدلّل جواب دیا۔ کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کو ایک

Marfat.com

شخص سادھا جاتا ہے۔ مگر جس کی طرف تعلیم کی نسبت یہ لوگ کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے۔ اور یہ قرآن صاف عربی زبان ہے (النحل: ۱۰۳)

منکرینِ قرآن کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ قرآن پرانی کہانیوں کا مجموعہ ہے جو ان کے سامنے صبح و شام دُہرائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہدو کہ اس قرآن کو اس ذات بابرکت نے اُتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے (فرقان: ۶) ان منکرین سے جب کچھ نہ بن پڑا تو انھوں نے قرآن کو حق تسلیم کرنے کے لئے معجزات کا تقاضا شروع کر دیا (یہ کافر) کہنے لگے کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک (عجیب و غریب باتیں نہ دکھاؤ) یا تو ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری کر دو، یا تمھارا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ میں نہریں نکالو، یا جیسا تم کہتے ہو، ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گراؤ۔ یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ، یا تمھارا سونے کا گھر ہو۔ یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمھارے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک وہاں سے کوئی (الہامی) کتاب نہ لاؤ، جسے ہم پڑھ بھی لیں۔ کہدو کہ میرا پروردگار پاک ہے، میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان (رسول) ہوں (بنی اسرائیل: ۹۰ تا ۹۳)

یعنی ان تمام فرمائشی معجزوں کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حتمی جواب یہی تھا کہ میں تو محض ایک بشر ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے رسول اور نبی بنا کر بھیجا ہے۔ یعنی معجزات کا صدور انسانی طاقت کے باہر ہے اس کے علاوہ معجزہ دیکھکر ایمان لانا پختگی عقیدہ اور استقامتِ دین کی علامت نہیں بن سکتی۔

اسی طرح جب معترضین نے قرآن کے الہامی (مجموعۂ وحی) ہونے کا ثبوت چاہا تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی قسم کے بعد یہ اعلان فرمایا کہ یہ کتاب علم و حکمت سے بھری ہوئی ہے جسے خدائے غالب اور مہربان نے اپنے بندہ اور پیغمبر پر نازل کیا ہے (یٰسین: ۱۔ ۵ مفہوم) جس میں کسی قسم کی کوئی کجی اور پیچیدگی نہیں رکھی گئی ہے (الکھف: ۱) ارشاد ربی ہے کہ ہم نے تم پر کتاب (قرآن) لوگوں کی ہدایت کے

Marfat.com

لئے سچائی کے ساتھ نازل کی ہے۔ تو جو شخص ہدایت پاتا ہے تو اپنے بھلے کے لئے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور اے پیغمبر تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو (زمر: ۴۱) اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان منکرین قرآن سے اپنے رسولؐ کے توسط سے اعلان فرمایا کہ اگر روئے زمین کے انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنالائیں تو ہرگز ایسا نہ کرسکیں گے خواہ وہ اس مقصد کے لئے ایک دوسرے کے معاون اور مددگار بن جائیں (بنی اسرائیل: ۸۸) قرآن تو اللہ تعالیٰ کا پیغامِ ہدایت ہے جسے اس نے اپنے فرشتے روح القدس کے ذریعہ قلبِ پیغمبر پر نازل کیا ہے (شعرا: ۱۹۲ تا ۱۹۴) اس قرآن کو شیطان لے کر نازل نہیں ہوئے۔ یہ کام نہ تو ان کو سزاوار ہے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ وہ آسمانی باتوں کے سننے کے مقامات سے الگ کردیئے گئے ہیں (شعراء: ۲۱۰ تا ۲۱۲)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ مکہ شاعر و کاہن کے لقب سے یاد کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے پیغمبر کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ ان کو شایاں ہے۔ یہ قرآن تو نصیحت اور صاف صاف پُراز حکمت ہے تاکہ اس شخص کو جو (روحانی طور پر) زندہ ہو ہدایت کا رستہ دکھائے اور کافروں پر حق ثابت ہوجائے (یٰسین: ۶۹۔۷۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو تلاوتِ قرآن اور اقامت صلوٰۃ کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ اہلِ کتاب سے نرم دلی اور صلح روی سے کام لیں تاکہ اسلام اور قرآن کی طرف مائل ہوں۔ فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کتاب جو تمھاری طرف وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کرو اور نماز کے پابند رہو اور اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریقہ سے کہ نہایت اچھا ہو۔ (عنکبوت: ۴۶)

Marfat.com

Marfat.com

بابِ پنجم

اللہ کے فرشتے (ملائکہ)

اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر یقین لانا ایمان کا چوتھا رکن ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ رسولؐ اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں، اور مومن بھی سب خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (بقرہ: ۲۸۵) جو شخص خدا اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور روز قیامت سے انکار کرے وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑا (النساء: ۱۳۶) جو شخص خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا خدا دشمن ہے (بقرہ: ۹۸)

فرشتوں کے متعلق انسانی فہم محدود ہے۔ اس نقطہ نظر سے فرشتے بھی اسرارِ غیب سے ہیں، اسی لئے ان پر یقین رکھنا ایمان بالغیب کی ایک اہم شق ہے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر فرشتوں کا ذکر آیا ہے جن سے ان کی ماہیت اور کیفیت کا کچھ علم عام انسانوں تک بھی پہنچا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے، جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا اور فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے، جن کے دو دو، اور تین تین اور چار چار پر ہیں: (فاطر: ۱) وہی فرشتوں کو پیغام دیکر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے

Marfat.com

بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بتادو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا مجھ سے ہی ڈرو۔ (النحل: ۲) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک بھی ایک فرشتے یعنی جبرئیلؑ کے ذریعہ نازل کیا گیا جو ایمان والوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے (بقرہ: ۹۷) فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے خدا سے بخشش و مغفرت کی دعا مانگتے ہیں (شوریٰ: ۵) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خدا ہے، پھر وہ اس پر قائم بھی رہے ان پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، خوشی مناؤ (حٰم سجدہ: ۳۰) فرشتوں کی تعداد کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے (مدثر: ۳۱)۔

قرآن کہتا ہے کہ فرشتے تیرتے پھرتے ہیں لپک کر آگے بڑھتے ہیں۔ پھر دنیا کے کاموں کا انتظام کرتے ہیں (نازعات: ۴-۵) شبِ قدر جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اُس میں روح الامین اور فرشتے ہر کام کے انتظام کے لئے اپنے پروردگار کے حکم سے اُترتے ہیں یہ رات طلوعِ صبح تک امان اور سلامتی ہے (قدر: ۳ تا ۵)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کو کفار اور دشمنوں کے مقابلہ میں فتح و نصرت عطا فرمائی۔ جنگ بدر کے نازک موقع پر جب کہ مسلمان تعداد و اسباب کے مقابلہ میں کفارِ مکہ سے بہت کم تھے، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مسلمانوں کی امداد کے لئے بھیجا (آل عمران: ۱۲۲-۱۲۳) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم پروردگار سے فریاد کرتے تھے تو اُس نے تمھاری دعا قبول کرلی اور فرمایا کہ تسلی رکھو ہم ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے رہیں گے، تمھاری مدد کریں گے (انفال: ۹) جب تمھارا پروردگار فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ تم مسلمانوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں۔ میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب و ہیبت ڈالے دیتا ہوں تو سر مار کر اُڑا دو اور اُن کا پور پور توڑ دو۔ یہ سزا اس لئے دی گئی کہ انھوں نے خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔ اور جو شخص خدا اور اُس کے رسولؐ کی

Marfat.com

مخالفت کرتا ہے تو خدا بھی سخت عذاب دینے والا ہے (انفال ۱۲۱-۱۳)

جو کفار اور مخالفین اسلام، خدا اور فرشتوں کا انکار کرتے تھے ازراہ کبر وغرور یہ کہا کرتے تھے کہ ہم پر بھی فرشتے کیوں نہیں اترتے اور یہ کہ ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں. گویا ان کے نزدیک قبول اسلام کی یہ شرط تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی سرزنش کے لئے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے۔ کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کئے گئے یا ہم آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھ لیں۔ یہ اپنے خیال میں بڑائی رکھتے ہیں اور اسی بنا پر سرکش ہو رہے ہیں۔ جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے، اس دن گنہ گاروں کے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی (فرقان: ۲۱-۲۲)

سابقہ امتوں میں مختلف قوموں نے جب اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہ صرف نظرانداز کر دیا بلکہ اپنے ہی برادری میں مبعوث ہونے والے پیغمبروں کی توہین وتضحیک اور ایذارسانی سے بھی دریغ نہ کیا۔ یہاں تک کہ جب وہ کفر وعناد میں حد سے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ ان سرکش ونافرمان قوموں کو ہلاک کر کے ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ چنانچہ قوم عاد (ہود: ۵۸) قوم ثمود (ہود: ۶۶) قوم لوط (ہود: ۸۲) اور قوم شعیب (ہود: ۹۴) ان سب قوموں پر ہولناک عذاب مختلف صورتوں میں فرشتوں کے ذریعہ نازل ہوئے اور اس طرح یہ قومیں نافرمانیوں کے سبب تباہ وبرباد کر دی گئیں۔

فرشتے ایسے امور کی تکمیل وتعمیل پر بھی من جانب اللہ مامور تھے جو انسان کی امکانی طاقت یا فہم وادراک سے ماوراء تھے ان میں حضرت ابراہیمؑ حضرت زکریاؑ اور حضرت مریمؑ کے واقعات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں چنانچہ ارشاد ربی ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اسحٰقؑ کی اور اسحٰقؑ کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔ (ہود: ۷۱) یہ خوش خبری ان فرشتوں کے ذریعہ دی گئی جو قوم لوطؑ کو تباہ کرنے آئے تھے (ہود: ۷۰) حضرت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ اے پروردگار مجھے اپنی

جانب سے اولادِ صالح عطا فرما. تو بیشک دعا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے. وہ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتے نے آواز دی کہ زکریا خدا تمھیں یحییٰ (یعنی فرزند) کی بشارت دیتا ہے جو حضرت عیسیٰ کی تصدیق کرینگے اور سردار ہونگے (آل عمران: ۳۸۔۳۹) حضرت مریم کو بھی فرشتوں کے ذریعہ خبر دی گئی کہ مریم! خدا نے تمکو برگزیدہ کیا ہے اور پاک بنایا ہے اور جہاں کی عورتوں میں منتخب کیا ہے (آلِ عمران: ۴۲) اور اے مریم خدا تمکو ایک فیض کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا اور جو دنیا اور آخرت میں باآبرو اور خدا کے خاصوں میں ہوگا (آلِ عمران: ۴۵)

موت کے وقت روح قبض کرنے پر بھی فرشتے ہی مامور ہوتے ہیں. جب فرشتے کفار و مشرکین کی روح قبض کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم کوئی بُرا کام نہیں کرتے تھے. فرشتے جواب میں کہتے ہیں کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اُسے خدا خوب جانتا ہے سو دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اسی میں رہو گے (النمل: ۲۸۔۲۹) اور جب فرشتے اہلِ ایمان کی جانیں نکالنے لگتے ہیں تو سلام علیکم کہتے ہیں اور کہتے کہ جو عمل تم کیا کرتے تھے ان کے بدلے میں بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ (النحل: ۳۲)

فرشتوں کے ذمہ منجانب اللہ یہ فرض عاید کیا گیا ہے کہ وہ انسانی نامۂ اعمال مرتب کریں اور ہر انسان کا ہر عمل ریکارڈ کرتے رہیں جو روزِ حساب (قیامت) اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کئے جائیں گے اور جن کی بنیاد پر جزا و سزا کے فیصلے صادر ہوں گے. ارشاد ربّی ہے کہ بے شک تم (انسانوں) پر نگہبان (فرشتے) مقرر ہیں. عالی قدر تمھارے اعمال لکھنے والے (کراماً کاتبین) جو کچھ تم کرتے ہو وہ اُسے جانتے ہیں یقیناً نیکو کار نعمتوں کی بہشت میں ہوں گے اور بدکردار دوزخ میں (انفطار: ۱۰ تا ۱۵)

قرآن کریم میں کفارِ مکہ کے ان لغو اور من گھڑت عقائد کا بھی مذکور ہے کہ وہ فرشتوں کو جنس تانیث سے نہ صرف وابستہ کرتے تھے بلکہ بعض صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے سے بھی نہ شرماتے تھے. قرآن کہتا ہے کہ (ان کفارِ مکہ نے) فرشتوں کو جو خدا کے بندے ہیں، اس کی بیٹیاں قرار دے رکھا ہے. کیا یہ لوگ ان (یعنی فرشتوں) کی پیدائش کے وقت حاضر تھے. عنقریب ان کی شہادت (یعنی لغویات) لکھ لی جائیگی اور ان سے بازپرس کی جائیگی (زخرف: ۱۹)

Marfat.com

باب ششم

روزِ آخرت (قیامت)

۱۔ عام بیان۔

قیامت یا روزِ جزا پر یقین رکھنا ایمان کا پانچواں رکن ہے۔ روزِ آخرت کا وقوع پذیر ہونا قرآنی نظریہ کے علاوہ منطقی نقطۂ نگاہ سے بھی ایک لازمی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ اور عمل کی قوت کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔ اور اسے اپنے ارادہ کے تحت صادر ہونے والے اعمال کا مکلف اور نتیجہ کا پابند بنایا ہے۔ چنانچہ جب بھی انسان کوئی قدم اٹھاتا ہے تو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کا رُخ کس طرف ہے اگر اس نے صحیح راہِ عمل اختیار کی ہے تو وہ لازمی طور پر کامیابی اور شادمانی کے نتیجہ سے سرفراز ہوگا۔ اس کے برعکس غلط راہ روی اسے نقصان اور نامرادی کے گڑھے میں دھکیل دے گی، جہاں اذیت و شرمندگی کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ لگے گا۔ اگر انسانی ارادہ و عمل کی جزا و سزا کا اہتمام نہ ہو تو یہ سارا نظامِ کائنات بے مقصد ثابت ہو جاتا ہے چنانچہ جس دن انسانی اعمال کا محاسبہ ہوگا وہی یومِ آخرت یا انصاف کا دن ہے۔ ارشادِ ربی ہے کہ قرآن ہدایت ہے اُن متقین کے لئے جو روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (البقرہ: ۴) جو شخص خدا، اُس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اُس کے پیغمبروں اور روزِ قیامت سے انکار کرے وہ راستہ سے بھٹک کر دور جا پڑا (النسار: ۱۳۶)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے، میں چاہتا ہوں کہ اُس کے وقت کو پوشیدہ رکھوں تاکہ ہر شخص اپنے سعی وعمل کا صلہ پائے (طٰہٰ: ۱۴-۱۵) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے اُن کے اعمال (خواہشات نفس) ان کے لئے آراستہ کر دیئے ہیں تو وہ سرگرداں ہو رہے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے اور وہ آخرت میں بھی بہت نقصان اٹھانے والے ہیں (نمل: ۴-۵) لوگوں کا حساب (اعمال کا وقت) نزدیک آپہنچا ہے اور وہ غفلت میں پڑے اس سے منہ پھیر رہے ہیں (انبیاء: ۱) قیامت اُن پر ناگہاں آواقع ہوگی اور اُن کے ہوش کھو دے گی۔ پھر نہ تو وہ اُس کو ہٹا سکیں گے اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی۔ (انبیاء: ۴)

روزِ قیامت کی ہولناک کیفیات اور دہلانے والے واقعات جو درپیش ہونگے اُن کا ذکر بھی قرآن کریم میں اکثر مقامات پر کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور وہ انجام سے باخبر ہو جائیں چنانچہ ارشاد ہے کہ لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک حادثہ عظیم ہے۔ اے مخاطب جس دن تو اُس کو دیکھیگا تو اُس دن یہ حال ہوگا کہ تمام دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائینگی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے اور لوگ تجھکو متوالے نظر آئیں گے مگر وہ متوالے نہیں ہونگے (بلکہ عذاب دیکھ کر مدہوش ہو رہے ہوں گے) بے شک خدا کا عذاب بڑا سخت ہے (حج: ۱-۲) اُس روز بادشاہت خدا ہی کی ہوگی اور وہ اُن میں فیصلہ کر دے گا۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔ اور جو کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہے، اُن کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے (حج: ۵۶-۵۷) جس دن آسمان ابر کے ساتھ پھٹ پڑے گا اور فرشتے نازل کئے جائیں گے اُس دن سچی بادشاہی خدا ہی کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر سخت مشکل ہوگا۔ جس دن ناعاقبت اندیش ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائیگا اور کہے گا کہ اے کاش میں نے پیغمبر کی ہدایت

Marfat.com

کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے شامت کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا (فرقان: ۲۵ تا ۲۸) قیامت تو آنے والی (ضرور) ہے اس میں کچھ شک نہیں، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں رکھتے (مومن: ۵۹)

منکرینِ حق نے اسلام کے دیگر ارکان کی طرح قیامت کو بھی تنقید و تعریض کا ہدف بنایا۔ وہ انکار نما حیرت بلکہ ازراہِ تمسخر دریافت کرتے تھے کہ قیامت کب برپا ہوگی؟ قرآن نے اس قسم کے سوالات کا جواب مختلف پیرایہ میں دیا ہے اور ساتھ ہی وہ نشانیاں بھی بتلا دی ہیں جن کا ظہور پذیر ہونا آمدِ قیامت کی دلیل بلکہ اعلان سمجھنا چاہیئے۔ قرآن کہتا ہے کہ کفارِ مکہ پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب ہوگا۔ کہہ دو کہ اُس دن ہوگا جب اُن کو آگ میں عذاب دیا جائیگا اب اپنی شرارت کا مزہ چکھو۔ یہ وہی ہے جس کے لئے تم جلدی مچایا کرتے تھے (ذاریات: ۱۲ تا ۱۴) جب صور میں ایک بار پھونک ماردی جائیگی اور زمین اور پہاڑ دونوں اٹھالئے جائیں گے۔ پھر ایک بارگی توڑ پھوڑ کر برابر کر دئے جائیں گے۔ تو اُس روز واقع ہوجانے والی (یعنی قیامت) ہو پڑے گی اور فرشتے اُس کے کناروں پر اتر آئیں گے۔ اور تمھارے پروردگار کے عرش کو اُس روز آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوں گے۔ اُس روز تم سب لوگوں کے سامنے پیش کئے جاؤگے اور تمھاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی (حاقہ: ۱۳ تا ۱۸) جس دن آسمان ایسا ہو جائیگا جیسے پگھلا ہوا تانبہ۔ اور پہاڑ ایسے جیسے دھنکی ہوئی رنگین اُون اور کوئی دوست کسی دوست کا پرسان نہ ہوگا۔ (معارج: ۸ تا ۱۰) جس (روزِ قیامت) کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ جب تاروں کی چمک جاتی رہے اور جب آسمان پھٹ جائے۔ اور جب پہاڑ اُڑے اُڑے پھریں۔ اور جب پیغمبر فراہم کئے جائیں...... اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہے (مرسلات: ۷ تا ۱۱۔ اور ۱۵) بیشک فیصلہ کا دن مقرر ہے۔ جس دن صور پھونکا جائیگا تو تم لوگ غٹ کے غٹ آموجود ہوگے اور۔ آسمان کھولا جائیگا تو اُس میں دروازے

Marfat.com

ہو جائیں گے۔ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہو کر رہ جائیں گے بے شک دوزخ گھات میں ہے یعنی سرکشوں کا وہی ٹھکانہ ہے، اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ وہاں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے نہ کچھ پینا نصیب ہوگا مگر گرم پانی اور پیپ۔ یہ پورا پورا بدلہ ہے۔ یہ لوگ حساب آخرت کی اُمید ہی نہ رکھتے تھے۔ اور ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھ کر جھٹلایا کرتے تھے (نبا: ۱۷ تا ۲۸)

جس دن روح الامین اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو خدائے رحمٰن اجازت بخشے اور اُس نے بات بھی درست کہی ہو یہ دن برحق ہے۔ پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانہ بنا لے۔ ہم نے تم کو عذاب سے جو عنقریب آنے والا ہے، آگاہ کر دیا ہے۔ جس دن ہر شخص ان اعمال کو جو اُس نے آگے بھیجے ہوں گے دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کہ اے کاش میں مٹی ہوتا (نبا، ۳۸ تا ۴۰) وہ دن آکر رہے گا جس دن زمین کو بھونچال آئے گا۔ پھر اُس کے پیچھے اور بھونچال آئے گا۔ اُس دن لوگوں کے دل خائف ہو رہے ہوں گے اور آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی (نازعات: ۶ تا ۹)

جب سورج لپیٹ لیا جائیگا، اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے، اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے، اور جب بیانے والی اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی، اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں گے، اور جب دریا آگ ہو جائیں گے، اور جب روحیں بدنوں سے ملا دی جائیں گی، اور جب اُس لڑکی سے جو زندہ دفنا دی گئی تھی پوچھا جائیگا کہ وہ کس گناہ پر مار دی گئی۔ اور جب اعمال کے دفتر کھولے جائیں گے، اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی اور جب دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی، اور بہشت جب قریب لائی جائے گی۔ تب ہر شخص معلوم کرے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے (تکویر: ۱ تا ۱۴) جب آسمان پھٹ جائیگا اور جب تارے جھڑ پڑیں گے، اور جب دریا بہہ کر ایک دوسرے سے مل جائیں گے، اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی۔ تب ہر شخص معلوم کرے گا کہ اُس نے آگے کیا بھیجا تھا۔

Marfat.com

اور پیچھے کیا چھوڑا تھا؟ (انفطار: ۱ تا ۵) کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اٹھائے بھی جائیں گے یعنی ایک بڑے سخت دن میں، جس دن تمام لوگ ربّ العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ سن رکھو کہ بدکاروں کے اعمال سجّین میں ہیں، کیا تم جانتے ہو کہ سجّین کیا ہے؟ ایک دفتر ہے کھُلا ہوا اُس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے (مطففین: ۵ تا ۱۰)

جب آسمان پھٹ جائیگا، اور اپنے پروردگار کا فرمان بجا لائیگا اور اُسے واجب بھی یہی ہے، اور جب زمین ہموار کر دی جائے گی اور جو کچھ اُس میں ہے اُسے باہر نکال کر ڈال دے گی اور بالکل خالی ہو جائے گی، اور اپنے پروردگار کے ارشاد کی تعمیل کرے گی اور اُس کو لازم بھی یہی ہے (تو قیامت ہو جائے گی۔) اے انسان تو اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے میں خوب کوشش کرتا ہے سو تو اُس سے جا ملے گا، تو جس کا نامۂ اعمال اُس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائیگا اُس سے حساب آسان لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے گھر والوں میں خوش خوش آئے گا، اور جس کا نامۂ اعمال اُس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائیگا۔ وہ موت کو پکاریگا اور دوزخ میں داخل ہوگا، یہ اپنے اہل و عیال میں مست رہتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ خدا کی طرف پھر کر نہ جائیگا، ہاں ہاں اس کا پروردگار اُس کو دیکھ رہا تھا (انشقاق: ۱ تا ۱۵) بھلا تم کو ڈھانپ لینے والی یعنی قیامت کا حال معلوم ہوا، اُس روز بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے۔ سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے، دہکتی آگ میں داخل ہوں گے، ایک کھولتے ہوئے چشمہ کا اُن کو پانی پلایا جائیگا، اور خاردار جھاڑ کے سوا اُن کے لئے کوئی کھانا نہیں ہوگا، جو نہ فربہی لائے نہ بھوک میں کچھ کام آئے۔ اُس روز بہت سے چہرے شادماں ہونگے، اپنے اعمال کی جزا سے خوش دل، بہشتِ بریں میں (غاشیہ: ۱ تا ۱۰)

جب زمین بھونچال سے ہلا دی جائے گی۔ اور زمین اپنے اندر کے بوجھ نکال ڈالے گی۔ اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوا ہے؟ اُس روز وہ اپنے حالات بیان

Marfat.com

کر دے گی۔ کیونکہ تمہارے پروردگار نے اُس کو حکم بھیجا تھا، اُس دن لوگ گروہ گروہ ہوکر آئیں گے تاکہ اُن کو اُن کے اعمال دکھا دیئے جائیں، تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بُرائی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا۔ (زلزال: ۱تا ۸) کیا تم جانتے ہو کہ کھڑکھڑانے والی کیا چیز ہے۔ وہ قیامت ہے جس دن لوگ ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے اور پہاڑ ایسے ہوجائیں گے جیسے دُھنکی ہوئی رنگ برنگ کی اُون۔ تو جس کے اعمال کے وزن بھاری نکلیں گے وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے اعمال کے وزن ہلکے ہوں گے، اُس کا مرجع ہاویہ ہوگا، اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا چیز ہے، وہ دہکتی ہوئی آگ ہے (القارعہ: ۳ تا ۱۱)

روزِ قیامت پر ایمان کا تقاضا ہے کہ محاسبۂ اعمال میں جزا اور سزا کے لئے جنت، دوزخ اور اعراف کو حق تسلیم کیا جائے۔ دین کی اصطلاح میں عالمِ برزخ اُس عرصۂ وقوف کو کہتے ہیں جو مرنے کے بعد اور روزِ حشر کے درمیان ہے، جس کے بعد انسانی اعمال کا فیصلہ سُنا دیا جائیگا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم کی روشنی میں جنت، دوزخ اور اعراف کا اجمالی نقشہ پیش کر دیا جائے۔

۲۔ جنت الفردوس (بہشت)

جنت الفردوس دنیا میں کئے ہوئے نیک اعمال کا انعام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان و زمین کے برابر ہے اور جو متقین یعنی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو آسودگی اور تنگی میں اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اور غصہ کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور خدا نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔ اور وہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی بُرائی کر بیٹھتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور خدا کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔ ایسے ہی

Marfat.com

لوگوں کا صلہ پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں اور وہ (متقین) اُن میں ہمیشہ بستے رہیں گے۔ اور اچھے کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے (آلِ عمران: ۱۳۳ تا ۱۳۶) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کو خوشخبری سُنا دو کہ اُن کے لئے نعمت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ جب انھیں اُن میں سے کسی قسم کا میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا اور اُن کو ایک دوسرے کے ہم شکل میوے دئے جائیں گے اور وہاں اُن کے لئے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے (بقرہ: ۲۵) جو متقی ہیں، وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے اُن سے کہا جائیگا کہ ان میں سلامتی اور خاطر جمع سے داخل ہو جاؤ۔ اور ان کے دلوں میں جو کدورت ہوگی اُن کو ہم نکال کر صاف کر دیں گے (گویا) بھائی بھائی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں نہ اُن کو وہاں کوئی تکلیف پہنچے گی۔ اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے (الحجر: ۴۸)

جنت الفردوس خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کا باغ (یونس: ۹) اور جائے امن وسلامتی وراحت دائمی ہے (یونس: ۲۵) جس میں نیک بخت داخل ہوں گے اور جب تک زمین وآسمان ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے۔ یہ خدا کی بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی (ہود: ۱۰۸) اہل جنت وہاں سلام کے سوا کوئی بے ہودہ کلام نہ سنیں گے اور اُن کے لئے صبح وشام رزق موجود رہے گا (مریم: ۶۲) وہ بھی اور ان کی بیویاں بھی سایوں میں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ وہاں اُن کے لئے میوے اور جو چاہیں گے موجود ہوگا (یونس: ۵۵ تا ۵۸) جنت میں نعمت کے باغ ہیں (صافات: ۴۳) یعنی اونچے اونچے محلوں کے باغ جن کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے (حاقہ: ۲۲-۲۴) جو خدا کے بندگان خاص ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے روزی مقرر ہے یعنی میوے اور اُن کا اعزاز کیا جائے گا نعمت کے باغوں میں، ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے

Marfat.com

شرابِ لطیف کے جام کا اُن میں دَور چل رہا ہوگا، جو رنگ کی سفید اور پینے والوں کے لیے سراسر لذت ہوگی نہ اُس سے دردِ سر ہو اور نہ وہ اُس سے متوالے ہوں۔ اور اُن کے پاس عورتیں ہونگی جو نگاہیں نیچی رکھتی ہوں گی اور آنکھیں بڑی بڑی گو یا وہ محفوظ انڈے ہیں (صافات: ۴۰ تا ۴۹)

جنت جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا جاتا ہے اُس کی صفت یہ ہے کہ اُس میں پانی کی نہریں ہیں جس میں بُو نہیں ہوگی۔ اور دُودھ کی نہریں جس کا مزہ نہیں بدلے گا اور شراب کی نہریں ہیں جو سراسر لذت ہے۔ اور شہدِ مصفیٰ کی نہریں ہیں جو حلاوت ہی حلاوت ہے اور وہاں اُن کے لیئے ہر قسم کے میوے ہیں اور اُن کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے (محمد: ۱۵) اور اِس کے علاوہ وہ سب کچھ موجود ہوگا جس کی وہ خواہش کریں گے بلکہ اِس سے بھی زیادہ (قٓ: ۳۵) جنت اُن اہلِ تقویٰ اور اہلِ خیر کے لیے تیار کی گئی ہے جو خدا پر اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ خدا کا فضل ہے، جسے چاہے عطا فرمائے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے (حدید: ۲۱) بے شک پرہیز گاروں کے لیئے کامیابی ہے۔ یعنی باغ اور انگور، اور ہم عمر نوجوان عورتیں، اور شراب کے چھلکتے ہوئے جام، وہاں نہ بے ہودہ بات سُنیں گے نہ جھوٹ اور خرافات۔ یہ تمھارے پروردگار کی طرف سے صلہ ہے، انعام متعین (نبا: ۳۱ تا ۳۶)

۳۔ دوزخ (جہنم)

ایسے گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگ جو کلمہ حق کا برملا انکار کرتے ہیں، اور اپنی کج روی پر جمے رہنے کے سبب انجام سے غافل بلکہ نڈر ہو جاتے ہیں، اُن کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی سزا مقرر فرمائی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا کفر (انکار) کیا، ان کو ہم عنقریب (دوزخ کی) آگ میں داخل کریں گے جب ان کی کھالیں گل اور جل جائیں گی تو اُس کی جگہ دوسری کھال بدل دیں گے

Marfat.com

تاکہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں (نساء: ۵۶) اُس میں اُن کو چلانا اور دھاڑنا ہوگا اور جب تک آسمان اور زمین ہیں اسی میں رہیں گے مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے، بے شک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے، کردیتا ہے (ہود: ۱۰۶ - ۱۰۷) ان سب کے لئے وعدہ کی جگہ جہنم ہے (الحجر: ۴۳)

ہر سرکش ضدی (یعنی منکرِ حق) کے لئے نامرادی اور بربادی ہے، اُس کے پیچھے دوزخ ہے (جہاں وہ مرکر یعنی مرنے کے بعد داخل ہوگا اور جہاں) اُسے پیپ کا پانی پلایا جائیگا۔ وہ اس پانی کو گھونٹ گھونٹ (کرکے) پئے گا اور گلے سے نہیں اُتار سکیگا اور ہر طرف سے موت آگھیرے گی مگر وہ مرنے میں نہیں آئے گا اور اُس کے پیچھے سخت عذاب ہوگا دوزخی اہل بہشت سے گڑگڑا کر کہیں گے کہ کسی قدر بہشت کا پانی ہماری طرف بھی ڈال دو یا جو رزق خدا نے تمھیں عنایت فرمایا ہے اُس میں سے کچھ ہمیں بھی دے دو (تاکہ شدتِ بھوک اور پیاس میں کچھ کمی ہو) مگر وہ (یعنی اہل بہشت) جواب دیں گے کہ خدا نے بہشت کا پانی اور رزق کافروں پر حرام کردیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ توجس طرح یہ لوگ اس (قیامت اور جزا کے) دن کو بھولے ہوئے تھے اور ہماری آیتوں سے منکر ہو رہے تھے، اسی طرح آج ہم بھی انھیں بھلادیں گے (اعراف: ۵۰۔ ۵۱)

جس نے قبول حق سے غرور کیا، ہم عنقریب اُس کو سقر (یعنی دوزخ) میں داخل کریں گے۔ اور تم کیا سمجھے کہ سقر کیا ہے؟ وہ آگ ہے کہ نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی اور بدن کو جھلس کر سیاہ کردیگی۔ (مدثر: ۲۷ تا ۲۹)

روزِ حساب اللہ تعالیٰ کا حکم (کافروں کے لئے) ہوگا کہ جس عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے، اب اُس کی طرف چلو یعنی اُس سایہ کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں نہ ٹھنڈی چھاؤں ہے اور نہ لپٹ سے بچاؤ۔ اس سے آگ کی اتنی بڑی چنگاریاں اُڑتی ہیں جیسے اونچے اونچے محل، گویا زرد رنگ کے اونٹ ہیں (جو اچھل رہے ہیں)

Marfat.com

اُس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے (مُرسلات: ۳۱ تا ۳۴) یہ وہی چیز ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے (مطففین: ۱۷)

قیامت کے دن جس کے اعمال کے وزن ہلکے نکلیں گے، اُس کا مرجع ہاویہ ہے۔ اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا چیز ہے؟ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے (القارعہ ۸ تا ۱۱) ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے چغل خور کی خرابی ہے جو مال جمع کرتا ہے اُس کو گِن گِن کر رکھتا ہے، اور خیال کرتا ہے کہ اُس کا مال اُس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا۔ ہرگز نہیں، وہ ضرور حطمۃ میں ڈالا جائیگا۔ اور تم کیا سمجھے کہ حطمۃ کیا ہے؟ وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں پر جا لپٹے گی۔ اور وہ اس میں بند کر دیئے جائیں گے یعنی آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں (ھمزہ: ۱ تا ۹)

۴۔ اعراف (برزخ)

جنت اور دوزخ کے درمیانی مقام کو اعراف یا برزخ کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کو حجاب یا پردہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربی ہے کہ ان دونوں یعنی بہشت اور دوزخ کے درمیان اعراف نام کی ایک دیوار ہے اور اعراف پر کچھ آدمی ہوں گے جو سب کو اُن کی صورتوں سے پہچان لیں گے تو وہ اہلِ بہشت کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو۔ یہ لوگ ابھی بہشت میں داخل تو نہیں ہوئے ہوں گے مگر امید رکھتے ہونگے۔ اور جب اُنکی نگاہیں پلٹ کر اہلِ دوزخ کی طرف جائیں گی تو عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کیجیو۔ اور اہلِ اعراف کافر لوگوں کو جنہیں اُن کی صورتوں سے شناخت کرتے ہوں گے اور کہیں گے کہ آج نہ تو تمہاری جماعت ہی تمہارے کچھ کام آئی اور نہ تمہارا تکبر ہی سودمند ہوا (اعراف: ۴۶ تا ۴۸)

Marfat.com

۵۔ تقدیر۔

روزِ آخرت، جنت اور دوزخ پر یقین و ایمان کے ساتھ ساتھ تقدیر پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، اس لئے تقدیر بھی اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ سے ارشاد فرماتا ہے کہ کہدو کہ رنج و راحت سب اللہ ہی کی طرف سے ہے (نساء: ۷۸) اور وہی ہر چیز (امر) پر قدرت رکھتا ہے (نساء: ۸۵) کہدو کہ اگر خدا تمھارے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے تو کون تم کو اس سے بچا سکتا ہے؟ یا اگر تم پر مہربانی کرنی چاہے تو کون اُس کو ہٹا سکتا ہے؟ (احزاب: ۱۷) مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب انسانی اعمال تقدیرِ الٰہی کے پابند ہیں تو پھر جزا اور سزا کا کیا جواز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو شعور و ادراک کے ساتھ ساتھ ارادہ اور عمل کا اختیار بھی دیا ہے اور یہ اختیار اُس کے ہر عمل میں کارفرما ہوتا ہے خواہ اس کا رُخ خیر کی جانب ہو یا شر کی جانب۔ اس طرح انسان چونکہ اپنے تمام کام عقل و شعور کی موجودگی کی بنا پر انجام دیتا ہے اس لئے منطقی طور پر ان تمام اعمال کا صلہ بھی اسے ہی ملنا چاہئے۔

اسی نقطۂ نظر سے اگرچہ خیر و شر کی تخلیق بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک مظہر ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کے وسیلے سے ہدایت کی راہوں کی نشان دہی کر دی ہے اور انسان کو ادراک و شعور کی نعمت عطا فرما کر اُسے صلاحیت و توفیق بھی بخش دی ہے کہ وہ اپنی راہِ عمل خود متعین کرے۔ اب اگر اس کا عملِ خیر جزا اور عملِ شر سزا کی صورت میں منتج ہو تو اُسے انسان کے اپنے اختیار کردہ عمل کے صلہ کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک منطقی اور فطری امر ہے، اور اس سے مفر نہیں۔ کوئی شخص یہ جانتے ہوئے بھی کہ آگ کا کام جلانا ہے۔ اگر اپنا ہاتھ آگ میں ڈال دے تو اُس

Marfat.com

کا خمیازہ بھی اُسی کو بھگتنا چاہیئے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے اور جزا و سزا پر قدرت رکھنے اور انسان کے اپنے ارادہ اور عمل سے پیدا ہونے والے نتیجہ میں کوئی تضاد یا غیر منطقی استدلال نہیں پایا جاتا۔

چنانچہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ تقدیر یا قسمت فی الحقیقت ہر شئی کے عمل کا نتیجہ یا انجام ہے۔ لیکن پھر یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ کیا تقدیر پہلے سے طے شدہ امر (PRE - DETERMINATION) کا نام ہے اور انسان مجبور ہے کہ اُس سے پہلے سے طے شدہ عمل سرزد ہو کر رہے گا؟ غور طلب بات یہ ہے کہ "پہلے سے طے شدہ امر" سے کیا مراد ہے؟ دراصل یہ فقرہ وسیع معنی اور اہمیت کا حامل ہے۔ مگر اس کا صحیح مفہوم کسی امر خاص کے سیاق و سباق کے پس منظر میں ہی واضح ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس کا عمومی اطلاق مسئلہ کو گنجلک بنا دیتا ہے اور صحیح نتیجہ اخذ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس فقرہ کا ایک عمومی مفہوم یہ ہے کہ ہر شئی پہلے سے پوری طرح مقرر اور طے شدہ ہے۔ مگر یہ مفہوم انسان کے اُس اختیار کی نفی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنے ارادہ اور عمل کے سلسلہ میں دیا ہے اور جس کے نتیجہ میں اسے جزا یا سزا ملتی ہے۔ ایک اور مفہوم اس فقرہ کا یہ ہے کہ ہم جس چیز کو "پہلے سے طے شدہ امر" کا نام دیتے ہیں وہ دراصل "علم الٰہی" ہے۔ مگر علم اور "پہلے سے طے شدہ امر" دو مختلف چیزیں ہیں جو ایک دوسرے کا بدل نہیں ہو سکتے۔ جہاں تک علم کا تعلق ہے کائنات کے ذرہ ذرہ کے ماضی، حال اور مستقبل کی کیفیت و ماہیت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے اور اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتہ نہیں جھڑتا مگر وہ اُس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی خشک و تر چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ہے) (انعام ۵۹:) مگر محض علم اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امر کو پہلے

Marfat.com

سے طے کر دیا ہے اور انسان باوجود توفیقِ عمل کے مجبورِ محض ہے۔ قرآن پاک کی متعدد آیات سے انسان کا بااختیار ہونا اور اپنے عمل کے نتیجہ میں جزاء یا سزا کا مستحق ہونا ثابت ہے۔

"پہلے سے طے شدہ امور" کا ایک تیسرا اور صحیح مفہوم کائنات کی تنظیم اور ضابطۂ عمل سے متعلق ہے جسے عرفِ عام میں قانونِ فطرت کہا جاتا ہے۔ قانون فطرت اٹل ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ تمام امور جن کا تعلق قانون فطرت سے ہے ان امور میں انسانی ارادہ وعمل کو دخل نہیں ہوتا۔ انسان ایسے امور میں غیر مکلّف ہے چنانچہ بازپرس سے محفوظ بھی ہے۔ یہ امور قانونِ فطرت کے تحت ایک خاص انداز میں عمل پیرا ہوتے ہیں اور انسان کی دسترس سے بالاتر رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر پیدائش، موت اور نشو ونما کے خاص اصول متعین ہیں۔ ان میں جبلت، جذبات، احساسات اور بنیادی ضرورتیں مثلاً خوراک، مکان اور جنسی خواہشات کی تکمیل شامل ہیں۔

اسی طرح سماوی یا عالمِ علوی میں ظہور میں آنے والے اور قانون قدرت کے تحت چلنے والے نظام میں طلوع وغروب آفتاب وماہتاب، شب وروز کی آمد ورفت، نزولِ باراں، فصل کی اُگائی، کھیتی باڑی اور باغوں کی نشو ونما کے قدرتی ذرائع وغیرہ ایسے امور ومواقع ہیں جو قانون قدرت کے تحت پہلے سے طے شدہ نظام کی حیثیت سے کارفرما ہیں اور کسی انسانی یا غیر انسانی مخلوق کی قدرت یا طاقت نہیں کہ ان فطری قوانین اور ان کے متعین کردہ نتائج میں کسی قسم کی بھی رکاوٹ، تبدیلی یا قطع وبرید کی جرأت کر سکے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ اے پیغمبر اپنے پروردگارِ جلیل الشان کے نام کی تسبیح کرو۔ جس نے انسان کو بنایا پھر اُس کے اعضا کو درست کیا، اُس کا اندازہ ٹھہرایا، پھر اس کو راستہ بتایا۔ (ہدایت کا راستہ) (الاعلیٰ: ۱ تا ۳) تم خدا کی عادت میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے اور خدا کے طریقہ میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے (فاطر: ۴۳) اور ایک نشانی ان کے لئے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اُس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے،

Marfat.com

اور سورج اپنے مقررہ راستہ پر چلتا ہے۔ یہ خدائے غالب اور دانا کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔ اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ گھٹتے گھٹتے کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب اپنے اپنے دائرہ میں تیر رہے ہیں۔
(یٰسین: ۳۷ تا ۴۰)

چنانچہ معلوم ہوا کہ فطری معاملات مثلاً موت و حیات میں انسان کو کوئی دخل نہیں۔ یہ وہ امور ہیں جو "طے شدہ امور" کی تعریف میں آتے ہیں۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر انسانی زندگی کی حیثیت کیا ہے۔ مشین کے ایک پرزے کی مانند یا ایک با اختیار صاحب عمل و ارادہ شخصیت کی مانند؟ جواب یہ ہے کہ انسان آزاد بھی ہے اور مختار بھی مگر آزادی اور مجبوری دونوں کی حدود متعین ہیں۔ مثلاً فطرتاً انسان زندہ رہنے کے لئے کھانے پینے پر مجبور ہے لہٰذا اس معاملہ میں اختیار کو دخل نہیں۔ مگر وہ کیا چیز کھائے اور کیا نہ کھائے اس بات کا اس کو اختیار ہے اور اس سلسلہ میں جبر کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہی حال وظیفۂ زوجیت یا جنسی خواہش کی تکمیل کا ہے۔ قدرت نے انسان میں یہ خواہش جبلت کے اہم تقاضے کے طور پر رکھ دی ہے کہ افزائش نسل کا سلسلہ جاری رہے چنانچہ اس حد تک انسان پابند ہے یعنی جبلی تقاضا "پہلے سے طے شدہ امر" کے ضمن میں آتا ہے مگر اس فطری خواہش کی تکمیل کے ذرائع کا حصول انسان کے اپنے اختیار میں ہے چنانچہ یہاں جبر کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اس تمام گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ جبر و قدر یعنی انسان کو حاصل شدہ اختیار و قوت اور "طے شدہ امور"، انسانی زندگی میں کچھ اس طرح رچے بسے ہیں کہ اس کے تمام ارادہ و عمل ان دونوں کے امتزاج و توازن سے عبارت ہیں جہاں تک موت و حیات اور فطری تقاضوں کا تعلق ہے انسان مجبور محض ہے مگر زندگی کے اسباب یعنی خوراک و پوشاک کیا ہوں، فطری خواہشات کی تکمیل کس طرح

Marfat.com

کیجائے اور معاشرے میں انسان کے طرزِ عمل اور ایمان ویقین یعنی پرستش وعقیدت کا معیار کن بنیادوں پر استوار ہو، وغیرہ وغیرہ غرضیکہ وہ زندگی کو مجموعی طور پر کس طرح بسر کرے، ان تمام امور میں انسان کے ارادہ وعمل کو پورا پورا دخل ہے اس سلسلہ میں پہلے سے طے شدہ کوئی چیز نہیں ہے اسی لئے ان اعمال کے نتائج کی ذمہ داری انسان پر عائد ہوتی ہے کیونکہ یہ نتائج اُس کے اپنے بلائے ہوئے ہیں. ان میں کسی بیرونی عناصر کا دخل نہیں۔

۶۔ مشیّت (رضائے الٰہی)

لیکن انسان کے ارادہ وعمل پر باوجود اس اختیار کے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا ہے. اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک مجموعی گرفت بہر حال کارفرما رہتی ہے جسے عرف عام میں مشیّت یا رضائے الٰہی کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کسی کام کے کرگذرنے پر قدرت بخشی ہے. مگر یہ مشیّتِ الٰہی پر منحصر ہے کہ وہ "انسانی قدرت"، کو عملی طور پر کامیاب ہونے دے یا نہ ہونے دے. مثال کے طور پر ایک آدمی اپنے ارادہ، قوت اور ذرائع کو بروئے کار لاکر کسی شخص کو قتل کر دینے پر قدرت رکھتا ہے مگر درحقیقت وہ قتل کر سکیگا یا نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر منحصر ہے یہ بات اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے کہ قتل کا عمل پورا ہو یا نہ ہو. قتل کا ارادہ کرنیوالا بہر حال خواہ قتل کرنے میں کامیاب ہو یا نہ ہو اپنے ارادہ اور اقدام کی پاداش میں لائقِ مواخذہ یا جواب دہ ضرور ہوگا۔ وجہ ظاہر ہے کہ اُس نے اپنے محدود ارادہ وقدرت کو بحیثیت بشری استعمال کیا جس کی بناء پر اُس شخص پر تقدیر کی حد جاری ہو جانا لازمی ہے۔

لہٰذا تقدیرِ الٰہی کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کائنات کی ہر شئے کا خالق ہے خواہ وہ چیز ہمارے نقطۂ نظر

Marfat.com

سے مفید ہو یا مضرت رساں! اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کا حاکم و منتظم علی الاطلاق ہے۔ اُس نے انسان کو اپنی حکمت و ارادہ کے تحت پیدا کرکے اس کو نیک و بد کی تمیز اور اختیار دے دیا ہے کہ وہ اپنی فہم و دانش اور ارادہ و پسندیدگی کو کام میں لاتے ہوئے ان دونوں میں سے کوئی سی بھی راہ اختیار کرے۔ اس صورت میں وہ (یعنی انسان) اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوتا ہے کہ اس کا اپنی حدود میں ارادہ و اختیار کا استعمال اس کے لئے موجبِ انعام ہو گا یا لائقِ تعذیر، خواہ وہ اپنے مقصد کی تکمیل میں کامیاب ہو یا ناکام؟ یعنی یہ اللہ کی مشیت ہے کہ انسان کو اپنے ارادہ میں کامیابی سے ہمکنار کر دے یا اس کو تکمیلِ مقصد سے روک دے۔

عقلِ سلیم اس بات کو آسانی اور خوشی کے ساتھ قبول کرے گی کہ اللہ کی مشیت یا حاکمیتِ اعلیٰ انسانی معاشرہ کے اپنے مفاد میں ہے۔ کیونکہ اگر ہر شخص اپنے ارادہ و قدرت کو عملی جامہ پہنانے پر قادر ہو جائے تو اس دنیا میں کسی کی جان یا مال سلامت نہ رہے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ منظم و متوازن معاشرہ درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ انسانی معاشرہ میں نظم و ضبط، امن و امان، ہم آہنگی اور استواری برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی قوت مطلق العنان حکمت و قدرت کا سرچشمہ ہو جو انسانی جذبات و خواہشات کو قابو میں رکھے تا کہ اس قسم کے ضرر رساں اقدامات سے انسانیت اور انسانی معاشرہ محفوظ و مامون رہے۔ ایسا ہونا بالکل فطری امر ہے اور قرینِ انصاف و مصلحت بھی۔

آزادی کا حقیقی مفہوم یہی ہے کہ اس آزادی کے تحت ہونے والے تمام ناجائز اور غیر قانونی اقدامات پر قدغن لگا دی جائے۔ آزادیٔ عمل کا یہ مطلب ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ اس پر کسی ایک فردِ واحد کی اجارہ داری ہو اور باقی تمام افراد اس سے محروم رہیں۔ آزادی ہر فرد کا فطری حق ہے مگر اس اصول کو کائنات میں رائج کرنے کی قدرت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ذریعہ ہی ممکن ہے یہ مشیت ہر آن

Marfat.com

کارفرما رہتی ہے تاکہ کوئی فرد اپنے غیر قانونی یا غیر اخلاقی اقدام سے امن وسکون کو غارت نہ کردے اور زندگی کا کارواں خیر وسلامتی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن رہے۔ جہاں تک انسانی جزاء وسزا کا سوال ہے یہ بات طے شدہ ہے کہ جہاں ارادہ واختیار کا دخل ہے وہاں قانونِ محاسبہ نافذ العمل ہے اور جہاں صورتِ حال اس کے برخلاف ہو یعنی انسانی ارادہ واختیار کا عمل نہ ہو وہاں جزاء وسزا کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

۷۔ مسئلۂ ایمان ویقین پر اختتامی معروضات۔

قبل اس کے کہ ہم مسئلہ ایمان ویقین پر اپنی گفتگو ختم کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک لمحہ کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے اور قرآن کریم نے اس سلسلہ میں جو رہنمائی کی ہے وہ ہمارے سمجھنے کے لیے کافی وشافی ہے یا نہیں؟ قرآنِ کریم نے جو کچھ حقیقتِ منتہی کے متعلق بتلایا ہے وہ خود صاحبِ حقیقتِ منتہی یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اس میں کسی غیر از خدا ہستی کا کوئی دخل واشتراک نہیں ہے۔ چنانچہ اب تک اس سلسلہ میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے، ہم اُس کو دلیل، تجربہ، اور مشاہدہ کی کسوٹی پر پرکھ کر تصدیق کر چکے ہیں۔ حتیٰ کہ فلسفہ اور سائنس جیسے استدلالی اور شعوری علوم بھی اس دیانتدارانہ نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ اس کائنات میں جو کچھ موجود ہے، وہ ایک ایسی ذات کی شانِ کبریائی کا کرشمہ ہے جو بیک وقت عقلِ کل، مشیت کاملہ اور قادرِ مطلق اور مطلق العنان حکومت واقتدار کی صفات سے متصف ہے۔

وہ ذاتِ کل دراصل کیا ہے اس سلسلہ میں فلسفہ اور سائنس کے خزانۂ علم وتجربہ میں کوئی ایسا نایاب اور حقیقت شناس پیمانہ نہیں ہے جو اس ضمن میں ہماری کماحقہٗ رہنمائی کر سکے۔ فلسفہ اور سائنس یہ دونوں علوم انسانی فہم و ادراک پر قائم ہیں۔ اور ذہنِ انسانی کی محدودیت اور استقامت کا یہ حال ہے

Marfat.com

کہ ان کے پیش کردہ تمام نظریات، تجربات یا مشاہدات محض مادّی زندگی اور وسائل سے وابستہ ہیں اور بلا شبہ مادّی حد بندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے ہم حقیقت، کی حدود میں اسی وقت قدم رکھ سکتے ہیں جب ہم اس مادہ کے تانے بانے یا مادّی جہتوں سے باہر نکل آئیں اور یہ مرحلہ مادی زندگی کے ختم ہونے (یعنی موت) کے بعد ہی سامنے آسکتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ موت کی بے ہوشی (سکرات) حقیقت کھولنے کو طاری ہو گئی (یعنی موت حقیقت کے چہرہ سے نقاب اُٹھا دیتی ہے) اے انسان یہی وہ حالت ہے جس سے تو بھاگتا تھا (ق: ۱۹) جب تک ہم مادیت کی چہار دیواری سے باہر نہیں آتے، اُس وقت تک ہم جو کچھ بھی "حقیقت" کے بارے میں رائے قائم کریں گے وہ محض ایک تخمینہ یا کور بیانی سے زیادہ نہیں ہوگی۔ ہم اس ظن و تخمین کی بنیاد پر یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ حقیقت کی ابتداء کہاں سے ہوئی اور انتہا کیا ہے۔

جیسا کہ اس کتاب اوّل کے شروع میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، اپنے اپنے وقت کے جیّد علماء فلسفی اور سائنس دان باوصف اپنی بیش بہا علمی تحقیق و کاوش، اور تجربہ و مشاہدہ کے، اس حقیقت کو پانی، ہوا آتش، ایٹم، نظریۂ خیر، صورت تہذیبی، ٹھوس اور جاپذیر مادّہ، شعور و استدلال، ارادہ، جذبۂ نامعلوم، اسم، اور نور وغیرہ وغیرہ اقسام کی اصطلاحات سے آگے تلاش نہ کر سکے، ان کا علم و تجزیہ وہیں تک محدود رہا اور بجائے کسی ایک متفقہ نظریئے یا اصطلاح کو اختیار کرنے کے ان کے پاس محض اختلافات ہی پرورش پاتے رہے۔ اور جب اس سلسلہ میں کسی متجسس اور متحیّر ذہن و دماغ نے "کیوں" اور "کیسے" قسم کے سوالات اُٹھائے تو ان سوالات کا اُن سے کوئی کافی اور یقین انگیز جواب نہ بن پڑا ماسوا اس کے کہ توضیحات و تشریحات کی آڑ میں چند ادق مبہم، دور از کار، اور بے ربط اصطلاحیں وجود میں آگئیں مثلاً

Marfat.com

عملِ تطہیر و لطافت، عملِ انجماد، مسئلۂ اتفاق و حادثہ، نظریۂ افادیتِ تخصصی نظریۂ ارتقا، نظریہ خود حرکتی وغیرہ وغیرہ!! نتیجہ یہ ہوا کہ حقیقت، عقل و خرد کے ان دبیز پردوں میں اور چھپ کر او جھل ہو گئی۔ مسئلہ وہیں کا وہیں رہا ان نظریات و اصطلاحات میں کسی ایسے کافی و مکمل جواب کا سُراغ نہیں ملتا جو یہ بتلا سکے کہ کائنات کس طرح وجود میں آئی؟ اُس کا مقصد و مدعا کیا ہے؟ اور اُس کی انتہا کیا ہوگی۔؟

مندرجہ بالا ناکافی اور خود ایجاد کردہ اصطلاحات کے پردہ میں پیش کی گئیں بیشتر توضیحات و تشریحات قرآنِ کریم کی زبان میں محض ظن و گمان ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں، گمراہ ہیں۔ اگر تم اُن کا کہا مان لوگے تو وہ تمھیں خدا کا راستہ بھلا دیں گے (بہکا دیں گے) یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور نرے اٹکل کے تیر چلاتے ہیں (انعام: ۱۱۷) کیونکہ انھیں حقیقتِ حال سے آگاہی نہیں۔ ان کو اس کا کچھ علم نہیں۔ یہ تو صرف اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔ (زخرف: ۲۰) تم لوگ خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمھیں مطلق علم نہیں (البقرہ: ۸۰) اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قرآنِ کریم کی صداقت پر جنات (اہل الجنۃ) بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ان کا اعترافِ حقیقت قرآنِ کریم میں سورۃ الجنّ (۷۲) میں بالتصریح موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے اس کتاب کو سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا۔ جو بھلائی کا راستہ بتاتا ہے سو ہم اُس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی عظمت (شان) بہت بڑی ہے.... ہم میں سے بعض بیوقوف خدا کے بارے میں جھوٹ افترا کرتے ہیں.... ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو مضبوط چوکیداروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا... ہم پہلے وہاں (آسمان میں) بہت سے مقامات میں سُننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ اب (نزولِ قرآن کے بعد) کوئی آسمانی خبریں سننا چاہے تو اپنے لئے انگارا پائیگا (جن: ۱ تا ۹) اسی سورۃ الجنّ میں آگے چل کر ارشاد ہوا ہے کہ وہی پروردگارِ غیب

Marfat.com

کی بات جاننے والا ہے۔ اور وہ کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں جس برگزیدہ بندے (پیغمبر) کو پسند فرمائے تو اُس کو غیب کی باتیں بتا دیتا ہے اور (کلامِ غیب کی حفاظت کے لئے) اُس کے آگے پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے تاکہ معلوم فرمائے کہ اُنھوں نے اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے ہیں۔ اور یوں تو اُس نے اُن کی سب چیزوں کو ہر طرف سے قابو کر رکھا ہے اور ایک ایک چیز گن رکھی ہے (جن: ۲۶ تا ۲۸)

چنانچہ اب اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کسی کو عار نہ ہونا چاہیئے کہ اِن بنیادی سوالات کا جو اس گفتگو کا موضوعِ بحث ہیں، غیر مبہم اور حتمی جواب ہمیں صرف خالقِ کائنات ہی سے براہ راست مل سکتا ہے اور یہی چیز ہمیں قرآنِ کریم کے ذریعہ عطا کی گئی ہے جو سارے امور و علوم کا سرچشمہ ہے اور جو خالقِ کائنات کا خود اپنا کلام ہے۔ قرآن کریم کے علاوہ ہمیں کائنات اور زندگی کی ابتداء و انتہا سے متعلق سوالات کا صحیح مکمل اور یقینی جواب کہیں نہیں مل سکتا۔

چنانچہ قرآن کریم کے ارشادات و انکشافات پر غور و فکر کے بعد ہی ہم صحیح معنوں میں ذہنی سکون حاصل کر سکتے ہیں۔۔ اور ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ جو کچھ کائنات میں موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور وہی اس کائنات کا بلاشرکت غیرے مالک و قادر ہے۔ قرآن کریم ہی کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ دنیا اور اس پر قائم زندگی حتمی نہیں اور موت کے بعد ایک اور زندگی ہے جو حتمی اور دائمی ہے۔ اور یہ کہ اس (یعنی موجودہ) دنیا میں اور حیاتِ مابعد میں اگر کامیابی، خوش حالی اور کامل آسودگی درکار ہے تو ان کی تکمیل اور ان کا حصول صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعہ ہی ممکن ہے یعنی وہ احکامات رشد و ہدایت جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے ذریعہ ہم تک پہنچے اور یہ کہ حضرت آدمؑ سے رسولِ آخر الزماں

Marfat.com

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی عالم انسانیت کیلئے ایک ہی پیغام ہدایت لیکر آیا یعنی "اسلام" اسی پیغام ہدایت کے ذریعہ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جملہ انبیاء و رسل اللہ تعالیٰ کے منتخب اور برگزیدہ بندے ہیں جن کے مابین کسی طرح کا بھی فرق و امتیاز کرنا ہمارے حدود و ادراک سے ماورا ہے۔ ہمارا یہ بھی ایمان ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات و ہدایات کتب و صحائف آسمانی کے ذریعہ اپنے ایام نزول میں، توراۃ، زبور، انجیل، (اور دیگر صحائف) اور سب سے اخیر میں قرآن کریم کی صورت میں دنیا والوں کے لئے وقتاً فوقتاً اور بتدریج بھیجے گئے۔ ان کتب سماوی میں یہ اعزاز و تخصیص صرف قرآنِ کریم ہی کو حاصل ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ اپنے صحیح مقام اور اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔ اور اس میں کسی طرح بھی تنقیص، تحلیف، ترمیم یا اضافہ نہیں کیا گیا

قرآن پاک ہی کے ذریعہ یہ بھی ہدایت دی گئی ہے کہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں جنھیں یہ شرف حاصل ہے کہ ان میں سے منتخب فرشتوں کی معرفت اللہ تعالیٰ کے احکامات و فرامین پیغمبروں تک پہنچے۔ اور یہ بھی کہ دنیا کے مختلف امور و فرائض کی تعمیل و تکمیل بھی فرشتوں کے توسط سے ہوتی ہے۔ اسی طرح روزِ آخرت پر یقین و ایمان بھی احکاماتِ خداوندی میں سے ہے یعنی اس مادی زندگی کے بعد دوبارہ زندگی پاکر ہر شخص کو خداوند تعالیٰ کے حضور اپنے اعمال کے محاسبہ کیلئے پیش ہونا پڑیگا اس یقین کے ساتھ کہ اہلِ خیر، جنت کی دائمی نعمتوں کے مستحق ہونگے اور جو لوگ راہِ خیر سے بھٹک کر گمراہی اور زبوں کاری کے شکار ہو گئے انھیں دوزخ میں سزا کے طور پر داخل کیا جائیگا۔ اسی طرح دوسرے احکامات و فرامین پر بھی یقین لانا تکمیل ایمان کے لئے لازمی ہے۔

قرآنِ کریم پوری وضاحت کے ساتھ زندگی کی ابتداء (آفرینش) نشوونما اور ارتقا موت، حشر و نشر، جزا و سزا اور جنت و دوزخ سے متعلق تمام معلومات فراہم کرتا ہے۔ اور قرآن کریم کے مطالعہ سے ہی ہم طبائع انسانی کی خصوصیات مثلاً آزادی، نظم و ضبط، اور دیگر امورِ دنیاوی و اُخروی کے متعلق وضاحت و تفصیل سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

کتاب دوم

عبادات

مشتملات

ذکر — صلوٰۃ (نماز) — زکوٰۃ — صوم (روزہ) — حج

Marfat.com

Marfat.com

عبادات

اس کتاب (یعنی کتاب دوم) کا عنوان "عبادات" رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ زبان عربی میں عبادات کا مفہوم بہت وسیع ہے اور عملی طور پر اس میں انسان کا ہر وہ فعل شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں سرانجام دیا جائے۔ چنانچہ اس وسیع تر مفہوم میں نہ صرف اعتقادات، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج شامل ہیں بلکہ اس میں عقد و نکاح، ازدواجی زندگی کے فرائض، اولاد کی پرورش و نگہداشت، خدمت و اطاعتِ والدین، صلہ رحمی، ضرورتمندوں کی حاجت روائی، حصول و اشاعتِ علم اور انصاف پروری، میدانِ جنگ میں کارگزاری، حکومت کی تشکیل، نظامِ سلطنت اور دیگر امور بھی شامل ہیں۔

ایمان (یقین) کے متعلق تفصیل کے ساتھ "کتاب اوّل" میں بحث کی جا چکی ہے۔ اس کتاب (یعنی کتاب دوم) میں ذکر، صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ اور حج کے متعلق ضروری احکامات اور ان کے پس منظر میں جو احوال کارفرما ہیں، ان کے ضمن میں مناسب موقع محل سے گفتگو کی جائے گی۔

Marfat.com

Marfat.com

باب اوّل

ذکر

۱۔ عام تعارف۔

قرآن کریم میں " ذکر " کو بہترین عبادت کا درجہ دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (عنکبوت : ۴۵)، " ذکر " کا مفہوم اسلام میں " خدا کو یاد کرنا " ہے۔ چنانچہ اسماءُ الحسنیٰ (یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں) کا ورد ذکر کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ارشاد فرماتا ہے فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ (پس تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا) (البقرہ : ۱۵۲) حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث شریف ہے اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ "

ذکر حقیقی معنوں میں اسلام کی بنیاد ہے اور اسلامی تعلیمات اور اعمال کا سرچشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد کو ہر لمحہ اپنے خیال و عمل میں بسا لینا، دراصل اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اعانت کی طلب کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے چنانچہ ذکر تمام مشاغلِ زندگی کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کا بنیادی طریقہ بھی ہے اور تکمیل کا ذریعہ بھی۔ اس نقطۂ نگاہ سے نہ صرف قرآنی کلمات مثلاً اللہ، سبحان اللہ، الحمد للہ، ماشاء اللہ، اللہ اکبر وغیرہ کا ورد یا قرآن کریم کی تلاوت بلکہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، غریبوں اور حاجت مندوں کی امداد، شادی اولاد کی سرپرستی، جنگ و امن، عدل و انصاف، حکومت اور معاشرہ کا

Marfat.com

نظم، نسق، یہ تمام امور "ذکر" کے دائرہ مفہوم میں شمار ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر، انسانی زندگی کے تمام مشاغل اسلامی نقطۂ نظر سے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی یاد کے مختلف ذرائع ہیں۔

"ذکر" یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے۔ سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور مخلوقات میں سے کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔ لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ (بنی اسرائیل: ۴۴) انسانوں پر بھی فرض ہے کہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے، ہر حالت میں اللہ کو یاد کرتے رہیں (نساء: ۱۰۳) ارشاد ربی ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سُنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جاوے۔ اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور غافل نہ رہو (اعراف: ۲۰۴۔۲۰۵) تم اپنے پروردگار کی تسبیح اور اس کی خوبیاں بیان کرتے رہو اور سجدہ کرنے والوں میں شامل رہو (الحجر: ۹۸) اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں) اور صبح (نماز فجر) کو قرآن پڑھا کرو، کیونکہ صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا موجب حضور ملائکہ ہے (بنی اسرائیل: ۷۸) قرآن کریم کی اصطلاح میں مومن تو وہ ہیں کہ جب خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل لرز جاتے ہیں۔ اور جب انھیں اُس کی آیات پڑھ کر سُنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں (انفال: ۲)

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے "ذکر" سے مراد اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید یا اُس کی پاکی بیان کرنا ہے۔ اس ذکر سے اللہ اور بندوں کے درمیان رشتے استوار اور مستحکم ہوتے ہیں دلوں کو تازگی اور نئی زندگی ملتی ہے اور بندہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں جو اُس کے خالق کی طرف سے عاید کئے گئے ہیں زیادہ مستعد اور

Marfat.com

اطاعت گذار بن جاتا ہے۔ قرآن نے بشارت دی ہے کہ ذکر الٰہی سے سکون و طمانیت اور قناعت و غنائے قلب کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد ہے کہ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد: ۲۸) قناعت اور استغنائے قلب بلاشبہ تحفظ و استحکام کے ایسے موثر ذرائع ہیں جن سے قلب و روح کی تمام بیماریاں اور ناہمواریاں دور رہتی ہیں اور جن سے حسن عمل اور پاکیزگی نفس کو یک گونہ تقویت پہنچتی ہے۔ گویا ,, ذکر،، زندگی کے ہر قدم پر کامیابی کی ضمانت ہے یہ نعمت صرف قلب مطمئنہ کو میسر ہوتی ہے جو زندگی سے صحیح معنوں میں لطف اندوز ہونے اور کامیابی سے ہمکنار ہونے کا راز جانتا ہے۔ قرآن کریم نے اس بات کی نہایت موثر پیرایہ میں وضاحت کر دی ہے کہ صرف اللہ کا ذکر ہی قناعت و طمانیت کا سرچشمہ ہے۔

۲۔ تصوف۔

تصوف کے میدان میں جو فی الحقیقت فکر و تعمق، اور مراقبہ و مکاشفہ کے ذریعہ ماوزائی وجدانی مفہوم میں عبادت و پرستش ہی کا ایک طریقہ ہے۔ ,, ذکر،، اور یاد الٰہی کی فیوض و برکات کہیں زیادہ واضح طرز پر کارفرما ہوتی ہیں۔ اہل تصوف کے نزدیک ”ذکر“ ہی تزکیۂ نفس اور پاکیزگی قلب کا واحد موثر ذرایعہ ہے۔ دراصل تصوف کے میدان میں قدم رکھنے کے لئے سب سے پہلی شرط ہی ,, ذکر،، ہے۔ یعنی پیر و مرشد یا روحانی رہنما کی ہدایت میں پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسمائے ذات و صفات کا ورد و شغل ہر ایک روحانی رہنما یا مرشد اپنے عقیدت مندوں کی انفرادی صلاحیت اور میلانِ طبع کے پیشِ نظر بعض منتخب اسماء حسنیٰ کے ورد کا حکم دیتا ہے جس پر استقامت کے ساتھ عمل کرنے سے مرید کے قلب و روح پر اثرات مرتب ہونے لگتے ہیں۔ اور وہ زینہ بہ زینہ اور منزل بہ منزل تصوف کی راہ میں آگے بڑھتا جاتا ہے۔ تصوف

Marfat.com

میں ذکر کے دو معروف طریقے ہیں (۱) ذکرِ باطن یعنی اللہ تعالیٰ کے تجویز کردہ اسمائے الحسنیٰ پر تنہائی میں انتہائی توجہ اور خاموشی کے ساتھ غور و تمعن جسے مراقبہ کا نام دیا گیا ہے اور (۲) ذکرِ ظاہر جس میں بلند یا پست آواز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام یا آیات قرآنی کا ورد کیا جاتا ہے۔ ذکر کبھی "خفی" ہوتا ہے اور کبھی "جلی" (جو بالترتیب "ذکرِ خفی" یا "ذکرِ جلی" کہلاتا ہے) ذکر "جلالی" بھی ہوتا ہے اور "جمالی" بھی۔ ذکرِ جلالی سے مراد مخصوص اسمائے الٰہی کا جلال و عظمت کے تصور کے ساتھ ورد ہے جس سے خود ذکر کرنے والے اور سننے والے کے دل میں قدرتِ الٰہی کی ہیبت یا رعب کا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ دوسری طرف ذکرِ جمالی ہے جس کے مفہوم ہی میں جمالیات کا حسن لطیف اور جذبۂ رحم پوشیدہ ہے۔ یہ اذکار و اوراد بھی مرشد کی زیرِ ہدایت اختیار کئے جاتے ہیں کیونکہ وہ اپنی بصیرت اور روحانی کمالات کے ذریعہ اپنے عقیدت مندوں کے مزاج و شعوری صلاحیتوں سے آگاہ ہوتا ہے۔

"ذکر" کی وساطت اور اس پر مداومت کے ساتھ عمل پیرا ہو کر اور مختلف مدارجِ تصوف یعنی "قال"، "حال" اور "قیام" طے کرنے کے بعد ہی راہِ تصوف کے اعلیٰ مقامات یعنی ولایت تک رسائی ممکن ہے۔

قال

"قال" کے لغوی معنی گفتگو یا بولنے کے ہیں۔ یہی سب سے پہلا اور سب سے بڑھ کر دماغ کی کیفیت (یعنی جذبات کے اتار چڑھاؤ) کے اظہار کا ذریعہ ہے، اسی طرزِ اظہار (قال) کو ایمان کے اعلان کا ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اہلِ تصوف بھی سب سے پہلے اپنے مرید یا شاگرد کو آیاتِ قرآنی یا اسمائے الٰہی کو آواز کے ساتھ دہرانے کی تلقین کرتے ہیں جس کے لئے وقت اور شمار کا تعین بھی کر دیا جاتا ہے اور تاکید کی جاتی ہے کہ وہ ان حدود (یعنی وقت اور شمارِ مقررہ میں کمی یا زیادتی نہ کرے اور نہ ہی اپنی سمجھ بوجھ سے مقرر کردہ اوراد و وظائف کے الفاظ و معنی

Marfat.com

پر اپنی حیرت کا اظہار کرے (تصوف کی اوّل شرط خود سپردگی ہے۔ اگر مُرید اپنے مُرشد کی ہدایات پر سختی سے قائم رہے تو اس کی حیرت و استعجاب کے ازالہ کے اسباب خود ہی پیدا ہوتے جاتے ہیں) دراصل اس مرحلہ پہ مرید یا شاگرد کی مثال اُس بچہ کی سی ہے جیسے مکتب یا مدرسہ میں پہلی مرتبہ داخل کیا گیا ہو۔ اس مرحلہ پر بچہ کی پوری توجہ اُستاد کے بتائے ہوئے حروفِ تہجی پر ہوتی ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اُس کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ اُن حروف کے معنے کیا ہیں۔ بالفرض اگر اُستاد اس بچہ کو حروف کی اہمیت اور اُن کے معانی و مطالب سمجھانا بھی شروع کردے تو بچہ کے ذہن میں سوائے الجھن اور حیرانی اور کیا پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ استاد کے بتائے ہوئے حروف کو دُہراتا رہے۔ اور انہیں ذہن نشین کرتا جائے کیونکہ یہی عمل اس کی آئندہ تعلیم و تربیت کی بنیاد کا کام دیتا ہے۔

انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ آیاتِ قرآنی کی تلاوت یا اسمائے الٰہی کا ورد اور روحانی پیشوا کی ہدایت پر استقامت و خلوص کے ساتھ عمل آخرکار مُرید (یعنی طالبِ حق) کو فَاذْكُرُونِي (تم مجھے یاد کرو) کی منزل پر پہنچا دیتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں مُرشد کے ذریعہ مُرید اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک تعلق قائم ہو جاتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ اس راہ میں بعض ایسے مقامات بھی آتے ہیں جہاں تعمیلِ ارشادِ مرشد میں فروگزاشت یا کسی قسم کی غلط فہمی مُرید کو مشکلات اور ذہنی اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے جس کے باعث اس کی مزید ترقی پر بھی اثر پڑ سکتا ہے، اہلِ تصوف اس صورتِ حال کو "قیل و قال" کا نام دیتے ہیں۔ اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ مرشد کی طرف سے رہنمائی اور دلجوئی کا اہتمام ہو کہ مُرید دل برداشتہ اور گمراہ نہ ہونے پائے اور مُرید بھی دی گئی ہدایات و تعلیمات پر خلوصِ نیت اور استقامتِ قلب کے ساتھ عمل کرے۔ ان تمام اہتمامی اور احتیاطی تدابیر سے

Marfat.com

بڑھ کر توفیقِ ایزدی بھی شاملِ حال رہے تب ہی منزلِ مقصود تک رسائی ممکن ہے

حال

"قال" سے اگلا مرحلہ یا راہِ تصوف کا دوسرا قدم "حال" ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے "قال" کی تکمیل راہِ معرفت کی اُس منزل پر ہوتی ہے جسے قرآنِ کریم میں فَاذْكُرُونِي (تم مجھے یاد کرو) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِس منزل پر "ذکر" مرشد کی زیرِ ہدایت پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ فَاذْكُرُونِي (تکمیلِ ذکر کی منزل) ایک طرح سے بارگاہِ ربّ العزّت میں انتہائے عبودیت و نیازمندی کے ساتھ اُس کے رحم و کرم اور رضا و خوشنودی کی التجا ہے۔ اب اس التجا کو مقبولیت سے نوازے جانے کا مقام آتا ہے جسے اَذْكُرْكُمْ (میں تمھیں یاد کرونگا) سے واضح کیا گیا ہے۔ تصوف میں اس مقام کو "حال" کا نام دیا گیا ہے۔ اِس مرحلہ پر یعنی حال کی منزلوں سے گزرتے ہوئے حقیقت علی الاطلاق کی جانب سے قلبِ ذاکر پر واردات (روحانی تاثرات) کا نزول ہوتا ہے۔ جن کے دوران مختلف النوع روحانی تجربات یا مشاہدات پیش آتے ہیں لیکن اس وقت انکی نوعیت ابتدائی اور وقتی ہوتی ہے اس کے باوجود یہ کیفیات عام فہم و ادراک سے ماوریٰ ہوتی ہیں جنہیں محسوس تو کیا جاسکتا ہے مگر الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا

اس حالت کے دوران یعنی "حال" کی تکمیل تک پہنچنے کے لئے پیر و مرشد کے مشاہدات و تجربات پر مبنی تعلیمات و ہدایات اور اُن پر مرید کا صدقِ دل اور خلوصِ عمل کے ساتھ اتباع اور ان سب سے بالاتر فضلِ ربّی کی کریمانہ شمولیت انتہائی ضروری ہیں۔ کیونکہ یہ دور بھی ابتدائی یا تربیت کے مراحل سے گذرنے کا دور ہوتا ہے "منزلِ قال" کی طرح "منزلِ حال" میں بھی بعض ایسے مشاہدات و تجربات سامنے آتے ہیں جو خود رہروِ شوق کے لئے حیرت کا موجب ہوتے ہیں اور جن کو وہ اپنی کوتاہ فہمی اور خود فریبی سے اپنا کمال سمجھ کر اترانے لگتا ہے۔ اس غرور یا خوش فہمی سے

Marfat.com

آئندہ کی ترقی یکایک رُک جاتی ہے کیونکہ روحانیت کے میدان میں بھی ترقی کمال، دیگر امورِ زندگی کی طرح مسلسل جدوجہد اور خلوصِ نیت پر منحصر ہے۔ (دراصل کسبِ کمال اور حصولِ مدعا کے لئے کسی مقام پر رُک جانے کا نام قناعت یا توکل ہے) یہی وجہ ہے کہ روحانیت (تصوف) کی تربیت کے دوران انتہائی ضبط وتحمل، پیرومرشد کی مکمل اطاعت، انکساری وخلوصِ قلب، اور استقامت و سخت کوشی کے ساتھ اپنے مقصد کی دُھن اور لگن انتہائی ضروری ہے۔ اس کے بغیر " حال " کی تکمیل امرِ محال ہے " حال " کی تربیت و تعلیم کو مکمل کرنے کے بعد ہی اُس سے اگلی منزل یعنی " قیام " کے لئے راہ ہموار ہوتی ہے اور کامرانی و فیض یابی کے دروازے کھلتے ہیں۔

قیام

راہِ تصوف کی تیسری منزل " قیام " یا " استقامت " کہلاتی ہے جو دراصل منصبِ ولایت کا اوّلین زینہ ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر قلبِ ذاکر پر تجلیات کا عکس کم وبیش مستقل اور مسلسل ہوتا ہے۔ اور قلب ایک طرح کی طمانیت اور تسکین محسوس کرتا ہے۔ اس منزل میں ذاکر، اکثر وبیشتر خالقِ کائنات کی صنعت و قدرت پر غوروفکر میں ڈوبا رہتا ہے۔ اس حالت کو " عالمِ استغراق " کہتے ہیں۔ یہی وہ کیفیت یا راہِ تصوف کی منزل ہے جس پر پہنچ کر ایک صوفی پر حقیقت اشیاء کے راز منکشف ہوتے ہیں۔ مادیت اُس کی نظروں میں ہیچ، غیر حقیقی اور فانی بن جاتی ہے، ضروریاتِ زندگی مثلاً خوراک و پوشاک کی لذت و آرائش اپنی اہمیت کھو دیتی ہیں۔ اور اس کے قلب و ذہن و فطرت کے رازہائے سربستہ کی تلاش و جستجو میں محو ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بالآخر انتہائے خوش دلی کے ساتھ اپنے آپ کو رضائے الٰہی کے سپرد کر دیتا ہے اور خدا کے ہاں برگزیدہ بندوں میں شامل ہو جاتا ہے جنکی شان میں قرآن میں یوں ارشاد ہوا ہے، بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ

Marfat.com

یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (بلکہ جس نے اللہ تعالیٰ سے اپنا عہد ایفا یعنی پورا کیا ۔ اور پرہیزگاری (تقویٰ) اختیار کی، اللہ تعالیٰ ایسے متقین، (صاحبانِ تقویٰ) کو دوست رکھتا ہے (آل عمران ۷۶) اور وَھُوَ یَتَوَلَّی الصَّالِحِیْنَ (اللہ تعالیٰ صالحین نیکوکاروں کا دوست ہے (اعراف: ۱۹۶) اس اعلیٰ مقام پر پہنچ کر صوفی اللہ تعالیٰ کی ذات پر انحصار کلی اختیار کر لیتا ہے یہاں تک کہ اپنی زندگی کو بھی اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے کہ وہی ہر شئے کا مالک و مختار ہے اور وہی ہر امر پر قادر و غالب ہے اسی روحانی یا قلبی کیفیت کا نام "توکل" ہے ۔ اب وہ ہر قسم کے خوف و ملال سے بے نیاز ہو جاتا ہے ۔ یہی وہ اعلیٰ رتبہ ہے جس پر فائز ہونے والے خدا کے برگزیدہ بندوں کی شان میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ یعنی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر قائم بھی رہے تو اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (احقاف ۱۳) دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ یعنی سُن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں، اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (یونس ۶۲)

یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ متقین اور اولیاء اللہ کے دلوں کی خوف و رنج سے محفوظ رہنے کی حالت صرف احتیاج دنیاوی اور اقتضائے بشری کے ضمن میں ہے ۔ ورنہ حقیقت الامر یہ ہے کہ دنیاوی خوف و حزن سے بے نیاز ہو کر صوفی کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف میں پوری طرح غرق ہو جاتا ہے ۔ یہی وہ متبرک منزل ہے جہاں اللہ تعالیٰ خود اپنے بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللہُ لَہٗ یعنی جو اللہ کے لئے ہو گیا، اللہ اُس کے لئے ہو گیا (مشکوٰۃ شریف)

Marfat.com

ولایت

سطورِ بالا میں عرض کیا گیا ہے کہ "قیام" مقامِ ولایت کا نقطۂ آغاز ہے۔ مقامِ ولایت کی درپیش غیر محدود وسعتیں بھی مختلف مراحل سے گزرتی ہیں جن میں سب سے مقدم "رضائے الٰہی" ہے۔ اس مقام پر صوفی کی اپنی تمام خواہشیں اور مسرتیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی پسند سے ہم آہنگ ہو جاتی ہیں اور صوفی کے تمام دلی تقاضے یعنی خواہشیں اور پسندیدگی کے تمام جذبات القائے ربّی کے تحت ظہور میں آتے ہیں۔ اس کا ہر قول اور ہر فعل رضائے الٰہی کے تابع ہو جاتا ہے، اس کی اپنی ذات یا انا کا کوئی علیحدہ مقام روحانی یا علوی نقطۂ نگاہ سے نہیں ہوتا۔ اس کے نزدیک خدا کی طرف سے آنے والی ہر چیز عطا و رضائے الٰہی کا درجہ رکھتی ہے اور وہ اسے دلی مسرت کے ساتھ قبول کرتا ہے، خواہ اس عطا یا رضا کی نوعیت کچھ ہی ہو۔ ایسے نیک اور معرفتِ الٰہی سے سرشار بندے کے دل میں اعتراض، شکایت، ناپسندیدگی، یا احتجاج کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔
قربِ الٰہی کے اس اعلیٰ مقام کی تعریف و توصیف حدیثِ قدسی میں اس طرح ارشاد ہے کہ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ . بَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّذِي يَمْشِي بِهَا (بخاری و مشکوٰۃ) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس بندۂ مومن کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ چھوتا ہے اور میں اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اس کی توجیہ میں یہی قولِ مقدس دہرانا کافی ہے کہ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهُ جو اللہ تعالیٰ کا ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کا ہو گیا۔ اسی مقامِ اعلیٰ کا ذکر قرآنِ کریم میں بھی اس طرح کیا گیا ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ یعنی خدا اُن سے خوش ہوا اور وہ خدا سے خوش ہوئے

Marfat.com

یہ صلہ اس کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے (بیّنہ : ۸) انھی پاک نفوس کے لیے قرآن کریم کی یہ خوش خبری بھی ہے کہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ یعنی اُن کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت کی بشارت بھی۔ اللہ تعالیٰ کے کلام (امورِ تقدیر) میں کوئی ردّ و بدل نہیں ہوتا۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے (یونس : ۶۴)

مجذوب

تصوف یا معرفت الٰہی کے اس مقام پر فائز ہوکر اہل اللہ دو گروہ میں تقسیم ہو جاتے ہیں ایک مجذوب اور دوسرے سالک۔ مجذوب بالعموم اپنی ہی ذات کے ارتقاء یا کمالاتِ روحانی کے حصول میں مستغرق رہتے ہیں اور انھیں اپنے گردوپیش یا دیگر نفوس کے متعلق نہ ہوش رہتا ہے اور نہ ہی وہ اس طرف مائل ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ذات میں (جو دراصل رضائے الٰہی کا مرجع بن جاتی ہے) گم اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ مجذوبیت کی انتہا بعض اوقات یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ معاشرتی ضروریات اور احتیاجاتِ انسانی کے تکلفات سے بھی بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ اُن کو کھانے پینے پہننے اوڑھنے حتیٰ کہ خانگی زندگی تک کا ہوش نہیں رہتا۔ نفع و نقصان کا تو ذکر ہی کیا انھیں دنیاوی اغراض و مقاصد سے بھی کوئی سروکار نہیں رہتا۔ مجذوب ہر وقت مکمل طور پر عالمِ استغراق میں ڈوبا رہتا ہے اور اللہ کی ذات سے اس درجہ وابستہ ہو جاتا ہے کہ ماسوا اللہ کے کسی چیز کے لیے اُس کے قلب و ذہن میں کوئی جگہ نہیں رہتی۔

سالک

اِس کے برعکس اہلِ معرفت کا وہ طبقہ جو "سالک" کے لقب سے معروف

Marfat.com

ہے اس کا مسلک بالعموم اپنی ذات کے مقابلہ میں اللہ کی مخلوق کی فلاح و خیر کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھنا اور اس مقصد کے لئے تمام عملی اقدام کرنا ہے۔ اللہ کے یہ پاک نفس بندے اپنے ہوش و حواس سے قطعی بے نیاز نہیں ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کے معمولات خوش اسلوبی اور فہم و شعور کی صحیح اور مبنی بر اعتدال کارکردگی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ طبقۂ سالکین کا ہر فرد اپنے خاندان کا کفیل و نگراں ہوتا ہے۔ کسبِ معاش کو بھی اپنا فرضِ منصبی جانتا ہے اور کاروبارِ حیات میں اس کا رجحان اور برتاؤ بالکل عام باشعور اور اعتدال پسند لوگوں جیسا ہوتا ہے۔ وہ روحانی کمالات سے زیادہ اپنے اخلاقی برتاؤ اور حسنِ سلوک کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح و درستی کا فریضہ بجا لاتا ہے اور انہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتا ہے۔ انہی کے متعلق قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ یعنی جو شخص میری طرف رجوع لائے اس کا اتباع کرو (لقمان: ۱۵) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ یعنی تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کا اتباع لازم ہے اہلِ سلوک۔ اخلاق و کردار کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہوتے ہیں ان کے طرزِ عمل کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ یعنی لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آؤ۔ کیونکہ اِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ یعنی اہلِ ایمان اپنے حسنِ خلق کے سبب رات بھر عبادت اور تمام دن روزہ کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ (ابی داؤد اور حضرت عائشہؓ) اور اِنَّ اَثْقَلَ الشَّيْئِ اَنْ يُّوْضَعَ فِي الْمِيْزَانِ مُؤْمِنٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ یعنی قیامت کے روز میزانِ عمل میں مومن کے اعمال میں سب سے زیادہ وزنی اس کا حسنِ خلق ہوگا۔

زمرۂ سالکین معاشرہ کی اصلاح اور فلاح کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے اور اہلِ خیر کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور اس مقصد کی تکمیل میں بمصداق ارشادِ ربانی

Marfat.com

وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ کسی کی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے (مائدہ ۵:۵۴) قرآن کریم میں اس طبقۂ صالحین کو داعین الی الخیر کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یعنی وہ نیک کاموں کی طرف بلاتے ہیں اور ہر ناپسندیدہ کاموں سے منع کرتے ہیں یہی لوگ فلاح پانے والوں میں ہیں (آل عمران: ۱۰۴) اہل سلوک معرفت کے مختلف مقامات و درجات طے کرکے قائدین، مجددین اور مہدیین کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہو جاتے ہیں۔

ان تمام بلند مرتبوں پر "ذکر" ہی کی جلوہ فرمائی رہتی ہے اور "ذکر" بلا کسی رکاوٹ کے پابندئ عمل کے ساتھ مستقل اور استوار طریقہ پر ایک مقام سے دوسرے اعلیٰ تر مقام تک پہنچنے کا وسیلہ بن جاتا ہے جس کی انتہائے منزل اسی عالم ناسوت میں اور اسی مادی جسم و جان کے ساتھ واصل الی اللہ (یعنی خدا سے قرب کامل) ہے۔ چنانچہ یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے کہ مسالک تصوف میں "ذکر" کا مقصود و مطلوب تزکیۂ قلب کے ذریعہ قربت الٰہی ہے۔

اہل اسلام میں تصوف سے متعلق کئی سلسلے (یعنی راہ سلوک میں خصوصی ریاضت و عمل کے پابند گروہ) وجود میں آئے ہیں جن میں خصوصی طور پر سلسلۂ قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور چشتیہ قابل ذکر ہیں۔ ہر سلسلہ کا اپنا مخصوص طرز "ذکر" اور طریقۂ ریاضت ہے، جسے تصوف کی مختلف راہیں بھی کہہ سکتے ہیں جو مقررہ مقامات و درجات سے گزرتی ہوئی درجۂ ولایت تک پہنچتی ہیں۔ باوجود اختلاف طریقہائے مجاہدہ و ریاضت کے ان تمام سلسلوں کا مقصود و منتہیٰ قرب ذات الٰہی ہی ہے گویا ایک دریا کی مختلف شاخیں کچھ دور الگ الگ چل کر پھر اسی دریا میں آملتی ہیں۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے ذکر کا ایک طریقہ تو نمایاں یا ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً آیات قرآنی کی تلاوت یا اسمائے الٰہی کا آواز کے ساتھ ورد۔ اور دوسرا طریقہ

Marfat.com

باطنی یا پوشیدہ ہوتا ہے جیسے تصور (ذہن و ادراک کی خاموش کارفرمائی) یا مُراقبہ کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ابتداء میں شاگرد یا مُرید کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ آنکھیں بند کرکے اور سانس کو حتی الامکان روک کر تصور میں اپنے مرشد کا تصور کرے۔ اس پر مداومت اور استقامت کے ساتھ عمل کرنے کے بعد ایک ایسا مقام بھی آجاتا ہے جب مرشد کا نقش (حالتِ مراقبہ میں یا کھلی آنکھ کیساتھ) نظروں سے غائب ہوکر انوارِ الٰہی کی صورت میں حقیقتِ کبریٰ کا تصور سامنے آجاتا ہے۔ اس موقع پر مرید اپنی مجاہدانہ استقامت و استغراق کے انعام سے اس قدر مسرور و مطمئن ہوجاتا ہے کہ اُسے دُنیا و مافیہا سے قلبی و ذہنی لگاؤ نہیں رہتا اس اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے لئے کسی مرید کو تین مقامات سے کامیابی کیساتھ گذرنا ہوتا ہے یعنی فنافی الشیخ، فنافی الرسول اور فنافی اللہ۔ یہی موخر الذکر (یعنی فنافی اللہ) مسلک تصوف میں "ذکر" کا بلند ترین مقام اور اعلیٰ ترین انعام ہے

۳۔ ذکرِ عمومی اور ذکرِ خصوصی (ذکرِ عام اور ذکرِ خاص)

اسلام میں مسلک تصوف کے علاوہ ذکر کا عمومی مفہوم اللہ تعالیٰ کے نام (اسماء الحسنیٰ) کا ورد، قرآن کریم کی تلاوت، صلوٰۃ و سلام، اور ارکان دین کی ادائیگی پر مشتمل ہے جنہیں عرفِ عام میں عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ اہلِ ایمان کا ہر لمحہ ذکر میں بسر ہوتا ہے۔ تاہم یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اذکار و عبادات اپنی نوعیت و تاثیر میں کچھ خصوصی طرز کی ہیں اور کچھ عمومی۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ عبادات کا عام طریقہ ذکر سے عبارت ہے مگر ذکر کے خصوصی مفہوم میں عبادت کے مختلف طریقے شامل ہیں۔ ذکرِ عمومی کے لئے وقت اور جگہ کا تعین لازم نہیں۔ ہر حال میں اور ہر جگہ ذکر (ورد و وظیفہ) ادا کیا جا سکتا ہے البتہ ذکر خصوصی میں مخصوص عبادات و فرائض شامل ہیں جن کے لئے وقت یا مقام یا دونوں بیک وقت مقرر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر نماز اور روزہ، اور

Marfat.com

چند ضروری شرائط (مالی وسائل) کے ساتھ زکوٰۃ اور حج اور اس کے ارکان و مناسک وغیرہ۔ ذکرِ عام اور ذکرِ خاص میں ترجیح و سبقت کے نقطۂ نظر سے کچھ امتیاز اور فرق پایا جانا فطری امر ہے۔ ظاہر ہے کہ ذکرِ عام مثلاً اسماء الٰہی کا ورد یا قرآن پاک کی تلاوت کے لئے کسی وقت اور مقام کی قید نہیں ہے مگر جب ذکرِ خصوصی یعنی فرض عبادت کی ادائیگی کا وقت ہو تو ذکرِ عام کو روک دینا ضروری ہو جاتا ہے' مثلاً نماز کی ادائیگی اپنے مقررہ اوقات پر تلاوتِ قرآن اور ذکرِ عام سے مقدم ہو جاتی ہے۔ البتہ بعد ادائیگی نماز تلاوتِ قرآن یا ذکر کو جاری رکھا جا سکتا ہے بلکہ اس طرح اس ذکرِ عام میں ذوق و شوق دوچند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب اسلام کی خاطر جہاد کا اعلان کر دیا جائے اور مخالفینِ اسلام کے خلاف مقابلہ درپیش ہو تو مجاہدین کی توجہ جہاد اور جہاد کی حکمتِ عملی کی طرف مرکوز رکھنے کے لیے ذکرِ عمومی حتیٰ کہ ذکرِ خصوصی مثلاً نماز بھی اپنی عمومی شکل میں معطل ہو جاتی ہے اور اُس کی ادائیگی خاص طور پر نمازِ قصر اور نمازِ خوف کی صورت میں کرنے کا حکم ہے۔

Marfat.com

بابِ دوم

صلوٰۃ (نماز)

۱۔ عام تعارف

صلوٰۃ (نماز) اسلام کے پانچ بنیادی ارکان یعنی (۱) توحید (۲) صلوٰۃ (۳) صوم (۴) زکوٰۃ اور (۵) حج میں دوسرے درجہ پر ہے۔ ان میں اول الذکر تین ارکان یعنی توحید، صلوٰۃ (نماز) اور صوم (روزہ) ہر مسلمان عاقل بالغ پر یکساں فرض ہیں، اس میں امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں۔ البتہ زکوٰۃ اور حج صرف صاحبانِ وسائل مسلمانوں پر فرض ہیں۔

توحید سے مراد اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور اس کی کامل عبادت اور بندگی ہے۔ توحید سے متعلق ضروری کوائف "کتاب اوّل" عقائد کے تحت بیان کئے جا چکے ہیں۔ "ذکر" کے متعلق بھی اجمالاً عرض کیا جا چکا ہے۔ اس باب میں ہم خصوصیت کے ساتھ صلوٰۃ (نماز) کے بارے میں مختلف نقطۂ نظر سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں جس کو اسلام میں اوّلین فرض عبادت کا مقام حاصل ہے۔

۲۔ صلوٰۃ اور انبیاء کرامؑ

صلوٰۃ (نماز) اللہ کے دین میں روزِ اوّل سے ہی اہم ترین بنیادی اور [illegible]

Marfat.com

عبادت کے طور پر رائج رہی ہے۔ صلوٰۃ کی بنیاد حضرت آدم علیہ السّلام کے زمانہ میں ہی قائم کر دی گئی تھی۔ آپ کے بعد تمام انبیاء و رسُل اس کی ادائیگی تبلیغ اور اقامت کے فرائض انجام دیتے رہے اور نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اس کی صوری و معنوی تکمیل ہوئی۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی ہاجرہ اور شیر خوار فرزند اسمٰعیلؑ کو مکّہ کی بنجر زمین پر آباد کرتے وقت دعا فرمائی تھی کہ اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدانِ مکّہ میں جہاں کھیتی نہیں ہوتی تیرے عزت اور ادب والے گھر کے پاس لا بسائی ہے، اے پروردگار تاکہ یہ نماز پڑھیں (ابراہیم: ۳۷) اے میرے پروردگار مجھکو ایسی توفیق عنایت کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی یہ توفیق بخش۔ اے پروردگار میری دعا قبول فرما (ابراہیمؑ: ۴۰) حضرت ابراہیمؑ حضرت لوطؑ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے ذکر کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہمنے انکو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کی قوم کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا (انبیاء: ۷۳) حضرت اسمٰعیلؑ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے۔ (مریم: ۵۵) پھر اُن کے بعد چند ناخلف اُن کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو چھوڑ دیا۔ گویا اُسے کھو دیا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے لگ گئے۔ سو عنقریب اُن کو گمراہی کی سزا ملے گی (مریم: ۵۹) توراۃ میں بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا تھا (بقرہ: ۸۳ اور مائدہ ۱۲) قرآن کریم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا تھا اور ان پر کتب و صحائفِ سماوی نازل فرمائی تھیں (بینہ: ۵) حضرت موسیٰؑ (طٰہٰ: ۱۴) حضرت ہارونؑ (یونس: ۸۷) حضرت داؤدؑ (ص: ۱۷-۱۸) حضرت شعیبؑ (ہود: ۸۷) حضرت زکریاؑ (مریم: ۱۱) حضرت عیسیٰؑ (مریم: ۳۱) اور دیگر تمام پیغمبروں کو اپنے اپنے زمانہ میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نماز کا حکم دیا گیا تھا (کوثر: ۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے پیغمبر میرے مومن

Marfat.com

بندوں سے کہہ دو کہ نماز پڑھا کریں (ابراہیم: ۳۱) اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور اُس پر قائم رہو (انبیاء: ۱۳۲) اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کتاب (قرآن) جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اسکو پڑھا کرو اور نماز کے پابند رہو (عنکبوت: ۴۵)

۳۔ قیامِ صلوٰۃ کا مقصد و مدّعا

صلوٰۃ، تقویٰ کی بنیادی شرائط میں سے ہے اور تقویٰ یا پاکیزگیٔ نفس کے بغیر قرآنِ کریم کی ہدایت سے فیض یابی ممکن نہیں اس لئے کہ قرآن صرف متقین کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے (البقرہ: ۳) چنانچہ ضروری ہے کہ نماز قائم کی جائے نماز فواحش و منکرات سے محفوظ رکھتی ہے (عنکبوت: ۴۵) نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں تازہ رہتی ہے (طٰہٰ: ۱۴) اور اللہ تعالیٰ کی یاد سب سے ارفع و اعلیٰ چیز ہے (عنکبوت: ۴۵) اللہ کی یاد سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے (رعد: ۲۸) یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے اہلِ ایمان کو نماز قائم کرنے کی سخت تاکید کی ہے (البقرہ: ۱۱۰) حکم ہے کہ رنج و تکلیف میں صبر اور نماز سے مدد لیا کرو (البقرہ: ۴۵، در البقرہ: ۱۵۳) نماز پڑھتے رہو اور اس کے حکم کو بجا لاؤ (انعام: ۲۰، اور حج: ۷۸) نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کے رسولؐ کا کہا مانو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (نور ۲۴ اور مجادلہ ۱۳) مومنو! اسی خدا کی طرف رجوع کئے رہو، اس سے ڈرتے رہو، نماز پڑھتے رہو اور مشرکوں میں نہ ہونا (روم: ۳۱) نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور خدا کو نیک اور خلوصِ نیت سے قرض دیتے رہو (مزمل: ۲۰)

۴۔ نماز کی امتیازی شان

صلوٰۃ (نماز) ہی مومن و کافر کے درمیان وجہ امتیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے اُن کو دیا ہے، اُس میں سے نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ یہی سچے مومن ہیں اور ان کے لئے پروردگار کے ہاں بڑے بڑے

Marfat.com

درجے اور بخشش اور عزت کی روزی ہے (انفال: ۳-۴) اہلِ ایمان کی شان یہ ہے کہ وہ نیک کام کا حکم دیتے اور بُری باتوں سے روکتے ہیں۔ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں (توبہ: ۷۱ اور نمل: ۲-۳) حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی تعریف و توصیف قرآن کریم میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ (اے مخاطب) تو اُن کو دیکھتا ہے کہ خدا کے آگے جھکے ہوئے سربسجود ہیں۔ کثرتِ سجود کے اثر سے اُن کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ اُن کے یہی اوصاف توراۃ میں مرقوم ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔ (فتح: ۲۹)

کفار و منکرینِ حق کے متعلق ارشاد ہے کہ جب روزِ قیامت حساب کتاب کے بعد اہلِ ایمان اہلِ دوزخ سے اُن کو دوزخ میں داخل کیے جانے کا سبب دریافت کریں گے تو کفار و منکرین جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے (مدثر: ۲۲-۴۴) مشرکین کے بارے میں حکم ہے کہ جب حُرمت کے مہینے گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو، اور پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ اُن کی تاک میں بیٹھے رہو۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو اُن کی راہ چھوڑ دو۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے (توبہ: ۵) اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو دین میں تمھارے بھائی ہیں (توبہ: ۱۱) خدا کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے (توبہ: ۱۸)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایمان اور کفر کے درمیان فرق اور امتیاز کا ذریعہ صرف نماز ہے (مسلم، احمد، ابی داؤد، نسائی، ابنِ ماجہ، اور ترمذی) ایک اور حدیث کے مطابق جسے طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت کی ہے، قصداً اور عمداً (بغیر کسی جائز وجہ عذر و مجبوری کے) نماز کا ترک کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کا ارشاد ہے کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (مشکوٰۃ: ۲۵)

اہل ایمان کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ کافروں کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی ہدایت پر عمل کرنا ترک کر دیا ہے، دوست نہ بنائیں۔ ارشاد الٰہی ہے کہ اے ایمان والو جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں اُن کو اور کافروں کو جنہوں نے تمھارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے۔ دوست نہ بناؤ اور مومن ہو تو خدا سے ڈرتے رہو۔ اور جب تم لوگ نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو یہ اُسے بھی ہنسی کھیل بناتے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے (مائدہ: ۵۸) تمھارا دوست تو خدا اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور خدا کے آگے جھکتے ہیں (مائدہ: ۵۵)

صلوٰۃ اہل تقویٰ کی نشانیوں میں سے ایک ہے (بقرہ: ۲۔۳) قرآن کریم کے مطابق راستباز (بقرہ: ۱۷۷) اور کامیاب (سجدہ: ۱۔۲) وہی لوگ ہیں جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ اُس دن سے ڈرتے ہیں جب دل خوف اور گھبراہٹ کے سبب اُلٹ جائیں گے اور آنکھیں اُوپر چڑھ جائیں گی (نور: ۳۷) اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوش خبری (حج ۴۱۔۳۵ اور نمل: ۳) اور رحمت کی نوید ہے (لقمان: ۳) جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یہی اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں (لقمان: ۴۔۵) جو لوگ خدا کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے، اُس میں سے پوشیدہ اور ظاہرہ خرچ کرتے ہیں، وہ اُس تجارت کے فائدے کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی کیونکہ خدا اُن کو پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی دے گا۔ وہ تو بخشنے والا اور قدر داں ہے (فاطر: ۲۹ اور نساء: ۶۲) اور اُن کا اجر ضائع نہیں کیا جائیگا (اعراف: ۱۷۰) خدائے تعالیٰ کی طرف سے اُن پر رحم و کرم کی بارش ہوگی (نور: ۵۶) اور وہ حزن و ملال سے

Marfat.com

محفوظ رہیں گے (البقرہ: ۲۷۷) وہ عزت و تکریم کے باغوں میں ہوں گے (معارج ۳۵) جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (رعد: ۲۲۔۲۳)

۵۔ نماز فرض ہے

شب و روز میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں جن کو اُن کے اوقات ادائیگی کے لحاظ سے فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کا نام دیا گیا ہے۔ ان نمازوں کی فرضیت قرآن کریم کی مختلف آیات سے ثابت ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ دن کے دونوں سِرے (یعنی صبح اور شام کے اوقات میں) اور رات کی چند پہلی ساعات میں نماز پڑھا کرو۔ (ہود: ۱۱۴) مفسرین قرآن کے مطابق "دن کے دونوں سِروں" کی نمازوں سے مراد دراصل طلوعِ آفتاب سے پیشتر ادا کی جانے والی نماز یعنی نمازِ فجر، زوالِ آفتاب کے بعد کی اوّلین ساعت کی نماز یعنی نمازِ ظہر اور سہ پہر کی نماز یعنی نمازِ عصر ہے۔ اسی طرح غروبِ آفتاب کے بعد ابتدائے شب میں نمازِ مغرب اور سونے سے پہلے نمازِ عشاء کا حکم دیا گیا ہے۔ زوالِ آفتاب کے بعد دو نمازیں ظہر و عصر اور غروبِ آفتاب کے بعد کی دو نمازیں مغرب اور عشاء مخصوص حالات کے تحت ایک ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (ظہر، عصر، مغرب، اور عشاء) کی نمازیں اور صبح کو قرآن پڑھا کرو کیونکہ صبح کے وقت قرآن پڑھنا موجبِ حضورِ ملائکہ ہے (بنی اسرائیل: ۷۸) "زوالِ آفتاب کے بعد دوپہر سے غروبِ آفتاب سے کچھ پہلے تک"، سے مفسرین قرآن کے مطابق ظہر اور عصر کی نمازوں کی طرف اشارہ ہے جب کہ غروبِ آفتاب کے بعد سے کچھ رات گئے تک کے اوقات مغرب اور عشاء کی نمازوں کے لئے مقرر ہیں۔ پانچویں نماز (فجر) کو قرآن میں قُرآنَ الفجر (بنی اسرائیل: ۷۸) کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اس طرح پانچ وقت کی نمازیں اپنے اپنے معینہ اوقات کے ساتھ قرآن کریم سے ثابت ہیں اور اُن میں انکار یا شک

Marfat.com

و ریب کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن میں مزید ارشاد ہے کہ جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں، اُن کے ساتھ صبر کرتے رہو (الکھف: ۲۸) سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کیا کرو اور رات کی ساعاتِ اولیں میں بھی اس کی تسبیح کیا کرو اور دن کے اطراف (یعنی دوپہر کے قریب ظہر کے وقت بھی) تاکہ تم خوش ہو جاؤ (طٰہٰ: ۱۳۰) قرآن کی ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس وقت شام ہو اور جس وقت صبح ہو، خدا کی تسبیح کرو (یعنی نماز پڑھو) اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی تعریف ہے اور تیسرے پہر بھی اور جب دوپہر ہو اُس وقت نماز پڑھا کرو (روم: ۱۷) اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور صبح و شام اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو (مومن: ۵۵) طلوعِ آفتاب سے پہلے (نمازِ فجر) اور غروبِ آفتاب سے پہلے (نمازِ عصر) (ق: ۳۹) "صلوٰۃ الفجر" اور "صلوٰۃ العشاء" کا سورۃ مجادلہ آیت ۴۲ میں اور "صلوٰۃ الوسطیٰ" کا سورۃ بقرہ آیت ۲۲۸ میں مذکور ہے۔ بخاری کی ایک حدیث (۵۸:۹۸) کے مطابق "صلوٰۃ الوسطیٰ" سے مراد صلوٰۃ العصر ہے۔ اسی طرح سورۃ روم آیت ۱۸ میں صلوٰۃ الظہر، کا ذکر موجود ہے۔ "صلوٰۃ الجمعہ" کے متعلق قرآنِ کریم میں زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ارشاد ہے کہ اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو خدا کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو اور خرید و فروخت ترک کر دو۔ اگر سمجھو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے (جمعہ: ۹)

ان پنجوقتہ نمازوں کی فرضیت کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے شب معراج میں ہوا، جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرشِ معلی پر تشریف لے گئے تھے۔ واقعۂ "معراج" کی تفصیل بخاری شریف، کتاب المعراج میں بیان کی گئی ہے۔

اس سے پہلے مکی زندگی ہی میں واقعۂ معراج سے پیشتر اور پہلی وحی نازل ہونے کے بعد سے ایک سال تک مسلمان صرف رات کے وقت نماز ادا کیا کرتے تھے، کیونکہ

Marfat.com

اسلام کے دشمن یعنی کفار ہر طرف پھیلے ہوئے تھے اور ہر وقت اسلام کی بیخ کنی کے منصوبے بنایا کرتے تھے۔ ان حالات میں مسلمان تعداد اور ساز و سامان میں کمتر ہونے کے باعث دن کے وقت بے خطر ہو کر نکل بھی نہیں سکتے تھے اسکے بعد فجر اور شام کی نمازیں بھی شامل کر دی گئیں اور پھر رات کی نماز بھی فرض کر دی گئی۔ بالآخر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے لئے تشریف لے گئے تو پانچوں نمازیں اوقات اور امتیازی ناموں کے ساتھ فرض ہو گئیں۔ اس کے بعد کسی قسم کے اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی اور اب کم سے کم یہ پانچوں نمازیں ہر مسلمان عاقل و بالغ پر فرض ہیں۔ جمعہ کے دن نمازِ ظہر کی بجائے نمازِ جمعہ کی ادائیگی چند اضافی لوازمات (یعنی خطبہ، زاید اذان و رکعت وغیرہ) کے ساتھ مدینہ منورہ میں آمد کے پہلے سال ہی سے شروع کر دی گئی تھی۔

۶ - نماز کا طریقہ اور ارکانِ صلوٰۃ

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان ہر دور میں فطری تقاضوں سے مجبور ہو کر کسی نہ کسی شکل میں پرستش اور عبادت کا خوگر رہا ہے اور اس کے لئے اُس نے جو طریقے اختیار کئے اُن میں آہستہ یا بلند آواز سے مقررہ فقرات کی خواندگی یا نشست و برخاست، رکوع و سجود کی طبعی علامتیں شامل تھیں۔ پرستش یا عبادات کے یہ تمام طریقے جو ذہنِ انسانی نے خود اختراع کر لئے تھے یا کسی خاص دور میں رسم و رواج کے زیر اثر وجود میں آ گئے تھے۔ اسلام نے ان کو اپنے مخصوص انداز میں قائم رکھا۔ چنانچہ ارشاد ربّی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حالت میں) یاد کرو (نساء: ۱۰۳) اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو (اعراف: ۲۰۵) تم اپنے پروردگار کی تسبیح کہتے رہو اور اُس کی خوبیاں بیان کرتے رہو اور سجدہ کرنے والوں میں داخل رہو (الحجر: ۹۸) چنانچہ عبادت کرنے کے مختلف طریقے مثلاً تصور، خاموشی یا بلند آواز کے

Marfat.com

ساتھ تلاوت، یا جسمانی حرکات یعنی بیٹھے، کھڑے یا پہلو کے بل لیٹ کر اللہ کی یاد۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کے مظاہر ہیں اور نماز جو تمام عبادات کا سرچشمہ ہے، ان تمام حرکات و سکنات کی تکمیل و تصدیق اور جامعیت کی علامت ہے۔ نماز دراصل ایک ایسی روحانی مشق کا درجہ رکھتی ہے جس میں اطاعت گزار بندے کی روح اور اعضائے جسمانی بیک وقت اور ہم آہنگی کے ساتھ مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ نماز کی مختلف منازل حسبِ ذیل ہیں۔

(الف) سمتِ قبلہ کی جانب رُخ کرنا

تمام دنیا کے مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ نماز کے وقت اپنا منہ کعبۃ اللہ شریف (جو مکہ معظمہ میں واقع ہے) کی طرف کریں۔ اسی لئے خانۂ کعبہ کو قبلہ کہتے ہیں۔ سمتِ قبلہ رُخ کر کے نماز ادا کرنا فرض ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ اپنا رُخ مسجد الحرام (خانۂ کعبہ) کی سمت کر لو، تم دنیا میں جہاں کہیں بھی ہو اپنا منہ اُسی سمت کر لو (بقرہ: ۱۴۴) اس کے بعد قرآن کریم کے یہ کلمات ادا کرنے چاہئیں کہ اِنِّیْ وَجَّہْتُ وَجْہِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ یعنی یقیناً میں نے سب طرف سے یکسو ہو کر اپنا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں (انعام: ۸۰) ان کلمات کو ادا کرتے وقت خلوصِ دل سے نماز کی نیت ہونی چاہیئے۔ نیت کا ہونا (خواہ دل میں یا آہستہ آواز میں) لازمی ہے۔ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا الْاُمُوْرُ بِالنَّوٰی بیشک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور تمام امور وہی ہیں جن کی نیت کی گئی ہے (مشکوٰۃ) اسی کا نام نیت (یا ارادہ) ہے۔

Marfat.com

(ب) تکبیرِ تحریمہ

تکبیرِ تحریمہ کا مطلب ہے زبان سے یا دل میں قبلہ رُخ ہوکر اور نماز کی نیت کرکے "اللہ اکبر" کہنا یعنی اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور کبریائی بیان کرنا۔ حکم ہے کہ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا یعنی اللہ کو بڑا جان کر اُس کی بڑائی کرتے رہو (بنی اسرائیل: ۱۱۱) اور وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ یعنی اپنے پروردگار کی بڑائی کرو (مدثر: ۳) تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاکر انگوٹھوں سے لب گوش چھوتے ہیں اور زبان سے اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ ناف کے ذرا اوپر باندھ لیتے ہیں۔

(ج) قیام

تکبیرِ تحریمہ کہنے اور دونوں ہاتھوں کو اوپر بیان کیے گئے طریقہ سے باندھنے کے بعد قبلہ رُو بالکل سیدھا کھڑا ہونے کا نام "قیام" ہے۔

(د) ثناء

تکبیرِ تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھ کر حالتِ قیام میں یہ دعا پڑھنا ثناء کہلاتا ہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے اور بابرکت ہے تیرا نام اور بلند ہے تیری شان اور نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے (طٰہٰ: ۱۳۰ طور ۴۹

مؤمن: ۸۰؛ جن: ۳؛ اعراف: ۵۹؛ ہود: ۵۰، ۶۱)

(ہ) تعوذ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (پناہ مانگتا ہوں میں ساتھ اللہ کے شیطان مردود سے) کہنا تعوذ کہلاتا ہے۔

Marfat.com

(و) تسمیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (شروع ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے) پڑھنا تسمیہ کہلاتا ہے۔

(ز) قرأت

تسمیہ پڑھنے کے بعد پہلے پوری سورہ فاتحہ پڑھنا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ (ساری تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے جو تمام جہانوں کا رب ہے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جو روز جزا (قیامت) کا مالک (حاکم) ہے۔ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تونے نعمت نازل کی نہ کہ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔ (آمین) سورہ فاتحہ کے بعد قرآنی آیات (کم سے کم تین) تلاوت کرنا۔ قرأت میں تلاوتِ قرآن کے لئے جو آیات یاد ہوں اور آسانی سے پڑھی جا سکتی ہوں، پڑھنا چاہیے ارشادِ الٰہی ہے کہ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو اتنا پڑھ لیا کرو۔ اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور خدا کو نیک اور خلوصِ نیت سے قرض دیتے رہو (مزمّل: ۲۰) اور کچھ یا زیادہ قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو (مزمّل: ۲۰)

(ح) رکوع

قرأت کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے آہستگی کے ساتھ اس طرح اور اس حد تک جھکنا کہ کمر سطحِ زمین سے متوازی رہے اور دونوں ہتھیلیاں گھٹنوں پر ٹکی

Marfat.com

ہوئی ہوں۔ نگاہ پُشتِ پا پر ہو اور زبان سے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم (پاک ہے میرا رب جو بزرگ ہے) کہنا (کم سے کم تین مرتبہ یا ۵ یا ۷ مرتبہ) (حج: ۷۷ : واقعہ : ۷۴ : الحاقۃ: ۵۲)

(ط) قومہ

رکوع سے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ (قبول کیا خدا نے واسطے اس کے جو سراہا اس کو) رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ (اے ہمارے رب اور تمام تعریف تیرے ہی لئے ہے) کہتے ہوئے دوبارہ اُٹھنے اور سجدہ میں جانے سے پہلے چند لمحوں کیلئے سیدھا کھڑے ہونے کو قومہ کہتے ہیں۔ قومہ، کو قیام کی مختصر حالت بھی کہہ سکتے ہیں۔

(ی) سجدہ

پیشانی کو فرش (یا مصلیٰ) پر اس طرح آہستگی کے ساتھ رکھنا کہ دونوں ہتھیلیاں، گھٹنے، پیروں کے پنجے اور ناک کا سرا (نوک) مصلیٰ سے بیک وقت لگے ہوئے ہوں، سجدہ کی عملی شکل ہے سجدہ کی حالت میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی (پاک ہے رب میرا جو بلند ہے) (اعلیٰ: ۱ : دہر: ۲۶) کم سے کم تین مرتبہ پڑھنا چاہیئے اس سے زائد ۵ یا ۷ (طاق عدد) مرتبہ بھی پڑھ سکتے ہیں سجدہ ہر رکعت میں دو مرتبہ کیا جاتا ہے اور سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت تکبیر (اللّٰہ اکبر) کہنا ضروری ہے۔

(ک) جلسہ

دونوں سجدوں کے درمیان چند لمحے کیلئے بیٹھنے کی حالت کو جلسہ کہتے ہیں۔

(ل) رکعت

اس طرح ایک ترتیب وار عمل یعنی قیام، رکوع، قومہ، سجدہ (دو مرتبہ)

Marfat.com

اور ان کے درمیان جلسہ سے ایک رکعت پوری ہو جاتی ہے۔ یہ رکعتیں ۲ یا ۳ یا ۴ مرتبہ مختلف نمازوں میں حکم کے مطابق پڑھی جاتی ہیں۔ چنانچہ فجر کی نماز میں چار رکعتیں مقرر ہیں جو دو دو کر کے پڑھی جاتی ہیں۔ (یعنی ۲ سنت اور ۲ فرض رکعتیں) نماز ظہر کی بارہ رکعتیں ہیں جو چار حصوں میں (۴ سنت، ۴ فرض، ۲ سنت اور ۲ نفل میں پڑھی جاتی ہیں۔ عصر کی نماز آٹھ رکعتیں (۴ سنت، ۴ فرض) ہیں نماز مغرب کی سات رکعتیں (۳ فرض ۲ سنت اور ۲ نفل) اور نماز عشاء کی سترہ رکعتیں (۴ سنت، ۴ فرض، ۲ سنت، ۲ نفل ۳ وتر اور ۲ نفل) مقرر ہیں۔ (نوٹ: رکعتوں کی یہ تعداد سُنّی حنفی مسلک کے مطابق ہیں)

(م) قاعدہ

ہر دو رکعت کے بعد بیٹھنے کا نام "قاعدہ" ہے۔ اگر نماز کا کوئی جزو صرف دو رکعتوں پر مشتمل ہوتا ہے، تو یہ قاعدہ مکمل ہوتا ہے اسے "قاعدۂ آخرہ" بھی کہتے ہیں اور اگر نماز کا کوئی جزو تین یا چار رکعتوں کا ہوتا ہے تو دوسری رکعت کا قاعدہ "قاعدۂ اولیٰ" کہلائیگا اور تیسری یا چوتھی رکعت کا قاعدہ (جیسی صورت ہو) "قاعدۂ آخرہ" ہوگا۔ موخر الذکر حالت میں قاعدۂ اولیٰ کے بعد دوبارہ کھڑے ہو کر تیسری یا تیسری اور چوتھی رکعت پوری کی جاتی ہے۔

(ن) اَلتَّحِیَّات

قاعدۂ اولیٰ میں صرف "اَلتَّحِیَّات" پڑھی جاتی ہے۔ اس کا متن اور ترجمہ حسب ذیل ہے۔ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَكَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ (ترجمہ) سب عبادت قولی اور عبادت بدنی و مالی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ سلامتی ہو آپ

Marfat.com

پر اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی رحمت اور سلامتی، سلامتی ہو ہم پر
اور خدا کے نیک بندوں پر. گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں
التحیات پڑھتے میں اشہد ان لا الٰہ کے کلمات ادا کرتے وقت داہنے ہاتھ کی پہلی
انگلی (انگشت شہادت) اٹھاتے ہیں اور الا اللہ کہکر گرا دیتے ہیں۔

(س) درودِ ابراہیم

قاعدۂ آخرہ میں پہلے التحیات پڑھی جاتی ہے اس کے بعد درود ابراہیم
پڑھا جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی
اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاہِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ
مَّجِیْدٌ (ترجمہ) خدایا درود بھیج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آلِ محمد پر جیسا
کہ درود بھیجا آپ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر یقیناً آپ
تعریف کے لائق بزرگ و برتر ہیں۔ خدایا برکت عطا فرمائیے۔ حضرت محمد مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آلِ محمد پر جیسا کہ برکت دی آپ نے حضرت ابراہیم
علیہ السلام اور آلِ ابراہیمؑ پر یقیناً آپ تعریف کے لائق بزرگ و برتر ہیں۔

(ع) دعا ماثورہ

درود ابراہیم کے بعد کوئی قرآنی دعا یا اور کوئی دعا پڑھنا چاہیئے۔ ذیل میں
ایک قرآنی دعا اور ایک معروف دعا مع ترجمہ کے درج ہے (۱) قرآنی دعا:
رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ
وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (ترجمہ) اے رب مجھے ایسی توفیق
عنایت کر کہ میں نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی توفیق دے۔ اے میرے پروردگار

Marfat.com

میری دعا قبول فرمائیو۔ اے پروردگار حساب کتاب کے دن مجھکو، میرے والدین کو اور تمام مومنین کو مغفرت عطا کیجو۔ (ابراہیم: ۴۰-۴۱)

(۲) عام دعائے ماثورہ: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِاُسْتَاذِیْ وَ لِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ بِرَحْمَتِكَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ (ترجمہ) خدایا بخشدیجو مجھکو میرے والدین کو اور میرے اُستاد کو اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اور مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو اپنی رحمت اور اپنے رحم سے اے تمام جہان سے بڑھکر رحم کرنیوالے

(ف) سلام

دعا پڑھنے کے بعد (قاعدۂ آخرہ) میں پہلے دائیں طرف اور پھر بائیں طرف مُنہ موڑکر، "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ"، کہا جاتا ہے اور اس طرح نماز کی تکمیل ہوتی ہے۔

۷۔ فرض، واجب سنت، اور نفل

نماز کے ارکین میں کچھ فرض کا درجہ رکھتے ہیں، کچھ واجب کا اور کچھ سنت یا نفل کا۔ فرض کے ضمن میں وہ اُمور شامل ہیں جن کا حکم آیات قرآنی سے ثابت ہے اور ان پر عمل کرنا بہرصورت لازم ہے۔ واجب ایسے امور کا نام ہے جن کی پابندی بھی ضروری ہے مگر ان کا درجہ فرض کے بعد ہے۔ سنت کے سلسلہ میں دو عملی طریقہ ہیں۔ اول سنت موکدہ جن کی تاکید حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے۔ دوم مستحب یا سنت غیر موکدہ یا اختیاری۔ نفل کا درجہ بھی اختیاری ہے۔ ان کے مابین امتیاز اور تفصیل اپنے مقام پر بیان کی گئی ہے۔

پانچوں وقت کی نمازیں یعنی فجر، ظہر، عصر، مغرب، اور عشا فرض ہیں۔ اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد کی نمازیں نفل ہیں۔ نماز جمعہ فرض ہے۔ نماز عیدین

Marfat.com

(عیدالفطر اور عید الضحیٰ) واجب ہیں۔ ان نمازوں کی رکعتوں کی تعداد اور ان کی نوعیت (فرض، واجب، سنت، نفل) کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نمازِ فجر کل ۴ رکعتیں ۲ رکعت سنتِ موکدہ ۲ رکعت فرض۔

نمازِ ظہر کل ۱۲ رکعتیں ۴ رکعت سنتِ موکدہ چار رکعت فرض ۲ رکعت سنت موکدہ۔ ۲ رکعت نفل۔

نمازِ عصر کل ۸ رکعتیں ۴ رکعت سنت غیر موکدہ یا مستحب ۴ رکعت فرض

نمازِ مغرب کل ۷ رکعتیں ۳ رکعت فرض ۲ رکعت سنت موکدہ ۲ رکعت نفل

نمازِ عشاء کل ۱۷ رکعتیں ۴ رکعت سنت غیر موکدہ یا مستحب ۴ رکعت فرض ۲ رکعت سنت موکدہ۔ ۲ رکعت نفل ۳ رکعت وتر (واجب) ۲ رکعت نفل

نمازِ جمعہ کل ۱۴ رکعتیں ۴ رکعت سنت موکدہ ۲ رکعت فرض ۴ رکعت سنت موکدہ ۲ رکعت سنت موکدہ ۲ رکعت نفل۔

نمازِ عیدین کل ۲ رکعت واجب (عیدالفطر اور عید الضحیٰ علیحدہ علیحدہ)

فرض نمازوں کی ادائیگی ہر حال میں لازم ہے کیونکہ ان کا حکم نصوصِ قرآن سے ثابت ہے (تفصیل گذر چکی ہے) ان نمازوں کا ترک کر دینا گناہِ کبیرہ ہے۔ اسی طرح واجب اور سنت موکدہ نمازیں بھی ضروری ہیں۔ ان کا ترک دینا بھی موجب گناہ ہے مگر ترک فرض کے مقابلہ میں ترکِ واجب اور ترکِ سنت موکدہ کمتر ہیں۔ سنت غیر موکدہ (مستحبات) اور نفل اختیاری ہیں۔ ان کا ادا کرنا موجبِ ثواب ہے مگر ان کا ادا نہ کرنا عذاب یا گناہ نہیں۔ جہاں تک فرض اور واجب نمازوں کا تعلق ہے، اسلام کے تمام فرقے اور فقہی گروہ ان کی فرضیت اور لازمیت پر متفق ہیں۔ مستحبات اور نفل کے بارے میں ائمہ مجتہدین میں اختلاف رائے ہے مگر یہ اختلافات فروعی ہیں اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے یہ نمازیں اختیاری ہیں۔ اس لئے ان سے متعلق اختلاف رائے سے اسلام کی بنیادی اور اصولی تعلیمات و عقائد پر حرف نہیں آتا۔

Marfat.com

ہر نماز کی تکمیل کے مختلف مدارج ہوتے ہیں، جنہیں ارکانِ نماز کہتے ہیں۔ ان میں تکبیرِ تحریمہ، قیام، قرأت، رکوع، سجدہ اور قاعدہ آخرہ فرض ہیں۔ دوسرے ارکان یا تو واجب ہیں یا سنّت۔ ان سے متعلق بہت سی روایتیں اور احادیث منقول ہیں، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ تاہم اس سلسلہ میں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ اگر نماز ادا کرنے کے دوران اگر کوئی فرض عمل (رکن) قصداً یا سہواً ترک ہو جائے تو وہ نماز صحیح نہیں سمجھی جائے گی۔ اس کو دوہرانا (دوبارہ ادا کرنا) لازم ہے اور اگر کسی نماز کا واجب یا سنّتِ مؤکدہ تا کوئی رکن سہواً ادا کرنے سے رہ جائے یا کسی فرض رکن کی ادائیگی میں تاخیر ہو جائے تو دونوں صورتوں میں سجدۂ (سہو) ادا کرنے سے واجب یا سنت کی عدم ادائیگی یا فرض میں تاخیر کی تلافی ہو جاتی ہے اور پوری نماز صحیح شمار ہوتی ہے۔ اور اگر جان بوجھ کر ایسی ادا نہ کیا گیا تو نماز دوبارہ ادا کرنی ہوگی۔ سجدۂ سہو ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قاعدۂ آخرہ میں "التحیاتْ" پڑھنے کے بعد صرف داہنی طرف رُخ کر کے "اَلسَّلامُ علیکم و رحمۃُ اللہ" کہہ کر دو بار سجدہ کرنا چاہیے۔ سجدۂ سہو کے بعد دوبارہ قاعدۂ آخرہ میں بیٹھ کر "التحیات"، درود ابراہیم، اور دعائے ماثورہ کے بعد معمول کے مطابق ہر دو جانب سلام پھیر کر نماز مکمل کرنا چاہیے۔ اس طرح یہ نماز ادا ہو جائے گی۔

۸۔ ادائیگیٔ نماز (نماز کے آداب)

نماز کے تمام مدارجِ عملی یعنی قیام، قرأت، رکوع، سجدہ اور قاعدہ، اور ذکر تسبیح و تحمید، درود و دعا بلند آواز سے یا دل میں (حسبِ حال) نہایت خشوع و خضوع، سکون و اطمینان اور ہوش و حواس کے ساتھ پورے کرنے چاہئیں۔ جلد بازی، ذہنی انتشار یا خیالات و احساسات کی بے راہ روی کا شائبہ تک نہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ قیام اور قومہ کی حالت میں بالکل سیدھا ایستادہ (کھڑے) ہو کر نگاہیں مقامِ سجدہ پر مرکوز رہنی چاہئیں۔ اس طرح

Marfat.com

بحالتِ رکوع میں پیٹھ کو اتنا جھکائیں کہ ۹۰ درجہ کا زاویہ بن جائے۔ دونو
ہتھیلیاں گھٹنوں پر جمی رہیں، نگاہ دونوں پیروں کے درمیان ہو اور قاع
کی نشست بھی بالکل صحیح ہو یعنی جسم کا بالائی حصہ بالکل سیدھا ہو (جھ
نہ ہو) دونوں ٹانگیں رانوں کے نیچے دبی ہوئی ہوں بایاں پیر سرین کی بائیں جا
اور دایاں پیر دائیں جانب رہنا چاہیئے۔ گھٹنے قریب قریب ملے ہوں اور نظر
قمیص یا کرتے کے دامن پر جمی رہیں۔ قاعدہ کی اس نشست کے ساتھ اَلتحیا
درود ابراہیم اور دعائے ماثورہ وغیرہ خاموشی کے ساتھ زبان سے پڑھتے رہی
قیام کے دوران ثنا قرأت بھی آہستہ آہستہ پڑھنا چاہیئے۔ البتہ اگر نماز باجماعت
تو امام قرأت، تکبیر اور سلام بلند آواز سے پڑھے (جہاں حکم ہو) تاکہ مقتدی سُ
اُس کا اتباع کرسکیں۔ نماز پڑھتے وقت اِدھر اُدھر دیکھنا، کسی سے بات کرنا او
بے توجہی سے کلماتِ نماز ادا کرنا سخت منع ہے۔ نماز پوری احتیاط، خلوص، انکس
عقیدت مندی، نظم وضبط اور مکمل اطاعت گذاری کے جذبہ کے ساتھ پڑھنی
چاہیئے تاکہ بارگاہِ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل ہو۔ ایسی ہی نماز دل اور ذہن
کو پاکیزگی عطا کرتی ہے اور پراگندہ خیالی اور خواہش ومنکرات سے دور رکھتی ہے

۹۔ نماز کی روح (جوہرِ روحانی)

نماز کا اصل جوہر اعضائے جسمانی کی مقررہ حرکت وجنبش اور زبان سے کلمات
کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ انتہائے خلوص وانکساری، عجز ونیازمندی، عقیدت و
احترام، نظم وضبط اور اطاعت وفرمانبرداری کے جذبہ میں ہے۔ ارشادِ ربّی ہے کہ
مسلمانو! سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ
ادا کرتے رہو اور خدا کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو (البقرہ ۲۳۸) رنج اور تکلیف
میں صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ اور بے شک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر گراں نہیں
جو عجز کرنے والے ہیں (البقرہ: ۴۵) بیشک ایمان والے رستگار ہوگئے، جو نماز میں عجز و

Marfat.com

ذکر کرتے ہیں (مومنون: ۱-۲) قرآن میں اُس نماز کی مذمت کی گئی ہے جو ریاکاری
زہد و تقویٰ کی نمائش کی نیت سے پڑھی جائے۔ منافق اپنی چالوں سے اپنے خیال
میں خدا کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انھیں کو دھوکے
میں ڈالنے والا ہے۔ اور جب یہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہوکر
صرف لوگوں کے دکھانے کو اور خدا کی یاد ہی نہیں کرتے مگر بہت کم (نسآء: ۱۴۲)
منافق نماز کو آتے ہیں تو سُست و کاہل ہوکر (توبہ: ۵۴) ایسے نمازیوں کی خرابی
ہے جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیز
عاریتاً نہیں دیتے (ماعون: ۴ تا ۷)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب مومن نماز کے لئے
خدا کی بارگاہ میں کھڑا ہو تو اس کو چاہیئے کہ اپنے جسم کو خاموش اور پُرسکون رکھے
اور یہودیوں کی طرح اِدھر اُدھر حرکت نہ دے۔ نماز کی حالت میں جسم کا خاموش
اور پُرسکون انداز ہی نماز کی شان اور باکمال ادائیگی کا ایک حصہ ہے (ترمذی)
ایک اور حدیث شریف میں حضور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
کہ نماز کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی یاد کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ گویا بندہ (مومن)
اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو عبادت گذار اس بات پر خلوصِ
دل سے یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

۱۰۔ پیشگی شرائطِ نماز

نماز کو صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے چند پیشگی شرائط اور ضروریات کی تکمیل
لازمی ہے کیونکہ ان کے بغیر یا ان میں سے کسی ایک یا زیادہ اُمور میں کمی کے سبب
نماز صحیح اور درست نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص اُس کے باوجود نماز پڑھے تو ایسی
نماز صحیح نہ ہوگی اور دوبارہ نماز ادا کرنی ہوگی۔ نماز کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) پاک و صاف پانی سے وضو کرنا اور اگر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرنا۔

Marfat.com

(۲) ناپاکی کی حالت میں غسل کرنا۔ اگر یہاں بھی پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرنا۔

(۳) بدن، کپڑے اور نماز کی جگہ کا پاک صاف ہونا۔

(۴) کعبہ کی سمت (قبلہ رو) ہونا۔

(۵) مرد کے لئے ناف سے گھٹنوں تک بدن کو کپڑے سے ڈھانکنا اور عورت کے لئے سر سے پاؤں تک مستور (ڈھکا) رہنا۔

(۶) نماز کے لئے نیت کرنا یعنی زبان سے نیت کے کلمات ادا کرنا۔

(۷) نماز کا وقت ہونا۔ اوقات مقررہ پر نماز ادا کرنے کی تاکید قرآن وحدیث میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ بیشک نماز کا وقتِ مقررہ پر ادا کرنا مومنوں پر فرض ہے (نساء: ۴:۱۰۳) مختلف نمازوں کے اوقات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الہامی ہدایات کے تحت مقرر فرمائے ہیں۔ اس لئے ان مقررہ اوقات ہی میں نماز ادا کرنی چاہیئے۔

فرض نمازوں کے ابتدائی اور انتہائی اوقات یہ ہیں اور ہر نماز انہی اوقات کے درمیان ادا کرنی چاہیئے۔

(۱) نمازِ فجر: صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک بطورِ احتیاط انتہائی وقت سے کچھ پہلے تک

(۲) نمازِ ظہر: زوالِ آفتاب سے سہ پہر کے اس حصۂ وقت تک جب سایہ دوگنا ہو جائے

(۳) نمازِ عصر: ظہر کے انتہائے وقت کے بعد سے غروبِ آفتاب سے (کچھ پہلے) تک۔

(۴) نمازِ مغرب: غروبِ آفتاب کے بعد اور شفق کے غائب ہونے تک۔

(۵) نمازِ عشاء: رات کی ابتدائی تاریکی سے صبح صادق تک۔

یہ فرض نمازوں کے اوقات ہیں۔ نفل نمازیں دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں جب چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ البتہ اتنی احتیاط لازم ہے کہ عین طلوعِ آفتاب، نصف النہار اور غروب آفتاب کے لمحات میں نماز نہ پڑھی جائے۔ یہ اوقات مکروہ ہیں۔ وضو، غسل اور تیمم کے متعلق شریعت کے احکام کی بنیادی خصوصیت یہ

Marfat.com

ہے کہ مسلمان کا جسم، لباس اور جائے عبادت پاک صاف رہیں۔ صرف اسی اصول پر عمل کر کے ہی روح کی پاکیزگی اور تازگی حاصل ہو سکتی ہے جو تمام عبادت و ریاضت کا مقصد اور مدعا ہے۔ قرآن کریم میں بھی بیشتر مقامات پر پاکیزگیٔ نفس و روح کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: کہ بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا (اعلیٰ: ۱۴۔۱۵) اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور ناپاکی سے دور رہو (مدثر: ۴۔۵) خدا توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے (بقرہ: ۲۲۲) مومنو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو جب تک ان الفاظ کو جو منہ سے کہو، سمجھنے نہ لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ۔ (نوٹ: یہ آیت حرمتِ شراب سے پہلے کی ہے) اور جنابت کی حالت میں بھی نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک غسل نہ کر لو۔ ہاں اگر بحالتِ سفر رستہ چلے جا رہے ہو اور پانی نہ ملنے کے سبب غسل نہ کر سکو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہمبستر ہوئے ہو اور تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھ کا مسح کر کے تیمم کر لو۔ بے شک خدا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے (نساء: ۴۳) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے تئیں مزین کر لیا کرو یعنی اپنے جسم اور اپنی روح کو جِلا بخشنے اور صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام کرو (اعراف ۳۱) مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو، اور سر کا مسح کر لیا کرو، اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو۔ اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو نہا کر پاک ہو جایا کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور اس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح یعنی تیمم کر لو۔ خدا تم پر کسی طرح تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو (مائدہ ۶)

Marfat.com

موخر الذکر آیت کا اول حصہ "وضو" سے متعلق ہے جو ہر نماز کے لئے لازمی ہے۔ دوسرا حصہ تیمم کے بارے میں ہے جس کی خصوصی اور استثنائی حالات ہی میں اجازت ہے۔ وضو اور تیمم (جہاں پانی دستیاب نہ ہو یا پانی کا استعمال ضرر کا سبب بن سکتا ہو) ان میں کسی ایک کے بغیر نماز صحیح طور ادا نہیں ہوتی وضو اور تیمم دراصل پاکیزگی کے لئے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اَلطَّھَارَۃُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ (مسلم) یعنی پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ بغیر جسم و روح کی پاکیزگی کے نماز قابلِ قبول نہیں۔ پاکیزگی خیرات اور زکوٰۃ کے لئے بھی ضروری ہے۔ کسی قسم کی بھی مالی قربانی اور ایثار اسی وقت بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوتی ہے جب اس سلسلہ میں خرچ کی جانے والی رقم بھی حلال اور جائز کمائی سے ہو (مسلم) وضو کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب کوئی مسلمان اس اہتمام اور احتیاط کے ساتھ وضو کرتا ہے کہ کوئی حصۂ وضو باقی نہیں رہتا تو اس کے تمام گناہ اس کے جسم سے دور کر دیئے جاتے ہیں (یعنی گناہ دُھل جاتے ہیں) یہاں تک اگر بالفرض اُس کا گناہ ناخن کے گوشت کے نیچے تک ہے تو اُسے بھی نکال دیا جاتا ہے (مسلم)

۱۱۔ مستثنیات

ہر مسلمان مرد و عورت عاقل اور بالغ پر پانچوں وقت کی نماز فرض ہے۔ بالغ و عاقل سے مراد یہ ہے کہ اس کی عمر ۱۵ سال سے زاید ہو اور اس کی عقل میں فتور نہ ہو یعنی وہ باشعور ہو۔ البتہ عورتوں کو ہر قسم کی نماز کی ادائیگی سے اُن کے مخصوص دنوں میں جب وہ پاک صاف نہ ہوں یعنی حیض و نفاس کی حالت میں مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اس کو نجاست کہا گیا ہے (البقرہ: ۲۲۲) اور اس حالت میں نماز ممنوع ہے (النساء: ۴۳) اس کے علاوہ کچھ اور مستثنیات ہیں جن کا اطلاق مرد و عورت دونوں پر یکساں ہوتا ہے۔ یہ نماز سفر، جنگ اور

Marfat.com

خوف کی حالت میں پیش آنے والے واقعات سے متعلق ہیں، یہاں مُستثنیات سے مُراد مطلق ترک کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ عورتوں کے لئے اُن کے مخصوص دنوں میں ہے بلکہ یہ وہ نمازیں ہیں جن میں وقت کے تقاضوں کے باعث آسانی اور کمی کی اجازت ہے، مثلاً سفر کے دوران یعنی جب تک مسلمان حالتِ سفر میں رہے اس کے لئے یہ آسانی ہے کہ وہ فرض نماز ۴ رکعتوں کی بجائے ۲ رکعت ادا کرے دینی اصطلاح میں اس کو ''قصر'' کا نام دیا گیا ہے (بخاری ۸ : ۱؛ مسلم، کتاب ۶؛ ابی داؤد ۴ : ۱) قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم نماز کو کم کر کے پڑھو بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر لوگ تم کو ایذا دیں گے بیشک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں (النساء : ۱۰۱) دورانِ جنگ جب اسلامی فوجیں دشمن سے برسرِ پیکار ہوں یا دشمن کے حملہ کا خطرہ ہو تو ایسی حالت میں نماز کے لئے خصوصی رعایت دی گئی ہے۔ قرآن کریم میں اس کی صراحت کی گئی ہے کہ اے پیغمبر جب تم ان مجاہدین کے لشکر میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو چاہیئے کہ اُن کی ایک جماعت تمہارے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے۔ جب وہ سجدہ کر چکے تو پرے ہو جائے پھر دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی اُس کی جگہ آئے اور ہوشیار اور مسلح ہو کر تمہارے ساتھ نماز ادا کرے۔ کافر اِس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ تاکہ تم پر یکبارگی اچانک حملہ کر دیں پھر جب خوف جاتا رہے تو اُسی طرح نماز پڑھو جس طرح امن کی حالت میں پڑھتے ہو (النساء : ۱۰۲ اور ۱۰۳)۔

نمازِ خوف یا حالتِ خوف کی نماز بھی اسی مستثنیات میں شامل ہے چنانچہ حکم ہے کہ اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار جس حال میں ہو نماز پڑھ لو۔ پھر جب امن و اطمینان ہو جائے تو جس طریق سے خدا نے تم کو سکھایا ہے خدا کو یاد کرو۔ (البقرہ : ۲۳۹)

نماز ہر حالت میں فرض ہے اگرچہ وقت اور ضرورت کے تحت اس میں کچھ رعایت

Marfat.com

بھی دی گئی ہے۔ بیماری، ناتوانی یا کسی مجبوری کی حالت میں بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز ادا کرنے کی اجازت ہے۔ انتہائی مجبوری یا ناتوانی میں محض اشارہ سے بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ نماز یادِ الٰہی اور شکرانۂ نعمت کا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز اہتمام والتزام کے ساتھ ادا کرنے کے احکام کے ساتھ رعایت اور نرمی بھی دی گئی ہے تاکہ بندہ شب و روز کے کسی لمحہ میں بھی اللہ کی یاد اور جذبۂ تشکر سے غافل نہ رہے۔

۱۲- نماز باجماعت

یوں تو نماز انفرادی طور پر کسی جگہ بھی جو پاک اور صاف ہو، ادا کی جا سکتی ہے مگر فضیلت اسی میں ہے کہ سوائے حالتِ مجبوری جیسے بیماری، خوف، جنگ یا سفر دوسرے اہلِ ایمان کے ساتھ مل کر نماز باجماعت مسجد میں ادا کی جائے اگر مسجد نہ ہو تو کسی بھی پاک صاف ستھری کشادہ جگہ پر نماز باجماعت ادا کی جا سکتی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ یعنی خدا کے آگے جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو (بقرہ: ۴۳)

احادیث میں نماز باجماعت کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ باجماعت نماز تنہا نماز کے مقابلہ میں ستائیس گنا افضل ہے (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی) دوسری حدیث میں ہے کہ اگر کوئی مسلمان اذان سن کر مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت نماز کی بجائے بلا عذر گھر میں نماز پڑھے تو وہ نماز مقبول نہیں ہوگی (ابوداؤد، ابن حبان، ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ، دارقطنی) ایک اور حدیث میں ہے کہ نماز کی اذان سن کر مسجد میں باجماعت نماز کے لئے نہ جانا۔ ظلم، ایمان کی نفی (عدم ایمان) اور نفاق کی علامت ہے (احمد اور طبرانی) مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث اس طرح بیان کی گئی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ

Marfat.com

چند نوجوانوں کی مدد سے لکڑیاں جمع کروں اور جو لوگ بلا عذر (یا محض سُستی اور کاہلی کی بنا پر) مسجد میں جانے کی بجائے اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کو پسند کرتے ہیں اُن کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ احمد، ابوداؤد اور نسائی کی ایک حدیث میں اس طرح ارشاد ہے کہ کسی دیہات یا جنگل میں اگر تین آدمی بھی ہیں اور وہ جماعت کے ساتھ نماز نہیں ادا کرتے تو اُن لوگوں پر شیطان غالب آجاتا ہے کیونکہ ایک بھیڑیا اکیلی بکری کو مار ڈالتا ہے۔

۱۳۔ مسجد

مسجد کے لغوی معنی سجدہ گاہ یا سجدہ کی جگہ ہے۔ مگر عرف عام میں مسجد اس عبادت گاہ کو کہتے ہیں جس میں نماز، بالخصوص نماز با جماعت پنجگانہ ادا کی جاتی ہے۔ ہر مسجد میں ایک امام ہوتا ہے جو امامت کے فرائض انجام دیتا ہے یعنی نماز با جماعت کی قیادت کرتا ہے اور وہاں حاضر مسلمان (مقتدی) اس کے پیچھے اور اس کی معیت میں فرض نماز ادا کرتے ہیں۔ مسجد میں ایک مؤذن بھی مقرر کیا جاتا ہے جو پنجوقتہ نماز کے لئے وقتِ مقررہ پر بلند آواز سے کسی اونچی جگہ کھڑا ہو کر اذان دیتا ہے تاکہ مسلمان نماز کے لئے مسجد میں جمع ہوں۔ مسجد میں قبلہ رُو دیوار کے عین درمیانی حصہ میں ایک محراب نما حصہ باہر کی جانب نکلا ہوا تعمیر کیا جاتا ہے جس میں کھڑے ہو کر امام باجماعت نماز کی امامت (قیادت) کرتا ہے۔ اسی محراب سے ملحق جانب شمال کم سے کم تین زینوں کا ایک منبر ہوتا ہے جس پر کھڑے ہو کر امام جمعہ اور عیدین کی نمازیں شریک ہونے والوں سے خطاب کرتا ہے۔ اس خطاب کو "خطبہ" کہتے ہیں جو عموماً عربی زبان میں ایک خاص طرز اور موضوع بیان پر مشتمل ہوتا ہے اور جس میں قرآن و حدیث کے حوالے سے مسلمانوں کو اسلامی شعار اپنانے اور اللہ اور رسولؐ کے بتلائے ہوئے احکام پر چلنے کی تلقین کی جاتی ہے۔

Marfat.com

مسجد بالعموم ایک مستطیل عمارت ہوتی ہے جس کی چہار دیواری میں ایک وسیع کمرہ (ہال) ہوتا ہے جس میں امام کے پیچھے صف بندی کر کے (مقررہ فاصلہ پہ قطاروں کی صورت میں ایستادہ) مسلمان نماز ادا کرتے ہیں۔ دو یا دو سے زیادہ قطاریں یا صفیں متوازی ہوتی ہیں اور اُن کے درمیان مساوی فاصلہ ہوتا ہے تاکہ نظم وضبط برقرار رہے۔ عموماً صف بندی کی نشاندہی کے لئے فرشِ مسجد پر مخصوص طرز کی دریاں یا قالین استعمال کی جاتی ہیں جن کی ترتیب و تزئین میں صف آرائی کے اصول کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ ایک طرح سے قالین اور دریاں صف بندی کے علاوہ صفوں کے درمیان فاصلہ کا نشان بھی ہوتی ہیں جن پہ مسلمان منظم اور صف بند ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔ انہیں عرفِ عام میں "صف" کہا جاتا ہے۔

مسجد، متبرک اور مقدس جگہ ہے۔ بطورِ احترام مسجد کو "اللہ کا گھر" کہتے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ مسجدیں خاص خدا کی ہیں تو خدا کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ (جن: ۱۸) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد کی حدود میں کیا جانے والا ہر کام (گفتار و کردار) اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام و حدود سے تجاوز نہ کرے۔ مسجد میں اللہ کا نور جلوہ فشاں ہوتا ہے۔ ارشادِ قرآنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نور کی قندیل ان گھروں (مسجدوں) میں ہے جن کے بارے میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور وہاں خدا کے نام کا ذکر کیا جائے اور ان میں صبح و شام اُس کی تسبیح کرتے رہیں (نور، ۳۶) حضور نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین جگہ مسجد ہے۔ اور سب سے ناپسندیدہ جگہ بازار ہے (مسلم) یعنی جب وہ ایسی جگہ بن جائے جہاں ایمان و دیانت کے خلاف سودے طے کئے جائیں اور اللہ کے بندوں کے ساتھ دھوکا اور فریب سے کام لے کر ناجائز منافع حاصل کیا جائے۔

قرآنِ کریم نے ایسے لوگوں کو جو دوسروں کو مسجدوں میں جانے سے روکتے

Marfat.com

ہیں، ظالم قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو خدا کی مسجدوں میں خدا کے نام کا ذکر کئے جانے کو منع کرے اور اُن کی ویرانی میں سعی کرے، ان لوگوں کو کچھ حق نہیں کہ مسجدوں میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے (کیونکہ) اُن کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب (البقرہ: ۱۱۴) کافروں اور بُت پرستوں کو مسجد میں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے، فرمان الٰہی ہے کہ مشرکوں کو زیبا نہیں کہ خدا کی مسجدوں کو آباد کریں جب کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔ خدا کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں (توبہ: ۱۷-۱۸)

مسجد مقدس و پاک جگہ اور اللہ کا گھر ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مسجد میں پاک صاف ہو کر اور احترام و عقیدت کے ساتھ داخل ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ (اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور مسجد سے باہر آتے وقت یہ دعا پڑھو۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ، (اے اللہ تیرے فضل کا خواستگار ہوں) حضورؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مسجد میں نماز کی نیت سے داخل ہو کر اور وضو کر کے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نفل صَلٰوۃُ الْمَسْجِدِ پڑھا کرو۔ مسجد کا احترام ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اسی لئے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کچی پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں جانے سے منع فرمایا ہے تاکہ اُن کی بُو دوسروں کو ناگوار نہ گذرے۔

۱۴۔ اذان

اذان، مستحب کلمات پر مشتمل ندا یا دعوتِ نماز ہے جو ہر پانچوں فرض نمازوں کے وقت مسلمانوں کو مسجد میں آنے کے لئے دی جاتی ہے۔ موذن (اذان دینے والا) مسجد کے ایک بلند مینار سے کھڑے ہو کر اور اپنا رُخ قبلہ کی طرف کر کے بلند آواز

Marfat.com

ہے اور ٹھہر ٹھہر کر اذان کے کلمات دہراتا ہے تاکہ اذان سن کر مسلمان مسجد میں آئیں اور نماز باجماعت ادا کریں۔ اسی لئے اذان عموماً نماز باجماعت شروع ہونے سے کم و بیش آدھ گھنٹہ پیشتر دی جاتی ہے (سوائے نماز مغرب کے جب کہ نماز کا مقررہ وقفہ کم ہوتا ہے) اذان کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ ارشاد ہے کہ جب تم لوگ نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو کافر و مشرک اسے ہنسی اور کھیل بناتے ہیں۔ (مائدہ: ۵۸) مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو خدا کی یاد یعنی نماز کے لئے جلدی کرو (جمعہ: ۹) اس سے واضح ہوتا ہے کہ نماز کے لئے اذان کو بھی فرض کا درجہ حاصل ہے۔ اذان کے کلمات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابیؓ حضرت ابی مخذورہؓ کو سکھائے اور یاد کرائے تھے چنانچہ آج تک ہر مؤذن اذان کے یہی کلمات ہر فرض نماز کے لئے دہراتا ہے۔ اذان کے کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

ترجمہ:۔ اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز کے لئے آؤ۔ نماز کے لئے آؤ۔ فلاح کے لئے آؤ۔ فلاح کے لئے آؤ۔ اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ایک روایت کے مطابق جس کے راوی ایک صحابی حضرتِ مالکؓ ہیں، ایک صبح

Marfat.com

نماز فجر کی اذان کے بعد مؤذن امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر المومنین اس وقت نیند سے بیدار نہیں ہوئے تھے۔ مؤذن نے احترام و عقیدت کے ساتھ حضرت عمرؓ کو نیند سے بیدار کرنے کی نیت سے یہ الفاظ دہرائے اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (نماز نیند سے بہتر ہے) خلیفۃ المسلمین کو یہ الفاظ بہت پسند آئے۔ آپ نے انھیں فجر کی نماز کے لئے اذان میں شامل کرنے کا حکم فرمایا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ موطا)

۱۵۔ نوافل

ابتک ہم پنجوقتہ فرض نمازوں کے بارے میں گفتگو کرتے رہے ہیں جو ہر مسلمان مرد عورت بالغ اور عاقل کے لئے لازمی ہیں۔ ان نمازوں کے اوقات بھی مقرر ہیں جو صبح صادق سے رات کے ابتدائی حصہ تک مقررہ وقفوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن اہلِ ایمان میں اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت و عقیدت میں سرشار ایسے بندے بھی ہیں جو عبادت اور یادِ الٰہی میں محو ہو کر ایک خاص روحانی لذت و شادمانی سے ہمکنار رہنا حاصلِ زندگی سمجھتے ہیں۔ پنجوقتہ نمازوں کو خشوع و خضوع سے ادا کرنے کے بعد بھی اُن کے قلوب میں عبادت کی تشنگی باقی رہ جاتی ہے۔ چنانچہ ایسے متقی اور پرہیزگار مسلمان دیگر زاید نمازیں (نوافل) بھی اسی ذوق و شوق سے ادا کرتے ہیں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ یادِ حق میں مصروف رہیں۔ قرآنِ کریم سے ان نوافل کے حق میں شہادت موجود ہے ارشاد ہے کہ جب تم فارغ ہو جاؤ تو عبادت میں محنت کیا کرو اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جایا کرو (انشراح ۷، ۸) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن نفل نمازوں کو پسند فرماتے تھے اور اہلِ ایمان کو ترغیب دیتے تھے کہ وہ بھی ان کی ادائیگی کا التزام کریں۔ ان میں اشراق، چاشت، صلوٰۃ الاوابین اور نمازِ تہجد بہت معروف ہیں۔ یہ نوافل ان اوقات میں پڑھے جاتے ہیں، نمازِ اشراق، طلوعِ آفتا

Marfat.com

سے تقریباً ۲۰ منٹ بعد شروع ہوکر افقِ مشرق پر آفتاب کے کافی بلند ہونے تک (یعنی کم وبیش ایک گھنٹہ) اس کے بعد نصف النہار سے کچھ پہلے تک چاشت کا وقت ہوتا ہے۔ صلوٰۃ الاوابین، نمازِ مغرب کے فوراً بعد شروع ہوتی ہے۔ تہجد کا وقت نصف شب کے بعد سے صبحِ صادق تک ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نمازِ فجر باجماعت پڑھ کر مسجد میں ٹھہر کر (جو تلاوت وتسبیح کا نہایت مناسب وقت ہے) اور نمازِ اشراق سے فارغ ہوکر گھر واپس ہونا بہت زیادہ ثواب کا کام ہے۔ اس سے دونوں جہان کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ حضرت داؤدؑ بھی نمازِ اشراق پڑھا کرتے تھے۔ تھے۔ (ص: ۱۸)

نمازِ تہجد کی تعریف وتوصیف قرآنِ کریم میں بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اے نبی بعض حصۂ شب میں بیدار ہوا کرو اور تہجد کی نماز پڑھا کرو۔ یہ شب خیزی تمھارے لئے سببِ زیادتِ (فیض وبرکت) ہے۔ قریب ہے کہ خدا تم کو مقامِ محمود میں داخل کرے (بنی اسرائیل: ۷۹) اہلِ ایمان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں (وہ نیند میں غافل اور مدہوش نہیں رہتے) اور وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں (سجدہ: ۱۶) کچھ شک نہیں کہ رات کا اُٹھنا نفسِ بہیمی کو سخت پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے۔ (مُزمّل ۶۱)

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح وتحمید کے لئے رات کو اٹھنا (شب بیداری) فیوض وبرکات کا سرچشمہ ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ رات کو بڑی رات (یعنی زیادہ حصہ) تک خدا کے آگے سجدہ کرو اور اس کی پاکی بیان کرتے رہو (دہر: ۲۶) قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق اللہ کے مقبول وبرگزیدہ بندے وہی ہیں جو راتوں کو اٹھ کر اپنے رب کے حضور عجز وانکساری کے ساتھ اور جذبۂ نیازمندی اور شکرگذاری سے سرشار ہوکر اس کی بارگاہ میں سرِ نیاز جھکاتے ہیں (فرقان: ۶۴)

Marfat.com

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ رات کا زیادہ حصّہ شب بیداری اور ذکرِ الٰہی میں صرف کرتے تھے۔ قرآنِ کریم نے اُن کے اوصاف تفصیل سے بیان کئے ہیں، ارشاد ہے کہ تمھارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم اور تمھارے ساتھ کے لوگ کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات قیام کیا کرتے ہو۔ اور خدا تو رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے۔ اُس نے معلوم کیا کہ تم اس کو نباہ نہ سکو گے تو اُس نے تم پر مہربانی کی۔ پس جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا قرآن پڑھ لیا کرو۔ اُس کو معلوم ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوتے ہیں اور بعض خدا کے فضل یعنی معاش کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں اور بعض خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا پڑھ لیا کرو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور خدا کو نیک اور خلوص نیت سے قرض دیتے رہو اور جو عمل نیک تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اُس کو خدا کے ہاں بہتر اور صلہ میں بزرگ پاؤ گے۔ اور خدا سے بخشش مانگتے رہو۔ بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے (مزمّل ۲۰۱)

۱۶- نماز کے اثرات (وفوائد)

نماز اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے اظہار کا ایک بہترین اور جداگانہ طرزِ عمل ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انقلابی تبدیلی پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ قرآنِ پاک کا ارشاد ہے کہ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت: ۴۵) یعنی بیشک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے دور رکھتی ہے۔ اِس آیت میں لفظ "فَحْشَاءَ" میں اخلاق و کردار کی تمام برائیاں شامل ہیں اور لفظ "مُنْكَر" کفر و شرک کے تمام اعمال پر محیط ہے۔ یہی دونوں چیزیں یعنی بداخلاقی اور بے دینی درحقیقت تاریخِ انسانی میں تمام برائیوں کا سبب رہی ہے۔

جیسے ہی انسان یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں آزاد و خود

Marfat.com

مختار ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی تکمیل کے لئے بلا روک ٹوک تمام ناجائز ہتھکنڈے استعمال کر سکتا ہے اور کوئی اُس سے باز پُرس کرنے والا نہیں ہے تو تہذیب اور اخلاق کی بنیاد منہدم ہو کر رہ جاتی ہے اور انسان وحشیوں اور درندوں کا رویہ اختیار کر لیتا ہے چنانچہ معلوم ہوا کہ مذہب اور اخلاق لازم ملزوم ہیں ایک کے بغیر دوسرے کا تصور ممکن نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا خوف ہی اخلاقیات کا سرچشمہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق بداخلاقیوں سے بچنے اور معاشرہ کی فلاح کو حاصل کرنے کا واحد اور موثر ترین ذریعہ صرف نماز ہے۔

اب ہم ذیل میں اُن چند اخلاقی اور معاشرتی اوصاف کا ذکر کرتے ہیں جو نماز کا ثمرہ بن کر انسانی معاشرہ میں فلاح و خیر کا سرچشمہ بنتے ہیں۔

(الف) پاکیزگی (تقویٰ، تزکیۂ نفس)

نماز انسان میں پاکیزگی اور طہارت کا جذبہ پیدا کرتی ہے جس کا تعلق محض جسم اور لباس کی طہارت ہی سے نہیں بلکہ اس میں قلب و روح کی جِلا اور پاکیزگی بھی شامل ہے۔ ایک پابندِ صلوٰۃ مومن کے لئے لازم ہے کہ اس کا جسم اور لباس ہر قسم کی آلائش اور نجاست سے پاک ہو جس کا بہترین ذریعہ باوضو رہنا ہے۔ یعنی مسنون طریقہ پر ہاتھ، منہ، ناک، چہرہ اور پیر تازہ پانی سے دھونا جس طرح نماز ایمان کی کنجی ہے، اس طرح وضو نماز کی کنجی ہے۔ وضو کے بعد جب مسلمان اپنے دوسرے دینی بھائیوں کے صف میں بلا کسی امتیاز کے نماز کے لئے شریک ہوتا ہے۔ تو اس کا تصور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف لگا رہتا ہے۔ نظریں مقامِ سجدہ پر مرکوز جسم ایستادہ، اور ہاتھ پیر حکم کے مطابق رکھے ہوئے، اُسے نظر اُٹھانے اور ادھر اُدھر دیکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اس طرح نماز کے ذریعہ جسمانی ارکان میں۔ ایک بہترین قسم کی شائستگی اور ضبط و نظم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ نماز کا باطنی اور

Marfat.com

روحانی فیض یہ ہے کہ دل میں خدا کی وحدانیت کا تصور اور زبان پر حمد و ثنا اور آیاتِ قرآنی کے ساتھ مخصوص تسبیح و تحمید کے کلمات جاری رہتے ہیں۔ ان کے توسط سے وہ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی کے ساتھ رشد و ہدایت کی دعا بھی کرتا ہے۔ دنیاوی کاموں میں مصروف رہنے کے باوجود ایک مومن کی توجہ دعوتِ صلوٰۃ پر مرکوز رہتی ہے۔ جوں ہی اس کے کان میں اذان کے کلمات گونجتے ہیں وہ کاروبار کو چھوڑ کر اپنے خالق و مولا کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لئے چل پڑتا ہے (سبا ۳۷:۱) یہی ایک بندۂ مومن کا طرّۂ امتیاز ہے۔ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں صبحِ صادق سے رات گئے تک کم از کم پانچ مرتبہ خانۂ خدا میں سرِ نیاز جھکانے اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں بسائے رکھنے سے اس مردِ مومن کا دل اور اس کا جسم و لباس پاکیزگی و طہارت کا عملی نمونہ بن جاتا ہے۔ اس کے صلہ میں اس کو تقویٰ (تزکیۂ نفس) کی بیش بہا دولت ہاتھ آتی ہے۔

(ب) نظم و ضبط (ڈسپلن)

نماز نظم و ضبط کی تعلیم بھی دیتی ہے۔ ایک مومن جو دن میں کم سے کم پانچ مرتبہ مقررہ اوقات میں نماز کے لئے مستعد رہتا ہے۔ وہ یقینی طور پر پابندیٔ وقت اور کردار میں نظم و ضبط کا خوگر بن جاتا ہے۔ یہی خوبیاں اُس کے لئے دنیاوی اُمور میں بھی خیر و برکت کا باعث ہوتی ہیں۔ اُسے اپنے روزمرّہ کے کاموں میں مصروفیت کے باوجود دائیگیٔ نماز کا خیال دامن گیر رہتا ہے۔ اس طرح اس کا کاروبار بھی یادِ الٰہی کے لمحات میں گذارنے کا ذریعہ ہو جاتا ہے اور وہ دینی اور دنیاوی دونوں حیثیت سے اجرِ خداوندی کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس سے قطعِ نظر نماز بذاتِ خود عملی طور پر ڈسپلن کے اظہار کا بہترین نمونہ ہے۔ طبعی لحاظ سے جسم کے مختلف اعضاء کی حرکات جو قیام، رکوع، سجود، اور قاعدہ کی شکل میں ظہور میں آتی ہیں، وہ بقائے صحت کی ضامن ہونے کے ساتھ کردار میں بھی ہم آہنگی اور

Marfat.com

توازن پیدا کرنے میں مدد دیتی ہیں۔

نماز انتہائے نظم وضبط (ڈسپلن) کے عملی اظہار کا نام ہے جس میں روح اور جسم دونوں بیک وقت مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ نماز کے مقررہ اصول و ضوابط سے کوئی فرد خواہ اُس کی معاشرتی یا معاشی حیثیت کچھ بھی ہو، انحراف کی جرأت نہیں کر سکتا۔ باجماعت نمازیں جن میں جمعہ، عیدین اور حج کی نمازیں بھی شامل ہیں اور جن میں اکثر حاضرین کی تعداد سینکڑوں ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں تک جا پہنچتی ہے، صرف ایک امام کی پیروی میں ادا کرنی ہوتی ہیں انسانی تاریخ اپنے کسی دَور میں بھی نظم وضبط اور اخوت ومساوات کا ایسا دلنشین و دلگداز نظارہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسے نماز کا کرشمہ ہی کہہ سکتے ہیں جو انسان کے قلب و ذہن میں ایک عظیم انقلاب برپا کرکے اور اُس کی منتشر قوتوں کو ایک مرکز پر لا کر اُس کو نظم وضبط کا پابند بنا دیتی ہے۔

(ج) شائستگی

نماز شائستگی کے اصول سے آگاہ کرتی ہے۔ اُن تمام لمحات میں جب بندہ نماز میں مشغول رہتا ہے اُس کے دل پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی، مسجد کا احترام اور اہلِ ایمان کے ساتھ حسنِ سلوک کا خیال غالب رہتا ہے۔ ہر مسلمان مسجد میں دوسروں کے ساتھ کھلے دل اور شائستہ کلامی سے پیش آتا ہے۔ وہ کبھی کسی خاص جگہ نماز ادا کرنے پر اصرار نہیں کرتا، خواہ وہ بادشاہ ہو یا عام مسلمان بلکہ نماز کے لئے ہر شخص نہایت آزادی کے ساتھ جس کسی کے پہلو میں جگہ ملے صف بستہ ہو کر نماز ادا کرتا ہے۔

اس کے علاوہ مسجد میں آنے والا ہر شخص پاک ہوتا ہے۔ اس کے جسم اور لباس پر کسی قسم کی غلاظت یا گندگی نہیں ہوتی اور نہ کسی کے دل میں کسی کے متعلق رتبہ میں کمتری یا برتری کا احساس ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد خدا کا گھر ہے۔

Marfat.com

اور یہاں پر آنے والا دوسرے کے برابر ہوتا ہے۔ اس کا پہلا اور آخری مقصد خدا کے حضور عجز و انکساری کے ساتھ نماز ادا کرنا ہوتا ہے اسی لئے یہاں کوئی بھی ذاتی غرض سے نہیں آتا اور نہ ہی کسی کے دل میں کدورت ہوتی ہے۔ بلکہ ہر شخص خداوند تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کا خواستگار اور اُس کے رحم و کرم کا طلبگار ہوتا ہے تاکہ اُس کی دنیا اور عاقبت سنور جائے۔ چنانچہ مسجد میں گالی گلوچ دھمکی اور لڑائی جھگڑے کا گذر نہیں ہوتا اور کوئی شخص فخر بیجا سے دوسروں کو مرعوب نہیں کر سکتا۔ مسجد میں بے مقصد اور زائد از ضرورت گفتگو منع ہے۔ مسجد میں نہ تو کسی کی غیبت روا ہے اور نہ تضحیک و توہین۔ کسی کے خلاف انتقامی کارروائی کرنا یا اس مقصد کے لئے مسجد میں بیٹھ کر منصوبے بنانے کی اجازت نہیں۔ غرضیکہ نماز اور اُس کی خلوصِ دل سے ادائیگی انسان کو خوش اطوار اور شائستہ کردار بنا دیتی ہے۔

(د) صداقت و حق گوئی

نماز انسان کو صداقت اور حق گوئی کا پیکر بنا دیتی ہے۔ نماز میں ایک بندہ اپنے خدا کے حضور نشست و برخاست، رکوع و سجود کے ذریعہ اس یقین و ایمان کا اعلان کرتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی اُس کا معبودِ حقیقی اور مختارِ علی الاطلاق ہے۔ حق و صداقت کا یہ عملی اعلان بجائے خود ان باطل اور طاغوتی قوتوں کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہے جو اپنے پرستاروں کو خالقِ حقیقی سے دُور رکھنے کے لئے بُتوں، سورج، چاند، ستاروں، زمین، زر و مال، حتیٰ کہ جانوروں اور دوسرے انسانوں کے آگے سجدہ ریز ہونے کی ترغیب دیتی ہیں۔

خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان و یقین ہی اصل میں اُس بُنیادی حقیقت و صداقت کو تسلیم کرنے کی علامت ہے جو کائنات میں جاری و ساری ہے اور جسے شیطان اور دوسری طاغوتی قوتوں کے پرستاروں نے ہمیشہ جھٹلانے کی کوشش

Marfat.com

کی ہے. حق گوئی کا تقاضا ہے کہ اس صداقت کو خلوصِ نیت سے قبول کیا جا
اور اپنے ذاتی نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر اُس کا برملا اعلان بھی کیا جائے خو
حالات کتنے ہی ناساز گار ہوں۔

جب ایک مردِ مومن دن رات میں کم از کم پانچ مرتبہ خدا کے حضور پیش
ہوتا ہے تو وہ ہر مرتبہ اپنے اس ایمان و یقین کی تجدید و توثیق کرتا ہے کہ و
اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے. وہی اُس کا رب اور سارے جہان کا خالق ہے وہی مالک
اور رازق ہے. اُسی کے قبضۂ قدرت میں موت و حیات ہے. وہ ساری کائنات
کا حاکمِ اعلیٰ اور لاشریک ہے، وہ ہر ذرۂ عالم پر تصرف و اختیار رکھتا ہے، وہ
اپنی مرضی کا مالک ہے اور اپنی منشاء و مشیت سے جس کو جو چاہے عطا کر دے
کسی کو اس کی مرضی اور اس کے ارادہ میں مداخلت کا ذرہ برابر اختیار نہیں، وہ
اگر کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی جس کے
دستِ قدرت میں زمین و آسمان کے خزانے ہیں۔ اور اُس کے روبرو ہر ذی روح
(یعنی انسان) کو فیصلہ کے دن (یعنی قیامت میں) اپنے عمل کا حساب دینا ہوگا اُسی
کی ہم عبادت کرتے ہیں اور اُسی سے ہم اعانت و امداد کی التجا کرتے ہیں۔ یہ ہیں وہ
پاکیزہ خیالات و جذبات اور یہی وہ صداقت و حقیقت پر مبنی، دل و دماغ اور
جان و جسم کو تقویت و استحکام پہنچانے والے کلماتِ حکمت و آگہی ہیں جو ہر مسلمان
پابندِ صلوٰۃ ہر نماز کے دوران (بلکہ ہر لمحہ) دُہراتا ہے اور اُس کی سچائی و لطافت میں
اس قدر کھو جاتا ہے کہ اپنے ذاتی، اور دنیاوی نفع و نقصان کا تو ذکر ہی کیا وہ خود
اپنی ہستی اور وجود کو بھی فراموش کر دیتا ہے. جب حق گوئی و صداقت پر یقین
و ایمان اتنا پختہ ہو جاتا ہے تو مردِ مومن کو ہر طرف صداقت اور راست روی کی
جلوہ سامانی پھیلی نظر آنے لگتی ہے اور کذب و بطلان کا وجود باقی نہیں رہتا۔
قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جو اللہ کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں وہی نماز کی پابندی
کرتے ہیں (انعام: ۹۳) وہی متقی ہیں (بقرہ: ۲) اور انہیں کسی قسم کا حزن و ملال

Marfat.com

نہیں ہوتا اور وہی دنیا و آخرت میں فلاح و کامرانی پانیوالے ہیں (آلِ عمران ۲۷۷)

(۸) ہمّت و جرأت

ادائے صلوٰۃ سے قلبِ مومن میں جرأت و ہمت کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ اس سے حاصل شدہ روحانی توانائی تمام بدی کی قوتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتی ہے خواہ اُس کے مدِمقابل دنیاوی طمع، خواہشِ زر اور مادی نقصانات سے پیدا ہونے والے اندوہ وغم کی یلغار ہی کیوں نہ ہو۔ شیطانی ترغیبات، زر وسیم کی جھنکار، شراب وکباب کی خرمستی اور حسن وشباب کی فتنہ سامانیوں کی جھلک دکھا کر عیش و نشاط کی طرف بلاتی ہیں مگر نماز کی برکت سے ان شیطانی وسوسوں اور سراب نما لذت و کامرانی کا قلبِ مومن پر مطلق اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ان سب سے بچ کر اپنے خالق و رازق کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوکر خلوص و عقیدت سے اس کی حمد و ثنا کرتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ایسے مومن حق شناس کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے۔ یہی وہ اہل ایمان ہیں جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ اُس دن سے جب دل خوف اور گھبراہٹ کے سبب اُلٹ جائیں گے اور آنکھیں اوپر چڑھ جائیں گی ڈرتے ہیں (نور: ۳۷) لوگوں کو ان کی خواہش کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی، بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں مگر یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور خدا کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے (آلِ عمران: ۱۴) جو لوگ کافر ہیں، اگر اُن کے پاس روئے زمین کے تمام خزانے اور اس کا بہت مال و متاع اور اُس کے ساتھ اُسی قدر اور بھی ہو، تاکہ قیامت کے دن عذاب سے رستگاری حاصل کرنے کا بدلہ دیں تو اُن سے قبول نہیں کیا جائیگا (مگر اہلِ ایمان اس غم و اندوہ سے محفوظ رہیں گے (مائدہ: ۳۶)

یہ بلاشبہ بڑی جرأتِ ایمانی کا عملی مظاہرہ ہے کہ جب مینارۂ مسجد سے

Marfat.com

فلاح وصلوٰۃ کی آواز بلند ہو تو مردِ مومن دنیاوی کاروبار اور منفعت و مسرّت کے تمام سازوسامان کو پسِ پشت ڈال کر، لبیک کہتا ہوا بارگاہِ ایزدی میں سرِ عبودیت خم کرنے کے لئے حاضر ہو جائے۔ لہو ولعب، لذّتِ کام ودہن اور حصولِ زر کی خواہشات کو خیرباد کہتے ہوئے نماز کے لئے آنا یقیناً علوئے ہمّت کی دلیل ہے۔

بلاشبہ یہ بڑی جرأت کی بات ہے کہ اس حالت میں بھی نماز ادا کی جائے جب دشمن ادائے صلوٰۃ سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ کبھی اُس کے گرد جمع ہو کر اُس کا راستہ روکے۔ کبھی شور وغل کے ساتھ تالی اور سیٹی بجا کر اور کبھی راہ میں رکاوٹ اور گندگی ڈال کر اُسے مجبور کرے کہ وہ مسجد کی طرف نہ آئے جیساکہ دشمنانِ دین یعنی کفارِ مکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ اوائل اسلام کی مکی زندگی میں کیا کرتے تھے۔

(و) ایثار وقربانی

ایثار وقربانی کا سبق بھی نماز ہی سے ملتا ہے۔ یہ جذبۂ ایثار وقربانی کی ہی دلیل ہے کہ نماز کا ایک شیدائی مینارۂ مسجد سے صلوٰۃ وفلاح کی صدا سُن کر تمام دنیاوی ترغیبات زر ومال اور ذاتی آرام وآرائش کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھکر پابندیٔ وقت کے ساتھ دن رات میں کم سے کم پانچ مرتبہ خدائے قدوس کی بارگاہ میں خوش دلی کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔ اس دنیاوی تگ ودَو کے کاروبار میں کتنی مصروفیات اور ضروریات ہیں، لین دین کے تقاضے ہیں جن میں لاکھوں کے نفع ونقصان کا مسئلہ درپیش رہتا ہے، خانگی اُمور اور مشاغل، اور معاشرتی مطالبے مثلاً شادی، موت، بیماری یا دیگر رسومات جن میں شرکت لازمی ہوتی ہے مگر یہ تمام تقاضے بلکہ مجبوریاں بھی ایک مردِ مومن کو ادائے صلوٰۃ کی نیت سے خانۂ خدا میں حاضر ہونے سے نہیں روک سکتیں۔ ایثار وقربانیؔ کا صحیح مفہوم اس کے دل پر یہ حقیقت واضح کر دیتا ہے کہ عیش وراحت کے تمام مادّی ذرائع فانی ہیں اور ایک

Marfat.com

دن اُن کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ مگر ادائے صلوٰۃ اور اس سے حاصل ہونے والی روحانی برکتیں اور راحتیں دائمی ہیں اور ان کا سلسلہ حیات بعد موت (یعنی آخرت) تک جاری رہتا ہے۔ دنیاوی تقاضوں کے لئے درکار اوقات کی قربانی، مادّی عیش وراحت کا ایثار، زر ومال کی دنیا میں نفع ونقصان سے بے نیازی اور اس پر استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی مشق جو خصوصی طور پر پابندیٔ صلوٰۃ ہی سے ممکن ہے، ایک مردِ حق پرست کو ایثار وقربانی کے اُس اعلیٰ مقام تک پہنچا دیتی ہے جہاں وہ راہِ حق میں ہر شئے حتیٰ کہ جانِ عزیز تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ جہاد فی سبیل اللہ میں جان کی بازی لگانے کا جذبہ اور پرچمِ حق کو ہر قیمت پر بلند رکھنے کا عزم اسی ایثار وقربانی پر پختہ یقین کا صلہ ہے جس کے سامنے دنیا اور دنیا کی ہر چیز حتیٰ کہ دنیاوی زندگی اور موت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

(ز) سماجی یا معاشرتی شعور

نماز انسان میں معاشرتی شعور کو بیدار اور اجاگر کرتی ہے۔ نماز کے لئے مسجدوں میں دن رات میں کم سے کم پانچ مرتبہ اکٹھا ہونے اور آپس میں بلا تفریق وامتیاز ملنے جلنے سے مسلمانوں میں صحت مند معاشرتی شعور پیدا ہوتا ہے۔ یہ ملاقاتیں بار بار ہوتی رہتی ہیں اور نئے شامل ہونے والے بھی ان میں گھل مل جاتے ہیں اور ان میں آپس میں بھائی چارہ اور باہمی تعاون وہمدردی کا عملی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ جب کسی مسلمان کی میت نمازِ جنازہ کے لئے مسجد میں لائی جاتی ہے تو تمام موجود مسلمان بلکہ بعض راہ گیر بھی مرحوم کی مغفرت کے لئے نماز اور دعا میں شریک ہو جاتے ہیں اور نماز کے بعد کچھ دُور میت کو کاندھا دے کر مرحوم کے سوگوار اعزّا کے ساتھ ہمدردی اور غمگساری کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح مسافر اور مصیبت زدہ لوگ بھی مسجد میں آ کر اپنے دینی بھائیوں کے سامنے

Marfat.com

اپنی پریشانیاں بیان کرتے ہیں اور ان کے تعاون سے اپنی ضروریات پورا کرتے ہیں۔ مسجد ہی میں مسلمانوں کے مختلف سیاسی، سماجی، ثقافتی اور دینی معاملات اور مسائل بھی اتفاق رائے اور متحدہ کوششوں سے طے کئے جاتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں بلکہ اس کے بعد بھی کافی عرصہ تک یہی مسجد مسلمانوں کے لئے مذہبی درس گاہ، مملکتِ اسلامی کا سکریٹریٹ (مرکزی دفتر) اور افواجِ اسلام کا ہیڈ کوارٹر بھی ہوا کرتی تھی اور یہاں امن و جنگ کے مسائل نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اور باہمی رضامندی سے طے کئے جاتے تھے۔

چنانچہ اب اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کسی کلام کی گنجائش نہیں رہتی کہ صلوٰۃ (نماز) قلبِ انسانی میں طہارتِ ظاہری کے ساتھ تزکیۂ باطنی، نظم و ضبط، شائستگی، صداقت شعاری، جرأت و ہمت، ایثار و قربانی اور مساوات و اخوت کے پاکیزہ جذبات و احساسات پیدا کرنے اور ان کو جلا بخشنے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ بہت سے ایسے صاحبِ کمال مختلف دَور میں نمودار ہوتے رہے ہیں جن میں نماز کی برکت سے یہ صفات پیدا ہوئیں اور جنہوں نے اپنے نظریات اور اعمال سے انفرادی اور معاشرتی زندگی میں خوش گوار انقلاب پیدا کیا۔ اسلام کی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ وہی بدوی عرب جو اسلام سے قبل وحشت و بربریت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اور جو تہذیب و تمدن سے کوسوں دُور تھے، قبولِ اسلام کے تھوڑے ہی عرصہ میں ایک انتہائی مہذب و شائستہ اور صداقت و دیانت سے بہرہ ور اور ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال قوم میں تبدیل ہو گئے جو نہ صرف اپنی ملکی حدود میں بلکہ دنیا بھر کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوئی۔ اس میں ایسے نامور جلیل القدر اور یگانۂ روزگار افراد نمودار ہوتے جو علم و فن، سائنس اور ٹیکنالوجی طب و حکمت، سرجری (علم جراحی) عمرانیات، فلسفہ، فنونِ لطیفہ، قانون و فقہ کے ساتھ ساتھ سیاست و سیاحت، فنِ سپاہ گری، امورِ سلطنت، مہارتِ حربی

Marfat.com

ضرب میں اپنی مثال آپ تھے۔ انھوں نے علوم و کمالات کے میدان میں ایسے کارنامے انجام دیے جو رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔ انھوں نے مختلف علوم و فنون پر سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ بے شمار موقعوں پر میدانِ جنگ میں شجاعت و بہادری کے کمال دکھائے۔ تحقیق و اختراع، تجارت و سیاحت اور مہم جوئی کے میدان میں نام پیدا کیا اس کے ساتھ عائلی زندگی کے حقوق و فرائض کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اِن تمام ذمہ داریوں کو کمالِ خلوص سے پورا کرنے کے ساتھ ساتھ وہ کبھی یادِ خدا سے غافل نہ رہے۔ اور جب بھی مینارۂ مسجد سے اذاں کی آواز گونجی وہ مستانہ وار بارگاہِ خداوندی میں سربسجود ہونے کے لئے چل پڑے۔ وہ رات کا بیشتر حصہ یادِ الٰہی میں بسر کرتے تھے اور اپنے خالق اور پروردگار سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے تھے۔ اُس کے رحم و کرم کی بخشش کی درخواست کے ساتھ راہِ ہدایت پر چلنے اور گمراہی سے دور رہنے کی توفیق کے خواہاں ہوتے تھے۔ آج بھی دنیا صلوٰۃ و ذکرِ الٰہی کی نعمتوں سے سرفراز ہوسکتی ہے۔ خلوصِ نیت اور صداقتِ عمل سے احکامِ الٰہی اور ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گامزن ہوکر ہم شوکتِ ماضی کو ارتقاءِ مستقبل میں منتقل کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہماری زندگی تعلیماتِ اسلامی کی آئینہ دار ہو۔

۱۷۔ صلوٰۃ وسیلۂ کامرانی ہے

مندرجہ بالا سطور میں اس حقیقت کی نشاندہی کی جا چکی ہے کہ آج کے زمانہ میں بھی انسانی فلاح کا مؤثر ترین ذریعہ صرف نماز یا صلوٰۃ ہے۔ اِس کی وجہ ظاہر ہے۔ نماز اپنی معنویت اور حقانیت کے مضمرات میں اطاعتِ الٰہی کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت ہی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور رضائے الٰہی کا حصول دونوں جہان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے ورنہ جہاں تک انسان کی مادی زندگی کا تعلق ہے اُس کے لئے فی الحقیقت خورد و نوش اور

Marfat.com

لباس و رہائش کا مختصر سا سامان درکار ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس جہاں کی زندگی کی حقیقت سے ناواقف انسان ہوا و ہوس کا شکار ہو کر دولت کا انبار لگانے اور عالیشان محلات کی تعمیر ہی کو زندگی کا منتہا سمجھ بیٹھتا ہے اور اس چکر میں اُسے ہوش بھی نہیں رہتا کہ جب موت کا تازیانہ اُس کی پیٹھ پر پڑے گا اور اُس کو اس دنیا سے جبراً کوچ کا حکم ہوگا تو یہ سارا ساز و سامان یہیں دھرا کا دھرا رہ جائیگا۔ وہ اس بے سر و سامانی کی حالت میں اس دنیا سے نکال باہر کیا جائیگا کہ اس کے لباس تک کا ایک تار بھی اُس کے جسم پر نہیں ہوگا۔ محض جسم ڈھانکنے کے لئے اُس کو معمولی کپڑے (کفن) میں لپیٹ کر زمین کے نیچے دفن کر دیا جائیگا۔ جہاں نہ اُس کے عزیز و اقربا ہوں گے اور نہ سامانِ تعیش و راحت۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اُس کے لبوں کی خاموشی اور جسم کی ناتوانی اس سوال کا بالکل صحیح جواب پیش کر سکتی ہے کہ اُس نے دُنیا میں کیا کھویا اور کیا پایا؟ اُس کا وہ اندوختہ جس کی خاطر اُس نے اپنی قیمتی زندگی اور توانائی صرف کی حقیقت میں اُس کی نجات کا وسیلہ ثابت ہوا یا نہیں؟ مگر افسوس کہ اس دنیا میں کوئی شخص ایسے کان ہی نہیں رکھتا کہ کسی "مرحوم" کی خاموش گفتگو اُسی کی زبانِ حال سے سُن سکے۔

اس مقام پر آکر یہ خیال آتا ہے کہ کاش محمود غزنوی اپنی قبر سے اہلِ دنیا کو بتا سکتا کہ اُس نے جو بے شمار زر و جواہر اور بے حساب مال و دولت جمع کی تھی مرنے کے بعد وہ اُس کے کیا کام آئی؟ یا شہنشاہِ ہندشاہ جہاں یہ بتا سکتا کہ عجائباتِ روزگار میں منفرد شان و شوکت کا حامل اُس کا تعمیر کردہ تاج محل یا تختِ طاؤس اُس کے سفرِ آخرت میں کتنی راحت و آسائش کا ذریعہ بن سکا؟ اگر یہ سب کچھ ممکن ہوتا تو یقیناً سورۃ تکاثر کی تنبیہ کو سمجھنا انسان کے لئے قطعاً مشکل نہ ہوتا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝

Marfat.com

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ (یعنی لوگو! تم کو مال کی بہت سی طلب نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ دیکھو تمھیں عنقریب معلوم ہو جائیگا۔ پھر دیکھو تمھیں عنقریب معلوم ہو جائیگا۔ دیکھو اگر تم جانتے (یعنی علم الیقین) رکھتے تو غفلت نہ کرتے۔ تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ پھر اُس کو ایسا دیکھو گے کہ عین الیقین آجائیگا پھر اُس روز تم سے شکرِ نعمت کے بارے میں پرسش ہو گی (تکاثر: ۱۔تا ۸)

یہ دنیاوی مال و متاع کی حقیقت کا صرف ایک پہلو ہے! دوسرا پہلو جو اس سے بھی زیادہ سبق آموز ہے، وہ یہ ہے کہ مال و زر کی کثرت کے ساتھ دولت مند آدمی کی پریشانی اور بے اطمینانی بھی بڑھتی جاتی ہے، جس کی وجہ سے نہ صرف اُس کا دل خوف و خطر کی آماجگاہ بن جاتا ہے بلکہ اُس کی روح بھی ہمہ وقت بے چین اور بیزار رہتی ہے۔ کیونکہ جب تک قلب و روح میں ہم آہنگی اور استواری نہ ہو، نہ سکونِ طبعی حاصل ہو سکتا ہے اور نہ راحتِ روحانی۔ روحانی کرب اور طبعی پریشانی کے سبب اُس کی زندگی ہی میں ایک ایسا لمحہ بھی آجاتا ہے کہ وہ ان سب سے بے زار ہو جاتا ہے اور وہ خواہش کرتا ہے کہ کاش اس تمام مال و متاع کے عوض کوئی اُس کو حقیقی مسرت و کامرانی کے چند لمحات ہی عطا کر دیتا مگر ایسا کیونکر ممکن ہے جب کہ حقیقی مسرت جو صداقت و ایمان کا صلہ ہوتی ہے، دنیاوی زر و مال کے عوض نہیں خریدی جا سکتی! یہ انجام ہے اِس دارِ فانی میں جمع شدہ متاعِ فانی کا۔ اور آخرت کا انجام تو اس سے بھی زیادہ سنگین و شدید ہے۔ اول تو یہی غم کچھ کم نہیں کہ اس دنیا کا سارا اندوختہ مرتے وقت یہیں دھرا رہ جاتا ہے اور اس دنیا سے کوچ کرنے والا مسافر اس بے سر و سامانی کی حالت میں کوچ کرنے پر کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔ دوسرا عبرتناک پہلو قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق یہ ہے کہ جو لوگ کافر ہیں (یعنی کفرانِ نعمت کے مرتکب اور منکرینِ حق) اگر اُن کے پاس روئے زمین کے تمام خزانے اور اس کا سب مال و متاع ہو اور اس کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہو تا کہ قیامت کے روز عذاب سے

Marfat.com

رستگاری حاصل کرنے کا بدلہ دیں تو اُن سے قبول نہیں کیا جائے گا اور اُن کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔ ہر چند چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں مگر اُس سے نہیں نکل سکیں گے اور اُن کے لئے ہمیشہ کا عذاب ہے (مائدہ: ۳۶۔ ۳۷)

حقیقی فلاح و کامرانی قرآن کریم کے مطابق دنیاوی مال و متاع کے حصول کا نام نہیں ہے۔ صدیوں کے انسانی تجربات بھی اس حقیقت کی توثیق کرتے ہیں کہ دنیاوی زر و مال کا اندوختہ قرآن کریم کے الفاظ میں "متاعِ قلیل" ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ کہدو کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور پرہیزگار کے لئے بہت اچھی چیز تو نجاتِ آخرت ہے (النسآء: ۷۷، اور النحل: ۱۱۷) حقیقت یہ ہے کہ جو تھوڑا بہت نفع یا آرام ایک آدمی اس دولت کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، وہ اُس پریشانی اور بے چینی کے مقابلہ میں ہیچ ہے جو اُس کو حرصِ دولت کے باعث بھگتنی پڑتی ہے۔ قرآن کریم نے اس دنیا کی زندگی کو لہو و لعب سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہے کہ جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا، زینت و آرائش، اور تمھارے آپس میں فخر و ستائش اور مال و دولت کی ایک دوسرے سے بڑھ کر طلب و خواہش ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ بارش کہ اُس سے کھیتی اُگتی ہے اور کسانوں کو بھلی لگتی ہے، پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر اے دیکھنے والے تو اُس کو دیکھتا ہے کہ پک کر زرد پڑ جاتی ہے پھر چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں کافروں کے لئے عذاب شدید اور مومنوں کے لئے خدا کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو متاعِ فریب ہے (حدید: ۲۰) قرآن نے اہل ایمان کو متنبہ کیا ہے کہ مومنو! تمھارا مال اور اولاد تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے۔ اور جو لوگ ایسا کریں گے تو وہ خسارہ اٹھانے والے ہیں (منافقون: ۹)
فلاح و کامرانی کا صحیح مفہوم آخرت یا حیات مابعد سے وابستہ ہے اور اطاعت خدا و رسول کا صلہ ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ مومنو! خدا سے ڈرو اور بات سیدھی کہا کرو۔ وہ تمھارے سب اعمال درست کر دیگا اور تمھارے گناہ بخش دیگا۔ اور جو شخص خدا اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو وہ بے شک بڑی مراد پائیگا

Marfat.com

(احزاب: ۷۰-۷۱) اور جو شخص خدا اور اُس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کرے گا۔ خدا اُس کو بہشتوں میں داخل کرے گا، جن میں نہریں بہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیگا اور یہ بڑی کامیابی ہے (النساء: ۱۳)

ان حقائق کا ادراک ہم اُسی وقت حاصل کر سکتے ہیں جب ہم اپنی مادّی زندگی کے تجربات ومشاہدات کو سامنے رکھکر اس امر پر غور کریں کہ ہمیں اس دنیاوی مال واسباب کو فراہم کرنے میں جن کو ہم نے اپنی دانست میں حاصلِ زندگی خیال کر رکھا ہے، کن کن مشکلات وتفکرات کے خارزارت گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوصف جب ہمارا چراغِ زندگی بجھنے کو آتا ہے تو ہم اس مال وزر کے ڈھیر کو جس کے لیے ہم نے اپنی زندگی کے شب وروز صرف کر دیئے تھے کس حسرت ویاس کے ساتھ دیکھتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ جب ہم اس حقیقت پر غور کریں گے اور جب خوبیٔ قسمت سے ہمیں اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا تب ہی ہم فلاح وکامرانی کے حقیقی مفہوم سے آگاہ ہو سکیں گے اُس وقت ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے کہ حصول کامرانی دوام کا سرچشمہ صرف صلوٰۃ ہے جسے خالق کائنات نے ہماری ہی بہبود کیلئے ہم پر لازم (فرض) کر دیا ہے۔

یہی اصلی اور دائمی کامیابی ہے جو آخرت کی فوز وفلاح سے عبارت ہے۔ اس کا منبع ومرکز ارشاداتِ ربانی پر صدق دل سے عمل اور خلوصِ نیت سے ایمان ہے۔ چنانچہ جو شخص اِس دنیاوی زندگی کو اس طرح بسر کرے کہ اُس کا ہر لحہ اطاعتِ الٰہی میں صرف ہو اور اُس کا عقیدہ وایمان یہ ہو کہ اصل رزق کا دینے والا اللہ تعالےٰ ہے (یعنی خواہشِ زر ومال بے سود ہے) تو اُس کو ایسی ایسی نعمتوں سے اس دنیا میں بھی نوازا جائیگا جن کا اُس کو وہم وگمان تک نہ ہو گا۔

ارشادِ ربانی ہے کہ جو کوئی خدا سے ڈرے گا (یعنی تقویٰ اختیار کریگا) تو وہ اس کے لئے رنج ومحن سے مخلصی کی صورت پیدا کرے گا اور اُس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے ملنے کا وہم وگمان بھی نہ ہو (طلاق: ۳) کیونکہ جو چیز خدا کے ہاں ہے وہ تماشے اور کاروبار سے کہیں بہتر ہے اور خدا سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

Marfat.com

(جمعہ: ۱) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کی مٹی کے نیچے ہے، سب اُسی کا ہے (طٰہٰ: ۶) جو شخص اپنے اقرار کو پورا کرے اور خدا سے ڈرے تو خدا ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (آلِ عمران: ۷۶) اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہے جو اُس کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے فرائض خلوصِ نیّت سے انجام دیتے ہیں (بقرہ: ۱۹۴ اور النحل: ۱۲۸) ایسے نیک شعار بندوں کے لئے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اجرِ عظیم ہے (النحل ۳۰) اُن کی کیفیت یہ ہے کہ جب فرشتے اُن کی جانیں نکالنے لگتے ہیں اور یہ کفر و شرک سے پاک ہوتے ہیں تو سلام علیکم کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو عمل تم کیا کرتے تھے اُن کے بدلے میں بہشت میں داخل ہو جاؤ (النحل: ۳۲)

قرآنِ کریم کے نزدیک اہلِ ایمان وہ لوگ نہیں ہیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دنیاوی مال و متاع سے نوازے، تو وہ حصول و جمع دولت ہی کو اپنا شعار بنالیں اور بڑے بڑے محلات اور قلعے تعمیر کرنا شروع کر دیں اور اقتدار کو ہوس رانی کا ذریعہ سمجھ بیٹھیں بلکہ درحقیقت اہلِ ایمان وہ ہیں کہ جن کو اگر خداوندِ عالم ملک میں دسترس عطا کرے تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں (حج: ۴۱)

باب سوم

زکوٰۃ

تعارف

احکامِ الٰہی میں زکوٰۃ کا ذکر صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ آیا ہے۔ قرآن کریم میں جس مقام پر قیامِ صلوٰۃ (اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ) یا نماز کی تاکید کی گئی ہے، وہاں ادائے زکوٰۃ (وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ) کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربّی ہے کہ نماز ادا کرتے رہو۔ اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ (البقرہ: ۱۱۰) نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور خدا کے دین کی رسّی کو پکڑے رہو۔ وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے۔ (حج: ۷۸) نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور پیغمبرِ خدا کے فرمان پر چلتے رہو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے (النور: ۵۶) نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو اور خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو اور جو کچھ تم کرتے ہو، خدا اس سے خبردار ہے (مجادلہ: ۱۳) نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور خدا کو نیک اور خلوصِ نیت سے قرض دیتے رہو۔ (مزمل: ۲۰) اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے پیغمبر میرے مومن بندوں سے کہہ دو کہ نماز پڑھا کریں اور اس دن کے آنے سے پیشتر جس میں نہ اعمال کا سودا ہوگا اور نہ دوستی کام آئے گی، ہمارے دیے ہوئے مال میں سے درپردہ اور ظاہر خرچ کرتے رہو۔ (ابراہیم: ۳۱)

Marfat.com

۲ - زکوٰۃ اور ماضی کی اقوام

صلوٰۃ (نماز) کی فرضیت کی طرح زمانہ ماضی کی اُمتوں (قوموں) کو بھی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم تھا ان قوموں میں اہل کتاب کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اُن کو تو یہی حکم ہوا تھا کہ اخلاصِ عمل کے ساتھ خدا کی عبادت کریں اور ایک سُو ہو کر نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ اور یہی سچا دین ہے (بیّنہ: ۵) ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ اور ماں باپ رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہنا (بقرہ: ۸۳) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہوگے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤگے اور اُن کی مدد کروگے اور خدا کو قرض حسنہ دوگے تو میں تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور تمکو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (مائدہ: ۱۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ہم نے اُن کو پیشوا بنایا کہ وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور اُن کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا۔ اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔ (انبیاء: ۷۳) اور کتاب میں حضرت اسمٰعیلؑ کا بھی ذکر کرو، کہ وہ وعدہ کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے نبی تھے وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ اور برگزیدہ تھے (مریم: ۵۴ ۔ ۵۵) حضرت عیسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ نے مجھے صاحب برکت کیا ہے اور جب تک زندہ رہوں مجھکو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے (مریم: ۳۱) اسی طرح حضور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ارشاد ہوا کہ اہل ایمان سے زکوٰۃ دینے کے لئے کہیں اور امہات المومنین کے متعلق ارشاد فرمایا کہ نماز پڑھتی رہیں اور زکوٰۃ دیتی رہیں اور خدا اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرتی رہیں (احزاب: ۳۳)

Marfat.com

۳۔ زکوٰۃ اور ایمان

صلوٰۃ کی طرح ادائے زکوٰۃ کے بغیر بھی ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ قرآنِ کریم کے مطابق ہدایت یافتہ لوگ وہی ہیں جو خدا کی مسجدوں کو آباد کرتے ہیں اور جو خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے، نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے (توبہ: ۱۸) اہلِ ایمان کو حکم تھا کہ بُت پرستوں اور مشرکوں کو جن سے خدا اور رسول نے برأت کا اعلان کیا تھا انھیں جہاں پاؤ قتل کر دو، اور پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ اُن کی تاک میں بیٹھے رہو لیکن اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو اُن کی راہ چھوڑ دو (توبہ: ۵) تمھارے دوست تو خدا اور اُس کے پیغمبرؐ اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے، زکوٰۃ دیتے اور خدا کے آگے جھکتے ہیں (مائدہ: ۵۵) اہلِ ایمان کی صفات قرآن میں یوں بیان کی گئی ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم اُن کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں (حج: ۴۰)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اے ایمان والو جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اُس میں سے اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کر لو جس میں نہ اعمال کا سودا ہوگا اور نہ دوستی اور سفارش کام آسکے گی (بقرہ: ۲۵۴)

زکوٰۃ ادا کرنا ایمان کی نشانی ہے (توبہ: ۱۱ اور نمل: ۲-۳) اور تقوٰی کی بھی (بقرہ: ۲-۳) زکوٰۃ دینے والوں پر اللہ رحم کرتا ہے (نور: ۵۶) وہی لوگ فلاح پانے والوں میں ہیں (مومنون: ۴) اُنہی کے لئے ہدایت اور رحمت ہے (لقمان: ۳-۴) یہی لوگ جنت کے باغوں میں عزت و تکریم کے ساتھ رہیں گے (معارج: ۲۴-۲۵ اور ۳۵) جن کے مال و متاع میں فقراء و مساکین کا حصہ ہے (ذاریات: ۱۹، اور معارج: ۲۴-۲۵) اللہ تعالیٰ نے جو نعمت انھیں عطا کی ہے اُس میں سے کھلم کھلا اور خفیہ طریقہ سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (رعد: ۲۲) جو غریبوں

Marfat.com

یتیموں اور قیدیوں کو اللہ کی محبت کے اظہار کے طور پر کھانا کھلاتے ہیں (دہر ۸) جنہیں محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا مطلوب ہے (لیل: ۲۰) وہ نیکوکار ایسی شراب نوش جان کریں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی (دہر: ۵) خدا اُن کو قیامت کے دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور تازگی اور خوش دلی عنایت فرمائیگا اور صبر کے بدلے میں اُن کو بہشت کے باغات اور ریشم کے ملبوسات عطا کرے گا ان میں وہ تختوں پر تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے، وہاں نہ دھوپ کی حدت دیکھیں گے۔ نہ سردی کی شدت (دہر: ۱۱ تا ۱۳) ایسا صاحب ایمان عنقریب خوش ہو جائے گا (یعنی بہت جلد اُس کو اپنے نیک اعمال کا صلہ ملے گا) (لیل: ۲۱)

ایسے لوگوں کے لئے عذاب (تباہی) کی وعید آئی ہے جو نہ ایمان قبول کرتے ہیں نہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (حم سجدہ: ۷) نہ غریب لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں (حاقہ: ۳۴) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو خود بھی بخل کریں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو مال خدا نے اُن کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، اُسے چھپا چھپا کر رکھیں۔ ارشاد ربی ہے کہ ہم نے ناشکروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے (نساء: ۳۷) جو لوگ مال میں جو خدا نے اپنے فضل سے اُن کو عطا فرمایا ہے، بخل کرتے ہیں، وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں، بلکہ یہ اُن کے لئے بُرا ہے، جس مال میں وہ بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اُس کا طوق بنا کر اُن لوگوں کی گردنوں میں ڈالا جائیگا (آل عمران: ۱۸۰) جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کو اُس دن کے دردناک عذاب کی خبر سنا دو جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں خوب گرم کیا جائیگا پھر اس سے ان بخیلوں کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائیگا کہ یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا۔ لہٰذا جو تم جمع کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو (توبہ: ۳۵) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق (مال و متاع) خدا نے تم کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرو تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ بھلا ہم اُن کو

Marfat.com

کھلائیں جن کو اگر خدا چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ یہ تو ایک چنگھاڑ کے منتظر ہیں جو ان کو اس حال میں آپکڑے گی جب وہ باہم جھگڑ رہے ہوں گے، پھر نہ تو وصیت ہی کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں میں واپس جا سکیں گے (یٰسین: ۴۷ تا ۵۰)

۴۔ خیرات اور اُس کی جزاء

قرآنِ کریم نے اہلِ ایمان کو غریب اور حاجت مند لوگوں کے حق میں خرچ کرنے اور زکوٰۃ و خیرات دینے کی متعدد جگہ تاکید کی ہے اور ہدایت کی ہے کہ انھیں اس باب میں ہچکچاہٹ نہیں کرنی چاہیئے۔ اور نہ داد و تحسین کی طمع رکھنی چاہیئے ارشادِ الٰہی ہے کہ مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کھاتے ہو اور جو چیزیں ہم زمین سے تمھارے لئے نکالتے ہیں، اُن میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو۔ اور بُری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا۔۔ دیکھنا شیطان کا کہا نہ ماننا وہ تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور خدا تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے۔ نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔۔۔۔ اور تم خدا کی راہ میں جس طرح کا مال خرچ کرو یا کوئی نذر مانو خدا اس کو خوب جانتا ہے۔۔۔ اگر تم خیرات ظاہر دو تو وہ بھی خوب ہے اور اگر پوشیدہ دو تو وہ خوب تر ہے۔ اس طرح کا دینا تمھارے گناہوں کو بھی دُور کر دے گا۔۔۔۔ مومنو! تم جو خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تمھیں کو ہے۔ جو خرچ خدا کی خوشنودی کے لئے کرو گے، تمھیں اُس کا پورا پورا صلہ دیا جائیگا اور تمھارا کچھ نقصان نہیں کیا جائیگا۔۔۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ (اور خیرات) دیتے رہے ان کو ان کے کاموں کا صلہ خدا کے ہاں ملے گا اور قیامت کے دن ان کو کچھ خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (بقرہ: ۲۶۷ تا ۲۷۷) جو لوگ خدا کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے، اس میں سے پوشیدہ اور ظاہرہ خرچ کرتے ہیں، وہ اس تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی

Marfat.com

تباہ نہیں ہوگی۔ خدا ان کو پورا پورا بدلہ دیگا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی دیگا وہ تو بخشنے والا اور قدردان ہے (فاطر: ۲۹۔۳۰) تم جو چیز خرچ کروگے وہ تمھیں اس کا عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے (سبا: ۲۹) تم جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کروگے، اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائیگا اور تمھارا ذرا نقصان نہ کیا جائیگا (۸: ۶۰) جو لوگ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کے لئے اجرِ عظیم ہے (نساء: ۱۶۲) جو لوگ اپنا مال راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال اُس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اُگیں اور ہر بالی میں سَو سَو دانے ہوں اور خدا جس کے مال کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے۔ وہ بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (لبقرہ: ۲۶۱)

ارشادِ ربانی ہے کہ جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اُس میں سے اُس وقت سے پیشتر خرچ کرلو جب تم میں سے کسی کی موت آجائے تو وہ اُس وقت کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کرلیتا اور نیک لوگوں میں شامل ہوجاتا۔ اور جب کسی کی موت آجاتی ہے تو خدا اُس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس سے خبردار ہے (منافقون ۱۰۔۱۱) جو لوگ تم میں صاحبِ فضل اور صاحبِ وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں، محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ بات نہیں دیں گے، ان کو چاہیئے کہ معاف کردیں اور درگذر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے؟ اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے (لنور: ۲۲) حکم ہے کہ سائل کو نہ جھڑکو (ضحیٰ: ۱۰) اگر تم اپنے پروردگار کی رحمت یعنی فراخ دستی کے انتظار میں ہو جس کی تمھیں امید ہے تو اگر تم مستحقینِ امداد کی طرف توجہ نہ کرسکو تو ان سے نرمی سے بات کہہ دیا کرو (بنی اسرائیل: ۲۸) کیونکہ نرم بات کہنی اور درگذر کرنا بہتر ہے بہ نسبت اُس خیرات کے جس کے بعد لینے والے کو ایذا دی جائے۔ (لبقرہ: ۲۶۳)

Marfat.com

۵۔ زکوۃ' خیرات کا (بہتر) طریقۂ کار

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ظاہرہ طور پہ بھی اچھا ہے مگر پوشیدہ اور باطن طور پر زیادہ بہتر ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ اگر تم خیرات ظاہر دو تو وہ بھی خوب ہے اور اگر پوشیدہ دو تو وہ خوب تر ہے۔ اس طرح کا دینا تمھارے گناہوں کو بھی دُور کر دیگا اور خدا کو تمھارے سب کاموں کی خبر ہے (البقرہ: ۲۷۱) جو لوگ اپنا مال خدا کے راستہ میں صرف کرتے ہیں پھر اُس کے بعد نہ اُس خرچ کا کسی پر احسان رکھتے ہیں اور نہ کسی کو تکلیف دیتے ہیں، اُن کا صلہ اُن کے پروردگار کے ہاں ہے اور قیامت کے روز نہ اُن کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (البقرہ: ۲۶۲) قرآنِ کریم کا مزید ارشاد ہے کہ مومنو اپنے صدقات اور خیرات احسان رکھنے اور ایذا دینے سے اُس شخص کی طرح برباد نہ کر دینا جو لوگوں کو دکھاوے کے لئے مال خرچ کرتا ہے اور خدا اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو اُس کے مال کی مثال اُس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اُس پر زور کا مینہ برس کر اُسے صاف کر ڈالے۔ اسی طرح یہ ریاکار لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے اور خدا ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اور جو لوگ خُدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور خلوصِ نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں، اُن کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو جب اُس پر مینہ پڑے تو دُگنا پھل لائے اور اگر مینہ نہ پڑے تو پھوار ہی سہی۔ اور خدا تمھارے کاموں کو دیکھ رہا ہے (البقرہ: ۲۶۴-۲۶۵) جو لوگ دوسروں کو دکھانے کو خرچ کرتے ہیں اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہے اور کچھ شک نہیں کہ شیطان بہت بُرا ساتھی ہے (النساء: ۳۸) اور اگر یہ لوگ خدا پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے اور جو کچھ خدا نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے تو اُن کا کیا نقصان ہوتا۔ خدا اُن کو خوب جانتا ہے۔ خدا کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو گی تو اُس

Marfat.com

کو دو چند کردے گا اور اپنے ہاں سے اجرِ عظیم بخشے گا (النساء: ۳۹-۴۰)

۶- زکوٰۃ کی روح

زکوٰۃ ادا کرنے کے حکم میں جو روح کارفرما ہے، اُس کا سب سے اہم مقصد معاشرہ کی اقتصادی اور معاشی حالت کو بہتر بنانا ہے۔ اس کے دو فائدے تو نہایت واضح ہیں۔ اوّل تو یہ کہ زکوٰۃ و خیرات سے غریب اور ضرورت مند لوگوں کی حاجت روائی ہو جاتی ہے۔ اور دوم یہ کہ زکوٰۃ خیرات ذخیرہ اندوزی سے باز رکھنے اور سرمایہ کو گردش میں رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو، بے شک خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (البقرہ: ۱۹۵) مومنو! جو پاکیزہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمھارے لئے زمین سے نکالتے ہیں اُنمیں سے راہِ خدا میں خرچ کرو اور بُری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ اگر وہ چیزیں تمھیں دی جائیں تو بجز اس کے کہ لیتے وقت آنکھیں بند کر لو، ان کو کبھی نہ لو۔ اور جان رکھو کہ خدا بے پروا اور قابلِ ستائش ہے (البقرہ: ۲۶۷) مومنو! جب تک تم اُن چیزوں میں سے جو تمھیں عزیز ہیں راہِ خدا میں صَرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے (آلِ عمران ۹۲)

قرآنِ کریم کی اِن آیات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس بات کو پسند نہیں کرتا کہ دولت چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے اور معاشرہ اس دولت سے حاصل ہونے والے فوائد سے اس حد تک محروم رہے کہ عام افراد اپنی بنیادی ضروریات بھی پوری نہ کر سکیں۔ اہلِ ایمان کو سختی کے ساتھ تنبیہ کی گئی ہے کہ دولت اور سرمایہ چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہونے پائے۔ بلکہ دولت کو راہِ خدا میں احکامِ الٰہی کے تحت غریبوں اور محتاجوں میں خیرات زکوٰۃ کی صورت میں آزادانہ اور رضاکارانہ طور پر تقسیم کر دیا جائے تاکہ غریب اور حاجت مند بھوک اور فاقہ کی موت نہ مریں۔ بیمار دوا اور علاج سے محروم نہ رہیں، پوشاک اور لباس کے طلبگار اپنا تن

Marfat.com

دُھا بینے کو نہ ترسیں۔ اسلام نے خاص طور پر دولت کی رضا کارانہ تقسیم پر زور دیا ہے یعنی ایسی تقسیم جس میں نام و نمود، ریا اور سود (نفع) کا شائبہ تک نہ ہو اور نہ ہی اہلِ حاجت سے اس رقم کے عوض جسمانی محنت لی جائے اسلئے کہ کسی قسم کی محنت کے بعد خیرات کوئی معنی نہیں رکھتی بلکہ اس سے غریبوں کے دکھ اور مصیبت میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا محض اللہ کی رضا اور فرمانبرداری کے جذبہ کے ساتھ ہونا چاہیئے جس میں کسی قسم کی ذاتی غرض یا منفعت کی آمیزش نہ ہو۔ دولت اور مال کو اللہ کے بتلائے ہوئے راستہ پر خرچ کرنے سے ایک طرف تو معاشرہ کی عام اقتصادی حالت بہتر ہوتی ہے اور دوسری طرف اسلام کے عقیدت مندوں کے دلوں میں ایثار و سخاوت کا جذبہ فروغ پاتا ہے اس جذبۂ ایثار و سخاوت کے ساتھ جب ایک مسلمان دوسرے ضرورت مند مسلمان کی دستگیری کو اپنا فرض سمجھیگا تو اس سے ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جو اپنی وسعت اور پھیلاؤ میں تو معاشرہ کہلائے گا مگر فی الحقیقت وہ ایک ایسا بڑا خاندان ہوگا جس میں سب لوگ ایک دوسرے سے مکمل جذبۂ امداد و تعاون سے پیش آنا اپنا اخلاقی اور مذہبی فرض خیال کریں گے۔

یہی وہ معاشرہ ہے جسے ہم صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ کہہ سکتے ہیں۔ یعنی ایسا معاشرہ جس میں نہ کسی فرد کو اس کی مال و متاع سے جبرًا محروم کیا جا سکتا ہے نہ کسی فرد کو لازمًا جسمانی محنت و مشقت کے لئے مجبور کیا جا سکتا ہے جیسا کہ کمیونزم کے پابند معاشرہ میں عملی طور پر ہوتا ہے اور نہ ہی دولت و سرمایہ چند مخصوص گھرانوں یا افراد کے درمیان مرتکز و محدود رہنے دیا جاتا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی بنیاد ہے اور جس کے تحت ملک اور قوم کی آبادی کا غالب حصہ بیکسی اور افلاس کا شکار رہتا ہے اور کسبِ معاش کے لئے سرمایہ دار کی خدمت اور غلامی کرنے پر مجبور ہوتا ہے اسلامی معاشرہ میں حصول اور انفاقِ دولت کا ایسا زریں اصول کارفرما ہے جس میں ایک فرد کی دولت؛ اللہ کی رضا

Marfat.com

کی خاطر، دوسرے حاجت مندوں کے کام آتی ہے۔ یہی جذبہ اخوت و مساوات کی اصل ہے جس میں ذاتی نفع کے لئے محنت، انعام یا ستائش اور نمود و نمائش کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

۷۔ زکوٰۃ اور خیرات

قرآنِ کریم کی اِن آیات میں جن کا حوالہ مندرجہ بالا گفتگو میں دیا گیا ہے، ان احکامات میں انفاق فی سبیل اللہ کی دو مدیں بیان کی گئی ہیں یعنی زکوٰۃ اور خیرات۔ ان میں اول الذکر لازمی ہے اور دوسری اختیاری، جن آیات میں زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے (اور جن کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے) اُن میں سے چند یہ ہیں: مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمھارے لئے زمین سے نکالتے ہیں، اُن میں سے راہ خدا میں خرچ کرو (البقرہ: ۲۶۷) اور خدا ہی تو وہ ہے جس نے باغ پیدا کئے، چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے وہ بھی۔ اور مختلف قسم کے پھل جو بعض باتوں میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور بعض باتوں میں نہیں ملتے۔ جب یہ چیزیں پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور جس دن پھل توڑو اور کھیتی کاٹو تو خدا کا حق بھی اُس میں سے ادا کرو۔ (انعام: ۱۴۲) جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اُس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، اُن کو اُس دن کے دردناک عذاب کی خبر سنا دو، جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں خوب تپایا جائے گا پھر اُس سے اُن بخیلوں کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائیگا کہ یہ وہی مال ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا لہٰذا اب اُس کا مزہ چکھو جو تم جمع کرتے تھے (توبہ: ۳۴۔۳۵) مومنین کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرو کہ اُس سے تم اُن کو ظاہر میں بھی پاک اور باطن میں بھی پاکیزہ کرتے ہو اور اُن کے حق میں دعائے خیر کرو، تمھاری دُعا اُن کے لئے موجب تسکین ہے۔ (توبہ: ۱۰۳)

Marfat.com

زکوٰۃ، زراعت کی فصل، اسباب تجارت، مویشی، زیور، نقد رقم، چاندی اور سونے کے اثاثوں پر فرض ہے جن کے گھر میں موجود رہتے ہوئے مکمل ایک سال گذر چکا ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے مندرجہ ذیل نصاب مقرر فرمایا ہے۔

(ا) زراعتی پیداوار جو ایسے کھیت سے حاصل ہو جس کی آبیاری مالکِ زمین نے نہ کی ہو (یعنی بارانی زمین سے حاصل شدہ) ایسی پیداوار کا کل دسواں (۱/۱۰) حصّہ

(ب) زراعتی پیداوار (کھیتی باڑی) جو مالکِ زمین کے ہاتھوں آبیاری یا کاشتکاری کے ذریعہ حاصل ہوئی ہو۔ اُس میں کل پیداوار کا بیسواں (۱/۲۰) حصّہ

ان دونوں حالتوں میں زکوٰۃ فصل کاٹنے کے فوراً بعد ادا کی جانی چاہیئے۔

(ج) سونا، چاندی، نقد رقم اور تجارتی مال و اسباب پر جس کی مالیت ۷ ۱/۲ (ساڑھے سات) تولہ سونا یا ۵۲ (باون) تولہ چاندی سے کم نہ ہو، زکوٰۃ کی مقدار کُل کا چالیسواں (۱/۴۰) حصّہ ہے۔

(د) مویشی اور پالتو جانوروں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے یعنی جب بھیڑ بکریوں کی تعداد چالیس سے زیادہ ہو، اور گائے بھینس اور بیل جب اُن کی تعداد تیس سے زیادہ ہو۔ اور اونٹ جب ان کی تعداد پانچ سے زیادہ ہو ان جانوروں پر زکوٰۃ کا نصاب مختلف ہے جس کی تفصیل یہاں ضروری نہیں سمجھی گئی۔

قرآنِ کریم کے حکم کے مطابق صدقات یعنی زکوٰۃ و خیرات تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنانِ صدقات کا حق ہے اور اُن لوگوں کا جن کی تالیفِ قلوب منظور ہو اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کی مدد میں بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیے۔ یہ حقوق خدا کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں (توبہ: ۶۰)

یعنی (ا) فُقَرَآء: ایسے لوگ جن کو اپنی حاجت روائی کے ذرائع میسّر نہ ہوں۔ وہ کسبِ معاش کے متحمل نہ ہوں دستِ سوال دراز کرنیکے عادی نہ ہوں

Marfat.com

اور اُن کی زندگی انتہائی غربت و افلاس میں بسر ہوتی ہو۔

(۲) مَسَاکِین: ایسے حاجت مند لوگ جو غربت کے سبب بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوں۔ اُن میں بیروزگار اور مفلوک الحال افراد بھی شامل ہیں۔

(۳) عَامِلِین: مملکتِ اسلامیہ کی جانب سے ہمہ وقتی طور پر زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے تنخواہ دار یا معاوضہ پر متعین کارکنان یا اسٹاف جن کا اپنا کوئی ذریعہ معاش نہ ہو۔ یہ کارکن اپنی خدمات کے صلہ میں زکوٰۃ کے مستحقین میں شمار ہوتے ہیں

(۴) مُؤَلَّفَۃُ الْقُلُوْب: ایسے افراد جو کسی دوسرے مذہب کے پیروکار رہے ہوں اور جنھوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا ہو اگرچہ یہ افراد صاحبِ حیثیت ہی ہوں مگر مستحقینِ زکوٰۃ میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے۔

(۵) فِی الرِّقَاب: یعنی غلاموں اور اسیروں کو آزاد کرنے کے لئے زکوٰۃ (یا بیت المال) سے رقم ادا کی جا سکتی ہے۔

(۶) غَارِمِیْنَ: ایسے مقروض اور نادہندگان افراد جو قرض ادا کرنے کے وسائل نہ رکھتے ہوں۔ لیکن اُن کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ قرض لینے کے عادی نہ ہوں یا قرض کی رقم ناجائز کاموں میں صرف نہ کرتے ہوں۔

(۷) فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ: یعنی نیک کاموں میں یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے مثلاً جہاد۔ جہاد کی خاطر کسی صاحبِ حیثیت شخص کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

(۸) اِبْنُ السَّبِیْل: ایسے مسافروں کے لئے جو دورانِ سفر زادِ راہ اور بنیادی ضرورت کو پورا کرنے سے مجبور ہو گئے ہوں اگرچہ یہ مسافر اپنے گھروں میں ضروری وسائل رکھتے ہوں۔

جن ہستیوں کو زکوٰۃ لینا شایانِ شان نہیں یا جنہیں زکوٰۃ لینے سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) پیغمبرؐ اور آپؐ کے اہلِ بیت (۲) والدین اور اولاد (۳) میاں بیوی (۴) نابالغ جن کے والدین مالدار ہوں لیکن جب صرف ماں اپنی ذاتی ملکیت کے سبب مالدار ہو اور باپ کا اُس پر حق نہ ہونے پر وہ ناداری کے ضمن

Marfat.com

میں شمار ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں نابالغ اولاد کو بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے اور (۵) غیر مسلم۔

جہاں تک خیرات یعنی اختیاری صدقات کا تعلق ہے اس کے متعلق بھی قرآنی احکام کی تفصیل اور حوالے اس باب میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر اہل ایمان مستحقین کو خیرات دینے کی ہمت افزائی کی ہے تاکہ اس کی مدد سے غریب اور حاجت مند مسلمان اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ لیکن اس کے لئے کوئی تناسب یا مقدار معین نہیں کی گئی ہے یہ صاحب استطاعت کے حوصلہ اور حمیت پر منحصر ہے کہ وہ کس ضرورت کے لئے کس قدر رقم یا کوئی ضرورت کی چیز خیرات کے طور دے سکتا ہے یا دینا ضروری سمجھتا ہے۔ البتہ صاحب حیثیت کو اس حد تک نہ جانا چاہیئے کہ وہ خود ضرورت مند اور مجبور ہو کر رہ جائے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا یعنی بہت تنگ کر لو کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں اور نہ بالکل کھول ہی دو کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ (بنی اسرائیل: ۲۹)

۸۔ صلوٰۃ اور زکوٰۃ

گفتگو کو آگے بڑھانے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اور صلوٰۃ کی مشترکہ افادیت کے بارے میں کچھ اظہار خیال کر دیا جائے۔ یہ اس لئے کہ قرآنِ کریم میں جہاں بھی اقامتِ صلوٰۃ کا ذکر آیا ہے وہاں ادائے زکوٰۃ کا حکم بھی موجود ہے چنانچہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان دونوں فرائض کی ادائیگی ہی میں اسلام کی روح پوشیدہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی دونوں اہم ادارے انسان کے تمام طبعی اور روحانی پہلوؤں پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کی تکمیل اور تسکین کے بغیر دین کی ضرورت اور افادیت کا تصور ممکن نہیں۔

انسانی زندگی دو بنیادی تعلقات سے عبارت ہے اوّل، انسان کا تعلق

Marfat.com

اللہ سے (یعنی تعلق باللہ) اور دوم انسان کا تعلق انسان سے (یعنی تعلق بالخلق)
اس دو ہرے تعلق میں ایمان وعمل کی رہنمائی کے لئے دو طریقے روزِ اول سے موجود
رہے ہیں۔ ایک خواہشِ نفس اور دوسرا اطاعتِ الٰہی۔ اول الذکر نے انسان کو
ہمیشہ خدائے واحد کی اطاعت وعبادت کے راستہ سے ہٹا کر متعدد نام نہاد
خداؤں اور دیوی دیوتاؤں کی پرستش پر مجبور کیا (اس طرح انسان کی روحانی
دنیا اس کے اپنے ہاتھوں برباد ہوئی) اسی خواہشِ نفس کا مادی دنیا میں اس
طرح مظاہرہ ہوا کہ انسان نے ذرائع دولت پر قبضہ کر کے اس پر اجارہ داری
قائم کرنے اور زیردستوں کے استحصال کو اپنا شعار بنا لیا۔ اس کے برعکس، احکامِ
الٰہی کی اطاعت کے طفیل انسان کو اس حقیقت کا ادراک ہوا کہ اس کائنات کا
خالق خدائے وحدہٗ لاشریک ہے، وہی کارسازِ اعلیٰ اور مختارِ کل ہے۔ تسلیم ورضا
کی اس والہانہ عقیدت نے انسان کی روحانی دنیا کو منور کر دیا اور اسی کے فیض سے
اس نے مادی دنیا میں بھی آزادیٔ فکر وعمل اور مساوی حقوق کے اصول کو اپنا کر
فلاح وکامرانی کی راہ تلاش کر لی۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبرانِ کرام اس دنیا میں الہامی دین کے ساتھ مبعوث
ہوئے۔ انھوں نے احکاماتِ الٰہی کی روشنی میں انسان کو اطاعتِ الٰہی کی راہ
دکھائی جو فی الحقیقت صداقت وحقانیت اور فلاحِ دارین کی راہ ہے۔ تمام
الہامی مذاہب کا حقیقی مدعا یہ رہا ہے کہ تعلق بالخلق اور تعلق باللہ ان دونوں
تعلقات کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی روشنی میں قائم رکھا جائے چنانچہ صلوٰۃ (نماز)
تعلق باللہ اور زکوٰۃ تعلق بالخلق کا بہترین اور کامیاب ترین مظہر ہیں۔ حقیقت
یہ ہے کہ صلوٰۃ وزکوٰۃ کے ذریعہ انسان کے تمام روحانی اور مادی اعمال، اطاعتِ
الٰہی کے زیرِ نگیں ہو کر فلاحِ دارین سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق تمام انسان مساوی درجہ رکھتے ہیں یعنی
بحیثیتِ انسان ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں۔ ان کے فرائض وحقوق یکساں ہیں

Marfat.com

اور تمام عالم انسانیت احکام الٰہی کا پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو ان احکام کی تنفیذ و ترویج میں ہدایت، نظم و انصرام، اضطراب و انتشار اور استحصال و ایصال کا کوئی دخل نہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کے حکم میں کسی دوسری ہستی یا ایجنسی کو کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر آدمی اپنے قول و فعل کا خدا کے سامنے جوابدہ ہے جو یکتا لاشریک اور سارے جہان کا رب ہے۔

نماز میں انسان کا تعلق اپنے خدا سے ایک ایسی سمت میں ہوتا ہے جو روحانی فیوض و برکات کی حامل اور دونوں جہان کی خیر و فلاح کی ضامن ہے اسی طرح ادائے زکوٰۃ میں بھی انسان کا انسان سے تعلق اللہ تعالیٰ کے احکامات و ہدایات کے تحت قائم رہتا ہے۔ اس میں انسان کے اپنے بنائے ہوئے انفرادی یا معاشرتی قانون یا ادارے قطعاً دخل انداز نہیں ہوتے نہ ہی نفسانی خواہشات یا نفع و نقصان کے اندیشے اُسے داغدار کر سکتے ہیں۔ زکوٰۃ کے قانون کے تحت انسان اپنی کمائی اور جمع کی ہوئی دولت اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری میں صرف کرتا ہے جس میں ملّی و قومی معاشرہ کو مستحکم مالی بنیاد پر استوار کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ زکوٰۃ کا بہت بڑا کمال ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دولت ہی تمام معاشرتی (بلکہ مذہبی و روحانی) برائیوں کی جڑ ہے۔ تمام اقتصادی، معاشرتی اور تجارتی امور دولت کے محور کے گرد ہی حرکت کرتے ہیں۔ لین دین، چوری ڈکیتی، دجل و فریب، حرص و بددیانتی، نفع و نقصان، تعیش و تکلف اور جبر وا تحصال سارے کے سارے دولت کے جائز یا ناجائز استعمال سے ظہور میں آتے ہیں۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کا حکم ان نفسانی خواہشات پر قدغن لگا دیتا ہے۔ تو یہی دولت براہِ راست اللہ کے قانون کے تحت لازمی طور پر انسانی فلاح و بہبود کی خاطر استعمال ہونے لگتی ہے جس سے انسانوں کا حاجت مند گروہ استفادہ بھی کرتا ہے اور اپنے محسن و مُعطی (انسان) کا زیر بار بھی نہیں ہوتا۔ نہ ہی خیرات و زکوٰۃ کا دینے والا اس کو ذاتی نمود اور خواہش کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ یہ قرآن کا اعجاز

Marfat.com

ہے کہ اس نے حصول وتقسیم دولت کا ایک فیض بخش قانون نافذ کر کے اِنسانی معاشرہ میں نفوذ کرنے والی ان تمام برائیوں کے دروازے بند کر دئیے ہیں جو دولت کا انبار لگانے کی خواہش کے جلو میں جنم لیتی ہیں اور جن کے سبب انسانیت کا بہت بڑا ضرورت مند اور محتاج طبقہ نانِ شبینہ تک کو ترستا رہتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ زکوٰۃ نے استیصال واستحصال کو کاری ضرب لگائی ہے اور انسان کو بہت بڑی تباہی سے بچالیا ہے۔

چنانچہ صلوٰۃ وزکوٰۃ نے عالم انسانیت کو درپیش تمام روحانی اور اقتصادی مسائل کے حل کی واضح اور یقینی نشان دہی کر دی ہے۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا زریں دَور تاریخ انسانیت کا درخشاں ترین باب ہے جس میں ذہنی وروحانی اور معاشرتی اور اقتصادی تمام مسائل و معاملات کا اطمینان بخش حل موجود ہے اسی انسانی تاریخ میں فراغت وطمانیت کا وہ دَور گذرا ہے جب مدینہ کی گلیوں میں ڈھونڈے سے بھی ایسا فرد نہیں ملتا تھا جو خیرات وزکوٰۃ قبول کرنے کو تیار ہو۔ کیا کسی فرد بشر کے تصور و توقع میں اِس سے بہتر و برتر معاشرہ آسکتا ہے جس کی بنیادیں اقتصادی و معاشرتی اور روحانی ومادی میدان میں اتنی مستحکم واستوار ہوں۔

Marfat.com

باب چہارم

صوم (روزہ)

۱۔ عام تعارف:-

اسلام کا تیسرا رکن صوم (روزہ) ہے جو اسلامی سال ہجری کے نویں مہینہ رمضان المبارک کے تمام دنوں میں رکھا جاتا ہے۔ صوم یا روزہ حضرت آدمؑ کے زمانہ سے ہر قوم وملت میں کسی نہ کسی شکل میں عبادت کا ایک جزو رہا ہے۔ آج بھی مختلف عقیدے یا نظریات کے ماننے والے جن میں منکرینِ دین، مشرکین اور بُت پرست سبھی شامل ہیں۔ طبعی، عقلی یا کسی اور نقطۂ نظر سے روزہ کی افادیت تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ان کے مقابلہ میں انبیاء و رُسُل اور اُن کے پیروکار صوم (روزہ) بطور عبادت اور احکامِ الٰہی کی اطاعت کے طور پر اختیار کرتے رہے ہیں قرآنِ کریم نے اہلِ ایمان کے لئے روزہ کو فرض عبادت قرار دیا ہے ارشادِ ربّی ہے کہ مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو (البقرہ: ۱۸۳) رمضان روزوں کا مہینہ ہے جس میں قرآن اوّل اوّل نازل ہوا۔ تو جو کوئی تم میں سے اس مہینہ میں موجود ہو تو اس کو چاہیئے کہ پورے مہینہ کے روزے رکھے (البقرہ: ۱۸۵)

۲۔ صوم یا روزہ کا مطلب کیا ہے۔

روزہ کا مطلب یہ ہے کہ روزہ دار (مسلمان) صبح صادق سے غروبِ آفتاب

Marfat.com

تک ہر قسم کے کھانے پینے، تمبا کو نوشی، اور جنسی تعلقات سے مکمل پرہیز کرے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد (یعنی حدیث) کے مطابق روزہ دار کے لیے مناسب ہے کہ وہ صبح صادق سے کچھ پیشتر کچھ نہ کچھ کھا پی لے تاکہ اُس کے لئے روزہ کی سختیاں بھوک، پیاس اور تھکن سے اُس کی جسمانی کمزوری اور خرابیٔ صحت کا سبب نہ بن جائیں کھانے پینے کے اس اہتمام کو "سحری" کہتے ہیں۔ سحری کھانے اور سحری کا وقت گذر جانے کے بعد دن بھر کا روزہ رکھنا فرض ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔ پھر روزہ رکھ کر رات تک پورا کرو (البقرہ: ۱۸۷) دن بھر روزہ رکھنے کے بعد غروبِ آفتاب سے کچھ لمحہ بعد اور نمازِ مغرب کی اذان کے ساتھ روزہ "افطار" کیا جاتا ہے۔ افطار سے مراد وہ کھانا اور مشروب ہے جس کے استعمال سے روزہ کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور روزہ دار کو اُسکے بعد سے وقتِ سحری تک حسبِ منشا کھانے پینے حتیٰ کہ بیوی سے مباشرت کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ (البقرہ: ۱۸۷)

اگر کوئی روزہ دار، روزہ کی حالت میں بھول سے کچھ کھا پی لے یا تمباکو نوشی یا بیوی سے صحبت کرے اور روزہ یاد آنے پر ان باتوں سے رُک جائے اور اس کے بعد وقتِ افطار تک پہلے کی طرح روزہ کی حالت میں رہے تو اُس پر صرف قضاء لازم آئے گی یعنی رمضان کے روزے پورے کرنے کے بعد کسی بھی دن اپنی سہولت کے پیشِ نظر روزہ رکھ لے تاکہ اس نقص کا ازالہ ہو جائے جس سے اُس کے روزہ میں خلل واقع ہوا تھا۔ یہی اُس کی تلافی ہے اور اُس پر کفارہ (یعنی مذہبی احکام کے تحت کسی عبادت میں دانستہ کمی یا نقص کے سبب مقررہ تناسب میں مالی جسمانی قربانی یا پاداش) لازم نہیں آئے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص دیدہ و دانستہ مذکورہ ممنوعات میں کسی ایک یا زیادہ کا ارتکاب کرے اور غلطی یاد آنے کے باوجود اس پر مُصر ہے اور دوبارہ روزہ کی حالت اختیار نہ کرے تو ایسی صورت میں اُس شخص

Marfat.com

کو قصداً ارتکاب کی پاداش میں قضا روزہ بھی رکھنا لازم ہوگا اور اسی کے ساتھ کفارہ کے طور پر ساٹھ دن مزید لگاتار روزے رکھنے ہوں گے۔ اگر اس ساٹھ روزوں کے درمیان کچھ ناغہ ہو جائے یعنی کسی روز قصداً بلا عذر یا تساہل سے روزہ نہ رکھے یا ممنوعات کا پھر ارتکاب کر بیٹھے تو اُسے از سرِ نو ساٹھ روزے مکمل احتیاط کے ساتھ رکھنے ہونگے۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی خاص وجہ شرعی سے (مثلاً ضعیفی یا بیماری وغیرہ) جس کی قرآن نے اجازت دی ہے۔ مزید ساٹھ روزوں کا متحمل نہ ہو تو اسے بطورِ کفارہ ایک غلام آزاد کرنا یا بصورتِ دیگر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے۔ اور یہ وہی غذا اور دوسرے لوازمات ہونگے جنکو وہ خود پسند کرتا ہے۔

۳۔ مستثنیات (یعنی جن حالتوں میں روزہ فرض نہیں)

وہ لوگ جو رمضان کے دوران بیمار ہوں یا حالتِ سفر میں ہوں، اُن کے لئے ان دنوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے مگر ان کو لازم ہے کہ بیماری سے صحت یاب ہو کر یا سفر سے واپس آنے کے بعد ان دنوں کی تعداد کے برابر روزہ رکھیں جن میں ان کا روزہ قضا ہوا تھا (یعنی وہ روزہ نہ رکھ سکتے تھے) دورانِ سفر روزہ نہ رکھنا چاہیئے خواہ مسافر جسمانی طور پر تندرست ہو یا وسائل بھی رکھتا ہو۔ آسانی کی اس اجازت سے استفادہ قرینِ مصلحت ہے اگرچہ اس حالت میں بھی روزہ رکھنا گناہ نہیں ہے جیسا کہ صحابہ کرامؓ دورانِ سفر کبھی روزہ رکھتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے۔ (بخاری: باب ۳ حدیث ۴۲) حضور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ (جہاد) کے دوران روزہ قضا کرنے کی تاکید فرمائی ہے تاکہ دشمن کے مقابلہ میں جسمانی توانائی کمزور نہ ہو جائے۔ ایامِ حیض میں عورتوں کو روزہ قضا کرنے کا حکم ہے مگر روزوں کے بعد قضاء روزوں کے برابر روزے رکھنا ضروری ہیں ایسے افراد جو کسی حالت میں بھی روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں انھیں روزہ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جیسے دودھ پلانے والی ماں یا جس عورت کے ولادت

Marfat.com

ہوئی ہو یا زیادہ ضعیف مرد و عورت، یہ سب افراد حالتِ مذکورہ میں روزہ سے مستثنیٰ ہیں اور ان پر قضا اور کفارہ لازم نہیں (صحیح بخاری باب ۶۵ حدیث ۱۱۔ اور ۲۵) اسی طرح روزہ سے وہ لوگ بھی مستثنیٰ ہیں جن کی بیماری کے طول پکڑنے کا اندیشہ ہو یا جن کے سفر کی مدت سال بھر سے تجاوز کر جائے۔ یہ آسانی (استثنا) شروعِ اسلام میں عام تھی (حوالہ البقرہ: ۱۸۴) مگر بعد میں مسافر یا بیمار کے لئے قضا لازم کر دی گئی مگر وہ افراد (ضعیف حالتِ رضاعت یا حالتِ ولادت) جن کے لئے روزہ ممکن نہیں صرف ان کے حق میں یہ رعایت برقرار رہی کہ وہ روزوں کی تلافی کے لیے ہر روزہ کے حساب سے کسی مسکین کو دن میں دو وقت مناسب کھانا کھلائیں (البقرہ: ۱۸۴)

۴۔ روزہ کے اوقات

جیسا کہ سطور بالا میں وضاحت کی گئی ہے، روزہ کا وقت صبح صادق سے غروبِ آفتاب کے بعد تک ہے۔ یعنی عام حالات میں روزہ کا وقت صبح سے شام تک عام دن کے اندازہ کے مطابق ہے لیکن بعض ممالک ایسے بھی ہیں جہاں دن کی میعاد رات کے مقابلہ میں کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی ہے مثلاً قطبین اور اُن کے قرب و جوار کے علاقے، اور اس پوری مدتِ یوم میں روزہ رکھنا طبعی طور پر انسان کے لئے انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے اسی طرح ایسے علاقے بھی ہیں جہاں سال کے مہینوں کا تعین بارہ ماہ کے حساب سے نہیں ہوتا (یعنی شب و روز کی طوالت اپنے وقت اور موسم کے لحاظ سے ہوتی ہے) ان حالات کے لئے چند خصوصی احکام شریعت نے نافذ کئے ہیں۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا تو آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ ان حالات میں دن کی میعاد کا اندازہ عام دنوں کے تناسب سے کرنا چاہیئے (ابوداؤد: ۳۶: ۱۳) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان ممالک میں جہاں

Marfat.com

کے دن و رات کا ذکر نہیں کیونکہ روزہ دن کے وقت رکھا جاتا ہے) بہت طویل ہوتے ہیں وہاں روزہ کے اوقات (میعاد) کا تعین عام دِنوں کے حساب سے کرنا چاہیئے یا اگر ممکن ہو تو چھوٹے دن آنے تک روزہ ملتوی کر دینا چاہیئے

۵۔ روزہ کا مقصد اور اُس کے فوائد

روزہ قرآنِ کریم کے ارشاد کے مطابق اس لئے فرض کیا گیا ہے کہ اُس سے تقویٰ میں اضافہ ہو، اور برائیوں سے اجتناب اور پرہیز کی روحانی صلاحیت فروغ پائے۔ ارشاد ربّی ہے کہ مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے: تاکہ تم پرہیزگار بنو (لبقرہ: ۱۸۳) اسلام کے نزدیک روزہ کا مقصد محض بھوک پیاس کی مشقت برداشت کرنا نہیں ہے بلکہ اسی کے ساتھ ہر قسم کی بُرائیوں اور خواہشاتِ نفسانی سے دُور رہنے کا نام روزہ ہے، یہی اصل روزہ ہے اور یہی تقویٰ کی بنیاد ہے (بخاری: ۲:۱۲۰)

تقویٰ

روزہ کا مقصد، جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا، تقویٰ ہے۔ اس سے مراد خوفِ خدا ہے یعنی ایسے کاموں سے اجتناب جو خدا کی اطاعت سے دور رکھ کر اس کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں اہلِ ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے کی بار بار تاکید آئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اپنے پروردگار سے ڈرو (یعنی تقویٰ اختیار کرو) (نساء: ۱) خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا کا عذاب سخت ہے (مائدہ: ۲) جو شخص ایمان لا کر خدا سے ڈرتا رہے گا اور اپنی حالت درست رکھے گا تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (اعراف: ۳۵) مومنو! خدا سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو (احزاب: ۷۰) مومنو! خدا سے ڈرتے رہو۔ بے شک خدا سنتا جانتا ہے (حجرات: ۱) خدا سے ڈرتے رہو تا کہ

Marfat.com

تم پر رحمت کی جائے (حجرات : ۱۰) مومنو! خدا سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ، وہ تمھیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطا فرمائے گا اور تمھارے لئے روشنی کر دیگا جس میں چلوگے اور تم کو بخش دیگا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے (حدید : ۲۸) خدا سے ڈرتے رہو بیشک خدا تمھارے سب اعمال سے خبردار ہے (حشر: ۱۸) خدا سے ڈرو۔ خدا نے تمھارے پاس نصیحت کی کتاب بھیجی ہے۔ (طلاق: ۱۰) انبیاء ورسُل نے بھی اپنی اپنی قوموں کو خدا کے عذاب سے ڈرایا ہے۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تمھارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ پس خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو (شعراء: ۱۰۷ - ۱۰۸) حضرت ہودؑ نے بھی قوم عاد سے یہی کہا کہ میں تو تمھارا امانت دار پیغمبر ہوں، تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو (شعراء: ۱۲۵۔ ۱۲۶) حضرت صالحؑ (شعراء: ۱۴۴) حضرت لوطؑ (شعراء: ۱۶۳) اور حضرت شعیبؑ (شعراء: ۱۷۹) نے بھی اپنی اپنی قوموں کو انھی الفاظ اور اسی انداز سے ڈرایا مگر اُن بدبخت قوموں نے خود اپنے محسن انبیاء کرام کی نصیحت پر عمل نہ کیا اور خدا کے عذاب کی وعید کا مطلق اثر نہ لیا بلکہ اُن کی کھُلّم کھُلّا تکذیب کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کے غیض و غضب کا شکار ہو کر نیست و نابود ہو گئیں۔

خدا کا خوف یعنی تقویٰ فی الحقیقت تمام برائیوں سے بچنے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف ہوگا وہ کسی کو نقصان یا ضرر پہنچانے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ تقویٰ اس کی فطرت میں گناہ کے کاموں اور تمام برائیوں سے بچنے کی صلاحیت اور تقویت پیدا کر دیگا۔ وہ تصور میں آنے والی ہر برائی جس سے خود اُس کی ذات کو یا معاشرہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو مثلاً چوری، ڈکیتی، بدکاری، اور دیگر اخلاقی جرائم سے اس طرح باز رہے گا گویا یہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نہ کسی کو گالی دیگا نہ کسی سے بدکلامی سے پیش آئے گا۔ اور نہ لڑائی جھگڑے کے قریب جائے گا۔ قتل و غارت گری سے وہ کوسوں دُور رہے گا اور کسی کے مال و جائداد

Marfat.com

پر قبضہ کرنے کا خیال بھی اُس کے دل میں گذر نہ پا سکے گا۔ رشوت لینے یا دینے سے بچنے کے ساتھ وہ دیگر ناجائز اور غیر قانونی طریقوں سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ وہ کسی بد شعاری اور نازیبا حرکت کا مرتکب نہ ہوگا جس سے نقصِ امن کا اندیشہ ہو یا انصاف وتہذیب کی قدریں مجروح ہوتی ہوں وہ اپنے حقوق سے زیادہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی اور نگہداشت کو اپنا فرضِ منصبی سمجھیگا۔ ان تمام اخلاقی و دینی شعور کے استحکام کی بنیاد صرف تقویٰ ہے یعنی وہ مردِ مومن اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ روزِ حشر اس کو خدائے تعالیٰ کے روبرو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ دوزخ کے ہیبت ناک عذاب کا ڈر ہر وقت اُس کے سامنے رہتا ہے، جس کے متعلق قرآنِ کریم میں جا بجا وعید موجود ہے۔ وہ جانتا ہے کہ قیامت بڑی سخت اور بہت تلخ ہے (قمر: ۴۶) دوزخ بُری جگہ ہے (تغابن: ۱۰) وہ (یعنی دوزخ) بھڑکتی ہوئی آگ ہے کھال اُدھیڑ ڈالنے والی (معارج: ۱۵-۱۶) سقر وہ آگ ہے کہ نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑیگی اور بدن کو جُھلس کر سیاہ کر دے گی (مدثر: ۲۸-۲۹)

چنانچہ تقویٰ یا خوفِ خدا دینی و دنیوی نقطۂ نگاہ سے اخلاقیات کی بنیاد ہے۔ اور اخلاق کی یہی مضبوط اور مستحکم بنیاد کامل امن وسلامتی کی ضمانت ہے۔ جس کی وساطت سے عام انسانی معاشرہ آخر کار امن و خوش حالی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

انسانیت کا فروغ

ایک انسان خود روزہ کی حالت میں رہ کر ہی دوسرے انسانوں کی بھوک اور پیاس کی شدّت کا احساس کرسکتا ہے بالخصوص اُن انسانوں کی جو غربت و افلاس اور محدود وسائل کے سبب محنت شاقہ کے باوجود فقرو فاقہ کا شکار رہتے ہیں۔ انسانی حمیت کا یہ احساس صرف روزہ دار کے دل میں

Marfat.com

ہی پیدا ہوتا ہے اور اسی سے اُس میں اپنی دولت کو غریبوں اور حاجت مندوں کی اعانت میں صرف کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے دل میں یہ احساس جاگزیں ہو جاتا ہے کہ دولت کا صحیح مصرف ضرورت مندوں کی حاجت روائی ہے ورنہ یہ مال و زر بالکل بے سود ہے۔ یہی خیال اُسے انسانیت کا یہ درس بھی دیتا ہے کہ معاشرہ کے غریب اور مظلوم افراد کی امداد و اعانت سے چشم پوشی اخلاقی جرم ہے یہی جذبہ اس کے دینی شعور و ادراک کو بھی بیدار کر دیتا ہے۔ اور وہ قرآنی احکامات و ہدایات کو اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بنالیتا ہے۔ قرآن کا واضح حکم ہے کہ صاحب ثروت اہل ایمان زکوٰۃ و خیرات کی ادائیگی کا فرض خلوص نیت سے پورا کریں اور غریبوں اور حاجت مندوں کی اعانت و دستگیری سے دریغ نہ کریں۔

یکسانیت اور ہم آہنگی

روزہ انسان میں ایک منفرد اور خصوصی طرز کی یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ سارے عالم اسلام میں روزہ کے پابند ایک ہی وقت پر سحری اور افطار کرتے اور دیگر عبادات میں اپنا وقت گزارتے ہیں۔ صبح سے شام تک ہر قسم کے کھانے پینے اور منکرات و فواحشات سے مکمل اجتناب پر مبنی نظام الاوقات پر حیرت انگیز یکسانیت کے ساتھ تمام دنیا کے مسلمان کروڑوں کی تعداد میں بیک وقت عمل کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک ہی خاندان کے فرد ہیں جو ایک ہی وقت میں دسترخوان کے گرد سحری و افطار کے لئے جمع ہو کر کھاتے پیتے اور ایک ہی ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں روزہ کی حالت میں کھانے پینے کے علاوہ جائز فطری خواہش کی تکمیل کے سلسلہ میں بھی تمام مسلمان مکمل یکسانیت اور ہم آہنگی کے ساتھ عمل کرتے ہیں اور اس طرح پورا اسلامی معاشرہ وحدت فکر و عمل کی بے نظیر مثال پیش کرتا ہے۔

Marfat.com

خلوص

روزہ اہلِ ایمان کے جذبۂ خلوص وعقیدت اور دیانت وامانت کیساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے امتحان کا ذریعہ بھی ہے۔ جب ایک مسلمان روزہ کی حالت میں ہوتا ہے اور ہر قسم کے کھانے پینے اور دیگر لذتوں سے پرہیز کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کے قول وفعل کی صداقت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوتا۔ فرض کیجیے کہ یہی شخص ظاہری طور پر تو کھانے پینے وغیرہ سے دُور رہتا ہے مگر درپردہ تمام ممنوعہ چیزوں کو استعمال کرتا ہے تو کوئی دوسرا اس ظاہرہ "روزہ دار" کے کردار پر شک نہیں کر سکتا اور نہ باطنی طور پر اسے روک سکتا ہے مگر مومن روزہ دار اس قسم کی منافقت نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حقیقتِ حال کا پورا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہی ہر شخص کے ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔ وہ پوری دیانتداری کے ساتھ اپنا فرض پورا کرتا ہے۔ ان معنوں میں روزہ یا صوم گویا اللہ تعالیٰ اور بندہ (مومن) کے درمیان ایک غیر اعلان کردہ خاموش معاہدہ ہے جس کی پابندی کا وہ مومن عہد کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اسلامی عبادات میں یہ امتیاز صرف روزہ (صوم) کو حاصل ہے کہ وہ حدیثِ قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کا مظہر ہے کہ "روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا ہوں" (بخاری)

شر یا بدی سے تحفظ

روزہ ہر قسم کی برائی اور شر کے مقابلہ میں ڈھال بن کر ایمان ویقین کی تقویت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب ایک روزہ دار فرمانِ الٰہی کی اطاعت میں مقررہ اوقات میں ہر قسم کے جائز اور لذت بخش امور سے خلوصِ نیت کے ساتھ پرہیز کر سکتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کئے گئے

Marfat.com

کاموں سے بھی اسی ایمانی جرأت اور طمانیت کے ساتھ محفوظ بھی رہ سکتا ہے یہی جذبۂ اطاعت ایک طرف انسان کو نیکی پر آمادہ کرتا ہے تو دوسری طرف بُرائی سے بچنے کا حوصلہ اور صلاحیت بھی بخشتا ہے۔ اس طرح برائی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتا ہے۔

جہاد

روزہ، ایمان و یقین کی قوت میں اضافہ کر کے ایک مردِ مومن کو جہاد یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرنے کا حوصلہ دیتا ہے۔ صلوٰۃ صاحبِ ایمان میں نظم و ضبط (ڈسپلن) اور اطاعت کی حقیقی روح پیدا کرتی ہے اور روزہ اُس میں صبر و تحمل اور برداشت کی عظیم قوت بن کر اُسے نہ صرف بھوک پیاس کی شدت اور خواہشاتِ نفسانی سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ اُس میں جسمانی سختیاں جھیلنے اور اپنے فرض کو پورا کرنے کی دُھن اور لگن بھی پیدا کر دیتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کا مقصدِ حقیقی خدا کی زمین پر پھیلی ہوئی بُرائیوں کے خاتمہ کے ساتھ امن و سکون، صلح و آشتی، عدل و انصاف اور یقین و ایمان کی روح پرور فضا پیدا کرنا بھی ہے تاکہ انسانی معاشرہ صحیح معنوں میں خوش حالی سے ہمکنار رہوا اور افرادِ معاشرہ کے حقوق بھی غصب و تلف کے اندیشہ سے محفوظ رہیں۔

الغرض روزہ انسان میں اطاعتِ ربّی کا مخلصانہ و دیانتدارانہ جذبہ پیدا کرتا ہے خواہ اِس سلسلہ میں اُسے جسمانی مشکلات کا سامنا اور اپنی بہت سی خواہشوں اور لذت کوشیوں سے دست بردار ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔ روزہ ایک ایسی جسمانی اور روحانی تربیت ہے جس کے اصولوں پر حسنِ نیّت سے عمل کر کے انسان اطاعتِ الٰہی کا پابند ہو کر رضائے الٰہی کے انعام سے سُرخرو ہوتا ہے وہ اللہ کے لئے جینا اور اللہ کی راہ میں مرنا سیکھتا ہے اور در اصل

Marfat.com

یہی وہ مقصد ہے جس کے لئے انسان دنیا میں بھیجا گیا ہے اور اسی مقصد کی طرف رہنمائی کے لئے مختلف زمانوں میں پیغمبرؑ اور انبیاء مبعوث ہوئے ہیں۔

۶۔ حصولِ مقصد

لیکن روزہ کا حقیقی مقصد صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب ایک مسلمان اپنے دل میں خدا کا خوف (یعنی تقویٰ) پیدا کرے اور خود کو احکامِ الٰہی کا تابع کر کے اُس کی رضا کا طلبگار بن جائے۔ اور جن چیزوں سے اللہ نے منع کیا ہے اُن کے نزدیک بھی نہ جائے۔ ورنہ محض بھوکا پیاسا رہنا اور اطاعتِ الٰہی کا صحیح حق ادا نہ کرنا روزہ کی روح سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور نہ اس سے روحانی فیض حاصل ہو سکتا ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے باوجود جھوٹ بولنے سے پرہیز نہ کرے اور غلط روی پر مُصر رہے تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی بھوک اور پیاس کی حاجت نہیں یعنی اس صورت میں اس کی جسمانی مشقت محض بے سود ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو سکتی ہے آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ روزہ داروں میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنہیں سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا (ابن ماجہ، نسائی اور صحیح بخاری) دوسری طرف جو شخص خلوص نیت کے ساتھ روزہ رکھتا ہے تو اس کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث شریف میں ارشاد رسولؐ ہے کہ اگر کوئی شخص اس یقین اور ایمان کے ساتھ روزہ رکھے کہ اُسکو خدا کے سامنے جوابدہ ہونا ہے تو اُس کے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں حقیقت میں روزہ تمام شیطانی حربوں اور وسوسوں کے مقابلہ کیلئے ایک ڈھال ہے (ابن ماجہ، نسائی اور بخاری)

۷۔ لیلۃ القدر اور اعتکاف

ماہِ رمضان کی آخری دس راتوں میں ایک نہایت مقدس اور بابرکت

Marfat.com

رات بھی ہوتی ہے جسے شب قدر یا لیلۃ القدر کہتے ہیں۔ اس مبارک رات کو قرآن کریم میں ہزاروں راتوں سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ اس کی فضیلت کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ اسی شب قرآنِ کریم کا نزول شروع ہوا تھا جو تمام عالم کے لئے ہدایت اور قولِ فیصل کا درجہ رکھتا ہے ارشادِ ربّی ہے کہ رمضان کے مہینہ میں قرآن اوّل اوّل نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو حق و باطل کو الگ الگ کرنے والا ہے (البقرہ: ۱۸۵) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ رات رمضان کی آخری طاق راتوں میں ایک رات ہوتی ہے یعنی اکیسویں[۲۱]، تیئسویں[۲۳]، پچیسویں[۲۵]، ستائیسویں اور انتیسویں[۲۹] میں سے کوئی ایک رات۔ اس مقدس رات میں ملائکہ مقربین کا نزول ہوتا ہے اور طلوعِ صبح تک برکات وفیوض اور خیر وسلامتی کا سلسلہ جاری رہتا ہے (قدر ۱-۵) اس متبرک اور فیض آگیں شب میں طلوعِ فجر تک بیدار رہنا اور ذکرِ الٰہی میں لمحاتِ شب بسر کرنا فیضِ روحانی کا موجب ہوتا ہے۔

بندگی کا وہ جذبہ جو روزہ کے صلہ میں ایک مومن کو حاصل ہوتا ہے وہ بالآخر اسکو ایک اعلیٰ روحانی درجہ پر فائز کر دیتا ہے اور وہ ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کو اپنا شعار بنا لیتا ہے اور لذائذِ دنیوی اور عیش و راحت سے کنارہ کش ہو کر اور تمام دنیاوی امور حتیٰ کہ گھربار دوست احباب کاروبار، مال ومتاع، نفع نقصان، غرضیکہ ہر دنیاوی حرص وہوس اور فکر کو خیرباد کہہ کر محض ایک بستر کے ساتھ مسجد میں آ کر ماہِ رمضان کے آخری دس دن کے لئے مقیم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے شب و روز کا ہر لمحہ اللہ کی یاد اور عبادت کے لئے وقف ہو جاتا ہے وہ سوائے حوائجِ ضروریہ کے نہ تو مسجد کے حدود سے باہر قدم نکالتا ہے اور نہ بلا مقصد کسی سے کلام کرتا ہے۔ اس طریقۂ عبادت کو جو صرف رمضان المبارک کے آخری دس شب و روز کے لئے مخصوص ومتعین ہے "اعتکاف" کہتے ہیں۔ اعتکاف کی

Marfat.com

جاری رہتا ہے یعنی انتیسویں یا تیسویں رمضان کو شوال کا چاند دیکھ کر بعد نمازِ مغرب اعتکاف کی میعاد پوری ہو جاتی ہے۔ دینی عبادات میں اعتکاف سُنّتِ موکّدہ کفایہ " ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ محلہ یا مقامی مسجد کی حدود میں آباد لوگوں سے کم از کم ایک شخص بھی اعتکاف کرلے تو یہ فرض تمام اہلِ محلّہ کی جانب سے ادا ہو جائیگا اور وہ بھی شریکِ ثواب ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر کسی علاقہ سے کوئی شخص بھی اعتکاف میں نہ بیٹھے تو اس صورت میں اس علاقہ کے سارے لوگ عدم اطاعت کے مرتکب گردانے جائیں گے اور تمام افراد اپنی غفلت اور غیر ذمہ داری کی جوابدہی کے لئے خدا کے حضور پیش ہوں گے اعتکاف کے لئے مسجد میں قیام لازمی ہے۔ گھر یا کسی اور مقام پر اعتکاف جائز نہیں البتہ عورتوں کو گھر میں اعتکاف کرنا چاہیئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق معتکف یعنی اعتکاف کرنے والے کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اس کے نامۂ اعمال میں کسی قدر نیکی اور ثواب کا اضافہ کر دیا جاتا ہے (مشکوٰۃ)

Marfat.com

Marfat.com

باب پنجم

حج

۱۔ خانۂ کعبہ

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ اس کی ادائیگی کے لئے مکہ معظمہ جانا ضروری ہے۔ مکہ معظمہ ملک عرب کا قدیم ترین شہر ہے جہاں خدائے تعالیٰ کی مقدس عبادت گاہ "کعبۃ اللہ"، (خانۂ کعبہ) موجود ہے۔ احادیث نبویؐ کے مطابق خانۂ کعبہ کی اوّل تعمیر حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر بھیجے جانے سے بیشتر فرشتوں کے ذریعہ ہوئی تھی۔ پھر حضرت آدم نے انہی بنیادوں پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دوبارہ تعمیر کی اور اس میں عبادت بھی کی۔ طوفانِ نوحؑ میں کعبۃ اللہ شریف کی بنیادیں بھی منہدم ہوگئیں تھیں چنانچہ ایک عرصہ دراز کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے فرزند اسمٰعیلؑ نے حکم خداوندی کے تحت خانۂ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی اور انہی بنیادوں پر اللہ کا یہ مقدس گھر آج تک قائم ہے۔ خانۂ کعبہ کی تعمیرِ نو کا ذکر قرآنِ کریم میں بھی موجود ہے ارشادِ خداوندی ہے کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے اور دعا کرتے جاتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے پروردگار ہمکو اپنا فرمانبردار بنائے رکھیو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رہیو اور اے پروردگار ہمیں ہمارے طریقِ عبادت بتا اور ہمارے حال پر رحم کے ساتھ توجہ فرما۔ بیشک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔ اے پروردگار ان لوگوں میں

Marfat.com

انھی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان کے دلوں کو پاک صاف کیا کرے۔ بے شک تو غالب اور صاحب حکمت ہے (البقرہ: ۱۲۷ تا ۱۲۹) قرآن کریم میں یہ صراحت بھی پائی جاتی ہے کہ جس مقام پر خانہ کعبہ تعمیر کیا گیا ہے، اس کی نشاندہی بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو کر دی تھی چنانچہ ارشاد ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کے لئے خانہ کعبہ کو مقام مقرر کیا اور ارشاد فرمایا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیجیو اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو صاف رکھا کرو (الحج ۲۶) ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا اور حکم دیا کہ جس مقام پر ابراہیمؑ کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنا لو۔ اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو کہا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں، اور رکوع کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو۔ (البقرہ: ۱۲۵)

کعبہ کی تیسری بار تعمیر اہل قریش کے ہاتھوں مکمل ہوئی جس میں خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس حصّہ لیا اور اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود کی تنصیب کی۔ اس کے بعد خانہ کعبہ کی ایک اور تعمیر ابن زبیرؓ نے ۶۵ھ سنہ میں کی۔ موجودہ عمارت بجز چند معمولی تبدیلیوں کے جو حجاج بن یوسف کے حکم سے عمل میں آئیں، اُسی طرز پر قائم ہے جو ابنِ زبیرؓ نے تعمیر کرائی تھی۔ چنانچہ خانہ کعبہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت کے لئے تعمیر ہونے والا سب سے پہلا گھر ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ پہلا گھر جو لوگوں کے عبادت کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا، وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ بابرکت اور جہان کیلئے موجب ہدایت۔ (آل عمران ۹۵)
قرآنِ کریم میں خانہ کعبہ کو مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے مثلاً، "بیت العتیق" یعنی خانہ قدیم (حج: ۲۹) "بیت المعمور" یعنی آباد گھر (طور: ۴) ایک اور مقام پر

Marfat.com

خانۂ کعبہ کو "بیت الحرام" یعنی عزت والا گھر کہا ہے (مائدہ: ۹۷) ہر صاحب حیثیت مسلمان پر زندگی میں ایک بار حج بیت اللہ فرض ہے (آلِ عمران: ۹۶) خدا نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا ہے (بقرہ: ۱۲۵) جو شخص (مرد یا عورت) (اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت کی نیت سے) خانہ کعبہ میں داخل ہوتا ہے وہ ہر طرح محفوظ و مامون ہو جاتا ہے (آلِ عمران: ۹۶)

حج کے ارکان یہ ہیں: (ا) طواف (ب) سعی (ج) وقوف (د) رمی (ہ) نحر (و) حلق یا تقصیر۔

۲۔ طواف

خانۂ کعبہ کے گرد سات مرتبہ تسلسل کے ساتھ چکر لگانے کا نام "طواف" ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ لوگوں کو حج کے لئے ندا دو (حج: ۲۷) یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لوگوں کو حج بیت اللہ کی دعوت دی جائے اور حج کی ادائگی کے متعلق اعلان کر دیا جائے تاکہ لوگ ہر طرف سے آکر حج ادا کریں۔ اسی ضمن میں ارشاد ہے کہ لوگوں کو چاہیئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں اور خانۂ قدیم یعنی بیت اللہ کا طواف کریں (حج: ۲۹)

طواف کا ہر چکر حجرِ اسود سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتا ہے۔ حجرِ اسود خانۂ کعبہ کے جنوب مشرقی گوشہ میں دروازہ کے قریب نصب ہے۔ طواف شروع کرتے وقت پہلے حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر اس طرح طواف کی نیت کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ طَوَافَ بَیْتِكَ الْحَرَامِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ لِلّٰهِ تَعَالٰی فَیَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ (ترجمہ) اے اللہ میں تیرے مقدس گھر کے طواف کی نیت کرتا ہوں سات چکروں کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے تو اسے میرے لئے آسان فرما دے اور قبول فرما۔

Marfat.com

اس کے بعد دونوں ہاتھ کانوں تک نماز کی طرح اٹھا کر یہ تکبیر پڑھی جاتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ

(ترجمہ) اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو سب سے بڑا ہے اور سب تعریفیں اُسی کے لئے ہیں۔ اس کے بعد ممکن ہو تو حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ یہ اگر ممکن نہ ہو تو ہاتھ یا چھڑی سے چھو کر اس کو چوم لیتے ہیں اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہوا تو دور ہی سے دونوں ہتھیلیاں اُس کی طرف کر کے چوم لیتے ہیں اس کو استیلام کہتے ہیں۔ اس کے بعد کعبہ کے گرد چکر لگانا شروع کر دیتے ہیں اس طرح کہ کعبہ بائیں جانب رہتا ہے۔ اسی طرح سات چکر پورے کئے جاتے ہیں۔

طواف کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ پاک صاف اور باوضو ہو اور اس کی نیت حج، عمرہ یا نفلی طواف کی ہو۔ اگر عمرہ کی نیت ہو تو طواف کیلئے مخصوص لباس ,, احرام،، بھی ضروری ہے اگر طواف کے دوران فرض نماز کا وقت ہو جائے یا نمازِ جنازہ کا اعلان ہو جائے تو ایسی حالت میں طواف ملتوی کر کے یہ نمازیں ادا کرنی چاہیئں اور نماز کی تکمیل کے بعد طواف کا باقی حصہ مکمل کرنا چاہیئے۔

طواف پورا کر کے مقامِ ابراہیم پر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ,, واجب الطوف،، ادا کی جاتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ جس مقام پہ ابراہیم کھڑے ہوئے تھے۔ (یعنی مقام ابراہیم) اُس کو نماز کی جگہ (مُصلیٰ) بنا لو۔ (البقرہ: ۱۸۵) اس کے بعد چاہِ زمزم پر پہنچ کر آبِ زمزم خوب سیر ہو کر پیتے ہیں اور یہی پانی سر پر بھی ڈالتے ہیں۔ اسی سے ہاتھ منہ دھوتے ہیں اور کپڑوں پر چھڑکتے ہیں اور ساتھ ہی یہ دُعا بھی پڑھتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّ رِزْقًا وَّاسِعًا وَّ شِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَاءٍ (ترجمہ) اے اللہ مجھے علم نفع دینے والا نصیب فرما اور وسعت اور فراخی کی روزی عطا کر اور ہر بیماری سے شفا دے۔

اس کے بعد ,, ملتزم،، پر آتے ہیں۔ ,, ملتزم،، کعبہ کے دروازہ اور حجرِ اسود کے درمیان کا حصہ ہے۔ یہاں دیوارِ کعبہ سے چمٹ کر انتہائی خشوع و خضوع کے

Marfat.com

کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھر حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہیں یا استیلام کرتے ہیں اور سعی کیلئے روانہ ہوتے ہیں۔

67/2

۳۔ سعی

مکہ مکرمہ میں واقع دو مشہور پہاڑیوں "صفا" اور "مروہ" کے درمیان دوڑتے یا تیز تیز چلنے کا نام "سعی" ہے۔ یہ عمل سات مرتبہ دہرایا جاتا ہے۔ صفا اور مروہ کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ بے شک کوہِ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تو جو شخص خانۂ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اُس پر کچھ گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے (البقرہ: ۱۵۸) سعی کی ابتدا کوہِ صفا سے شروع ہوتی ہے اور "کوہِ مروہ" پر ختم ہوتی ہے اس کے بعد حرم شریف سے باہر آکر اگر صرف عمرہ کی نیت کی ہے تو سر منڈا کر احرام کا لباس اُتار دیتے ہیں اور اگر حج کی نیت ہے تو اس موقع پر نہ سر منڈاتے ہیں نہ احرام کا لباس اُتارتے ہیں۔

اس کے بعد حج کے دیگر مناسک (ارکان) اس طرح ادا کئے جاتے ہیں۔

آٹھویں ذی الحجہ کو احرام باندھ کر حرم شریف میں داخل ہوتے ہیں اور نمازِ فجر ادا کرتے ہیں۔ اور طلوعِ آفتاب کے بعد با آوازِ بلند تلبیہ پڑھتے ہوئے مکہ شریف سے "منیٰ" کی جانب روانہ ہو جاتے ہیں۔ منیٰ پہنچ کر ظہر، مغرب، اور عشاء کی نمازیں ادا کرتے ہیں اور نویں ذی الحجہ کو نمازِ فجر پڑھ کے "وقوف" کیلئے "عرفات" کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

۴۔ وقوف

نویں ذی الحجہ کو دوپہر اور غروبِ آفتاب کے درمیان جبلِ رحمت کے قریب واقع میدانِ عرفات میں قیام کا نام "وقوف" ہے۔ میدانِ عرفات میں ہر شخص اپنی آسانی اور سہولت کے لئے جہاں چاہے قیام کر سکتا ہے۔ عرفات میں قیام کے

Marfat.com

دوران اٹھنے بیٹھنے اور لیٹنے کی اجازت ہے۔ قیام عرفات کے دوران ظہر اور عصر کی نمازوں کی ادائیگی کے علاوہ ذکر الٰہی اور استغفار میں مصروف رہنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل وانعام سے نوازے جانے کے ساتھ ساتھ اپنے گناہوں کی مغفرت کی دعا بھی کرنی چاہیئے۔ آئندہ گناہوں سے اجتناب کی توفیق بھی بارگاہِ ایزدی سے طلب کرنی ضروری ہے تاکہ توبہ کی صحیح روح دل ودماغ میں قائم رہے اور اللہ تعالیٰ کا اکرام وانعام سراسر میں شامل حال رہے۔

غروبِ آفتاب کے فوراً بعد "مزدلفہ" کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں "مزدلفہ" کو مشعر الحرام" بھی کہتے ہیں، مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔ اور تمام رات تلاوتِ قرآن، ادائے نوافل، توبہ و استغفار، یادِ الٰہی، درود وسلام، اور طلبِ رحمت میں بسر کی جاتی ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جب عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعر الحرام (یعنی مزدلفہ) میں خدا کا ذکر کرو جس طرح تم کو اللہ نے سکھایا ہے (البقرہ: ۱۹۸) اس کے بعد اگلی صبح یعنی دس ذی الحجہ طلوعِ آفتاب کے بعد "مزدلفہ" سے روانہ ہو کر "منیٰ" کو جاتے ہیں۔ جہاں "رمی" کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

۵۔ رمی

"رمی" اُس رسم کا نام ہے جس میں حج کے زمانے میں دسویں، گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ کو جمرات (یعنی شیطان کے علامتی نشانات جو پتھر کے بنے ہیں) کو کنکریاں یا سنگریزے مارتے ہیں۔ ان شیطانوں (یعنی جمرات) کی تعداد تین ۳ ہے اور ان میں ہر ایک کو باری باری پتھر کا نشانہ بنایا جاتا ہے "مزدلفہ" سے منیٰ کے لئے روانہ ہوتے وقت ہر شخص ستر کنکریاں اپنے ساتھ لیتا ہے اور سب سے پہلے دسویں ذی الحجہ کو منیٰ پہنچ کر جمرۂ عقبیٰ (بڑے شیطان) کو نشانہ بنا کر ایک ایک کر کے (۷) سات کنکریاں مارتا ہے۔ اس کے بعد قربانی (نحر) کی رسم ادا کیجاتی ہے۔

Marfat.com

۶۔ نحر (قربانی)

قربانی کا حکم حضرت آدمؑ کے زمانہ سے جاری ہے۔ حضرت کے دو بیٹوں ہابیل
ر قابیل نے اپنے مطلب کو حاصل کرنے کی غرض سے اپنی اپنی طرف سے قربانی پیش
۔ مگر اُن میں سے صرف ایک یعنی ہابیل کی قربانی مقبول ہوئی اور دوسرے کی
ول نہ ہوئی (مائدہ: ۲۷) حضرت ابراہیمؑ نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت
ی اپنے فرزندِ ارجمند حضرت اسمٰعیل کی قربانی بارگاہِ ایزدی میں عملاً اور فی الواقع
ش کی۔ حق تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی اطاعت وقربانی اور حضرت اسمٰعیلؑ کی
یلیم ورضا کی ادا بہت پسند آئی۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ دونوں اس
لیم امتحان میں کامرانی وشادمانی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی
ں فقید المثال ایثار وقربانی کا ذکر قرآن کریم میں دلنشین پیرایہ میں کیا ہے۔ ارشاد
ے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو ایک نرم دل بیٹے کی خوشخبری دی۔ جب وہ (حضرت اسمٰعیلؑ)
ی (یعنی اپنے والدِ محترم) کے ساتھ (پرورش اور تربیت پاکر) دوڑنے کی عمر کو
نچا تو ابراہیمؑ نے اس سے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ جیسے تم کو ذبح کر رہا
وں تو تم سوچو کر تمھارا کیا خیال ہے۔ اُس نے کہا کہ ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے
ہی کیجئے۔ خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیے گا۔ جب دونوں نے کہا مان
یا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے اُن کو پکارا کہ اے ابراہیمؑ تم نے
واب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح
زمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو اُن کا فدیہ دیا۔ اور آئندہ زمانے کے
وگوں کے لئے ہم نے ابراہیمؑ کا ذکرِ خیر باقی رہنے دیا تاکہ ابراہیمؑ پر سلام ہو۔ ہم
نیکوکاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں
سے تھے (صٰفّٰت: ۱۰۱ تا ۱۱۱) احکامِ حج کے سلسلے میں ایک دوسری جگہ بھی قرآن کریم
میں نحر (قربانی) کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ خدا کے خوشنودی کے لئے حج اور عمرہ کو پورا

Marfat.com

کرو۔ اور اگر راستہ میں روک لئے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو کر دو۔ اور جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے، سر نہ منڈاؤ۔ پھر جب تکلیف دور ہو کر تم مطمئن ہو جاؤ تو جو تم میں حج کے وقت تک عمرہ سے فائدہ اٹھانا چاہیئے وہ جیسی قربانی میسر ہو، کرلے۔ (بقرہ: ۱۹۶) قربانی کے ایام معلوم میں چارپائے مولیشی کے ذبح کے وقت جو خدا نے دیے ہیں، اُن پر خدا کا نام لو۔ اس میں سے تم خود بھی کھاؤ۔ اور فقیر درماندہ کو بھی کھلاؤ (حج: ۲۸) ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے کہ ہم نے ہر ایک امت کے لئے قربانی کا طریق مقرر کر دیا ہے تاکہ جو مویشی چارپائے خدا نے اُن کو دیے ہیں، اُن کے ذبح کرتے وقت ان پر خدا کا نام لیں (حج ۳۴) اور قربانی کے اونٹوں کو بھی ہم نے تمھارے لئے شعائر خدا مقرر کیا ہے ان (شعار) میں تمھارے لئے فائدے ہیں۔ تو قربانی کے وقت اونٹوں کو قطار باندھ کر ان پر خدا کا نام لو۔ جب وہ پہلو کے بل گر پڑیں تو اُن میں سے کھاؤ اور قناعت سے بیٹھ رہنے والوں کو اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ (حج: ۳۶) خدا تک نہ ان قربانی کے جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون۔ بلکہ اس تک تمھاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔ اسی طرح خدا نے اُن کو تمھارا مسخر کر دیا ہے تاکہ اس بات کے بدلے کہ اس نے تم کو ہدایت بخشی ہے، اسے بزرگی سے یاد کرو۔ اور اے پیغمبر نیکوکاروں کو خوش خبری سنادو (حج: ۳۷) اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو (کوثر: ۲) قربانی کا فریضہ ادا کرنے کے بعد سر منڈانا ضروری ہے۔

۷۔ حلق یا تقصیر (سر منڈانا یا بال کتروانا)

سر منڈانا یا بال کتروانا بھی مراسم حج میں سے ہے جو قربانی کے بعد پوری کی جاتی ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ۔ اور اگر تم میں کوئی بیمار ہو یا اُس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو اگر وہ سر منڈالے تو اس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے (بقرہ: ۱۹۶)

Marfat.com

حلق یا تقصیر کا ذکر سورہ الفتح (۴۸) آیت ۲۷ میں بھی وارد ہوا ہے، ارشاد ہے کہ خدا نے چاہا تو تم مسجدِ حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کتروا کر امن وامان سے داخل ہوگے اور کسی طرح کا خوف نہ کروگے (فتح: ۲۷) اِس فریضہ کی ادائیگی کے بعد احرام کا لباس اُتار کر اور اپنا ذاتی لباس پہن کر پھر کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے (حج: ۲۹) جس کو "طواف الزیارت" کہتے ہیں۔

۸۔ تشریق

طوافِ الزیارت کے بعد پھر منیٰ کو واپس ہوتے ہیں جہاں گیارھویں، بارھویں، اور تیرھویں ذی الحجہ تک قیام کیا جاتا ہے۔ اور اس دوران روزانہ "رمی" کی جاتی ہے یعنی ہر تین جمروں کو باری باری سات سات کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

اسلام کی آمد سے پہلے کفارِ مکّہ کا یہ دستور تھا کہ وہ منیٰ میں بیٹھ کر اپنے آباد اجداد کے کارناموں کا فخر و تکبّر کے ساتھ تذکرہ بلند آواز سے کیا کرتے تھے۔ گویا اُن کے باپ دادا کے کارنامے اُن کے لئے نمونۂ تقلید اور قابلِ فخر تھے۔ اس کے جواب میں اور اس بے جا فخر و مباہات کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے بلند آواز سے حمد و ثنا کا حکم دیا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو منیٰ میں خدا کو یاد کرو، جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ (بقرہ: ۲۰۰) اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کو ہدایت کی گئی کہ اپنے باپ دادا کے ذکر کی بجائے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کریں۔ منیٰ کے قیام کے دِنوں کو ایّامِ تشریق کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی اصطلاح میں ان ایام کو "ایّاماً معدودات" (گنتی کے مقررہ دن) بھی کہا گیا ہے۔ ارشاد ہے کہ قیامِ منیٰ کے دِنوں میں جو گنتی کے دن ہیں، خدا کو یاد کرو۔ اگر کوئی جلدی کرے اور دو ہی دن میں چل دے تو اُس پر بھی گناہ نہیں اور جو بعد تک ٹھہرا رہے اُس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ یہ باتیں اُس شخص کے لئے ہیں جو خدا سے ڈرے (البقرہ: ۲۰۳)

Marfat.com

۹۔ طوافُ الوداع

تیرھویں ذی الحجہ کو، رمی کے بعد مکہ مکرمہ واپس ہوتے ہیں جہاں کعبۃ اللہ کا آخری بار طواف کیا جاتا ہے جسے "طواف الوداع" کہتے ہیں۔ طوافُ الوداع کے بعد دعا کرتے ہیں اور پھر اُلٹے پاؤں بیت اللہ شریف کی حدود سے باہر آجاتے ہیں۔

یہ اجمالی خاکہ ارکان حج بیت اللہ کا ہے جس کی ابتدا آٹھویں ذی الحجہ سے شروع ہو کر تیرھویں ذی الحجہ کو اختتام پذیر ہوتی ہے۔ ان تمام ارکان کی ادائیگی کے دوران یعنی حجر اسود کا بوسہ، طواف کعبہ، نحر (قربانی)، ایک مقام سے دوسرے مقام پر آتے جاتے وقت قرآن کریم کی آیات تلبیہ اور اسمائے الٰہی کا وِرد، ادائے نوافل، توبہ واستغفار اور دوسری مخصوص دعائیں پڑھی جاتی ہیں۔ معلّم یہ دعائیں اپنے زیرِ نگرانی زائرین کو مناسب مواقع اور مقررہ اوقات میں سکھاتا اور اُن کے معنی ومفہوم ذہن نشین کراتا رہتا ہے۔ زیرِ مطالعہ کتاب کی ضخامت کے پیشِ نظر ان دعاؤں کا متن اور ان کا اردو ترجمہ اور تشریح شاملِ کتاب نہیں کیا جارہا ہے۔ یوں بھی ان ارکان ومناسکِ حج اور دعا وآداب کی تفصیل متعلقہ کتابوں میں عام طور پر دستیاب ہیں۔

۱۰۔ شرائطِ حج

ارکانِ حج کی صحیح ادائیگی کے لئے تین شرطوں کا پورا ہونا لازمی ہے (۱) لباس (احرام) (۲) مقام اور (۳) وقت۔ وہ خاص لباس جس کو پہن کر ارکانِ حج ادا کئے جاتے ہیں احرام کہلاتا ہے۔ مکہ معظمہ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات وہ مقامات ہیں جہاں حج کے مختلف ارکان ادا کئے جاتے ہیں اور وقت سے مراد وہ مخصوص ایام ہیں یعنی آٹھویں ذی الحجہ سے تیرھویں ذی الحجہ تک جن کے دوران حج کے تمام مراحل پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی باقی یا نا تمام رہ جائے تو حج ادا نہیں

Marfat.com

ہوتا۔ ذیل میں ان شرائط کے متعلق مزید تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

(الف) لباس

احرام یعنی حج کا مخصوص لباس دو بغیر سلے ہوئے کپڑوں (چادر یا تولیہ وغیرہ) پر مشتمل ہوتا ہے۔ دونوں کپڑے نئے (یا دھلے ہوئے) پاک صاف، بغیر سلے ہوئے اور ترجیحاً سفید ہونے چاہئیں۔ مردوں کو سر کھلا رکھنا چاہیئے، کوئی ٹوپی چادر وغیرہ سر پر نہ اوڑھیں۔ تاہم عورتوں کا سر سے پیر تک تمام جسم سوائے چہرہ کے مکمل طور پر ڈھکا رکھنا ضروری ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنا معمولی روزمرّہ کا لباس استعمال کر سکتی ہیں۔ "احرام" حدودِ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے راستہ کے ایک مقررہ جگہ سے پہنا جاتا ہے۔ ان مقامات کو (جہاں احرام پہن کر مکہ معظمہ کا رُخ کرتے ہیں) "میقات" کہتے ہیں۔ میقات ہر اس راستہ پر مقرر ہے جہاں سے شہر مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہیں۔ احرام پہننے سے پہلے حجامت بنانا اور مکمل غسل کر کے خود کو ہر طرح سے پاک صاف کر لینا ضروری ہے۔ احرام پہن کر دو رکعت نماز نفل ادا کر کے "تلبیہ" پڑھنا چاہیئے۔ "تلبیہ" کے کلمات یہ ہیں لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکُ لَا شَرِیْکَ لَکَ ۔ ترجمہ۔ میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، تمام تعریفیں اور نعمتیں تیرے لئے ہیں، اور ملک تیرا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ ان کلمات کو دُہرا کر حج یا عمرہ جس کی بھی نیت ہو ابتدا کی جاتی ہے۔ احرام کی حالت میں بیوی سے قربت، گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا سر یا داڑھی منڈانا یا کسی جگہ سے بال توڑنا یا کاٹنا یا کسی جانور کو مارنا یا شکار کرنا (سوائے دریائی چیزوں مچھلی وغیرہ) ممنوع ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے کہ حج کے مہینے معین ہیں جو معلوم ہیں۔ تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے تو حج کے دنوں میں نہ بیوی سے اختلاط کرے، نہ کوئی برا کام کرے اور نہ کسی سے جھگڑے، اور جو نیک کام

Marfat.com

تم کرو گے وہ خدا کو معلوم ہو جائیگا (بقرہ ۱۹۷) مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا۔ اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اسے مارے تو یا تو اس کا بدلہ دے کہ اسی طرح کا چارپایہ جسے تم میں سے دو معتبر شخص مقرر کر دیں قربانی کرے اور یہ قربانی کعبہ تک پہنچائی جائے یا کفارہ دے اور وہ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے ... تمھارے لئے دریا کی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے یعنی تمھارے اور مسافروں کے فائدے کیلئے۔ اور جنگل کی چیزوں کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تم پر حرام ہے (مائدہ ۹۵، ۹۶)

(ب) مقام

ارکان و مناسک حج کے لئے علیحدہ علیحدہ مقامات متعین ہیں یعنی طواف کے لئے خانۂ کعبہ، "سعی" کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کی جگہ (بقرہ: ۱۸۵) "وقوف" کے لئے میدانِ عرفات (بقرہ: ۱۹۸) دسویں ذی الحجہ کی شب گزارنے کے لئے مزدلفہ اور قیام "رمی" "قربانی اور سر منڈانے کے لئے منیٰ کے مقامات مقرر کئے گئے ہیں۔ تمام ارکان و مراسم حج ان ہی متعین اور مقررہ مقامات پر ادا کرنے چاہئیں۔ ان کے علاوہ غیر متعین مقام پر کسی رسم کا ادا کرنے یا ان کی ترتیب میں ردّ و بدل کرنے سے حج کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

(ج) وقت

لباس اور مقام کے ساتھ حج کے لئے تاریخ اور اوقات بھی متعین کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن کریم کے مطابق سال ہجری کے تین مہینے یعنی دسواں، گیارھواں اور بارھواں مہینہ (یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ) حج کے مہینے ہیں (بقرہ ۱۹۷) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکجہتی اور ملت کی مرکزیت کے لئے ذی الحجہ کو حج کا مہینہ منتخب فرمایا۔ پہلے تھا ہی ارکان و مناسک حج کے لئے تاریخ اور مقام بھی

Marfat.com

متعین کر دیئے تاکہ مسلمان دنیا کے گوشہ گوشہ سے جمع ہو کر بیک وقت اتحادِ ملی کے ساتھ اپنی عقیدت و عبودیت کا اظہار کر سکیں۔

حج کا بنیادی رکن میدانِ عرفات میں وقتِ مقررہ پر حاضر ہونا ہے یعنی نویں ذی الحجہ کی دوپہر سے غروبِ آفتاب تک اس مقام پر موجودگی لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص خواہ کسی بھی عذر کے باعث وقتِ معینہ کے دوران میدانِ عرفات میں حاضر نہ ہو تو اس کا حج ادا نہ ہوگا۔ دسویں ذی الحجہ کی رات مزدلفہ میں گذارنا، گیارھویں بارھویں اور تیرھویں ذی الحجہ منیٰ میں قیام کرنا بھی ضروری ہے جہاں روزانہ رمی کیجاتی ہے۔ اور قربانی اور سر منڈانے کی رسم ادا کی جاتی ہے اور دسویں ذی الحجہ سے بارھویں ذی الحجہ کے دوران ایک بار "طواف الزیارت" کیا جانا ضروری ہے۔

۱۱- عُمرہ

عُمرہ کو عام طور پر حج اصغر بھی کہتے ہیں جو سال کے کسی حصہ میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے جب کہ فریضۂ حج کی تکمیل اپنے مقررہ ایام ہی میں ہوتی ہے۔ دوسرا فرق حج اور عمرہ کے درمیان یہ ہے کہ عمرہ کے لئے وقوف، رمی اور نحر یا قربانی لازمی نہیں عمرہ کی ادائیگی احرام، طوافِ کعبہ، اور کوہِ صفا و مروہ کے درمیان سعی پر مشتمل ہے۔ ان فرائض کی تکمیل سے عمرہ ادا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد سر منڈوا کر احرام کھول دیا جاتا ہے

۱۲- حج کی فرضیت

حج ان تمام مسلمانوں (مرد و عورت) پر زندگی میں ایک بار فرض ہے جو بالغ عاقل اور صاحبِ حیثیت ہوں، صاحبِ حیثیت سے مراد وہ مالی استحکام ہے جس کے ذریعہ حج کا خواہشمند حج کے لئے تمام ضروری اخراجات خود برداشت کر سکے اور اسی کے ساتھ بال بچوں کی کفالت کے لئے گھر سے غیر حاضری کے دوران اسبابِ خورد و نوش بھی مہیا کر سکے قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ لوگوں پر خدا کا حق ہے کہ جو اس

Marfat.com

گھر (یعنی کعبۃ اللہ) تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے (آلِ عمران: ۹۷) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو حکم فرمایا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو کہ تمھاری طرف (حج کے لئے) پیدل اور دُبلے دُبلے اونٹوں پر دور دراز راستوں سے سوار ہو کر چلے آئیں (حج: ۲۲) اور خانۂ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں (حج: ۲۹) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے مسلمانوں تم پر حج فرض کیا گیا ہے، لہذا تمھیں چاہیئے کہ اس فرض کو پورا کرو (مسلم)

۱۳۔ حج کا مقصد

خالقِ کائنات وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کا پیغام بھی دنیا کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے ایک ہی ہے۔ چنانچہ اس پیغام کو ماننے والے تمام انسان ملّتِ واحدہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں۔ حج دراصل اسی حقیقت کا عملی مظاہرہ ہے حج کا اجتماع بلاشک وشبہ اس حقیقت کو آشکارا کرتا ہے کہ اس دنیا میں خدا کی وحدانیت اور رسولِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایمان رکھنے والے یعنی مسلمان وہ ملّت واحدہ ہیں جس کے افراد کے درمیان زمان ومکان کا بُعد، رنگ ونسل، قد وقامت اور زبان ولباس کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ان کے ایمان کی بنیاد ہی یہ ہے کہ اہلِ اسلام کے قول وفعل حقیقی معنو ں میں یکساں ہوں کیونکہ وہ سب ایک ہی خدائے وحدہٗ لاشریک پر یقین رکھتے ہیں۔ اسی ایک خدا کے آگے سربسجود ہوتے ہیں۔ تعلیمات ربّانی کے ایک ہی کلمات دُہراتے ہیں، ارکانِ اسلام یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج ایک ہی طرز پر ادا کرتے ہیں۔ ایک ہی طرح کا لباس پہنتے ہیں۔ ایک ہی طرح کے خورد ونوش رکھتے ہیں، جائز اور حلال چیزیں استعمال کرتے ہیں اور حرام اور ناجائز چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا چہار دانگ عالم سے آنے والے خلوصِ عقیدت سے سرشار لاکھوں اہلِ ایمان کے قلوب ایک ساتھ دھڑکتے ہیں اور ان بظاہر لاکھوں جسموں میں صرف ایک

Marfat.com

ہی روح کارفرما ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اہل ایمان کی یہ اجتماعی کیفیت حضرت آدمؑ سے شروع ہوتی ہے جو روئے زمین پر سب سے پہلے انسان کی حیثیت سے تشریف لائے اور کعبۂ مکرمہ میں بارگاہِ احدیت کے حضور سر نیاز جھکایا، اسی کیفیت کا احیا، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے ذریعہ ہوا جو اپنے عہد کے دو پاک نفس اہلِ ایمان تھے جن کے ہاتھوں کعبۃ اللہ شریف کی تعمیر نو کا مقدس فریضہ انجام پایا اور طوافِ کعبہ کی از سرِ نو ابتدا ہوئی۔ اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے لے کر آج تک لاکھوں کروڑوں اہلِ ایمان کا ہر سال حج کے موقع پر عظیم الشان اجتماع اسی کیفیت پر مشتمل قلب ونظر کو تازگی بخشنے والا وہ منظر پیش کرتا رہا ہے اور انشاء اللہ تاقیامِ قیامت کرتا رہیگا جس کی مثال تاریخِ عالم کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔

حج اور زیارتِ کعبہ کے تاریخی پس منظر کا جائزہ اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ دنیا کے پہلے انسان حضرتِ آدمؑ نے اسی کعبۃ اللہ شریف میں نماز ادا کی جس کو قرآنِ پاک میں اس سرزمین پر خدا کا سب سے پہلا گھر کہا گیا ہے۔ حضرتِ آدمؑ کے بعد مختلف زمانوں میں اور بہت سے پیغمبر آئے اور انھوں نے اللہ کا پیغام اپنی اپنی قوم کو سنایا مگر ان قوموں نے بالخصوص قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، اہلِ مدین اور قومِ لوطؑ نے اپنے اپنے پیغمبروں کی تکذیب و توہین کی۔ انھوں نے نہ صرف احکامِ الٰہی سے روگردانی کی بلکہ وہ اللہ کے دین کی بیخ کنی کے درپئے ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام قومیں صفحۂ ہستی سے ناپید کردی گئیں۔ ان کے بعد اپنے وقت کے مغرور ترین بادشاہ نمرود نے حضرتِ ابراہیمؑ کو محض اس بناء پر کہ آپؑ نے اپنی قوم کو توحید کا پیغام پہنچایا تھا، دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا مگر اللہ کے حکم سے آگ کے شعلے پھول بن گئے اور حضرتِ ابراہیمؑ صحیح وسالم باہر آکر اپنے مشن میں اور زیادہ انہماک اور تندہی سے مصروف ہو گئے۔ حکمِ خداوندی کے مطابق آپ نے کعبۃ اللہ شریف کی از سرِ نو تعمیر کرکے مکۂ مکرمہ کو تبلیغ وحدانیت کا مرکز بنایا اور توحید کا پرچم بلند کیا۔

Marfat.com

لیکن حضرت ابراہیمؑ کو اس عظیم مقصد کے لئے سخت اور کڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ اوائلِ نبوت ہی میں جب آپؑ نے لوگوں کو بُت پرستی چھوڑ کر خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی تو سب سے پہلے خود گھر والوں نے آپؑ کی مخالفت کی اور آپؑ کے والد نے گھر ہی سے نکال دیا۔ اس کے بعد جب ایک موقع پر لوگوں کو بتوں کی بے حسی اور بے کسی کا درس دینے اور اس کا عملی مظاہرہ کرنے کی غرض سے آپؑ نے اپنی قوم کے بُت توڑ ڈالے تو اس کی پاداش میں آپؑ کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد سخت آزمائش کا ایک اور موقع اس وقت آیا جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عزیز ترین شئے کو قربان کرنیکا حکم دیا اور آپؑ نے اپنے لختِ جگر (حضرت) اسمٰعیلؑ کو راہِ حق میں قربان کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا حالانکہ حضرت اسمٰعیلؑ عطائے خداوندی کا بیش بہا نمونہ تھے اس لئے کہ آپ کی ولادت اس وقت ہوئی تھی جب حضرت ابراہیمؑ کی عمر شریف نوّے سال سے تجاوز کر گئی تھی انھی آزمائشوں میں ایک اور نازک گھڑی وہ بھی آئی جب حضرت ابراہیمؑ کو بحکم خداوندی اپنی بیوی حضرت ہاجرہؓ اور اُن کے اکلوتے بیٹے (حضرت) اسمٰعیلؑ کو عالمِ شیر خوارگی میں مکہ کی غیر آباد اور بے آب وگیاہ وادی میں تنہا چھوڑنا پڑا آپؑ نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اس صبر آزما حکم کی بھی اطاعت کی۔ ان آزمائشوں میں ثابت قدمی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو تمام انسانوں کا امام بنایا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جب پروردگار نے چند باتوں میں (حضرت) ابراہیمؑ کی آزمائش کی تو وہ اُن میں پورے اترے۔ خدا نے کہا میں تم کو تمام لوگوں کا پیشوا بناؤں گا (البقرہ: ۱۲۴) ایک اور جگہ فرمایا کہ بے شک ابراہیمؑ لوگوں کے امام اور خدا کے فرمانبردار تھے، جو ایک خدا کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے اُس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، خدا نے ان کو برگزیدہ کیا اور سیدھی راہ پر چلایا۔ (النحل: ۱۲۰۔ ۱۲۱)

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بے مثال اور بے انتہا عقیدت مندی، مستحکم وپائدار

Marfat.com

توت ایمانی اور بدرجۂ اتم تسلیم و رضا کے ساتھ اپنے آپ کو احکامِ الٰہی کے سپرد کر دیا۔ اس کے صلہ میں آپ کو قربت و رفاقتِ الٰہی کا گراں ترین اعزاز عطا ہوا اور آپ بارگاہِ ربانی میں "خلیل اللہ" کے ممتاز لقب سے نوازے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطائے کثیر سے مالا مال کیا۔ جب آپؑ نے بارگاہِ ایزدی میں دعا فرمائی کہ اے اللہ تو اپنے کرم سے اس سرزمین بے آب و گیاہ (یعنی مکہ) کو مامون و محفوظ شہر بنا دے اور یہاں کے رہنے والوں کو شیریں اور تازہ پھلوں سے متمتع فرما۔ (البقرہ: ۱۲۱) تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی التجا قبول فرمائی اور اس شہر (یعنی مکہ) کو بلد الامین یا امن کا شہر بنا دیا۔ (آلِ عمران: ۹۵) جہاں دور دراز اور گرد و نواح سے قسم قسم کے میوہ جات کی آمد شروع ہو گئی (قصاص: ۵۷) چنانچہ آج بھی مکہ کے بازاروں میں مختلف قسم کے میوے اور پھل ہر موسم میں افراط کے ساتھ دستیاب ہیں۔ یہ لازوال فیضانِ ربی، حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کی مقبولیت کا ثمرہ ہے۔

اس کے علاوہ جب اہلِ مکہ اور خود خانۂ کعبہ کو بیرونی حملوں کا اندیشہ ہوا تو اعانتِ کردار نے اس کا بھی بروقت سدباب کیا۔ تاریخ میں قومِ تبع اور ابرہہ کے حملوں اور تائیدِ ایزدی سے ان کی شکست کا حال بالتفصیل موجود ہے ابرہہ کے لشکرِ جرار کو ابابیل جیسے چھوٹے اور کمزور پرندوں کی چونچوں سے برسنے والے کنکروں نے کس طرح ہلاک کیا۔ قرآن کریم میں یہ حیرت انگیز اور یقین آفریں واقعہ سورۂ فیل (آیات ۱تا۵) میں اجمالاً مذکور ہے۔ خانۂ کعبہ کی تعمیرِ نو کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے کعبہ کا طواف کیا اور دعا فرمائی: کہ اے پروردگار ہماری ذریات میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے اور ان کے دلوں کو پاک صاف کرے بیشک تو غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔ اس دعا کی مقبولیت اس طرح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مقامِ ابراہیمؑ کو عبادت کی جگہ (مصلیٰ) کا درجہ عطا فرمایا (البقرہ: ۱۲۵) بیت اللہ شریف کے حج کی فرضیت کے احکام نازل کئے (آلِ عمران ۹۶) اور حضرت ابراہیمؑ کی اولا

Marfat.com

میں سے اور اسی سرزمین مکہ پر نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا (فتح: ۲۸-۲۹) اور یہیں سے توحید کے علمبردار مسلمانوں کی ابتدا ہوئی جو صحیح معنوں میں احکام الٰہی کے پابند ہیں (النحل: ۱۲۳ اور ممتحنہ: ۴) حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اہل خاندان (حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ) کو اسی بے آب وگیاہ سرزمین مکہ میں بسایا۔ اس بلند پایہ ایثار واطاعت کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے مکہ کو مقام امن اورام القریٰ کا مقام عطا فرمایا جہاں چہار دانگ عالم سے زائرین ومعتقدین جوق در جوق آتے رہتے ہیں (انعام: ۹۲، حج: ۲۷ اور عنکبوت: ۶۷) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اپنے فرزند جلیل حضرت اسمٰعیلؑ کی پیش کردہ قربانی کو شرف قبولیت بخشا اور ان کی پیشکش کو درجۂ احترام ودوام دے کر اسی وقت اور اسی مقام پر ہر سال قربانی کو حج کا لازمی رکن قرار دیا۔ چنانچہ تمام عالم اسلام میں ادائے قربانی کے توسط سے ذبح عظیم یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یاد تازہ ہوتی رہتی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ (البقرہ: ۱۲۷ اور حج: ۳۶)

اسی طرح حضرت ہاجرہؓ (والدہ محترمہ حضرت اسمٰعیلؑ) کا پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا بھی اللہ تعالیٰ کو پسند آیا چنانچہ "سعی" کے ذریعہ اس مامتا سے بھری ہوئی بیقراری کو زندۂ جاوید کر دیا (بقرہ: ۱۵۸) یہ اسی دوڑ اور تلاش کا صلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان بے پیاس سے بے قرار بچہ (حضرت اسمٰعیلؑ) کی تسکین کے لئے زمزم کا چشمہ جاری کر دیا جس کے پانی کی مقدار کا اندازہ عقل انسانی سے بالاتر ہے اور اس کے طبی اور روحانی فوائد بے شمار ہیں۔

چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حج کے لئے آنے والا ہر شخص ہر سال حج کے دوران وہ تمام مراسم اور مناسک ادا کرتا ہے جو ہزاروں سال پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہونے والے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ، ان کے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ اور حضرت ہاجرہ نے اسی وادیٔ غیر ذی ذرع (مکہ) میں کامل جذبہ اطاعت حق میں ادا کئے تھے۔ ان برگزیدہ ہستیوں نے اعلائے کلمۃ الحق

Marfat.com

زیرِ پرچم توحید کو بلند رکھنے کے لئے منکرینِ حق کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور تائیدِ ایزدی سے اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اور اسی کے طفیل حق و صداقت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ پھر روشن ہوگیا۔

حج بیت اللہ شریف کے بنیادی مقصد کو سمجھنے کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی اُس دعا کو سمجھنا ضروری ہے جو آپ نے حضرت ہاجرہؓ اور اپنے شیر خوار فرزند (حضرت) اسمٰعیلؑ کو مکہ کی غیر آباد اور بنجر زمین پر محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے حوالے کرتے وقت کی تھی کہ اے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو وادیٔ مکہ میں جہاں کھیتی نہیں ہوتی۔ تیرے عزت و ادب والے گھر کے پاس بسا دیا ہے، اے پروردگار تاکہ یہ نماز پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو میووں سے روزی دے تاکہ تیرا شکر کریں (ابراہیم: ۳۷) دعا کے کلمات واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اصل مقصد "اقامتِ صلوٰۃ" تھا اور حقیقت یہ ہے کہ تخلیقِ کائنات کا بنیادی مقصد بھی "اقامتِ صلوٰۃ" یا خدائے بزرگ و برتر کی عبادت ہی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (ذاریات: ۵۶) اور یہ عبادت بالجبر نہیں بلکہ رضا و رغبت کے ساتھ ہونی چاہیے کیونکہ قرآن نے صاف کہا ہے کہ اللہ کے دین میں کسی قسم کا جبر و اکراہ نہیں ہے۔ (آلِ عمران: ۱۸) اور شیطان کے اس چیلنج کے باوجود ہونی چاہیے کہ میں تیرے سیدھے راستہ پر انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے بیٹھوں گا۔ پھر اُن کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے غرض ہر طرف سے آؤں گا اور اُن کی راہ زنی کروں گا۔ اور تو اُن میں اکثر کو شکر گذار نہیں پائے گا۔ (اعراف: ۱۶-۱۷)

حج کے بنیادی مقصد اور اس کے پس منظر کے سلسلہ میں سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر حج کا مقصد صرف اقامتِ صلوٰۃ ہی تھا تو اس کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زوجہ محترمہ اور شیر خوار فرزند کو اس سنسان اور بنجر زمین پر یکہ و تنہا چھوڑ جانا کیوں ضروری سمجھا جب کہ یہی مقصد اپنے وطن یا کسی دوسری آباد اور سرسبز

Marfat.com

حکہ نہ ذکر بھی حاصل کیا جا سکتا تھا؟ یہ صحیح ہے۔ مگر سلامتی جان اور استقلالِ ای
کے لئے ساز گار ماحول کی ضرورت تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک ایسی سرزمین
انتخاب بھی درکار تھا جو اگرچہ وقتی طور پر بنجر اور بے آب و گیاہ نظر آتی تھی مگ
اپنی فطرت و خاصیت میں نمی بھی رکھتی تھی جس پر ایمان و عمل کی کھیتی کے لہ
اٹھنے کی پوری توقع تھی اور یہ شرف ملک عرب میں صرف وادی مکہ کو حاصل
جو بہت جلد بلد الامین (امن کا شہر) بننے والا تھا۔ حالات و واقعات کے مطال
سے یہ حقیقت سامنے آجائیگی کہ ایسے ماحول میں جہاں دُور دُور تک اللہ کا نام لی
نظر نہ آتا ہو ساری قوم نہ صرف شرک و بت پرستی میں مبتلا ہو بلکہ اس نے اپ
ہی قوم کے ایک پاک نفس انسان کو خدا کی وحدانیت کا پرچار کرنے پر دہکتی ہو
آگ میں جھونک دینے تک سے گریز نہ کیا ہو اس قوم میں مزید وقت ضائع
کی بجائے خدا کے پیغمبر کے لئے صرف یہی ایک متبادل طریق کار رہ گیا تھا کہ وہ اپ
اہل و عیال کو ایسی جگہ آباد کرے جہاں منکرین حق اور دشمنانِ دین آکر آباد ہو
کا تصور تک نہ کر سکیں۔ لیکن جس کے پہلو میں توحیدِ الٰہی کا اوّلین نشان کعبۃ اللہ
کی شکل میں تاریخ انسانی کے اوّلین دور سے موجود تھا اور جو اپنی فطرت میں ایسی
سرسبزی اور شادابی بھی رکھتی تھی جہاں توحید و رسالت کا بیج نشو و نما پا کر ایمان
و صداقت کا شجر بن کر منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہو سکتا تھا۔ اور جہاں کفر و الحا
کی ناپاک ہواؤں کا گذر بھی آسان نہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے کمال یقین و ایما
کے ساتھ احکاماتِ خداوندی پر عمل کیا آپ کو نصرت خداوندی پر بھروسہ تھا اور
آپ جانتے تھے کہ خداوندِ عالم ہی رَزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنِ یعنی رزق دینے والا
زور آور اور مضبوط ہے (الذاریات: ۵۸) موت و زندگی پر اسی کی قدرت اور
اسی کا اختیار ہے (توبہ: ۱۱۶) اور اسی قادرِ مطلق کے ہاتھ کائنات کا نظام ہے اور
اس کی مرضی کے بغیر کوئی کسی کو گزند نہیں پہنچا سکتا (توبہ: ۵۱)

حضرت ابراہیمؑ کے اس بیش بہا ایثار اور انتہائے خلوص کو بارگاہِ ایزدی میں شرف

Marfat.com

قبولیت اور اجر عظیم سے نوازا گیا۔ اسی خشک و بنجر زمین مکہ میں ایک ابدی چشمۂ راحت اُبل پڑا جسے "زمزم" کا نام دیا گیا اور یہی غیر آباد علاقہ بہت جلد خوش حال اور محفوظ و مامون علاقہ بن گیا جہاں انسان کشاں کشاں آکر آباد ہونے لگے اور دیکھتے دیکھتے یہ مردم خیز زمین اپنی آغوش میں کثرتِ آبادی اور فراوانیِ رزق کا گہوارہ بن گئی۔ اب یہاں ضرورت کی ہر چیز مہیا تھی اور یہیں شجرِ اسلام پوری شان و شوکت سے نشو و نما پاکر چہار دانگِ عالم کو اپنے پھولوں کی خوشبو اور پھلوں کی شیرینی سے مسحور و مسرور کرنے لگا۔ یہی مکہ جو قبلِ اسلام اصنام پرستی کا مرکز بن گیا تھا بالآخر خالص اور کامل ایمان و عقیدت کا سرچشمہ بن گیا۔ اسی مقدس سرزمین پر اُس جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہستی کا ظہور ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے "رحمۃ للعالمین" کے لقب سے پکارا (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی مکہ کے متعلق بشارت سنائی گئی تھی کہ یہی وہ مقدس سرزمین ہے جہاں قدرتِ خداوندی کی اعلیٰ نشانیاں موجود ہیں۔ جس کو مقامِ ابراہیم ہونے کا شرف حاصل ہے اور یہی وہ خطۂ زمین ہے جو اپنی آغوش میں آباد ہونے والوں کو ہر آفت اور نقصان سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہیں خدا کا گھر ہے جس کی زیارت ہر مسلمان صاحبِ حیثیت پر فرض کی گئی ہے "مقامِ ابراہیم" دراصل ایک نسبت ہے تعلیم و تبلیغ کا وہ نقطۂ آغاز ہے جہاں سے توحید و رسالت کا پیام دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا۔ مکہ معظمہ ظہورِ اسلام سے پہلے بھی امن و سلامتی کا گہوارہ تھا جہاں کم از کم چار مہینوں کے لئے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دشمنوں کے درمیان جنگ و جدال موقوف ہو جاتی تھی ورنہ قبیلے قبیلے اور خاندان سالہا سال سے مصروفِ پیکار رہتے تھے اور اُن کی خون آشام تلواریں سال کے بقیہ آٹھ مہینوں میں ہلاکت و اتلاف کا دردِ فرسا نمونہ بن جاتی تھیں۔ مگر تعلیماتِ اسلامی کے اثر سے یہی دشمن آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ یہی وہ سرزمینِ مکہ ہے جہاں امن و راحت کے ساتھ اُخوت و مساوات بین المسلمین کا دلپذیر منظر ہر سال حج کے زمانہ میں قلب و ذہن کو تازگی بخشتا ہے جب دنیا کے ہر حصہ

سے مسلمان یہاں ادائیگیٔ حج کے لئے جمع ہوتے ہیں اور تعلیمات اسلامی کی انسان دوستی کا بے مثال عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔

چنانچہ ہم حجِ بیت اللہ کے بنیادی مقصد کو تین مختلف پہلوؤں سے پیش کرسکتے ہیں۔ اول اور سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ انسان علائقِ دنیاوی سے اپنے آپ کو بالکل الگ تھلگ کرلے اور حج کی نیت کے ساتھ ہی تمام رشتے ناتے، کاروبار اور دیگر مصروفیات اور وابستگیاں اُس کے ذہن سے محو ہو جائیں اور ان کی جگہ ذکرِ الٰہی زبان پر اور یادِ الٰہی دل میں جاری ہو جائے اور وہ کعبۃ اللہ میں اقامتِ صلوٰۃ کا مظاہرہ کامل جذبۂ عقیدت واطاعت اور یکسوئی کے ساتھ کرے اسی طرح جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے تمام دنیا سے بے نیاز ہوکر اپنا رُخ خالقِ کائنات کی طرف کرلیا تھا اور ہمہ تن اللہ ہی کے ہو رہے تھے۔

دوسرا اہم پہلو فریضۂ حج کی ادائیگی کا یہ ہے کہ اس مقدس سرزمین کا زائر اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرے اور غور و فکر کرے کہ کیسا تھا اُن عظیم قربانیوں کو سمجھے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے اللہ کی راہ میں محض اُس کی خوشنودی کے لئے پیش کی تھیں تاکہ اسلام کا پرچم سربلند رہے اور منکرینِ حق، بُت پرست اور دشمنانِ خدا ورسولؐ اپنی زبوں خیالی اور سوئے عملی پر متاسف و نادم ہوں۔ اسی کے ساتھ حج کا شیدائی اس بات پر غور کرے کہ بالآخر حضرت خلیل اللہؑ نے کس طرح اپنی مشکلات پر غلبہ حاصل کر کے اور اللہ کے دین کو مکہ مکرمہ میں مرکزی حیثیت دے کر مستحکم اور مقبول بنایا۔ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جس اولوالعزمی یقین کامل اور خلوصِ عمل سے اپنا فرض پورا کیا، اس کی تقلید اور اس پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ناسازگار فضا میں جہاں شیطانی اور طاغوتی قوتیں یلغار کر رہی تھیں، اللہ کا نام بلند کیا اور اس آیۂ مبارک کی عملی تفسیر بن گئے کہ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (۶ : ۸۰) یعنی میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اُسی ذات کی

Marfat.com

طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، انھوں نے اپنی عبادات اور زندگی اور موت کو رضائے الٰہی کے سپرد کر دیا۔ اس آیت کے مصداق کہ "میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب ہی خدائے رب العالمین کے لئے ہے (انعام: ۱۶۳) اور اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ دنیاوی زندگی محض لہو ولعب ہے اور لمحاتی عیش کا می کا نام ہے (حدید: ۲۰) آپ نے دنیا پر واضح کیا کہ مالِ تجارت کی خرید و فروخت اور مال و اولاد کی محبت اہلِ ایمان کو یادِ الٰہی سے غافل نہیں کر سکتی۔ مختصر یہ کہ اللہ کے ایک مخلص و فرمابردار بندہ کا دنیا اور معاملاتِ دنیا کو دل و دماغ سے نکال دینا، اہل وعیال، خویش و اقارب اور رفقاء و احباب سے دُوری اور ان کی محبت اور یاد سے دل کو متاثر ہونے سے محفوظ رکھنا، زرق برق لباس کی بجائے بغیر سلے سفید کپڑے کے دو ٹکڑوں کی مدد سے جسم کو ڈھانکنا، تمام دنیاوی خواہشات و آلائش سے بالاتر ہو کر ذہن و زبان کو غم و غصہ، گالی گلوچ، دشمنی اور مخاصمت سے پاک رکھنا اور ان تمام مکروہات سے بچتے ہوئے خدائے تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہوئے کعبہ کے گرد اگر داس جاں سپاری کے جذبہ کے ساتھ طواف کرنا جیسے پروانہ شمع کے گرد پھر کر اپنی جان نثار کرتا ہے، احکامِ خداوندی کی مکمل اطاعت و تسلیم کے ساتھ قربانی پیش کرنا اور دیگر مناسکِ حج کو بھی انتہائی عقیدت اور خلوص کے ساتھ ادا کرنا۔ یہ تمام امور ایک مردِ مومن کے ایمان و عقیدہ کے عملی نمونے ہیں اور اس اقرار و یقین کا ثبوت ہیں کہ وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ محض زبان ہی سے ادا نہیں کرتا بلکہ اس کی صداقت و حقانیت اس کے دل و دماغ کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کی راہِ تسلیم و رضا میں مزاحمت نہیں کر سکتی۔

حج کا تیسرا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس مبارک موقع پر مسلمانانِ عالم مختلف ممالک سے ایک مرکز پر جمع ہو کر جسم و روح کی ہم آہنگی کے ساتھ ایمان و عقیدت کے ایک بین الاقوامی اجتماع کا منظر پیش کریں۔ حج کے لئے آنے والے تمام مسلمان ایک ہی

Marfat.com

مقام پر رہتے سہتے، کھاتے پیتے اور مصروفیت و آرام کے لمحات بسر کرتے ہیں جس کے طفیل وہ ایک دوسرے سے مانوس اور متاثر ہو جاتے ہیں۔ اُخوت و مساوات کے اس عظیم الشان اجتماع میں شریک ہر فرد یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اطاعتِ فرمانِ خدا اور اتباع و احترامِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لاکھوں کروڑوں اہلِ ایمان میں سے ایک ہے دوسری طرف اُن میں ایک ایسا معاشرتی شعور اور باہمی امداد و اعانت کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ ایک دوسرے کے دکھ درد اور ضروریات و احتیاجات سے نہ صرف واقف ہو سکتے ہیں بلکہ وہ اپنے تمام دینی، سماجی، معاشی اور سیاسی مسائل و ضروریات کا ممکنہ حل بھی تلاش کر سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے حج اہلِ اسلام کے درمیان خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں رہتے ہوں، باہمی احساسِ اخوت و رفاقت پیدا کرنے اور اُن کو ملتِ واحدہ کے ناقابلِ شکست رشتہ میں منسلک کرنیکا بہترین ذریعہ ہے۔

۱۴۔ زیارتِ مدینہ منوّرہ

حج یا عمرہ کی ادائیگی کے بعد زیارت مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی لازم ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي یعنی جس نے حج بیت اللہ ادا کیا اور میری زیارت کو نہ آیا، اُس نے مجھے اذیت پہنچائی۔ لہٰذا حج بیت اللہ کے ہر خواہش مند پر واجب ہے کہ وہ جسم و روح کی مکمل طہارت و پاکیزگی کے ساتھ مدینۃ النبی کی زیارت کو ضرور جائے اور آستانہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر آپ اور آپ کے آل و اصحاب کے حضور درود و سلام کا نذرانہ خلوص اور احترام و عقیدت کے ساتھ پیش کرے۔

Marfat.com

عبادات پر اختتامی معروضات

اس گفتگو کو ختم کرنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلام
مروج مختلف عبادات کا سرسری جائزہ پیش کیا جائے اور ان مقاصد
ب دفعہ اور نگاہ ڈال لی جائے جو ان عبادات کی اصل روح ہیں۔

دنیاوی زندگی عارضی اور فانی ہے مگر اس کے باوجود اس کا ایک واضح
مد اور مدعا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا
یعْبُدُونِ یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری
دت کریں (ذاریات: ۵۶) لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ دنیا میں بسنے والا ہر
سان متعدد مادی ضروریات و احتیاجات میں بھی گھرا ہوا ہے، جن میں حصول
ش خوراک و پوشاک اور بود و باش کی ضروریات اولیت کا درجہ رکھتی
چنانچہ اس کی عملی زندگی کا بیشتر حصہ انہی ضروریات کے حصول اور ان کی
یل میں صرف ہوتا ہے اور بالعموم انسان دنیاوی مصروفیات میں گھر کر
تخلیق کا اصل مقصد فراموش کر بیٹھتا ہے اور وہ عموماً یہ نہیں سوچتا کہ
کی ساری تگ و دو محض دنیاوی اغراض کے لئے وقف ہو کر رہ گئی ہے۔
لانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوق صرف اپنے خالق یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی
لئے پیدا کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہی وہ اسباب و ذرائع بھی پیدا کئے ہیں
ی کو علم و آگہی کے ذریعہ بروئے کار لا کر تخلیقِ کائنات کا مقصدِ حقیقی یعنی

Marfat.com

عباد
رضائے الٰہی" حاصل کیا جا سکتا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے دین یعنی اسلام کی بنیاد ہے۔ چنانچہ مادّی ضروریات اور اُن کا حصول ہی زندگی کا اصل مقصد نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندۂ مومن کو اپنی بارگاہ (مسجد) میں دن اور رات میں کم سے کم پانچ مرتبہ حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ وہ ادائے صلوٰۃ کے توسط سے اپنے خالق کی یاد اور اس حقیقت کو فراموش نہ کرے کہ آخرکار اُس کو خداوند قدوس کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔

احکامِ خداوندی کے تحت عائد شدہ فرائض کی ادائیگی محض زبان سے اقرار کر لینے سے نہیں ہوتی بلکہ عملی طور پر (نماز کے لئے) قیام، قرأت، رکوع، و سجود کے ذریعہ، اور ماہ رمضان میں روزہ رکھکر یعنی بھوک پیاس ادا کر اور نفسانی خواہشات کو مغلوب کر کے یہ ثابت کرنا ہے کہ بندۂ مومن کا ہر عمل احکام الٰہی کی اطاعت کا مظہر ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی بلا چون و چرا اور خلوصِ نیت سے ادائیگی اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ تمام مال و زر اور تمام مادّی وسائل جن پر بظاہر ہمیں دسترس حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم محض اسکے امین ہیں اور ہم اس کے پابند ہیں کہ اس مال و متاع کو صرف اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون اور ہدایات کے مطابق خرچ کریں۔ زکوٰۃ و خیرات کے حکم میں جو روح کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ معاشرے کے محروم و معذور افراد کی بغیر معاوضہ کے اعانت و خبرگیری کی جائے۔ یہ ایسا فریضہ ہے جس کے ذریعہ محتاج و ضرورتمند افراد کی دستگیری بھی ہو جاتی ہے اور زکوٰۃ و خیرات لینے والے بھی اپنے محسن کے زیر بارِ احسان نہیں ہوتے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امداد کرنے والا اس دستگیری و ہمدردی کو اپنی داد و دہش یا سخاوت و خیرات کی نمائش اور ستائش کا وسیلہ ہی نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری ہر شئے پر مقدم ہے اسی طرح فریضۂ حج بھی خالصتاً للہ عبادت و اطاعتِ الٰہی کا عملی مظاہرہ ہے جس کا خواہشمند اور طلبگار اللہ تعالیٰ سے لَو لگا کر اور اپنے تمام خویش و اقارب،

Marfat.com

اہل وعیال۔ دوست اور رشتہ دار سب کو خدا حافظ کہتے ہوئے دور دراز اور صبر آزما سفر پر اس طرح روانہ ہو جاتا ہے کہ اس کے بدن پر رنگ برنگ اور قیمتی لباس کی جگہ بغیر سلے ہوئے محض دو کپڑوں کی چادریں لپٹی ہوتی ہیں اور وہ سراپا عجز و نیاز بن کر حرم شریف (خانۂ کعبہ) میں داخل ہوتا ہے اور طوافِ کعبہ کے بعد حج اور عمرہ کے تمام فرائض جن میں راہِ خدا میں جانور کی قربانی، حضرت ہاجرہ کی اپنے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیلؑ کی خاطر پانی کی بے تابانہ تلاش کی تقلید میں صفا اور مروہ کے درمیان "سعی"، میدانِ عرفات میں خیمہ نشینی اور مزدلفہ کی کھلی فضا میں تمام رات قیام اور دیگر مناسک ادا کرتا ہے۔ ان تمام امور و فرائض کی تکمیل میں اس بندۂ مومن کی نیت اور اس کا مدعا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور طلبِ کرم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اس گفتگو سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں فرض عبادات کی نوعیت اور ان کی ادائیگی کے احکام کی بنیاد اس مرکزی تعلیم ہدایت پہ ہے کہ اسلام کے پیروکاروں میں توحید و رسالت، ملائکہ اور کتبِ سماوی، حشر و نشر اور روزِ حساب سے متعلق ایمان و عقیدہ راسخ ہو جائے اور وہ ان عبادات کو کامل جذبۂ خلوص کے ساتھ ادا کر کے خود بھی اس حقیقت کو دلنشین کر لیں اور دنیا والوں کو بھی بتلا دیں کہ تمام دنیاوی اور مادی مال و اسباب غیر حقیقی ہیں اور اس سے زیادہ قدر قیمت نہیں رکھتے کہ یہ محض اس عارضی زندگی کی مادی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہی مادی خواہشات بالعموم شیطانی وسوسوں اور ترغیبات کا آلۂ کار بن جاتی ہیں اس نقطۂ نظر سے ان اسلامی عبادات کا مقصد انہی شیطانی ترغیبات اور نفسانی خواہشات کے چیلنج کا مقابلہ کرنا اللہ کی حاکمیت کو قائم رکھنا ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت ہی سے مردِ مومن دنیاوی کاروبار، اہل وعیال، دوست اور رشتہ داروں کی بیجا محبت میں گرفتار نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس کے دل میں زر و مال جمع کرنے کی خواہش باقی رہتی ہے۔ اُسے اس بات کا پختہ یقین ہوتا ہے کہ بارگاہِ ایزدی میں تمام

Marfat.com

انسان برابر ہیں اور سب کو قیامت کے دن بلا امتیاز خدا کے روبرو حاضر ہوکر اپنے اعمال کا حساب پیش کرنا ہے۔ اور اسی دن اہل ایمان کو ان تکالیف کا صلہ ملنا ہے جو انھیں توحید کے پرچم کو شرک و الحاد اور نفسانی خواہشات کی تیز و تند آندھی کے مقابلہ میں بلند رکھنے کے لئے پیش آئیں۔

اسلامی عقائد و عبادات یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا مقصد و منتہیٰ انسانی معاشرہ کو اخلاقی اصولوں کی بلندی، غربت و افلاس سے نجات اور تمام انسانوں میں بالعموم اور مسلمانانِ عالم میں بالخصوص رشتۂ اخوت و مساوات کا قائم کرنا ہے۔ انہی عبادات کے مجموعی اور ہمہ گیر اثر سے حیاتِ انسانی کا دھارا جو مادیت کے زیر اثر شرک و صنم پرستی، نظم و نسق کا فقدان، مال و دولت کی لوٹ کھسوٹ، ذخیرہ اندوزی، استحصال، غصب حقوق، اقتدار اور حکومت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز اور اسی قسم کی دوسری انسانیت سوز مادی اور روحانی ترغیبات کی طرف بہتا ہے اس کا رُخ بالکل مخالف سمت میں ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کا خالق و مالک ہے، رزق رساں اور رحیم و کریم ہے اور یہی اخلاق کے اعلیٰ اصولوں یعنی نظم و ضبط، پاکیزگیٔ حیات، فراخ دلی، جذبۂ ایثار و قربانی، اخوت و صلہ رحمی اور محبت و احترام جیسی روحانی برکتوں کا منبع و ماخذ ہیں اور انہی اصولوں پر عمل کرنے سے وہ تمام مادی نعمتیں اور آسائشیں بھی حاصل ہوتی ہیں جو سماجی انصاف، آزادی، اور رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر معاشرہ کی فلاح و خوشحالی سے عبارت ہیں۔

دنیا کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور آخر کار اسی کی طرف لوٹ جانے والی ہیں۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر کسی شئے کے متعلق یہ دعویٰ کہ "میری، تیری" یا اُس کی ہے بالکل لغو اور لایعنی ہے۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے خواہ اس کے حصول میں ہم نے کتنی ہی جدوجہد کی ہو، اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور ہمیں لازم ہے کہ اس امانت کو مالکِ حقیقی کے حکم کے مطابق استعمال کریں۔ چنانچہ یہ زندگی

Marfat.com

اور اس کے تمام لوازمات اور اسباب خدا کی ملکیت اور امانت ہیں اور انسان محض ان کا امین اور رکھوالا ہے اور وہ اس امر کا پابند ہے کہ جب روزِ مقررہ اس کو طلب کیا جائے تو ان کا حساب مالکِ حقیقی کے روبرو بلاکم و کاست پیش کر دے۔ جب یہ حقیقت انسان کے خیالات اور اعمال کی بنیاد بن جاتی ہے تو تمام انسانی خیالات اور مشاغل اسلام کے نقطۂ نظر سے عبادت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں اور دراصل یہی مطلب ہے اس آیتِ کریمہ کا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے جنات اور انسانوں کو اپنی عبادت اور اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے (ذاریات: ۵۶)

لہذا عبادات کا مفہوم جیسا کہ کتاب دوم (عبادات) کے شروع میں پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے۔ محض نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ اس کا دائرہِ اطاعتِ الٰہی پہ یعنی تمام انسانی حرکات و سکنات پر محیط ہے۔ فرائض مذکور عبادت ضرور ہیں مگر صرف انہی تک عبادت کو محدود و محصور سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ عبادات کے ساتھ ساتھ وہ ایسی تربیت و ہدایت کا ذریعہ بھی ہیں جن سے انسانی افعال و خیالات اطاعتِ الٰہی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ اور انسان اُس اعلیٰ مقام پر فائز ہو جاتا ہے جہاں اُس کا ہر خیال اور ہر عمل اطاعتِ الٰہی کا مظہر اور علامیہ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے کسی مقام پر بھی ان میں سے کسی عبادت کو فی نفسہٖ آپ اپنا مقصد قرار نہیں دیا ہے۔ یعنی نماز برائے نماز نہیں ہے اور نہ روزہ برائے روزہ ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ و حج بذاتِ خود مقصد و مدعا نہیں ہیں بلکہ ان میں سے ہر عبادت کسی اور اعلیٰ و ارفع مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ نماز کو فواحش و منکرات سے اجتناب کا ذریعہ بیان کیا گیا ہے روزہ کا مقصد تقویٰ یعنی خوفِ خدا کا احساس پیدا کرنا ہے جو فی الحقیقت تمام اخلاقیات اور معاشرتی عدل و انصاف کا سرچشمہ ہے۔ زکوٰۃ کے پس منظر میں دولت کی منصفانہ تقسیم کے ذریعہ غربت و استحصال کا خاتمہ کر کے ایک فلاحی معاشرہ کا قیام ہے۔ حج کے توسط سے مسلمانانِ عالم میں بین الاقوامی سطح پر اخوت و مساوات کا عملی

Marfat.com

جذبہ پیدا کرتا ہے اور اسی کے ساتھ ایثار و قربانی کی اہمیت اور وقت اور دولت صرف کر کے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے مال و متاع اور اہل و عیال کی محبت کو دل سے نکال دینا ہے کہ راہِ حق کے مجاہدہ میں یہ رکاوٹ نہ بن سکیں۔ اس کی صداقت کا ثبوت حضرت ابراہیم خلیل اللہ آج سے ہزاروں سال پہلے اپنی بے مثال قربانی سے دنیا کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔

چنانچہ تقریباً دو گھنٹے کی پنج وقتہ نمازوں میں مصروفیت، سال کے بارہ مہینوں میں ایک ماہ کے روزے، ادائیگی زکوٰۃ کی نیت سے پس انداز کی ہوئی کل رقم کے چالیسویں حصے کی غرباء اور اہل ضرورت میں تقسیم اور حج کے لئے زندگی بھر میں ایک بار۔ تین ماہ تک متعلقین سے علیحدگی اور دیگر تمام کاروبار سے کنارہ کشی یہ تمام گویا بمنزلہ ایک تربیتی نصاب کے ہیں جن کے ذریعہ ایک مومن اپنے آپ کو کلی طور پر اطاعت الٰہی کا پیکر بنانے کی تربیت حاصل کرتا ہے اور اپنی ذات کو خدائے خالق و کریم کی رضامندی کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ یہ بھی اسلام کی تعلیم و ہدایت کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو فطری اور معاشرتی تقاضوں سے دور رکھ کر انھیں ترک دنیا کی تلقین نہیں کرتا۔ بلکہ ادائے فرض کے ساتھ وہ اہل ایمان کو عائلی ضرورتوں کو بجا لانے کی پوری پوری اجازت بھی دیتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک حقوق و فرائض کی بجا آوری بھی ادائے عبادت کی طرح لازم ہے اسی کے ساتھ معاشرتی اور عملی تقاضوں کے پیش نظر اسلام، حکومت کے نظم و نسق، عدل و انصاف، تجارت اور لین دین، دنیاوی علوم و فنون کا حصول اور بقائے حیات کے لئے خورد و نوش کے اسباب و وسائل کی تلاش، قدرت کی صناعیوں اور نعمتوں سے استفادہ اور دیگر فطری تقاضوں اور خواہشوں کو جائز طریق پر پورا کرنے کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ ان مقاصد کے حصول کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ تمام امور زندگی خداوند عالم کی رضا جوئی کی نیت سے

Marfat.com

نہ انجام دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کیا جائے اور نہ تغافل برتا جائے۔ اور یہ خیال بھی ہمیشہ پیشِ نظر رہنا ضروری ہے کہ دنیاوی خواہشات کی تکمیل ہی مقصدِ حیات نہیں ہے کیونکہ یہ زندگی تو عارضی اور فانی ہے اور قرآن کے ارشاد کے مطابق لہو و لعب ہے (عنکبوت: ۶۴ و انعام: ۳۲) یا کسی مسافر کا دورانِ سفر کسی جگہ چند روزہ قیام اور پھر وہاں سے کوچ۔ بلکہ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے حکم کو بصد صدق و یقین اور عجز و انکساری کے ساتھ تسلیم کرنا اور اس پر خلوصِ نیت کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ یہ محض فلسفہ یا وعظ نہیں بلکہ عین فطرت کا تقاضا ہے۔ کسی مشین کا موجد یا صنّاع جب اپنی تخلیق کو کل اور پرزوں سے مکمل کر لیتا ہے تو وہ مشین صرف اپنے بنانے والے کی اسکیم اور قانون کے مطابق صحیح چلتی ہے۔ بصورتِ دیگر اس کا صحیح طور پر چلنا ممکن نہیں بعینہ یہی حال اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی حیرت انگیز مشین یعنی "انسان" کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق ایک خاص طرز پر اور ایک خاص مقصد کے لئے کی ہے۔ اگر یہ انسانی مشین اپنے تخلیقی اصول کی پابندی نہ کرے تو یقیناً یہ خود اپنی تباہی اور بربادی کا سبب بنے گی۔

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ انسان کی حیثیت دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں اس لحاظ سے مختلف اور منفرد ہے کہ انسان کے علاوہ تمام ذی مخلوقات، قانونِ قدرت، کے تحت پیدائش سے موت تک مقرر کردہ ایک میکانکی نظام کے تحت عمل کرتی ہیں جس میں ان کے اپنے ارادہ کو دخل نہیں ہوتا اس کے برعکس انسان اپنے نظریات اور اعمال میں ارادہ اور اختیار کے استعمال کا بھی مجاز ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ اور اختیار کی دولت سے بھی نوازا ہے۔ ارادہ اور اختیار کے استعمال کے لئے علم و آگہی کی بھی ضرورت تھی لہذا اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم و آگہی کی نعمتیں بھی عطا کی ہیں (البقرہ: ۳۲) علم و آگہی کی بنیاد پر ارادہ اور اختیار کا استعمال انتخابِ عمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی واضح مثال حضرت آدمؑ

Marfat.com

کے واقعہ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ (اور حضرت حوّا) کو جنت میں رکھ کر اپنی خواہش کے مطابق تمام پھل کھانے کی اجازت دی مگر ایک خاص درخت کے قریب بھی نہ جانے کی ہدایت کر دی (بقرہ: ۳۵ اور اعراف: ۱۹) اس سے ظاہر ہے کہ اختیار، علم اور انتخاب کی قوت یہ سب اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کر دئے ہیں اور یہ تینوں چیزیں اس بات کی متقاضی ہیں کہ انسان اپنے ذاتی ارادہ اور انتخاب عمل سے اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرے۔ اور یہی اصل مقصدِ حیاتِ انسانی ہے بصورتِ دیگر یہ شیطان کے اُس چیلنج کے سامنے اعترافِ شکست ہوگا۔ جس کا ذکر قرآن کریم نے اس طرح کیا ہے کہ جب شیطان حضرتِ آدمؑ کو سجدہ نہ کرنے کی بنا پر بارگاہِ ایزدی سے مردود و ملعون ٹھہرایا گیا تو اُس نے، انسان سے اپنا بدلہ لینے کے لئے قیامت تک کی مہلت مانگی اور اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ تو نے مجھے ملعون کر ہی دیا ہے تو میں بھی تیرے سیدھے راستہ (یعنی صراطِ مستقیم) پر انسان کو گمراہ کرنے کے لئے بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے غرض ہر طرف سے آؤں گا اور راہزنی کروں گا۔ پھر اُس نے خدا سے کہا کہ تو ان انسانوں میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا (اعراف: ۱۵ تا ۱۷) اللہ تعالیٰ نے اُس کو مہلت دیدی اور یہ بھی فرمایا کہ میں تجھے اور تیرے پیروؤں سے جہنم کو بھر دوں گا (اعراف: ۱۸)۔ چنانچہ انجام کار کی خوش حالی اور راحت جاودانی جس چیز پر موقوف ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جو مردِ مومن اپنے تمام شعور و اختیار کے تحت بارگاہِ ایزدی میں پیش کرتا ہے۔

جب حضرت آدمؑ نے شیطان کے ورغلانے پر شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا لیا جس کے سبب وہ مبتلائے آزمائش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں یاد دلایا کہ شیطان کے متعلق انہیں پہلے ہی خبردار کر دیا گیا تھا کہ وہ (یعنی شیطان) اُن کا کھلا دشمن ہے (اعراف: ۲۲) چنانچہ اس علم و آگہی کا تقاضا تھا کہ حضرت آدمؑ شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کے لئے باخبر اور محتاط رہتے۔ اس کے باوجود جب وہ اپنی لغزش پر نادم ہوگئے

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے طلبگار ہوئے تو اللہ نے اُن پر رحم فرمایا اور کہا کہ تم بہشت سے اُتر جاؤ۔ آج سے تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لئے ایک وقتِ خاص تک زمین پر ٹھکانہ اور زندگی کا سامان کر دیا گیا ہے۔ اور کہا کہ اُسی (دنیا) میں تمھارا جینا اور مرنا ہوگا اور اسی میں سے روزِ حشر زندہ کر کے نکالے جاؤ گے (تاکہ تمھارے اعمال کی باز پرس کی جائے) (اعراف ۲۴۔۲۵) دوسری جگہ ارشاد ہے کہ پھر آدمؑ نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے اور معافی مانگی تو اللہ نے ان کا قصور معاف کر دیا۔ بیشک وہ معاف کرنے والا اور صاحبِ رحم ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے (یعنی جنت) سے اُتر جاؤ۔ جب تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو اس کی پیروی کرنا جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (البقرہ: ۳۷۔۳۹) اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدمؑ کو اس سے بھی آگاہ کر دیا تھا کہ دنیاوی زندگی کے اختتام پر روزِ انصاف برپا ہوگا اور تمام اعمالِ انسانی کا فرداً فرداً محاسبہ ہوگا اور اُس کے صلہ میں اعمالِ نیک کی جزا میں جنت الفردوس کی دائمی راحتیں عطا ہوں گی اور اعمالِ بد کی پاداش میں جہنم کا ہولناک عذاب بھگتنا ہوگا۔ (سورۂ الزلزال ۹۹ اور سورۂ القارعہ ۱۰۱)

اس طرح انسانوں کے دو واضح گروہ منظرِ عام پر آجائیں گے یعنی اصحابِ خیر اور اصحابِ شر اور اُن کی جزا یا سزا اُن کے آزادانہ اختیار کردہ اعمال پر ہوگی اس مقام پر حضرت آدمؑ کی تخلیق کے دن باری تعالیٰ اور فرشتوں کے درمیان اُس گفتگو کے مفہوم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جب فرشتوں نے تخلیق آدم پر خفی اس لئے اعتراض کیا تھا کہ انسان دنیا میں خون ریزی اور فساد برپا کریگا: قرآن میں اس کا ذکر یوں ہے کہ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب تمھارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں تو انھوں نے کہا کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے۔ ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ خدا نے فرمایا کہ

Marfat.com

میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (البقرہ: ۳۰) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فرشتوں کو حضرتِ آدمؑ اور اُن کی اولاد سے اسی بات کا خطرہ تھا کہ انسان اپنے آزاد و خود مختار ارادہ کے تحت خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں انہیں پہلے ہی اس کا علم تھا اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رفع شر اور شیطانی ترغیبات کے اثرات سے اصحابِ خیر کو محفوظ رکھنے کے لئے انسانکو ارادہ و اختیار کے ساتھ علم و آگہی بھی عطا فرمائی تھی تاکہ ہر فرد سمجھ بوجھ کر اپنے لئے جزا و سزا کے انجام کا انتخاب کرے اور جب روزِ حساب نامۂ اعمال پیش ہوں تو نافرمانوں کے گروہ کو صالحین اور متقین کے گروہ سے علیحٰدہ کر کے اول الذکر گروہ کو شیطان کی پیروی کے سبب نارِ جہنم کے حوالے کر دیا جائے اور اسطرح نارِ جہنم کے حوالے ہو کر شر و فساد کا خاتمہ ہو جائے۔ اور دوسری جانب متقین کا گروہ شاداں و کامراں حیاتِ جاودانی سے سُرخرو ہو کر جنت الفردوس کی ابدی راحت و نعمت سے ہمکنار ہو۔ موخر الذکر گروہ کی قوتِ ایمانی کو جلا بخشنے اور اُن کو عملِ صالح کا خوگر بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عبادات کے ذریعہ تربیت کا نظام "اسلام" کے توسط سے نافذ کیا ہے۔ اس تربیتی نظام کی بنیاد ایمان، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج پر رکھی گئی ہے جن پر عمل کر کے ایک صاحبِ ایمان اس دنیاوی زندگی کی ہر ممکنہ آزمائش سے کامیابی کے ساتھ نبرد آزما ہو کر اپنے آپ کو روزِ حساب کے لئے تیار کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود اگر تقاضائے بشریت کے ہاتھوں اُس سے لغزش ہو جائے تو اس کے لئے ندامت و توبہ کے ذریعہ عفو و بخشش کا بھی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ گروہ صالحین کا یہی سب سے بڑا انعام ہے کہ اُس سے ہر قسم کی برائی دُور کر دی جائے گی۔ یہی گروہ "خلیفۃ الارض" ہونے کا استحقاق رکھتا ہے اور روزِ حشر بھی اسی گروہ کو سُرخروئی اور سرفرازی حاصل ہوگی۔

راقم الحروف نے قرآنِ کریم کے مطالعہ سے تخلیقِ کائنات اور درجۂ نیابت و خلافت کے ضمن میں جو مفہوم اخذ کیا ہے اُسے مندرجہ بالا سطور میں ذاتی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ حقیقتِ الامر کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ یا اُن

Marfat.com

برگزیدہ بندوں کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے نوازا ہے اور جن پر حقیقتِ کائنات منکشف کی ہے۔ تخلیق اور مقصدِ تخلیق کے متعلق "کیوں" اور "کیسے" قسم کے سوالات مناسب نہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی منشا و ارادہ اور انتظام و انصرام میں کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ مالک و مختارِ کل ہے چنانچہ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی خدا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بیشک خدا ہر چیز پر قادر ہے (النور: ۴۵) اور اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ یعنی بے شک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کر دیتا ہے (ہود: ۱۰۷) اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ یعنی اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ (یٰسین: ۸۲)

Marfat.com

کتاب سوم

اخلاقیات

مُشتملات

عام تعارف ــــ اخلاقیات دیگر مشاہیر کی نگاہ میں ــــ
اخلاقیات اسلام کے نقطۂ نظر سے ــــ اخلاقیات بنیادی
تعلقات کے نقطۂ نظر سے ــــ اخلاقیات عمومی تعلقات
کے نقطۂ نظر سے ــــ بدکاری کی روک تھام
ــــ عام اُصول ــــ اخلاقیات پر اختتامی معروضات

Marfat.com

(۱) عام تعارف

اخلاقیات کا دائرۂ فکر کسی امر کے صحیح اور غلط یا نیک و بد ہونے کی تلاش اور جائزہ پر مبنی ہے خواہ اس کا تعلق ایک فرد کی اپنی ذات سے ہو یا معاشرہ کے دیگر افراد سے۔ اس نقطۂ نظر سے کسی فرد کے تمام سلوک اور برتاؤ کا دوسرے افراد سے تعلق اخلاقیات کے زمرہ میں شامل ہے کیونکہ فرد اپنے فطری تقاضوں کے تحت اپنے ہی ہم جنسوں سے معاشرتی تعلقات قائم رکھنے پر مجبور ہے۔ وہ امور جن پر معاشرتی یا خانگی تعلقات کی بنیاد قائم ہے۔ والدین اور اولاد، زن و شوہر، رشتہ دار و احباب، مملکت و رعایا اور اسی طرز کے دیگر تعلقات ہیں جن سے ایک فرد کا واسطہ پڑتا ہے۔ یہ بات کسی تردد کے بغیر کہی جاسکتی ہے کہ جب کسی فرد کو معاشرہ کے دیگر لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے تو اس سلسلہ میں اخلاقیات کے ضابطے ہی رہنما اصول کا کام دیتے ہیں۔ اس کلیہ میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔ اگر اختلاف ممکن ہے تو صرف معیار کے تعین کے متعلق کہ صحیح معنوں میں کون سی چیز اچھی ہے یا بُری ہے۔ یا کون سا فعل غلط ہے یا صحیح۔ اور یہ کہ نیک اقدام کس مقصد کے حصول کے لئے بروئے کار لایا جائے؟ یا بُرائی سے کیوں اجتناب برتا جائے؟

(۲) اخلاقیات دیگر مشاہیر کی نگاہ میں

اہلِ وجدان (INTUITIONISTS) کا کہنا ہے کہ ظاہری چیزوں کے ادراک

---

(۱) INTUITIONISM (نظریۂ وجدانیت) ایک فکری نظریہ ہے جو کسی شے کی حقیقت کا ادراک حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے اس کے ذریعہ سچائی یا حقیقت کا بلا واسطہ ادراک کیا جاتا ہے یہ اس نظریہ کے برخلاف ہے جس کا ادعایہ ہے کہ تمام عقلیات و امور کا انحصار بلا واسطہ نہایت کے طریقہ کار اور استدلال سے اخذ نتیجہ یا فیصلہ پر ہے (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ۱۹۵۹ ایڈیشن، جلد ہفتم صفحہ ۳۹۷۔

Marfat.com

میں انسان کا لنفس، تغیرِ صفات کے ذریعہ ذاتِ شئے کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ چیزوں کا صحیح یا غلط ہونا ان کی اپنی ذاتی یا حقیقی خصوصیت کے مطابق ہوتا ہے نہ کہ کسی بیرونی واسطہ سے جو ان چیزوں سے مطلوب ہوں۔ مثال کے طور پر سچ بات کہنا اپنی فطری خصوصیت میں ایک نیکی ہے یعنی ہم سچ کو نیکی اس لئے نہیں کہتے کہ حق گوئی معاشرہ کی بہبود کے لئے اہمیت رکھتی یا سودمند ہے بلکہ راست گوئی فی نفسہٖ خیر کا ذریعہ ہے خواہ کوئی شخص سچ بات کہے یا نہ کہے۔

کانت (مشہور جرمن فلاسفر امانوئیل کانت (IMMANUEL KANT) ۱۷۲۴ عیسوی تا ۱۸۰۴ عیسوی) کا کہنا ہے کہ نیکی، نیک خواہش کے علاوہ کسی اور چیز کا نام نہیں ہے اور نیک خواہش بذاتِ خود نیکی ہے خواہ اس کا نتیجہ یا انجام کچھ ہی ہو۔ حصولِ لذت کے پیرو کار[1] HEDONISTS کا عقیدہ ہے کہ انسان کی زندگی کا مقصد محض حصولِ لذت ہے۔ ان کے نزدیک زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد مسرت یا حصولِ لذت ہے ان میں جو اپنی ذاتی خوشی یا منفعت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں EGOISTS یا خود پسند یا خود بیں کہلاتے ہیں ان کے مقابلہ میں جو لوگ رفاہ عامہ کو تمام امور میں پیش پیش رکھتے ہیں افادیت پسند (UTILITARIANS) کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کا اصول یہ ہے کہ کام وہی اچھا ہے جس کے کرنے سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچے اور اس میں اپنی بھلائی بھی ہو۔ ان دونوں خود پسند اور افادیت پسند نظریات کے حامل فلاسفروں میں مکتب سائرے نائک[2]

---

[1] HEDONISM (نظریہ لذت طلبی) اس نظریہ یا عقیدہ کا نام ہے کہ تمام انسانی افعال کا مقصد محض لذت کوشی ہونا چاہیئے اور ہر قسم کی نیکی یا نیک اعمال کو اسی ایک مقصد کا آلۂ کار یا واسطہ سمجھنا چاہیئے۔

[2] سائرے نائک مکتبِ فکر کی بنیاد سائرین (CYRENE) کے رہنے والے ارسٹیپس ARRISTIPPUS نے قائم کی جو سقراط کا شاگرد تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ لذت اعلیٰ ترین خوبیوں میں ہے جس کو حاصل کرنے کی ہر فرد کو جہاں تک ممکن ہو ہر لمحہ کوشش کرنا چاہیئے۔

Marfat.com

(CYRENAIC) کے پیرو اوّل الذکر کے حامی ہیں اور ان کا نصب العین یہ ہے کہ اپنی ذات کے لئے لذت یا منفعت کو زندگی کے ہر گزرنے والے لمحہ میں حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان کے مقابل[1] EPICUREANS (اسپکیورس کے ماننے والے یعنی لذت پسندوں) کا مدعا زندگی کو مجموعی طور پر نفسانی لذت اور خواہش سے ہمکنار کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ ہابس[2] (HOBBES) اور گاسندی (GASSINDI) نامی فلسفیوں نے اول الذکر فلسفہ لذتیت کو خاص طور پر اختیار کیا تھا دوسرے گروہ میں بینتھم[3] (BENTHEM) جان اسٹورٹ مل JOHN STUART MILL[4] اور ہنری سجوک (HENRY SIDGWICK)[5] خصوصی شہرت کے مالک ہیں۔ ان کا مقصد و منتہیٰ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ فلاح اور مسرت مہیا کرنا ہے۔

فلسفۂ لذت طلبی (HEDONISM) اخلاقی شعور کے نزدیک ہمیشہ مکروہ خیال کیا جاتا رہا ہے۔ اس کے باوجود بعض مفکرین نے اس فلسفہ کو بھی قابل قبول حیثیت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے یہاں تک کہ سجوک (SIDGWICK) اس فلسفہ کو

---

[1] EPICUREANS (ایپکیورین) فلسفۂ لذت پر مبنی ایک مکتب فکر ہے۔ جس کی بنیاد EPICUROS اپیکورس نے ڈالی۔ اس کا اصرار تھا کہ ذہنی تعیش اور رفاقت اور باہمی میل جول سے حاصل شدہ لذت زیادہ اہم اور گراں قیمت ہے۔ اس کا یہ بھی قول تھا "اذیت اور تردد سے آزادی، پسندیدہ ترین کیفیت ہے" (انسائکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس)

[2] تھامس ہابس (THOMAS HOBBES) ۱۵۸۸ عیسوی تا ۱۶۷۹ عیسوی۔ برطانوی فلسفہ داں اس کے نزدیک لذت خواہش کے مترادف ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ لذت سے بڑھ کر کوئی خوبی نہیں اور نفسیاتی طور پر ہر شخص اس کا متلاشی ہے [3] JEREMY BENTHOM (جیرمی بینتھم) ۱۷۴۸ء تا ۱۸۳۲ عیسوی۔ جو دنیاوی افادیت پسندانہ لذت کوشی کا حامی تھا [4] JOHN STUART MILL جان اسٹوارٹ مل ۱۸۰۶ عیسوی تا ۱۸۷۳ عیسوی [5] HENRY SIDGVIK (ہنری سجوک) ۱۸۳۸ عیسوی تا ۱۹۰۰ عیسوی۔ برطانوی۔ برطانوی فلاسفر۔

Marfat.com

Marfat.com

اخلاقیات کے مربوط نظام کا ایک لازمی عنصر قرار دیتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کے جواز میں کچھ دلائل بھی پیش کئے گئے ہیں مثلاً یہ بات ظاہر ہے کہ ہر ایسے نتیجہ کو جسے ہم نے حصول مقصد کا درجہ دے رکھا ہے، لازمی طور پر ایسی خوبی کا حامل ہونا چاہیئے جس سے ہمیں اطمینان وطمانیت حاصل ہو لیکن جب اس مکتب خیال کے حامیوں سے سوال کیا جاتا ہے کہ اس قسم کے نتیجہ یا انجام کار کو زندگی کا مقصد کیوں قرار دیا جائے تو اُن کا "مناسب انداز" میں یہی جواب ہوتا ہے کہ اس سے ہمارے فطری تقاضوں میں سب سے بنیادی تقاضا یعنی حصولِ لذت کی خواہش پوری ہوتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ "لذت طلبی" کے شیدائی یہ حقیقت فراموش کر دیتے ہیں کہ لذت ذہنِ انسانی کی ایک داخلی کیفیت کا نام ہے جو ہمیشہ اور تمام حالات میں کسی خاص مقصد کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے جس کی تکمیل سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی حیرت کی بات یہ ہے کہ اگر ان سے سوال کیا جائے کہ مقصدِ آخرین یا مدعائے منتہیٰ سے اُن کی کیا مُراد ہے؟ تو اُن کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہوتا!!

اسی طرح فلسفی جان اسٹورٹ مل کے نزدیک اس سوال کا کہ ایسی خواہش یا لذت جس سے زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ زیادہ سے زیادہ مقدار میں متمتع ہوں، کیوں پسندیدہ ہے؟ جواب صرف یہ ہے کہ ہر شخص اپنے یقین کے مطابق ہر اُس ذاتی خواہش کو حاصل کرنا چاہتا ہے جو اس کے امکان میں ہے "مل" کے مطابق یہ ایک حقیقت ہے جس کے وجود اور جس کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہی اس امر کا ثبوت بھی ہے کہ خوشی ایک پسندیدہ چیز ہونے کی حیثیت سے ہر شخص کی خصوصی خواہش اس کے اپنے لئے پسندیدہ ہے۔ اس طرح عام خوشی لوگوں کے لئے مجموعی طور پر پسندیدہ ہے۔

"مل" اسی بحث کو آگے بڑھا کر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ "صرف "خوشی ہی پسندیدہ شئے ہے" یعنی دوسری تمام پسندیدہ چیزوں کی پسندیدگی کے مقابلہ میں "خوشی" سب سے زیادہ مرغوب ومطلوب ہے۔ کسی چیز کی خواہش اور اس سے لذت پانی

Marfat.com

اگرچہ بظاہر دو مختلف کیفیتیں نظر آتی ہیں مگر فی الحقیقت یہ دونوں ایک ہی مقصد یعنی حصولِ مسرت کا اظہار کرتی ہیں۔ مگر یہ طرزِ استدلال بحث کو اور الجھا دیتا ہے۔ "مِل" کے نزدیک خواہش اور لذت دونوں مترادف اور ہم معنی ہیں۔ حالانکہ یہ لازمی نہیں کہ یہ دونوں یعنی خواہش اور لذت ۔ ایک ہی چیز اور ہم معنی ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور عملی حیثیت سے ان دونوں کی علیحدہ علیحدہ توضیح کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں یہ طرزِ استدلال، اظہارِ بیان کا مغالطہ یا فریب ہے (جیسے عام زبان میں "خوش فہمی" کہنا زیادہ موزوں ہے!) اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام افراد کا "مجموعہ"، "فرد" سے الگ کوئی وجود ہی نہیں رکھتا ہے۔ اور فرد کی نفی کی صورت میں دونوں میں سے ہر ایک کا عدم و وجود برابر ہے۔

سجوک اپنے دلائل ضمیر (CONSCIENCE) کو بنیاد بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس کے نزدیک ضمیر اور عملی استدلال (PRACTICAL REASON) ہم معنی اور ہم مفہوم ہیں۔ ضمیر کو بنیادی سند قرار دینے میں وہ بٹلر[1] (BUTLER) کا ہمنوا ہے۔ "ضمیر" اور "عملی استدلال" کو باہم دگر مساوی تصور کرنے میں وہ کانٹ (KANT) کی پیروی کرتا ہے۔ سجوک ہی کے نزدیک اخلاقیات کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو استدلال اور عقلیت کے نقطۂ نظر پر رکھیں اور عقلیت کی حکمرانی کو تسلیم کریں۔ اس طرزِ عمل سے عدل و انصاف کا نظریہ ہاتھ لگتا ہے جس کی دو خصوصی ضروریات یہ ہیں (۱) ہر شخص اپنے آپ سے انصاف کرے یعنی ہمیں زندگی کے تمام لمحات میں غیر جانب دار رہنا چاہیئے اور "لمحۂ حاضر" کی لذت حاصل کرنے سے بیشتر مستقبل کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے اور (۲) ہمیں اپنی راحت و انبساط کو دوسروں کی راحت و انبساط کے مساوی سمجھنا چاہیئے۔

اس کے علاوہ ایک اور نقطۂ نظر بھی ہے جو "ذات" کی پختگی یا ذات کو درجۂ کمال تک پہنچانے پر زور دیتا ہے۔ اس مکتبِ فکر کے حامیوں کے نزدیک "ذات" کی

---

[1] (بٹلر (BUTLER) برطانوی فلاسفر ۱۶۹۲ عیسوی تا ۱۷۵۲ عیسوی۔

Marfat.com

نشو و نما یا اس کی ترقی ہی اخلاقیات کا نصب العین ہے۔ اس نقطۂ نظر کی بنیاد "نظریۂ ارتقاء" پر قائم ہے جیسے ہیگل[1] (HEGEL) کومٹے[2] (COMTE)۔ لامارک[3] (LAMARK) ڈارون[4] (DARWIN) اسپنسر[5] (SPENCER) اور زمانۂ حاضرہ کے دوسرے متفق الخیال مفکروں نے فروغ دیا اور اس کی نشر و اشاعت میں بڑا حصہ لیا۔

اس نقطۂ نظر سے غور کرنے پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "حیاتِ اخلاقی" "حیاتِ طبعی" کے ساتھ بتدریج نشو و نما پاتی رہی ہے اور یہ ترقی ارذل نوع یا جنس سے شروع ہوکر بلند تر یا اعلیٰ انواعِ جنس کی جانب رہی ہے اور اس طریقۂ کار میں اصولِ مطابقت (PRINCIPLE OF ADJUSTMENT) یا ڈارون کے قول کے مطابق جہد للبقاء میں بقائے موزوں ترین (SURVIVAL OF THE FITTEST) کا اصول کار فرما رہا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ پروفیسر الیگزینڈر[6] اور لیزلی اسٹیفن[7] نے توجیہ

---

[1] ہیگل (GEORGE WILHELM FREDRICH HEGEL) مشہور جرمن فلاسفر ۱۷۷۰ عیسوی تا ۱۸۳۱ عیسوی۔ [2] کومٹے (AUGUSTE COMTE) نظریہ ہوویت کا حامل فرانسیسی فلاسفر (FRENCH POSITIVIST PHILOSOPHER) جس نے سوشل سائنس آف سوشیالوجی (فلسفۂ عمرانیات) کو اس کا بنیادی نام دیا اور اس نئے موضوع یا مطالعاتی مضمون کو ایک مربوط طریقہ پر قائم کیا۔ [3] لامارک (JEAN BAPTISTE PIERRE DE MONET LAMARK) جو اپنے نظریۂ ارتقاء کے توسط سے معروف ہے اور جس نے ریڑھ کی ہڈیوں والے جانوروں (VERTEBRATE) اور بغیر ہڈیوں والے جانوروں میں (INVERTEBRATE ANIMAL) میں امتیاز کے اصول اور اسباب دریافت کئے۔ [4] ڈارون (C. DARWIN) (۱۸۰۹ عیسوی تا ۱۸۸۲ عیسوی) جس نے نظریہ اصل نژادِ جنس (THEORY OF ORIGIN OF SPECIES) اور نظریہ بقائے موزوں ترین (SURVIVAL OF THE FITTEST) پیش کیا۔

[5] اسپنسر (ALEXANDER SPENCER) مشہور برطانوی فلاسفر ۱۸۲۰ عیسوی تا ۱۹۰۳ عیسوی [6] الیگزینڈر (SAMUEL ALEXANDER) برطانوی فلاسفر ۱۸۲۰ عیسوی تا ۱۹۳۸ عیسوی) [7] لیزلی اسٹیفن (SIR LESLIE STEPHEN) برطانوی فلاسفر ۱۸۳۲ عیسوی تا ۱۹۰۴ عیسوی۔

Marfat.com

کی ہے، اخلاقی زندگی کی فطری انتخاب کے طریقۂ کار کے ذریعہ وہی جنس یا نوع محفوظ اور باقی رہتی اور نشوونما پاتی ہے جو کارکردگی میں بہتر ہے یا کامل اور انتہائی متوازن طرزِ عمل کی حامل ہے۔ چنانچہ اس اخلاقی فروغ وارتقاء کے میدان میں مختلف نظریات اور اخلاقی اصول کے درمیان باقاعدہ جنگ جاری رہتی ہے اور نتیجہ میں وہی نظریہ فتح مند قرار دیا جاتا ہے جو سماجی فلاح وبہبود سے قریب تر اور زیادہ ہم آہنگ ہے۔

ہیگل کے مطابق اخلاقی ارتقاء کی غرض وغایت انسان کی روحانی فطرت کا مکمل ترین حصول ہے یا بالفاظِ دیگر اخلاقی ترقی اسی وقت تعریف وتحسین کی مستحق ہوگی جب اس کے ذریعہ اور اس کے نتیجہ میں انسان کی روحانی صلاحیتیں بھی نشوونما پاکر درجۂ کمال کو پہنچ جائیں۔ سماجی نظام کے کم وبیش مکمل شعور احساس کے ساتھ، غرض وغایت، مکمل انسانیت کا حصول ہے۔ اس ضمن میں سب سے اہم فریضہ جو ہر فرد پر عائد ہوتا ہے یہ ہے کہ وہ معاشرہ میں اس کے نظام کی حدود میں رہتے ہوئے اپنا مناسب اور صحیح مقام کا پتہ لگائے اور پھر اس مقام کے لوازمات ومقتضیات کو کما حقہ پورا کرنے کی پُرخلوص کوشش کرے۔

لیکن یہاں ایک نہایت اہم نکتہ جو ذہن میں رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم معاشرہ میں اپنا مقام یا منصب تلاش کریں تو ہمیں چاہئیے کہ ہم خود کو نجی افراد کی حیثیت سے نہ دیکھیں کہ صرف اپنی ذات میں گم رہیں اور محض اپنی ذات سے وابستگی اور بلا شرکتِ غیرے منفعت وراحت کی تلاش میں لگ جائیں اس کے برعکس ہم پر لازم ہے کہ دیگر افراد کی طرح خود کو سماجی نظام کا ایک جزو سمجھیں اور پوری بصیرت کے ساتھ مکمل ترین انسانی وجود کا کھوج لگائیں۔ یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر یہ سوچے کہ وہ اس اخلاقی نظام کے استحکام میں کیا خدمت انجام دے سکتا ہے جس کا وہ خود بھی ایک تشکیلی

Marfat.com

جُزو ہے اور اس کی یہ حیثیت اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس نظام کو مکمل و مربوط بنانے میں اپنا کردار ادا کرے خواہ اس کی نوعیت کتنی ہی معمولی ہو۔ یہی وہ مقام ہے اور یہی وہ کردار کا عینی پہلو ہے جہاں ایک فرد کیلئے صحیح معنوں میں راحت وانبساط اور خوش آئند انجام کار کا حصول پوشیدہ ہے۔ کسی ایک فرد کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی ذات تک محدود لذت وراحت کے لئے معاشرہ کے دوسرے تمام افراد کی خوشیاں اور آسائشیں بالائے طاق رکھدے اس طرز عمل سے حاصل ہونے والی خوشی اور راحت میں یہ امر پوشیدہ ہے کہ قانون کی پابندی کی جائے لیکن یہاں جس قانون یا حکم پر عمل درآمد کی تلقین کی جارہی ہے وہ ملک کا خارجی قانون نہیں ہے نہ ہی اس سے مراد وہ سرتا سر داخلی قانون ہے جسے کانٹ نے "مطلق حکمانہ" (CATEGORICAL IMPERATIVE) کا نام دیا ہے بلکہ اس سے مراد وہ قانونِ اخلاق ہے جو کسی قوم یا ملت کے فروغ پذیر معاشرہ کے ذریعہ بتدریج تشکیل پاتا ہے۔ اس کا منشا ومدعا یہ ہوتا ہے کہ فطرتِ انسانی کی صلاحیتوں اور تمام تر ممکنہ سعی وکوشش کے ذریعہ اعلیٰ ترین مقام پر فائز کمال وفروغ حاصل کیا جاتے۔ چنانچہ خودی یا ذات کی انتہائی ترقی یافتہ شکل ہی اخلاقیات کا آخری منشا اور غایت ہے جو نطشے کے الفاظ میں سپرمین (SUPERMAN) کا حصول ہو یعنی وہ فوق البشر ہستی جو انسانی قوتوں سے زیادہ قوت رکھتی ہو اور اس کا اخلاقی معیار بھی بلند ترین ہو جس میں نطشے ہی کے مطابق تمام اقدار کی اعلیٰ ترین کیفیت بھی شامل ہے۔

گرین[۲] (GREEN) کے مطابق فطرتِ انسانی کا لازمی عنصر اس کے اپنے

---

[۱] فریڈرک نطشے (FRIEDRICH NIETSHE) مشہور جرمن فلاسفر اور شاعر ۱۸۴۴ عیسوی تا ۱۹۰۰ عیسوی [۲] گرین۔ تھامس ہل گرین (THOMAS HILL GREEN) برطانوی فلاسفر ۱۸۳۶ عیسوی تا ۱۸۸۲ عیسوی

Marfat.com

اندر شعوری یا روحانی اصول کی قبولیت کا مادہ ہے جو ایک فرد کو ماحول کی ضروریات کے مطابق خود کو ڈھالنے میں موثر کردار ادا کرتا ہے لہذا گرین کے نزدیک

حیات اخلاقی کی اہمیت کا دار و مدار اس پر ہے کہ ایک فرد مذکورہ شعوری یا روحانی اصول کو زیادہ وضاحت کے ساتھ اور زیادہ سے زیادہ مکمل طریقہ پر ایک ذی ادراک، خود آشنا اور روحانی فطرت کے قالب میں ڈھالنے میں مستقل کوشاں رہے۔ اس لحاظ سے گرین کے مطابق حیات اخلاقی کا بلند ترین مقام وہ ہے جبکہ وہ مکمل طور پر استدلالی اور ادراک و اعتدال پسندی پر مبنی ہو۔ مذکورہ بالا گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ اخلاقیات کے معیار کا اندازہ

قانون کی اطاعت، تلاش مسرت، یا انسانی ذات یا خودی کی پختگی اور کمال کے معیار سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں اولین اہمیت جس اصول کو دی گئی ہے وہ قانون (LAW) کی اطاعت ہے یا بالفاظ دیگر معنوی اخلاق کی تکمیل کی اول شرط قانون کی پابندی ہے۔ اس نقطہ نظر سے معنوی اخلاق کی جسے فلاسفر کانت نے (CATEGORICAL IMPERATIVE) (مطلق تحکمانہ) کا نام دیا ہے اور جو شعور و استدلال کی بالادستی کے ساتھ ہم پر عائد کی گئی ہے اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسرے درجہ پر معنوی اخلاق کے حصول میں مسرت یا راحت (HAPPINESS) کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس (مسرت یا راحت) کو SIDGWICK سجوک نے جس احتیاط کے ساتھ متوازن شکل میں پیش کیا ہے۔ وہ انتہائی معقول پسندانہ ہے۔ اس سلسلہ میں تیسرا مقام "کاملیت" (PERFECTION) یا ذات انسانی کے درجۂ کمال پر فائز ہونے کو دیا گیا ہے۔ جس کی اہمیت اخلاقیات کے معیار کے سلسلہ میں خود اپنی خوبیوں سے عیاں ہے۔

لیکن ان اصولوں کو من وعن قبول کرنے میں مشکلات حائل ہیں۔ اس لئے ان اصولوں کو اخلاقیات کے ضمن میں پیدا ہونے والے سوالات کا کافی وشافی جواب نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ اخلاقیات کے دو اہم بنیادی مسائل جن کا حل تلاش

Marfat.com

کرنا ضروری ہے، یہ ہیں (۱) "اخلاقیات" کا جواز کیا ہے؟ اور (۲) نیکی کو اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کا بنیادی مقصد کیا ہے؟ مندرجہ بالا نقطہ ہائے نظر کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ یا تو یہ معیارِ اخلاق کو یکسر فراموش کر دیتے ہیں یا اُس کے مقصد سے صرفِ نظر کرتے ہیں یا ان دونوں کو خلط ملط کر کے اصل مسئلہ کو اور الجھا دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے مطالعہ یا ان کے حوالے سے کوئی ایسا ہمہ گیر اصول اخذ نہیں کیا جاسکتا جو عام انسانوں کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے سکے

چنانچہ "خالص قانونِ استدلال" (PURE LAW OF REASON) کسی مثبت نتیجہ یا مقصد کا حامل نہ ہونے کے سبب عملی زندگی میں ناکام ثابت ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جس چیز کا کوئی مقصد نہ ہو اس کے لئے تمام کوششیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں اور نام نہاد "خیر" یا GOOD افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ جس کی کوئی عملی افادیت بالکل نہیں ہوتی۔ مقصد دراصل عمل کی بنیاد ہوتا ہے اور انسان فطرتاً اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے اسباب و ذرائع سوچنے پر مجبور ہے اور جب کوئی مقصد ہی پیشِ نظر نہ ہو تو تمام کوششیں یا کارگزاریاں اپنی بنیاد سے ہی محروم ہو جاتی ہیں۔ اسے لفظی حیثیت سے کارگزاری کا نام تو دیا جاسکتا ہے، لیکن یہ کارگزاری ایسی نہ ہوگی جو معنوی حیثیت سے بھی عقل و استدلال کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔ علاوہ ازیں محض جذبۂ خیر خواہی کی کوئی قدر و قیمت نہیں تاوقتیکہ اُس کے حصول کے ممکنہ ذرائع بھی دستیاب نہ ہوں اور ممکنہ ذرائع کا سوال اُسی وقت پیدا ہوگا جب علم و آگاہی پورے طور پر میسر ہو۔ چنانچہ صرف نرا قانون مخصوص ذرائع، ضروری واقفیت اور معلومات، اور کسی متعین مقصد کو پیشِ نظر نہ رکھنے سے عام انسان کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

راحت یا خوشی کا اصول ایسا نہیں ہے جو ہمہ گیر ہو اور جس کا اطلاق ہر جگہ اور ہر زمانہ میں یکساں ہو یہ بات مسلم ہے کہ کسی فرد کی ذاتی خوشی اور افرادِ معاشر

Marfat.com

کی اجتماعی خوشی ہر حال میں یکساں نہیں ہوتی۔ ان میں باہم دگر ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے اور ان کے غیر مفید اثرات دونوں سمت محسوس ہوتے ہیں۔ کسی فرد کی اپنی ذاتی خوشی (یا منفعت) کی تلاش، معاشرہ کے مجموعی ڈھانچہ میں اکثر مکمل اخلاقی ابتری پر منتج ہوتی ہے اور اس طرح اخلاقیات کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے انسانی معاشرہ کا امن اور فلاح و بہبود مکمل ضبط و نظم اور شائستگی پر مشتمل ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب انفرادی آزادی پر احتیاط روی کے ہاتھوں روک تھام کر دی جائے۔ تمام تر آزاد خیال اور آزاد روش افراد پر مشتمل معاشرہ وحشت و بربریت اور تہذیب و تمدن سے عاری لوگوں کا ہجوم بن جائیگا جو اصلاح و تنظیم کا تار و پود بکھیر دیگا۔ ایسے معاشرہ میں انسانی شکل میں درندے اور وحشی جانور ہی نظر آئیں گے جو انسانی کردار سے کوسوں دور رہیں گے یعنی ایسے کردار جن پر مہذب معاشرہ کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ "عظیم ترین فلاح و بہبود برائے کثیر ترین افراد" کا نعرہ یا تصور بھی محض ایک خیالی داستان اور دیومالائی کہانی سے زیادہ نہیں جو حقیقت سے دور صرف خیالی دنیا میں بسنے والوں کی اختراع ہے اور بس! عملی دنیا میں صفت اکبر یا تفضیل کل (SUPERLATIVE DEGREE) کے یہ دونوں کلمات بمشکل تمام یکجا ہوتے ہیں!! اگر بالفرض اس تصوراتی کلیہ کو عملی طور پر نافذ کرنے کی کوشش بھی کی جائے تو نتیجہ میں کثیر تعداد افراد کے نقصان کے مقابلہ میں بہت ہی کم لوگ فائدہ اٹھا سکیں گے مزید برآں موجودہ زمانہ میں اکثریت کا تصور سمٹ سمٹا کر صرف ایک فیصد کی زیادتی تک رہ گیا ہے یعنی سو میں اکیاون ۵۱ افراد اکثریت کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں جو اس کلیہ کے تحت استفادہ کا دعویٰ اور استحقاق جتلا سکتے ہیں جب کہ باقی ماندہ ۴۹ فی صد افراد قلیت میں شمار ہوں گے اور استفادہ سے محروم رہ جائیں گے۔ اس طرز فکر کا دوسرا نقصان دہ اور بدنصیبی کا پہلو یہ ہے کہ اس میں،، فرد واحد کو مطلق نظر انداز کر دیا جاتا ہے

Marfat.com

دراصل ایک معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ اور معاشرہ کی مجموعی فلاح دراصل افراد کی فلاح و بہبود سے وابستہ ہے۔ لہٰذا اگر کسی معاشرہ کے تمام لوگ یا ان کی کثیر تعداد فلاح و بہبود سے محروم رہ جائے تو ایسے معاشرہ کو خوش حال کسی صورت میں نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فرد کو نظر انداز کر کے معاشرہ کا وجود محض ایک افسانہ اور تصور سے زیادہ نہیں۔ اس قسم کے نظریہ کے پرچار کے پس پردہ ہی استحصال کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ اور استحصال پسند لوگ اسی اصول کا سہارا لے کر عوام کی حالت بہتر بنانے کے بہانے ان کا استحصال کرتے ہیں۔ اور یہی لوگ ملک کے تمام وسائل پر قبضہ کر کے غریب عوام کو غریب تر بنا کر ان کو اپنی خواہشات اور حرص و طمع کا غلام بنا لیتے ہیں۔

"خودی کے درجۂ کمال پر فروغ" کا تصور بھی بظاہر کتنا ہی خوبصورت اور پرکشش نظر آئے، فی الحقیقت ایک مبہم نظریہ سے زیادہ نہیں۔ اوّلاً اگر ہم اس کو صرف مادی مفہوم تک ہی محدود رکھیں تو اس کی اخلاقی قدر تلف ہوتی ہے کیونکہ اخلاقی اقدار مادی غرض و غایت سے ماوراء ہوتے ہیں یہی نہیں بلکہ اگر یہ مادی اغراض ان اخلاقی اقدار کے معین اصول کی راہ میں حائل اور ان سے متصادم ہوں تو اسی اخلاقی اصول کے پیروکار اپنے حریف کو مغلوب کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے کیونکہ اخلاقی اقدار کو اپنا غلبہ اور اپنی فوقیت بہرحال برقرار رکھنی ہے۔ اگر اخلاقیات میں محض دنیاوی مفادات کی برائے نام ہی چاشنی شامل ہو جائے تو اخلاقیات کا سارا ڈھانچہ ہی زمیں بوس ہو جاتا ہے۔ اور اس کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں یہ نام نہاد اخلاقیات ایک کاروبار کی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کا جھکاؤ لازماً ذاتی منفعت کی طرف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ہم اخلاقیات کو روحانی مفہوم میں استعمال کریں جو اخلاقیات کا اصل مفہوم اور مدعا ہے تو پھر اس کا دائرہ زمان و مکان کے قرب و جوار سے بلند ہو کر قدرِ منتہیٰ (ULTIMATE VALUE) یا اقدار کی

حد آخریں تک جا پہنچتا ہے۔ اقدار کی درجہ بندی یا ان میں امتیاز چاہے ان کا دائرۂ فکر و عمل روحانیت پر مبنی ہو، ان کے نتائج سے ہی ممکن ہے۔ اور وہی عمل زیادہ اہم اور قابلِ قبول ہے جو نتیجہ میں زیادہ فیض اور افادیت کا حامل ہے چونکہ "مسئلہ خیر و فلاح" میں بھی ترجیح و امتیاز کا اصول کارفرما ہوتا ہے اس لئے کسی کارِ خیر کے انتخاب کے ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اس کے حصول یا تکمیل کے ذرائع کیا ہیں؟ ایسا کرتے وقت یہ حقیقت بھی ہمارے پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ اخلاقیات کی غرض و غایت کو کسی مخصوص شکل میں یا زمانہ کی قید میں مقید نہیں کیا جاسکتا۔ اخلاقیات کا آفاقی، ابدی اور درجۂ کمال پر فائز ہونا ضروری ہے تاکہ اس کو انسانیت کے لئے نمونہ یا معیار کے طور پر قبول کیا جاسکے۔ چونکہ اخلاقیات زندگی کے عملی پہلو سے وابستہ ہے اس لئے اس کا آفاقی اور منتہائے مقصد و غایت بھی زندگی کے آفاقی اور منتہی مقصد و غایت کے مترادف ہوگا گویا اخلاقیات اور زندگی باہم دیگر یک جان ہیں یعنی جو معیار زندگی کا ہوگا وہی اخلاقیات کا ہوگا یا جو معیار اخلاقیات کا ہوگا زندگی بھی اسی معیار سے جانچی جائے گی۔

لہذا یہ جاننے کے لئے کہ زندگی کا منتہیٰ کیا ہے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ زندگی کی اصل اور ابتدا کیا ہے اور اس کی غرض و غایت کیا ہے؟ اس معلومات کا واحد ذریعہ خالق کائنات کا عطا کردہ علم، خود اس کا اپنا کلام اور اس کے احکام ہیں "جنانچہ خود دین"، اور اس کے اتمام و کمال کا ادراک حاصل کرنے سے پیشتر زندگی کی اصل غرض و غایت اور منتہائے منزل سے آگاہی لازمی ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اس تلاشِ علم و ادراک میں نہ تو فلسفہ ہی کوئی مدد کرسکتا ہے اور نہ سائنس۔ یہاں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا الہامی دین ہی ہماری دستگیری اور رہنمائی کرسکتا ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ خیر و شر اور صحیح و غلط سے کماحقہ باخبر ہونے کے لئے ہمیں لامحالہ اس علم پر انحصار کرنا ہوگا جس کا منبع و سرچشمہ الہامی دین ہے۔ اس سلسلہ میں دنیاوی علوم اور تجربات و مشاہدات ہماری پوری رہنمائی نہیں

Marfat.com

اخلاقیا

دَرَ ـئے کیونکہ ان کا ماخذ انسانی ذہن و خواب ہیں اور اُن کی وسعت اور حد معلوم

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ صاف ظاہر ہے کہ مغرب کے دانشوروں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ انھوں نے ایک غیر استدلا منطق پر مبنی متنازعہ مسئلہ کو اخلاقیات کا نام دے رکھا ہے۔ حالانکہ یہ نام نہ اخلاقیات محض اُن کا سطحی اور بظاہر خوبصورت نظر آنے والا طرزِ فکر و عمل ہے جس کا باطن میں حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ چنانچہ اس قسم کی اصطلا یا تاویلات سے متاثر ہو کر نوجوان نسل اپنے آپ کو ایسے مقام پر کھینچے لے جا رہ ہے جہاں مکمل اخلاقی کجروی کے سوا کچھ نہیں رکھا ہے اور جہاں ناشائستگی اور ضبطِ نفس کا شاذ و نادر ہی کوئی نمونہ مل سکتا ہے۔ یہی کچھ ہمارا تکلیف دہ مشاہدہ ہے جو نام نہاد ماڈرن سوسائٹی میں چاروں طرف چھایا ہوا ہے۔ آجکل کے "مہذب" افراد شراب نوشی، رقص و سرود، فحاشی و عریانی، غرض جس رُخ پر بھی اُنکی خواہشات لے جائیں، وہ بلا جھجک اور چھوٹے بڑوں یا دوسرے مرد اور خواتین کی موجودگی کی پرواکئے بغیر اُس طرف چل پڑتے ہیں، خواہ وہ نجی محفل ہو یا عام لوگوں کا اجتماع!! ان کلبوں میں یہ خود ساختہ ماڈرن افراد ایسی اخلاق سے گری ہوئی اور شرمناک حرکتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں جن سے آنکھیں بھی بیزار ہو جاتی ہیں اور زبان کو اتنا یارا نہیں رہتا کہ ان بے حیائیوں کا ذکر بھی کر سکے ۔

ناطقہ سر بگریباں ہے، اسے کیا کہیے!

مثال کے طور پر یہی شائستہ اور مہذب لوگ ان عیش کدوں میں (جنہیں وہ کلب یا انجمن یا ادارہ کا بے ضرر نام دیتے ہیں) کچھ اس انداز سے تشریف فرما ہوتے ہیں کہ ان کی بیگمات یا دوست لڑکیاں ساتھ ہوتی ہیں جنہیں وہ "عزت و احترام" کے ساتھ آگے رکھتے ہیں اور انہیں اس بات کا موقع دیتے ہیں کہ وہ ہر کام میں پہل کریں اور جب بے تکلفی کا ماحول چھا جاتا ہے تو یہی معزز خواتین اور اُن کے ہمراہی حضرات "اپنے کام سے غرض رکھو" کے سنہری اصول کے نام پر بدمستی

Marfat.com

کے عالم میں وہ کچھ کر گزرتے ہیں جس کو دیکھ کر خود اُن کی آنکھ بھی شرمائے اور زبان جس کو بیان کرنے میں جھجک محسوس کرے۔

ان ناگفتہ بہ حالات کی بنیادی وجوہات سہ طرفہ ہیں۔ اول تو یہ کہ عمل سے عاری نظریاتی اور بھانت بھانت کے تصورات وافکار نے تمام مسئلہ کو اُلجھا کر رکھ دیا ہے جس سے کسی ایسے مخصوص اور متفقہ اصول کا استنباط ممکن نہیں جو ہدایت کی خواہاں انسانیت کی رہنمائی کر سکے۔ دوسرے یہ کہ "اخلاقیات" صرف نظریاتی نہیں بلکہ فی الواقع عملی مسئلہ ہے اور محض مابعد الطبیعاتی نظریات انسان کی عملی دنیا میں سود مند نہیں۔ اس کے برعکس ضرورت اس بات کی ہے کہ ذات انسانی کے لئے کوئی عملی نمونہ پیش کیا جائے جس میں ذرائع حصولِ مقصد کے واضح اشارات موجود ہوں اور جن کی تلاش طبع انسانی کا خاصہ ہے۔ ہم جو کچھ آج کل دیکھ رہے ہیں وہ نظریہ و کردار کا سنگین تصادم ہے۔ یہی دانشور جو علم و فکر کی محفلوں میں تکمیل ذات یا خودی کی بلندی یا بہترین فلاح و بہبود برائے کثیر ترین افراد" کا پرچار کرتے ہیں، عیش و طرب کی محفلوں میں بلکہ بعض اوقات کھلم کھلا خورد و نوش، رقص و سرود، اور اسی قماش کے ناشائستہ کردار کا مظاہرہ کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے ؎

واعظاں کیں وعظ بر محراب و ممبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند!

اور اگر ان کا تعلق اہل اقتدار کے طبقے سے ہو تو یہی اخلاق و تنظیم کے نام نہاد علمبردار ایٹمی ہتھیاروں کے ذریعے بے شمار انسانوں کی زندگی کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ یا ملک کے تمام پیداواری وسائل اور مال و دولت پر قبضہ کر کے عوام کا استحصال کرتے ہیں اور ان کو بنیادی حقوق جان و مال اور اظہار بیان سے محروم کر دیتے ہیں۔

تیسرا سبب بنیادی سبب زوال اخلاقیات کا یہ ہے کہ ان نام نہاد

Marfat.com

دانشوروں یا خود ساختہ عالموں کو ذاتِ انسانی کا صحیح ادراک ہی نہیں ہوتا انھیں یہ علم ہی نہیں کہ زندگی کی ابتدا، غایت اور انتہا کیا ہے؟ یہ وہ مسائل ہیں جنہیں نہ فلسفہ حل کر سکا ہے اور نہ سائنس۔ بلکہ ان علوم (فلسفہ و سائنس) کی ان مسائل پر دسترس ہی نہیں بقول علامہ شبلی مرحوم

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں، تماشائے لبِ بام نہیں

یہاں تو وحی و الہام کی بنیادوں پر قائم ہونے والا دین ہی رہنمائی کر سکتا ہے۔ ہم گذشتہ صفحات میں وضاحت کے ساتھ دیکھ چکے ہیں کہ زندگی کا حقیقی مقصد اور غرض و غایت "عبادت" ہے یعنی مکمل طور پر بلا شرکتِ غیرے احکامِ الٰہی کے آگے سر جھکا دینا، اس کی رضا کو چون و چرا کے بغیر تسلیم کر لینا اور سرمو انحراف نہ کرنا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں معیارِ زندگی اور مقصودِ زندگی باہم مل جاتے ہیں بالفاظِ دیگر مقصودِ زندگی خود ہی معیارِ زندگی کی نشاندہی کرتا ہے اور یہ فیصلہ کرنا دشوار نہیں رہتا کہ کارِ خیر کیا ہے اور کارِ زیاں کسے کہتے ہیں؟ چنانچہ مکمل دینِ وحی یعنی اسلام ہی یہ ناقابلِ تردید حقیقت پیش کرتا ہے کہ رضائے الٰہی ہی مقصود و معیارِ حیات ہے اور یہی اخلاقیات کی بنیاد ہے۔

۳۔ اخلاقیات، اسلامی نقطۂ نظر سے۔

اہلِ دنیا کے نزدیک اخلاقیات کے اصول اور ان کے محاسن و نقائص کچھ بھی ہوں، مگر اہلِ ایمان کے لئے جو اللہ تعالیٰ، اس کے پیغمبرؐ اور فرشتے، کتبِ سماوی اور روزِ قیامت پر یقین رکھتے ہیں، حقیقت بالکل مختلف ہے۔ اہلِ ایمان کے نزدیک اصل اصول احکامِ الٰہی کی مکمل اور غیر مشروط اطاعت ہے جسے اسلام نے ہر مسلمان کے لئے لازمی قرار دیا ہے اور جس کی بنیاد قبولِ ایمان اور ادائے عبادت ہے۔ یہ اصول و احکام الہامی ہیں اور دنیاوی نظریات کی

Marfat.com

دی اور فوری صلہ کی خواہش سے بالاتر ہیں۔ چنانچہ ایک مردِ مومن جو خود کو حکام الٰہی کا پابند سمجھتا ہے اس سے بے نیاز ہے کہ دنیاوی اور مادی نظریات ک پیرو دانشوروں اور فلاسفروں کے نزدیک خیر و شر کا معیار کیا ہے؟ اور س کے پسِ پردہ ان کے اغراض و مقاصد کیا ہیں۔ یہاں تو پرکھنے اور جانچنے کا ایک ہی معیار ہے اور وہ ہے رضائے الٰہی۔ اہلِ ایمان کے نزدیک تمام کاموں کی اصل و انتہا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے (لیل: ۱۹-۲۰) اور یہی ی الحقیقت عظیم کامیابی ہے (توبہ: ۷۲) ایک مسلمان کے نزدیک اس کی جان مال اللہ کے لئے وقف ہے (بقرہ: ۲۰۷) اور وہ برملا اعلان کرتا ہے کہ اس کی ماز، اس کی قربانی، اس کی زندگی اور موت سب اللہ کے لئے ہے (انعام: ۱۶۳) ی وجہ ہے کہ احکام الٰہی کے ماننے والوں کے پیشِ نظر صرف اللہ تعالیٰ کی وشنودی ہوتی ہے (نساء: ۱۱۴)

ایسا ہونا بالکل فطری امر ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو خیر و شر کا شعور عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بدکاری سے بچنے اور پرہیزگاری کی سمجھ دی ہے (شمس: ۸) اسی کی ذات حقیقت میں ہدایت کا سرچشمہ ہے (لیل ۲) جس نے اپنے نفس یعنی روح کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اُسے خاک میں ملا دیا وہ خسارہ میں رہا (شمس: ۹-۱۰) اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کی ہدایت کے لئے کتاب حق نازل فرمائی ہے (زمر: ۴۱) جو شخص (خدا کے حضور) سچی بات لے کر آیا اور جنہوں نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں۔ وہ جو چاہیں گے اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس موجود ہے۔ نیکوکاروں کا یہی بدلہ ہے۔ (زمر: ۳۳-۳۴) اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اخلاق کا اعلیٰ ترین اسوۂ حسنہ نمونہ بنا کر بھیجا ہے (احزاب: ۲۱) پیغمبر خدا کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن (احزاب: ۴۶) جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پڑھ کر سناتا ہے اور کتاب اور دانائی کی باتیں سکھاتا اور ان کے دلوں کو پاک صاف کرتا ہے

Marfat.com

(بقرہ ۱:۱۲۹) کیونکہ لوگ آپ کی بعثت سے پہلے صریح گمراہی میں تھے (جمعہ: ۲)
ارشاد ربی ہے کہ ہم نے پیغمبر اس لئے بھیجا ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق اُس کا کہا مانا جائے (نساء: ۶۴) اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے پیغمبر لوگوں سے کہدو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور خدا بخشنے والا مہربان ہے (آل عمران: ۳۱)

ان حقائق کی روشنی میں ایک مردِ مومن کے لئے حق و باطل اور خیر و شر کے امتیاز میں کسی کو شک و ریب کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ان امور کے متعلق اُس کا معیار اور تعین احکامِ الٰہی کے اعلان کے مطابق ہوتا ہے جو پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دنیا جہان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے نازل کیا گیا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شئے منکرینِ حق کے نزدیک درست اور مفید ہے مگر اللہ نے اُسے نادرست اور غیر مفید بیان فرمایا ہے تو اہلِ ایمان کے نزدیک وہ شئے بھی نادرست اور غیر مفید ہے۔ مثال کے طور پر شراب کا استعمال مشروب یا توانائی اور صحت کی نیت سے اسلام کو نہ ماننے والوں کے نزدیک ممنوع و مکروہ نہ ہو مگر اہلِ ایمان کے لئے شراب کلی طور پر نا قابلِ قبول ہے کیونکہ شراب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ممنوع بلکہ حرام ہے۔ اسی طرح رمضان کے مہینہ میں ۳۰ دن تک اوقاتِ مقررہ میں کھانے پینے اور دیگر لذائذ نفسانی سے کلیتاً اجتناب غیر مسلموں کو صحت کی خرابی یا کمزوری کا باعث نظر آئے مگر اہلِ اسلام اسی ریاضت و جفاکشی کو اپنے لئے خیر و برکت کا ذریعہ یقین کرتے ہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ کارفرما ہے۔ جوان لڑکیوں اور عورتوں کے لئے گھر سے باہر نکلتے وقت پردہ کی پابندی ممکن ہے غیر مسلموں کی نظر میں بے جا سختی بلکہ ظلم و ستم بنکر کھٹکے مگر اہلِ اسلام کے لئے حتمی طور پر اس کی پاسداری لازم ہے یہ بھی اطاعتِ الٰہی کی ایک مثال ہے۔ اسی طرح عید قرباں کے موقع پر لاکھوں مویشیوں کی قربانی

Marfat.com

منکرینِ اسلام کے نزدیک سرمایہ اور جانوں کا اتلاف ہو سکتا ہے مگر مسلمان اس فریضہ کو جذبۂ اطاعت کے ساتھ پورا کرتے ہیں۔ ان کا ایمان ہے کہ اسی اطاعت و فرمانبرداری میں اُن کے لیے خیر و فلاح کی نوید مضمر ہے۔ چنانچہ اہلِ اسلام کے نزدیک خیر و شر یا نفع و نقصان کا عیار خود اُن کا شعور اور اُن کی دانش نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ اسی میں دونوں جہان کی سعادتیں پوشیدہ ہیں۔

چنانچہ اسی پس منظر کی بنیاد پر ہم اُن اصولوں کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک صحت مند اور با اخلاق معاشرہ کی تشکیل میں مختلف انسانی رابطے اور رشتوں میں باہم پختگی اور وابستگی کے لئے ہماری ہدایت اور رہنمائی کے بیان کئے گئے ہیں۔

۴۔ اخلاقیات، بنیادی تعلقات کے نقطۂ نظر سے

والدین اور اولاد۔۔

افراد کا سب سے پہلا اور باہم دیگر بنیادی تعلق والدین کی وساطت سے وجود میں آتا ہے۔ یہ تعلق (رشتہ) نہ صرف بنیادی اور اولین اہمیت کا حامل ہے بلکہ تمام رشتوں اور تعلقات میں مقدس ترین بھی ہے۔ والدین اپنی اولاد کے لئے مخلص تخلیقی سرچشمہ ہی نہیں ہوتے بلکہ وہ انتہائی دلچسپی، محبت اور مستقبل کی امید کے ساتھ اپنی اولاد کی پرورش، نگہداشت، تحفظ و بقا کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ والدین اپنی اولاد کے لئے آرام و آسائش، تعلیم و تربیت کا سامان بھی بہم پہنچاتے ہیں تاکہ وہ معاشرہ میں اعلیٰ مقام حاصل کریں اور عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھے جائیں۔ جب والدین اپنی اولاد کی بہبود کے لئے اپنی ذمہ داریوں کو اس قدر اہتمام اور تندہی سے سرانجام دیتے ہیں تو ان کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور ان پر اپنے والدین کے جو حقوق ہیں

Marfat.com

فرائض عاید ہوتے ہیں انکی بجا آوری میں کوتاہی نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو جسے اسکی ماں تکلیف پر تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے پھر اس کو دودھ پلاتی ہے اور آخر کار دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے، اپنے نیز اس کے ماں باپ کے بارے تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا ہے اور اپنے ماں باپ کا بھی شکر ادا کرے (القمان: ۱۴) اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے جنا۔ تو اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا ڈھائی برس میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے اے مرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ تونے احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں، ان کا شکر گزار رہوں اور یہ کہ نیک عمل کروں جن کو تو پسند کرے اور میرے لئے میری اولاد میں اصلاح و تقویٰ دے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں (احقاف: ۱۵) تمھارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمھارے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انھیں جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات کرنا۔ اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو۔ اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار جیسا انھوں نے مجھے بچپن میں شفقت سے پرورش کیا ہے، تو بھی ان کے حال پر رحم فرما (بنی اسرائیل ۲۳-۲۴)

اولاد کی طرف سے والدین کی اطاعت و فرمانبرداری ہر حال میں واجب ہاں اگر والدین کفر و شرک کی تلقین کریں تو اس صورت میں اولاد کے لئے لازم نہیں کہ اپنے والدین کا کہا مانیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مقابلے والدین کی فرمانبرداری کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ارشاد ربانی ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے لیکن (اے مخاطب) اگر تیرے ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے

Marfat.com

کی حقیقت کی تجھے واقفیت نہیں تو اُن کا کہنا نہ ماننا۔ تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے ہو، میں تم کو جتادوں گا (عنکبوت ۸ اور لقمان: ۱۵)

اسی طرح والدین کے لیئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ضلالت و گمراہی اور دوسری اخلاقی یا سماجی برائیوں میں مبتلا ہونے اور زندگی کو تباہ کرنے سے بچائیں۔ والدین کے لیئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور اس پر قائم رہو۔ (انبیاء: ۱۳۲) والدین پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ حضرت لقمانؑ کی اُن نصیحتوں کا بغور مطالعہ کریں جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں اور جن کا ذکر سورۂ لقمان میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ بالخصوص ان آیات میں جب لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے" (لقمان: ۱۳) لقمان نے یہ بھی کہا کہ بیٹا اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو خواہ وہ کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں یا زمین میں مخفی ہو تو خدا اُس کو بھی قیامت کے دن لا موجود کرے گا۔ کچھ شک نہیں کہ خدا باریک بیں اور خبردار ہے (لقمان: ۱۶) بیٹا نماز کی پابندی رکھنا اور لوگوں کو اچھے کاموں کے کرنے کا امر اور بُری باتوں سے منع کرتے رہنا۔ اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اُس پر صبر کرنا۔ بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں (لقمان: ۱۷) یہ ہدایات و احکام رہتی دنیا تک تمام اہل شعور اور خوش کردار والدین کے لئے ہیں اور یہی پیغام انسانیت کی فلاح و بہبود کی ضمانت بھی ہے۔ حضرت لقمانؑ کا ذکر اور حوالہ تمثیل بھی ہے اور تاریخی شہادت بھی۔

قرآن کریم نے والدین اور اولاد کے درمیان وراثت اور تقسیم املاک اور ادائے قرض کے احکام بھی وضاحت سے بیان کر دیے ہیں۔ ان احکام میں دیانتداری اور انصاف کے ساتھ وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد (اگر متوفی والدین نے اپنی زندگی میں قرض ادا نہ کیا ہو) متروکہ املاک و زر و مال کی مقررہ حدود کے مطابق تقسیم کا حکم دیا ہے (تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں باب چہارم سورۂ نساء آیات ۱۱-۱۲)

Marfat.com

میاں بیوی

دوسرا اہم رشتہ میاں بیوی کا باہمی تعلق ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس رشتہ کی کامیابی اور استواری پر ہی تمام اہلِ خاندان کی فلاح و بہبود اور سکون و آسائش کا دار و مدار ہے۔ ازدواجی تعلقات بقائے نسل کی بنیاد ہیں اور اسی مقصد یعنی افزائشِ نسل کے لئے قدرت نے دونوں میں ایک دوسرے کی کشش اور باہمی ربط کا جذبہ ودیعت کر دیا ہے۔ لیکن جنسی خواہش کی تکمیل کا واحد قانونی اور اخلاقی (طور پر پاکیزہ) طریقہ باہمی رضامندی سے ازدواجی رشتہ میں منسلک ہو جانا ہے تاکہ اولاً تو فطری جذبہ کی تسکین کے ساتھ نسل بھی جاری رہے اور ثانیاً معاشرہ بھی اُن تمام اخلاقی برائیوں سے محفوظ رہے جو اس خواہش کی تسکین کے لئے غیر اخلاقی، بے لگام اور بلا کسی حدود و قیود کے پابند طریقوں کے نتیجہ میں رونما ہوتی ہیں۔ اگر معاشرہ میں رائج بداخلاقیوں مثلاً زنا بالجبر، بدکاری، جسم فروشی، ہم جنسی تعلقات، ناشائستگی اور بدنظمی کا جائزہ لیا جائے تو اس کی تہ میں یہی بے لگام اور اخلاقی و دینی حدود سے بے نیاز ہوس رانی اور جنسی خواہشات کی تسکین کا جذبہ نظر آئے گا۔ تاریخ کے ہر دور میں اور ہر مہذب معاشرہ میں باہم رضامندی کی شادی ہی جنسی خواہش کی تکمیل کا پسندیدہ شائستہ اور قانونی طریقہ تسلیم کیا گیا ہے اور صرف قانونی (سماجی اور مذہبی) ازدواجی رشتہ سے وجود میں آنے والی نسل کو ہی جائز اور وراثت کا اہل سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس، غیر قانونی طریقہ سے پیدا ہونے والی اولاد کو ناجائز اور وراثت کا نااہل قرار دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مہذب معاشرہ اور ہر مذہب و ملت میں شادی کو تسکینِ خواہش اور بقائے نسل کا پسندیدہ اور قانونی طریقہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس فطری خواہش کی تسکین کے دیگر ذرائع اور طریقے غیر فطری اور غیر اخلاقی ہونے کی بنا پر معیوب و مردود سمجھے

Marfat.com

تے ہیں اور ان کا ارتکاب قانونِ تعزیرات کے مطابق مستوجب سزا قرار جاتا ہے۔

اسلام میں شادی ایک معاہدہ کے مصداق ہے جس میں فریقین (زن و وہر) باہمی رضامندی کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔ اس معاہدہ کی لازمی شرائط ہیں۔ اس کی تکمیل دو معزز اور قابل اعتماد گواہوں کے سامنے ہو اور دونوں ق اپنے گواہوں کی شہادت (گواہی) کے ساتھ مہر کی رقم یا طے شدہ مالیت مقدار پر متفق ہو جائیں کہ اس رقم کی ادائیگی (شوہر یا اس کے وکیل یا سرپرست ذریعہ) فوری طور پر عمل میں آجائے (معجل) یا تقاضے پر (عندالطلب) یا قدرے یرہ مثلاً طلاق یا شوہر کی وفات پر ادا کی جائے (موجل) شادی ایک معاہدہ حیثیت سے طے شدہ شرائط اور اصول کے تحت طلاق یا خلع کی صورت میں تم بھی کی جا سکتی ہے، جس کے بعد فریقین میں سے دونوں کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی پسند اور رضامندی سے کسی اور فریق کے ساتھ شادی کا عاہدہ کر لیں۔ تاہم اگر وہ دونوں مطلقہ زن و شوہر باہم رضامند ہو کر آپس ں دوبارہ شادی کر کے متحد ہونا چاہیں تو اس صورت میں مطلقہ بیوی پر زم ہو گا کہ وہ اپنی پہلی شادی کی عدت پوری کر کے کسی دوسرے شخص سے شادی کرے اور پھر اس نئے شوہر سے شریعت کے قانون کے مطابق طلاق لیکر پنے سابق شوہر سے دوبارہ رجوع کر کے شادی کرے۔

اسلام میں ازدواجی زندگی تمام تر احکامِ الٰہی کی پابندی کے تحت بسر ہو جاتی ہے اور فریقین میں سے دونوں پر لازم ہوتا ہے کہ اپنی ازدواجی زندگی تمام امور احکامِ خداوندی کی اطاعت میں سرانجام دیں چنانچہ اگر ایک طرف اسلام میں مرد و عورت کو یکساں حقوق حاصل ہیں تو دوسری طرف مرد کا عورت پر غلبہ اور فوقیت بھی تسلیم کی گئی ہے (البقرہ: ۲۲۸) وجہ صاف ظاہر ہے کہ ازدواجی زندگی میں اگر ماتحتی (عورتوں کے لئے) اور برتری (مردوں کیلئے)

Marfat.com

کا اصول کارفرما نہ ہو تو قدرتی طور پر ایک بیوی صحیح معنوں میں اپنے شوہر کے ساتھ خوش اسلوبی اور سکون و راحت کی زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ اسی لئے اسلام نے حکم دیا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی اطاعت کرے اور اس کے حقوق و ناموس کی حفاظت کرے (نساء: ۳۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت (بیوی) نہ صرف اپنے گھر، مال اسباب، اولاد اور دوسرے اثاثوں کی نگہداشت کی پابند ہے بلکہ اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنی عفت و آبرو کی حفاظت میں بھی بے داغ کردار ادا کرے۔ بیوی کی حیثیت سے وہ محض اپنے شوہر کے لئے کلی طور پر مامور و حکم بردار ہے۔ وہ کسی حالت میں بھی کسی غیر مرد کے ساتھ اپنی اور اپنے شوہر کی ناموس کی امانت میں خیانت کا ارادہ بھی نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی بیوی ان احکام و فرائض کے بجا لانے میں کوتاہی کرتی ہے تو گویا وہ اپنے معاہدۂ عقد و نکاح کی خلاف ورزی کی مرتکب ہوتی ہے۔ اس بنا پر وہ قانون اور شریعت کے احکام کی رُو سے سزا کی مستحق ٹھیرتی ہے۔ ایسی حالت میں قرآن کی طرف سے شوہر کو اس کا اختیار حاصل ہے کہ وہ بطور سرزنش اپنی بیوی کو گھر کی چہار دیواری سے باہر نہ جانے دے، اس کی مقاربت سے اجتناب کرے اور اگر وہ اس پر بھی باز نہ آئے یا اس تنبیہ و تاکید کا خاطر خواہ اثر نہ لے تو وہ (شوہر) اپنی بیوی کو جسمانی سزا بھی دے سکتا ہے (نساء: ۳۴ اور نساء: ۱۵-۱۶) اگر کسی غیر مرد کے ساتھ بدکاری کا جرم چار معتبر گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر ثابت ہو جائے تو شریعتِ اسلام کی رُو سے اسلامی حکومت اس عورت کو اس کے آشنا کے ساتھ سنگسار کر کے ہلاک کر دینے کی پابند ہے کہ دوسروں کو عبرت ہو اور عصمت و عزت کے دامن پر بدنما داغ لگانے کا انجام سب پر عیاں ہو جائے اور نتیجہ میں انسانیت اور شرافت مزید بے آبروئی سے محفوظ رہ سکے۔

مزید برآں معاشرہ اور خود عورت کو بداخلاقی اور ناشائستگی سے محفوظ رکھنے کے لئے اسلام نے عورت کو حکم دیا ہے کہ وہ کھلے بندوں لوگوں (یعنی پبلک) کے

Marfat.com

سامنے نہ آئے۔ اگر اُس کو ضرورت کے تحت گھر سے نکلنا ہی پڑے تو اُسے چاہیئے کہ اپنے آپ کو سر سے پیر تک (چادر یا برقعہ) میں ڈھک کر باہر نکلے (مومنون: ۳۱) اور احزاب: ۵۹) اور اگر گھر میں رہتے ہوئے عورت کو غیر مرد سے گفتگو کرنا ضروری ہو تو اُسے گھر کی دہلیز کے اندر رہ کر دروازہ کی آڑ لے کر نہایت مختصر اور خودداری کے ساتھ کلام کرنا چاہیئے اور اُس غیر مرد کے سامنے آنے سے گریز کرنا چاہیئے۔ گھر اور گھر والوں کے ناموس کی نگہداشت اور احترام کے طور پر یہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ پرائے گھر میں کوئی شخص بلا اجازت داخل نہ ہو (نور: ۲۷) اس سلسلہ میں حزم و احتیاط کی اتنی سخت تاکید ہے کہ نوکر چاکر سمیت کسی شخص کو بھی حتیٰ کہ اولاد کو بھی خلوت کدہ میں ان تین اوقات یعنی قبل صبح صادق، دوپہر کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد جب زن و شوہر گھر والوں سے علیحدہ ہو جائیں اُن کی اجازت کے بغیر ہرگز داخل نہ ہونا چاہیئے (نور: ۵۸) عورتوں کو تاکید ہے کہ وہ غیر مردوں سے بدرجۂ مجبوری بات کرتے وقت ایسا لب و لہجہ اختیار نہ کریں جس سے شہوانی جذبات کو انگیخت ہوتی ہو (احزاب: ۳۲)

قرآن نے بیوی کے لئے اپنے شوہر کی جانب سے اپنی تمام ازدواجی زندگی میں نان نفقہ کے ساتھ ضروریاتِ زندگی کو مہیا کرنے کا حق تسلیم کیا ہے (بقرہ: ۲۳۲) اس سلسلہ میں نہ تو بیوی کی خاندانی امارت اور نہ شوہر کی غربت کوئی رکاوٹ بن سکتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، مہر حتمی طور پر بیوی کا حق ہے وظیفۂ زوجیت ادا ہونے کے بعد بیوی مہر کی کل رقم کی حقدار ہو جاتی ہے اور اگر وظیفۂ زوجیت ادا نہ ہوا ہو اور طلاق کی نوبت آ جائے تو مہر کی صرف نصف رقم شوہر کی طرف واجب الادا ہوگی (بقرہ: ۲۳۷) اگر ازدواجی رشتہ بیوی کی طرف سے خلع کے نتیجہ میں ٹوٹ جاتا ہے تو بیوی کو مہر کا کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔ اس کے برعکس خلع کی صورت میں بیوی کو مہر کی وہ رقم جو اُس نے حاصل کی ہو شوہر کو واپس کرنی ہوگی (بقرہ: ۲۲۹)

Marfat.com

بیوی کو اپنے شوہر کی وفات پر مرحوم کی تمام جائیداد اور ملکیت میں ورثہ کا حق حاصل ہے اولاد نہ ہونے کی صورت میں بیوی مرحوم شوہر کی متروکہ جائیداد کا چوتھائی حصہ اور اولاد موجود ہونے کی صورت میں آٹھواں حصہ ملیگا۔

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے عورت کو وہ تمام حقوق و مراعات دیئے ہیں جو قانونی اور اخلاقی نقطۂ نظر سے معاشرتی زندگی کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔ اسلام سے پہلے دنیا کی دیگر قوموں نے ان حقوق سے عورت کو محروم کر رکھا تھا۔ سوائے اُن حقوق و فرائض کے جو بیوی اور شوہر کے مابین فطری طور پر عائد ہوتے ہیں اور جن کے تحت بیوی کے مقابلہ میں شوہر کو فوقیت اور غلبہ حاصل ہے، اسلامی قانون کے تحت بیوی کو دیگر تمام امور میں شوہر کے ساتھ مساوی حقوق حاصل ہیں۔ ان میں بود و باش خوراک و پوشاک، نقل و حرکت، حقِ ملکیت اور زندگی کی تمام آسائشیں شامل ہیں۔ اسلام میں ایسی تمام کوششیں مذموم و قابلِ نفرین ہیں جن کی آڑ میں عورت کو اُس کے جائز حقوق و مراعات سے محروم کیا جائے۔ بلکہ اسلام نے عورت کو نہایت فراخ دلی کے ساتھ عزت و احترام کا وہ مقام دیا ہے جس کی وہ حقیقی معنوں میں مستحق ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان حقوق و فرائض کی تفویض میں اسلام نے ان فطری تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا ہے جو زندگی کو استوار اور متوازن رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ اسلام عورت کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ شوہر پر حکمرانی یا برتری جتلانے کی کوشش کرے۔ مگر اس کے ساتھ ہی مرد کو بھی اجازت نہیں کہ وہ عورت کو محض اور محض جنسی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ سمجھے۔ کیونکہ اس صورت میں معاشرہ کا شیرازہ بکھر جائیگا اور اس میں نت نئی اخلاقی اور نظریاتی بے راہ روی در آئے گی اور اس کا تہذیبی و تمدنی معیار دن بدن گرتا جائیگا۔

اسلام نے اگر ایک طرف عورت کے لئے پابندی اور آزادی کے واضح اصول مقرر کر دیئے ہیں تو دوسری طرف مردوں کے لئے بھی ان کے فطری تقاضوں

Marfat.com

کے تحت اسی قسم کے اصول بیان کر دیئے ہیں تا کہ روزمرّہ کی زندگی میں توازن برقرار رہے اور معاشرہ افراتفری کا شکار نہ ہو۔ شادی ایک ایسا رشتہ ہے جس کے ذریعہ ان فطری خواہشوں کی تکمیل بھی ہوتی ہے جو جنس کے تقاضے سے جنم لیتی ہیں مگر اسی میں بقائے نسل کا قدرتی منشا بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنی اصطلاح میں عورت کو "مرد کی کھیتی" کہا گیا ہے۔ اور مرد کو اختیار دیا گیا ہے کہ اس کو اپنی مرضی کے مطابق سنوارے اور سینچے (البقرہ: ۲۲۳) لیکن یہ بھی قدرت کا نظام ہے کہ عورت مہینہ میں چند دن کے لئے جسمانی طور پر طہارت و پاکیزگی برقرار نہیں رکھ سکتی۔ چنانچہ اِن دِنوں میں مقاربت سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ ایسا نہ کرنے اور احتیاط نہ برتنے کی صورت میں ضبطِ نفس کے روحانی اصولوں کے درہم برہم ہونے کے علاوہ جسمانی اور طبعی عوارضات کا بھی احتمال رہتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ آپ سے لوگ حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ تو نجاست ہے، سو ایامِ حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو۔ اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں اُن سے مقاربت نہ کرو۔ ہاں جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے خدا نے تمھیں ارشاد فرمایا ہے اُن کے پاس جاؤ (البقرہ: ۲۲۲)

اس سے بھی بڑھ کر عورت و مرد، زن و شوہر کی باہم دگر وابستگی اور زیب و زینت کے رشتہ کو اُجاگر کرنے کے لئے قرآن کریم نے نہایت فصاحت اور معنویت کے ساتھ دونوں کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے (البقرہ: ۱۸۷) ازدواجی زندگی کی کامیابی کا دار و مدار جلوت و خلوت میں مزاج و سلوک کی ہم آہنگی پر ہے۔ مگر اس کے باوجود بعض لمحے ایسے بھی آجاتے ہیں جب کسی جائز یا ناروا شکایت کے سبب باہمی رنجش بھی پیدا ہو جاتی ہے مرد فطرتاً جذباتی اور زُود رنج واقع ہوا ہے اور شدّتِ جذبہ سے مغلوب ہو کر ایسی قسم کھا بیٹھتا ہے جس سے باہمی تعلقات و التفات کو ٹھیس لگ سکتی ہے چنانچہ قرآن نے

Marfat.com

شوہر کو تاکید کی ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی بیوی سے دُور رہنے کی قسم نہ کھائے۔ (البقرہ: ۲۲۴) اور اگر کوئی مرد (شوہر) کسی عذر یا عدم موجودگی کی بناء مسلسل تین سال تک وظیفۂ زوجیت سے قاصر رہے تو بیوی کو اختیار دیا گیا ہے کہ شرعی حدود میں رہ کر اپنے شوہر سے طلاق کے ذریعہ علیحدگی اختیار کرلے اور اس کے بعد اپنی پسند سے عقد ثانی کرلے۔

اسلام میں مردوں کو اُن کی جسمانی اور مالی صلاحیت اور حسنِ سلوک کی ضمانت کے ساتھ ایک سے زیادہ چار عورتوں تک سے نکاح کی اجازت ہے (النساء: ۳) مگر یہ اجازت خصوصی حالات کے تحت ہے اور اسے حکم کا درجہ نہیں دیا گیا ہے۔ اس اجازت کے ساتھ اس بات کی بھی سختی سے تاکید ہے کہ وہ اپنی بیویوں سے یکساں سلوک اور برتاؤ کرے (النساء: ۱۲۹) تعدادِ ازدواج کے لئے واضح اور قابلِ قبول عذر یا جواز کا ہونا لازمی ہے۔ مثلاً موجودہ بیوی کسی طبعی عُذر کے باعث وظیفۂ زوجیت کی تکمیل کی صلاحیت نہ رکھتی ہو (۲) شوہر کو بوجوہ اُس سے رغبت نہ رہی ہو (۳) قوت و توانائی کے پیشِ نظر مرد کی تسلی ایک عورت سے نہ ہوتی ہو اور (۴) بیوی کسی نقص کے باعث تولیدِ اولاد سے قاصر ہو یا (۵) اسی قسم کی کوئی اور ناقابلِ نظر انداز ضرورت۔ اسلام دینِ فطرت ہے چنانچہ فطری تقاضوں کے تحت اسلام نے مردوں کو ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ اس اجازت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں اخلاقی بے راہ روی کا نفوذ نہ ہو سکے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اسلام کا یہ اقدام مرد و عورت دونوں کے لئے یکساں مفید ہے مگر عورت کو اس اقدام سے خاص طور پر امن و حفاظت کی ضمانت حاصل ہوتی ہے اور اُسے زندگی بسر کرنے کا قابلِ اعتماد حیلہ مل جاتا ہے اور وہ طلاق و علیحدگی جیسے مہلک خطرہ سے محفوظ رہ سکتی ہے جو اُس کے شوہر کی التفات و اُنسیت میں کمی آجانے کے بعد اس کے اردگرد منڈلا رہتا ہے۔

Marfat.com

قرآنی احکام کے مطابق شوہر کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کیلئے بود و باش خوراک و پوشاک اور دیگر ضروریات اور آسائشیں مہیا کرنے کا اہتمام کرے حتیٰ کہ علیحدگی کے دوران اور علیحدگی (طلاق) کے بعد عدت کی مدت تک بیوی اور کم سن اولاد کی پرورش اور نان نفقہ کی ذمہ داری بھی شوہر ہی کے سر ہوتی ہے (البقرہ: ۲۳۳) شوہر کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ کو ضروریات زندگی کا محتاج ہونے سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ شوہر اپنی زندگی ہی میں وصیت لکھ دے کہ اس کے انتقال کے بعد ایک سال تک اس کی بیوی کی کفالت اس کی متروکہ جائداد سے جاری رکھی جائے (البقرہ: ۲۴۰)

خاندان کی نجابت اور رشتہ کی پاکیزگی اور احترام کے ساتھ نسلِ انسانی کو ناروا تعلقات سے محفوظ رکھنے کے لئے اسلام نے رشتۂ ازدواج کے انتخاب یا اجتناب کے سلسلہ میں واضح ہدایات بیان کر دی ہیں۔ چنانچہ حکم ہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو۔ ان سے نکاح نہ کرنا مگر جاہلیت میں جو ہو چکا سو ہو چکا یہ نہایت بے حیائی اور خدا کی ناخوشی کی بات تھی اور بہت بُرا دستور تھا (نساء: ۲۲) تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنھوں نے تمکو دودھ پلایا ہو۔ اور رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کر دی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی لڑکیاں جنہیں تم پرورش کرتے ہو وہ بھی تم پر حرام ہیں۔ ہاں اگر تم نے ان کے ساتھ مباشرت نہ کی ہو تو ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں بھی۔ اور دو بہنوں کو اکٹھا کرنا بھی حرام ہے مگر جو ہو چکا سو ہو چکا بیشک خدا بخشنے والا اور رحم والا ہے (نساء: ۲۳) اور شوہر والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں مگر وہ جو اسیر ہو کر لونڈیوں کے طور پر تمہارے قبضہ میں آجائیں ان محرمات کے اور عورتیں تم کو حلال ہیں اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے اُن سے نکاح کر لو بشرطیکہ نکاح سے مقصود عفت

Marfat.com

قائم رکھنا ہو نہ کہ شہوت رانی۔ تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو اُن کا مہر جو مقرر کیا ہو ادا کر دو۔ اگر مقرر کرنے کے بعد آپس میں رضامندی سے اس میں کمی بیشی کر لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں بیشک خدا سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے (نساء: ۲۴) اور جو شخص تم میں سے مومن آزاد عورتوں یعنی بیویوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ رکھے تو مومن لونڈیوں ہی سے جو تمہارے قبضہ میں آگئی ہوں نکاح کرے۔ اور خدا تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے ہمجنس ہو تو ان لونڈیوں کے ساتھ اُن کے مالکوں کی اجازت سے حاصل کر کے نکاح کر لو اور دستور کے مطابق اُن کا مہر بھی ادا کر دو بشرطیکہ عفیفہ ہوں۔ نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں اور نہ در پردہ دوستی کرنا چاہیں۔ پھر اگر نکاح میں آکر بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں تو جو سزا آزاد عورتوں یعنی بیبیوں کے لئے ہے اُس کی آدھی اُن کو دی جائے یہ لونڈی کے ساتھ نکاح کی اجازت اس شخص کو ہے جسے گناہ کر بیٹھنے کا اندیشہ ہو اور اگر صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے (نساء: ۲۵)

چنانچہ اسلامی طرزِ حیات میں زن و شوہر کے تمام تعلقات اخلاقیات، شائستگی اور نظم و ضبط کی متعین حدود کی بنیادوں پر قائم رہے ہیں اور ان میں کسی فریق کو دوسرے کے حقوق کو پامال کرنے کی قطعی اجازت نہیں ہے البتہ دونوں کو حق ہے کہ اگر خدانخواستہ میاں بیوی کے تعلقات اتنے کشیدہ ہو جائیں کہ صلح صفائی کا امکان باقی نہ رہے تو اس صورت میں میاں بیوی باہمی رضامندی سے شریعت کے حکم کے مطابق ایک دوسرے سے علیٰحدگی (طلاق یا خلع) حاصل کر سکتے ہیں اور اس کے بعد ہر دو فریق اپنی پسند کے مطابق کسی اور جگہ نکاح کر سکتے ہیں اس علیٰحدگی کی صورت میں سابق شوہر کو حق نہیں پہنچتا کہ اپنی سابقہ بیوی کو اذیت پہنچائے (البقرہ: ۲۳۲) احکامِ الٰہی کی پابند ازدواجی زندگی صرف اپنے خاندان اور متعلقین کے لئے فلاح و بہبود اور مسرت و شادمانی

Marfat.com

ذریعہ ہوتی ہے بلکہ یہی مثبت نتائج موجودہ معاشرہ اور آئندہ نسلوں کے لئے بھی پاکیزگی اور متانت کا سرچشمہ بن جاتے ہیں۔ عملی زندگی میں اگرچہ کسی حد تک ایک بیوی اپنے شوہر کے زیر اثر اور محکوم دکھائی دیتی ہے لیکن ذرا سے غور و فکر کے بعد یہ حقیقت آشکارا ہو جائیگی کہ یہ نام نہاد محکومی اور مغلوبیت دراصل نسوانی اقدار اور جوہر کی محافظ اور عورت کے نفسیاتی تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ خاندان کی بالادستی اور سربراہی کے باعث خاندان کی بھاری ذمہ داریوں کا بوجھ مرد ہی کے کاندھوں پر ہوتا ہے۔ یہی ذمہ داری اس کی حاکمیت کی دلیل ہے اور اختیار کے استعمال کا جواز بھی۔ اس کے باوجود دونوں میاں بیوی اپنی روزمرہ کی زندگی میں مساوی حقوق کے مالک ہوتے ہیں اور اپنی اپنی حدود میں خود مختار بھی۔ اس کے ساتھ ہی دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عاید کردہ احکام کی اطاعت کے پابند ہیں اور دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اگر دونوں میں سے کوئی ایک فریق بھی ان احکام کی عدم اطاعت کا مرتکب ہوتا ہے تو دوسرا فریق اُس کے مواخذہ اور محاسبہ سے محفوظ رہتا ہے۔ یہی آزادئ عمل کا ثمرہ ہے اس لئے کہ ہر فرد اپنے عمل کا خود ہی ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔

حکومت اور افراد

تیسرا اہم رشتہ حکومت اور افراد کے درمیان وابستگی ہے۔ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق مملکت کا اولین فریضہ اقامتِ صلوٰۃ (نماز کا قائم کرنا) ادائے زکوٰۃ، ترویج خیر اور امتناعِ شر (نیکی کو پھیلانا اور برائی کو روکنا) ہے (الحج: ۴۱) ان چند الفاظ میں قرآن نے مملکت اسلامیہ کا منشور نہایت واضح اور جامع طور پر پیش کر دیا ہے۔ جس کو نافذ کرنے کے لئے مملکت اپنی حدود میں لینے والے اور زیر حکم رہنے والوں کو احکام الٰہی سے روشناس کرائے اور ان پر عملدرآمد ...

Marfat.com

سے عمل کی ترغیب دلاکر اُنھیں مذہبی اور اخلاقی فروغ کا اہل بنا سکتی ہے۔ نماز یا صلوٰۃ بذاتِ خود ہر قسم کے فواحش اور منکرات سے محفوظ رہنے کا موثر ترین وسیلہ ہے۔ اسی کے ساتھ اسلامی مملکت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ نیک کاموں کے فروغ اور برائیوں سے اجتناب کے لئے موثر قانون بنائے اسی طرح مملکت (اسلامی) اس امر کی پابند ہے کہ وہ اخلاقی اصول کو موثر طریقہ پر نافذ کرے اور تمام غیر اخلاقی کاموں کی روک تھام کا اہتمام کرے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ ایک اسلامی مملکت میں شراب نوشی، رقص و سرود، ریس اور قمار بازی جنسی بے راہ روی، ناجائز طریقہ پر نفع خوری، ذخیرہ اندوزی، جھوٹا پروپگنڈا ناانصافی اور افراد کے درمیان غیر مساویانہ سلوک جیسے قبیح و شنیع افعال کی قطعی گنجائش نہیں۔

دوسری طرف افراد کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ حکومت یا مملکت کے قانون کا احترام کرتے ہوئے اُن پر پابندی کے ساتھ عمل پیرا ہوں (نساء: ۵۹) ظاہر ہے کہ جب تک افراد، حکومت کے قانون کی پابندی نہ کریں معاشرہ میں باقاعدہ نظم و نسق، اور سکون و طمانیت کی فضا کا قیام ممکن نہیں حکومت کے قانون کی اطاعت کے سلسلے میں یہ یاد رکھنا ضرور ہے کہ یہ اطاعت و فرمانبرداری اُن احکام سے متعلق ہے جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہیں اگر (بالفرض) کوئی حکومت اسلام کے نام پر ایسا قانون رائج کرنے کی کوشش کرے جو اسلامی تعلیم کے منافی ہو تو ایسے حکم کی پابندی لازمی نہیں۔ ایک مسلمان کسی ایسے حکم کو ماننے کا شرعاً پابند نہیں ہے جو توحید و رسالت، کتب سماوی، ملائکہ اور قیامت پر اس کے ایمان سے متصادم ہو۔

۵۔ اخلاقیات۔ عمومی روابط کے نقطۂ نظر سے۔

اب ہم اُن تعلقات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن سے معاشرہ کے عام افراد

Marfat.com

ایک دوسرے کے ساتھ اخلاقی نقطۂ نظر سے وابستہ ہوتے ہیں۔ عام مشاہدہ ہے کہ افراد روزمرہ کے معاملات میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہتے ہیں خواہ اُن کی نوعیت اُستاد و شاگرد، ہمسایہ اور ملک کے دیگر شہری، دوست دشمن آقا و غلام یا دیگر روابط کی ہو۔ قرآن کریم میں ان عام تعلقات و روابط کے سلسلہ میں واضح ہدایات موجود ہیں جو بظاہر معاشرہ کے مختلف النوع مسائل سے متعلق ہوتی ہیں مگر اِن ہدایات کی افادیت اور اہمیت عالمگیر ہوتی ہے یعنی معاشرہ میں وارد ہونے والے یہ مسائل اور امور دنیا کے کسی خطہ میں بھی ان ہدایات کی روشنی میں حل کئے جا سکتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ بنیادی اصول عالمگیر افادیت کے حامل ہوتے ہیں اور ان سے ہر شخص ہر جگہ اور ہر وقت استفادہ کر سکتا ہے۔

حق گوئی یا راست بازی

قرآنی تعلیمات میں حق گوئی یا ہر حال میں سچ بولنے کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے ارشاد ربی ہے کہ مومنو! خدا سے ڈرو اور سیدھی بات کہا کرو (احزاب: ۷۰) صادق الکلام یا سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو (توبہ: ۱۹) اور کذب و افترا سے اجتناب کرو (النجم: ۳۰) قرآن کریم کے نزدیک جھوٹے لوگ ناانصاف ہوتے ہیں۔ (زمر: ۳۲) خدا اُس شخص کو جو جھوٹا ناشکر گذار ہے، ہدایت نہیں دیتا (زمر: ۳) جو لوگ دوسروں کو صداقت اور حق گوئی کی تلقین نہیں کرتے وہ سخت خسارے میں ہیں (عصر: ۲-۳) جو لوگ اللہ پر افترا باندھتے ہیں وہ کبھی خوش حال نہیں ہو سکتے (النحل: ۱۱۶) اللہ تعالیٰ کے محبوب صاحب ایمان بندوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ جھوٹ کے قریب بھی نہیں جاتے اور نہ جھوٹوں کے لئے گواہی دیتے ہیں اور اگر انھیں کبھی لغو اور بیہودہ باتوں کے پاس سے گزرنا ہی پڑے تو وہ شانِ استغنا اور بُردوقار انداز میں گزر جاتے ہیں (فرقان: ۲۰) جھوٹے پر خدا کی لعنت ہے (آل عمران: ۶۰) اور دروغ گو کا مقدر بالآخر تباہی ہے۔

Marfat.com

(بنی اسرائیل: ۸۱) حق گوئی کا صلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کی بخشش ہے (احزاب ۲۴) اور اجرِ عظیم (احزاب: ۳۵) قیامت کے دن اہلِ صدق کو دنیا میں حق گوئی کے صلہ میں خدا کی طرف سے جنت الفردوس کے باغ عطا ہوں گے جنکے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی اور جن میں وہ ابدالاباد تک قیام کرینگے (مائدہ: ۱۹)

عدل وانصاف

قرآن کریم نے دینی و دنیاوی معاملات میں عدل وانصاف سے پیش آنے کا حکم دیا ہے (نساء: ۵۸) ارشادِ ربّی ہے کہ۔ اے پیغمبر ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ خدا کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کرو۔ اور دغابازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا (نساء: ۱۰۵) اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لئے سچی گواہی دو خواہ اُس میں تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو. اگر کوئی امیر ہے یا فقیر، تو خدا اُن سب کا خیر خواہ ہے. تو تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا. اگر تم پیچدار شہادت دوگے یا شہادت سے بچنا چاہوگے تو خوب سمجھ لو کہ خدا تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے (نساء: ۱۳۵) جب گواہ (گواہی کے لئے) طلب کئے جائیں تو انکار نہ کریں (بقرہ: ۲۸۲) اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ شہادت کو مت چھپاؤ جو اس کو چھپائیگا، وہ دل کا گنہگار ہوگا۔ اور خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے (بقرہ: ۲۸۳) جب بات کرو انصاف کے ساتھ کرو اگرچہ اس کی زد میں تمہارے خویش واقارب ہی آتے ہوں (انعام: ۱۵۲) خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو مدد کا حکم دیتا ہے۔ (النحل: ۹۰)

امانت اور دیانتداری

اسلام میں امانت کی نگہداشت کی سختی سے تاکید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

Marfat.com

ہے کہ امانت والوں کی امانتیں اُن کے حوالے کر دو (نساء: ۵۸) اگر کوئی کسی
مین سمجھے تو امانت دار کو چاہیئے کہ صاحبِ امانت کی امانت ادا کرے اور
سے ڈرتا رہے جو اس کا پروردگار ہے (البقرہ: ۲۸۳) خیانت کرنے والوں
یامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز خدا کے روبرو لا حاضر کرنی ہوگی۔ پھر
ص کو اُس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اور بے انصافی نہیں کی جائیگی
ل عمران: ۱۶۰) قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! خدا اور رسول کی
ت میں خیانت نہ کرو اور اپنی امانت میں بھی خیانت سے بچو اور جان رکھو
مارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور خدا کے پاس نیکیوں کا بڑا ثواب ہے
فال۔ ۲۷-۲۸) قرآن کے مطابق امانت دار فلاح اور کامیابی سے ہمکنار
تے ہیں (مومنون: ۸) یتیموں کے مال کے متعلق ارشادِ ربی ہے کہ یتیموں کا مال
ماری تحویل میں ہو اُن کے حوالے کر دو۔ اور اُن کے پاکیزہ اور عمدہ مال کو اپنے
ص اور بُرے مال سے نہ بدلو۔ اور نہ اُن کا مال اپنے مال میں ملا کر کھاؤ کہ یہ بڑا سخت
ہے (نساء: ۲) جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں
بھرتے ہیں اور وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے (نساء: ۱۰) اور یتیم کے مال
پاس بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ پر کہ بہت پسندیدہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی
ی کو پہنچ جائے (انعام: ۱۵۳ اور بنی اسرائیل: ۳۴) یتیموں کو بالغ ہونے تک
اج میں مصروف رکھو۔ پھر بالغ ہونے پر اگر اُن میں عقل کی پختگی دیکھو تو اُن کا مال
ے حوالے کر دو۔ اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو کر اپنا مال واپس لے لیں گے اُس (مال)
و ل خرچی اور جلدی میں (یعنی تیزی کے ساتھ) نہ اُڑا دینا جب اُن کا مال اُن کے حوالے
و تو گواہ کر لیا کرو۔ اور حقیقت میں تو خدا ہی گواہ اور حساب لینے والا کافی ہے (نساء: ۶)

زندگی کا احترام

احترام زندگی انسانیت کا مقدس فریضہ ہے اور اس فریضہ کی بجا آوری اُسی

Marfat.com

وقت ممکن ہے کہ ہر فرد دوسرے کی زندگی کو قیمتی اور قابلِ احترام سمجھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو کچھ شک نہیں کہ خدا تم پر مہربان ہے اور جو تعدی اور ظلم سے ایسا کرے گا (اتلاف جان) ہم اُس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے اور یہ خدا کو آسان ہے (نساء: ۲۹۔۳۰) ناداری کے اندیشہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور اُن کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ کسی جاندار کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر یعنی جس کا شریعت حکم دے (انعام: ۱۵۲) ارشادِ ربانی ہے کہ اے اہلِ ایمان تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص یعنی خون کے بدلے خون کا حکم دیا جاتا ہے کہ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ اگر قاتل کو اس کے مقتول بھائی کے قصاص میں سے کچھ معاف کر دیں تو وارثانِ مقتول کو پسندیدہ طریقے سے قرارداد کی پیروی یعنی مطالبۂ خوں بہا کرنا اور قاتل کو خوش خوبی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ یہ پروردگار کی طرف سے تمھارے لئے آسانی اور مہربانی ہے۔ جو اس کے بعد زیادتی کرے اُس کے لئے دکھ کا عذاب ہے۔ اور اے اہلِ عقل، حکمِ قصاص میں تمھاری زندگانی ہے کہ تم قتل خونریزی سے بچو (بقرہ: ۱۷۸۔۱۷۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا کیونکہ اُن کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ اُن کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے (بنی اسرائیل: ۳۱) اور جس جاندار کا مارنا خدا نے حرام کیا ہے اُسے قتل نہ کرنا مگر جائز طریقہ پر (یعنی شریعت کے فتوی کے مطابق) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اُس کے وارث کو اختیار دیا ہے کہ وہ قاتل سے بدلہ لے تو اُس کو چاہیئے کہ قتل کے قصاص میں زیادتی نہ کرے کہ وہ منصور و فتحیاب ہے (بنی اسرائیل: ۳۳)

Marfat.com

ملکیت کا احترام

جس طرح ہمیں اپنا مال و متاع عزیز ہے، اسی طرح دوسرے کے مال اور ملکیت کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اُس کو رشوتاً حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصّہ ناجائز طور پر جان بوجھ کر نہ کھاؤ (بقرہ: ۱۸۸) ہم نے کفّار کی کئی جماعتوں کو جو فوائد دنیا دی سے متمتع کیا ہے تم اُن کی طرف رغبت اور حسرت سے آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھنا اور نہ اُن کے حال پر تاسّف کرنا اور مومنوں سے خاطر اور تواضع سے پیش آنا (الحجر: ۸۸) اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اُس کی ہوس مت کرو (نسآء: ۳۲) اور جو حلال طیّب روزی خدا نے تم کو دی ہے اُسے کھاؤ اور خدا سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو (مائدہ: ۸۸) لوگوں کو اُن کی خواہشوں کی چیزیں یعنی عورتیں، بیٹے اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے۔ اور مویشی، اور کھیتی، بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں مگر یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور خدا کے پاس ان سب سے کہیں بڑھ کر ٹھکانا ہے (آل عمران: ۱۳-۱۴)

اِخلاصِ عمل

قرآن ہمیں اخلاصِ عمل کی تعلیم دیتا ہے۔ مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اخلاصِ عمل کے ساتھ خدا کی عبادت کریں (بیّنہ: ۵) ارشادِ ربّی ہے کہ خدا کی عبادت کرو اُس کی عبادت کو شرک سے خالص کر کے (زمر: ۲) خالص عبادت خدا ہی کے لئے ہے (زمر: ۳) خدا خیانت کرنے والوں اور جرم کا ارتکاب کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا (نسآء: ۱۰۷) جنہوں نے توبہ کی اور اپنی حالت کو درست

Marfat.com

کیا اور خدا کی رسّی کو مضبوط پکڑا اور خاص خدا کے حکم بردار ہو گئے تو ایسے لوگ مومنوں کے زمرہ میں ہوں گے اور خدا عنقریب مومنوں کو بڑا ثواب دے گا۔ (نساء: ۱۰۷) قرآن کے نزدیک منافقت مذموم ترین خصلتوں میں سے ہے۔ ارشادِ ربّی ہے کہ منافق اپنی چالوں سے اپنے خیال میں خدا کو دھوکا دیتے ہیں۔ وہ اُنہی کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے (یعنی اُن کی عیاری خود اُنہی کو لے ڈوبیگی) (نساء: ۱۴۲) اسی ضمن میں منافقین کا یہ انجام بیان کیا گیا ہے کہ کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے اور تم اُن کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے (نساء: ۱۴۵)

پاکیزگی

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر پاکیزگی پر زور دیا گیا ہے ارشادِ الٰہی ہے کہ اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور ناپاکی سے دور رہو (مدثر: ۴۔ ۵) بے شک وہ مراد کو پہنچا جس نے پاکیزگی اختیار کی (اعلیٰ: ۱۴) کچھ شک نہیں کہ خدا توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے (البقرہ: ۲۲۲) اہلِ بیتِ رسولؐ سے ارشاد ہوا کہ اے پیغمبر کے اہلِ بیت خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کا میل کچیل دور کر دے اور تمھیں بالکل پاک صاف کر دے (احزاب: ۳۳) اس کے ساتھ ہی عام مسلمانوں سے بھی فرمایا کہ اے ایمان والو! شیطان کے قدموں پر نہ چلنا اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلیگا تو شیطان تو بے حیائی کی باتیں اور بُرے کام ہی بتائیگا اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو ایک شخص بھی تم میں پاک نہ ہو سکتا۔ مگر خدا جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے (النور: ۲۱) خدا تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو (مائدہ: ٦) خدا پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے (توبہ: ۱۰۸)

Marfat.com

بے غرضی

قرآن کریم انسان کو بے غرضی اور بے لوثی کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ متقی اور پرہیزگار شخص خدا کی راہ میں مال اس لئے نہیں دیتا کہ اُس پر کسی کا احسان ہے جس کا وہ بدلہ اُتارتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے خداوند اعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے اور وہ عنقریب خوش ہو جائیگا (لیل۔ ۱۹ تا ۲۱) نیکوکار لوگ فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تم کو خالص خدا کے لئے کھلاتے ہیں۔ نہ تم سے عوض کے خواستگار ہیں نہ شکرگزاری کے طلبگار (دہر: ۸-۹) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے ربّ العالمین ہی کے لئے ہے (انعام: ۱۶۳) جہاں تک ہو سکے، خدا سے ڈرو اور اُس کے احکام کو سُنو اور اُس کے فرماں بردار رہو اور اُس کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اور جو شخص طبیعت کے بخل سے بچایا گیا تو ایسے ہی لوگ راہ پانے والے ہیں (تغابن: ۱۶) جو لوگ اپنا مال خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں پھر اُس کے بعد نہ اُس خرچ کا کسی پر احسان رکھتے ہیں اور نہ کسی کو تکلیف دیتے ہیں تو اُن کا صلہ اُن کے پروردگار کے پاس تیار ہے اور قیامت کے روز نہ اُن کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (بقرہ: ۲۶۲) مومنو! جب تک تم اُن چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں راہِ خدا میں صرف نہ کروگے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے اور جو چیز تم راہِ خدا میں صرف کروگے خدا اُس کو جانتا ہے (آلِ عمران: ۹۲)

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا ۔ ہر چہ خواہی صرف کن در راہِ اُو

بخیلی یا کنجوسی۔

وہ لوگ جو خود بھی بُخل کریں اور لوگوں کو بھی بُخل سکھائیں اور جو مال خدا

Marfat.com

نے اُن کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اُسے چھپا چھپا کر رکھیں اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا اور اُن کے لئے ذلت کا عذاب تیار ہے (نساء: ۳۷) جو لوگ مال میں جو خدا نے اپنے فضل سے اُن کو عطا فرمایا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں۔ بلکہ یہ اُن کے لئے بُرا ہے۔ وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں۔ قیامت کے دن اُس کا طوق بنا کر اُن کی گردنوں میں ڈالا جائے گا اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں (حشر: ۹)

عاجزی وانکساری

قرآن عاجزی اور انکساری کی تعلیم دیتا ہے ارشاد ربّی ہے کہ زمین پر اکڑ کر اور تن کر مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ جائیگا۔ ان سب باتوں کی برائی تیرے رب کے نزدیک بہت ناپسندیدہ ہے (بنی اسرائیل: ۳۸۔۳۷) خدا ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے (مومن: ۳۵) آخرت کا گھر ہم نے اُن لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اور انجام نیک تو پرہیزگاروں ہی کا ہے (قصاص: ۸۳) از راہِ غرور لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین میں اکڑ کر نہ چلنا۔ خدا کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا (لقمان: ۱۸) اور اپنی چال میں اعتدال قائم رکھ اور بولتے وقت آواز نیچی رکھ کیوں کہ اونچی آواز گدھوں کی سی ہے اور کچھ شک نہیں سب سے بُری آواز گدھے کی ہے (لقمان: ۱۹) خدا سرکشوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ (النحل ۲۳) تکبر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانہ ہے (النحل ۲۹) شیطان غرور وتکبر کے سبب راندۂ درگاہ ہوا (اعراف: ۱۳) قرآن کہتا ہے کہ لوگو! اپنے پروردگار سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (اعراف: ۵۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو

Marfat.com

لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں، اُنکو اپنی آیتوں سے پھیر دونگا (اعراف ۱۴۶)

صَبر و تحمّل

قرآن صبر و تحمل کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشادِ ربّی ہے کہ قسم ہے زمانہ کی، انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق بات کی تلقین اور صبر کرتے رہے (عصر: ۱ تا ۳) نیک عمل کرنے والوں کا صلہ نہایت عمدہ ہے جو صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں (عنکبوت: ۵۸-۵۹) جو صبر کرنے والے ہیں اُن کو بے شمار ثواب ملے گا (زمر: ۱۰) جو صبر کرے اور قصور معاف کر دے تو یہ ہمت کے کام ہیں (شوریٰ: ۴۳) جنہوں نے صبر کیا اور عمل نیک کئے، یہی ہیں جن کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے (ہود: ۱۱) اگر تم دشمنوں کو جنہوں نے اذیت پہنچائی ہے تکلیف (بطور انتقام) دینا چاہو تو (صرف) اُتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو اُن سے پہنچی ہے۔ اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت اچھا ہے (النحل: ۱۲۶) اور صبر ہی کرو۔ اور تمہارا صبر بھی خدا ہی کی مدد سے ہے (النحل: ۱۲۷) مومنوں اور نیکوکاروں کے لئے جو ثواب خدا کے ہاں تیار ہے وہ کہیں بہتر ہے اور نعمتِ اُخروی صرف صبر کرنے والوں کے لئے ہے (قصاص) مشہور آیت ہے کہ اے ایمان والو صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ سے مدد طلب کرو بیشک خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (بقرہ: ۱۵۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو خدا کی خوشنودی کی بشارت سُنا دو۔ اُن لوگوں پر جب کبھی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کی طرف سے آئے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اُن کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے رستہ پر ہیں (بقرہ: ۱۵۵ تا ۱۵۷)

Marfat.com

اِستقامت

قرآن کریم استقامت کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشادِ ربّی ہے کہ اس روز سے پہلے جو خدا کی طرف سے آکر رہے گا (یعنی روزِ حساب) اور رُک نہیں سکیگا۔ اے اہلِ ایمان تم استقامت کے ساتھ سیدھا منہ کئے چلو (یعنی نیک عمل کئے جاؤ) (روم: ۴۳) اے پیغمبرؐ آپ کہدیجے کہ میں بھی تم جیسا آدمی ہوں ہاں مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود خدائے واحد ہے تو سیدھے اسی کی طرف متوجہ رہو۔ اور اُسی سے مغفرت مانگو اور مشرکوں پر افسوس ہے (حم سجدہ: ۶) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خدا ہے پھر وہ اُس پر قائم رہے، اُن پر فرشتے اُتریں گے اور کہیں گے کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو۔ اور بہشت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے (حم سجدہ: ۳۰) اے پیغمبرؐ جیسا تم کو حکم ہوتا ہے اُس پر تم اور جو لوگ تمھارے ساتھ ایمان لاتے ہیں، قائم رہو۔ اور حد سے تجاوز نہ کرنا۔ وہ تمھارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے اور جو لوگ ظالم ہیں اُن کی طرف مائل نہ ہونا نہیں تو تمھیں دوزخ کی آگ آلپیٹے گی۔ اور خدا کے سوا تمھارا دوسرا دوست نہیں۔ اگر تم ظالموں کی طرف مائل ہوگئے تو پھر تمکو کہیں سے مدد نہ مل سکے گی (ہود: ۱۱۲-۱۱۳) جو لوگ پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مصائب پر صبر کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے پوشیدہ اور ظاہرہ خرچ کرتے ہیں اور نیکی سے بُرائی کو دور کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے لئے عاقبت کا گھر ہے۔ یعنی ہمیشہ کے باغات جن میں وہ داخل ہونگے اور اُن کے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد میں سے جو نیکوکار ہوں گے۔ وہ بھی بہشت میں جائیں گے اور فرشتے بہشت کے ہر دروازہ سے اُن کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ تم پر رحمت ہو۔ یہ تمھاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے اور عاقبت کا گھر خوب ہے۔ (رعد: ۲۲ تا ۲۴) نیک لوگوں کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ مصیبت

Marfat.com

اور معرکۂ کارزار میں ثابت قدم رہتے ہیں (البقرہ: ۱۷۷) اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے (البقرہ: ۲۴۹) اللہ ثابت قدم رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (آل عمران ۱۴۶) اے اہل ایمان کفار کے مقابلے میں ثابت قدم رہو اور خدا سے ڈرو تاکہ مراد حاصل کرو (آل عمران ۲۰۰)

شکرگزاری

شکرگزاری اور احسان مندی کا درس بھی ہمیں قرآن کریم کے ذریعہ ملتا ہے۔ ارشاد ربی ہے کہ کہو اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں، اُن کا شکرگزار رہوں (النحل ۱۵) خدا ہی کی عبادت کرو اور شکرگزاروں میں ہو (زمر ۶۶) اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اُس کا فضل تلاش کرو تاکہ تم شکرگزار بنو (قصص: ۷۳) اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ناشکری کرو تو خدا بھی بے نیاز اور قابل تعریف ہے (ابراہیم: ۸) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم مجھے یاد کیا کرو، میں تمھیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکرگزاری نہ کرنا (البقرہ: ۱۵۲) اے اہل ایمان جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمکو عطا فرمائی ہیں، اُن کو کھاؤ اور اگر خدا ہی کے بندے ہو (یعنی کسی کو خدا کا شریک نہیں ٹھیراتے ہو) تو اُس کی نعمتوں کا شکر بھی ادا کرو (البقرہ: ۱۷۲) کچھ شک نہیں کہ خدا لوگوں پر مہربانی رکھتا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (البقرہ: ۲۴۳) خدا تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔ اور خدا نے تم پر جو احسان کئے ہیں اُن کو یاد کرتے رہو (مائدہ ۶-۷)

Marfat.com

ضبطِ نفس

قرآن ضبطِ نفس سکھاتا ہے۔ ارشادِ ربی ہے کہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور خود کو خواہشاتِ نفسانی سے روکتا رہا اُس کا ٹھکانہ بہشت ہے (نازعات: ۴۰-۴۱) لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمھیں خدا کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ (ص: ۲۶) جو ظالم ہیں وہ بے سمجھے اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں (روم: ۲۹) جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہیں اُن کے ساتھ صبر کرتے رہو۔ اور تمھاری نگاہیں اُن میں کسی اور طرف نہ دوڑیں کہیں ایسا نہ ہو کہ تم آرائشِ زندگی کے خواستگار ہو جاؤ۔ اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اُس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے، اُس کا کہنا نہ ماننا (الکہف: ۲۸) لوگو! جو مال و متاع تم کو دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا ناپائدار فائدہ ہے اور جو کچھ خدا کے ہاں ہے وہ بہتر اور قائم رہنے والا ہے یعنی اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسا کرتے ہیں اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں پر پرہیز کرتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں (شوریٰ: ۳۶-۳۷) اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کر لو۔ اور اگر شیطان کی طرف سے تمھارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو خدا کی پناہ مانگو (اعراف: ۲۰۰-۱۹۹) تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔ اگر تم پیچ دار شہادت دو گے یا شہادت سے بچنا چاہو گے تو جان رکھو خدا تمھارے سب کاموں سے واقف ہے (نساء: ۱۳۵)

Marfat.com

عفو و درگذر

قرآن عفو و درگذر کی تعلیم دیتا ہے ارشادِ ربی ہے کہ سخت کلامی کا ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو ایسا کرنے سے تم دیکھو گے کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے (حٰم سجدہ: ۳۵-۳۴) اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو (اعراف: ۱۹۹) بہت سے اہل کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر کافر بنا دیں حالانکہ حق اُن پر ظاہر ہو چکا ہے تو تم معاف کر دو اور درگذر کرو یہاں تک کہ خُدا اپنا دوسرا حکم بھیجے۔ بے شک خدا ہر بات پر قادر ہے (بقرہ: ۱۰۹) بہشت کی نعمت خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ہے جو آسودگی اور تنگی میں اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصّہ کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں (آل عمران: ۱۳۳-۱۳۴) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی مہربانی سے تمہاری اُفتادِ مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ تو ان کو معاف کر دو اور ان کے لئے خدا سے مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو اور جب کسی کام کا عزم مصمم کر لو تو خدا پر بھروسہ رکھو بے شک خدا بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے (آلِ عمران: ۱۵۹) اگر تم بھلائی کھلم کھلا کرو گے یا چھپا کر۔ یا بُرائی سے درگذر کرو گے تو خدا بھی معاف کرنے والا اور صاحبِ قدرت ہے (نساء: ۱۴۹) اور جو لوگ تم میں صاحبِ فضل اور صاحبِ وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ پات نہیں دیں گے۔ ان کو چاہیئے کہ معاف کر دیں اور

Marfat.com

درگذر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے؟ اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے (نور: ۲۲) دوسرے لوگوں کی خطائیں معاف کرو اور اُن سے درگذر کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (مائدہ: ۱۴) بُرائی کا بدلہ تو اُسی کی طرح بُرائی ہے مگر جو درگذر کرے اور معاملہ کو درست کر دے تو اُس کا بدلہ خدا کے ذمہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (شوریٰ: ۴۰) جو صبر کرے اور قصور معاف کر دے تو یہ بلند ہمتی کا کام ہے (شوریٰ ۴۳)

ہمّت وشجاعت

قرآن ہمت اور جوانمردی کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک کے ظلم سے مخلوط نہیں کیا (یعنی ہمت وشجاعت سے اُن بُرائیوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا) اُن کے لئے امن اور جمعیتِ خاطر ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں (انعام: ۸۳) جب حضرت ابراہیم کی قوم نے تبلیغ توحید کی مخالفت کی اور آپ کی ایذا رسانی پر کمربستہ ہوگئے تو آپ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم مجھ سے خدا کے بارے میں کیا بحث کرتے ہو اُس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ اور جن چیزوں کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا۔ ہاں جو میرا پروردگار چاہے میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا تم خیال (غور وفکر) نہیں کرتے (انعام: ۸۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہم السّلام سے فرمایا کہ فرعون کے پاس جا کر اُس کو قبول حق کی دعوت دو اور کسی بات کا ڈر یا خوف مت کرو۔ میں تمھارے ساتھ ہوں اور سنتا اور دیکھتا ہوں (طٰہٰ: ۴۶) حضرت آدمؑ کو دنیا میں بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو اُس کی پیروی کرنا جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

Marfat.com

(البقرہ: ۳۸) جو شخص خدا کے آگے گردن جھکا دے یعنی ایمان لے آئے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا صلہ اُس کے پروردگار کے پاس ہے اور اُس کو قیامت کے دن نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوگا (البقرہ ۱۱۲) وہ اہل ایمان جن سے لوگوں نے آکر بیان کیا کہ کفار نے تمہارے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کیا ہے تو اُن سے ڈرو تو اُن کا ایمان اور زیادہ ہوگیا۔ اور وہ کہنے لگے کہ ہم کو خدا کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے (۳: ۱۷۳) مکہ سے ہجرت کر کے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ حفاظت کی خاطر غارِ ثور میں قیام پذیر تھے تو بشریت کے تقاضے کے طور پر حضرت ابوبکرؓ کے دل میں اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں تعاقب کرنیوالے ان تک نہ پہنچ جائیں اور سرکار دوعالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف پہنچائے اِس نازک اور خطرناک موقع پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال طمانیت کے ساتھ اُن سے فرمایا کہ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے تو خدا نے اُن پر تسکین نازل فرمائی اور اُن کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے۔ اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو خدا ہی کی بلند ہے۔ اور خدا زبردست اور صاحب حکمت ہے (توبہ: ۴۰) انبیاء علیہم السلام خدا کا پیغام بلا کم و کاست لوگوں تک پہنچاتے تھے اور صرف خدا سے ڈرتے تھے اور خدا کے سوا کسی اور طاقت کا انہیں مطلق خوف نہ تھا اور خدا ہی تمام اعمالِ انسانی کا حساب کرنے کو کافی ہے (احزاب: ۳۹) قرآنِ کریم کا اہلِ ایمان سے خطاب ہے کہ دیکھو بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا۔ اگر تم مومنِ صادق ہو تو تم ہی غالب رہو گے (آل عمران: ۱۳۹) اِسی ضمن میں آگے چل کر ارشاد کیا ہے کہ بہت سے ایسے نبی گزرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر اکثر اہلُ اللہ، خدا کے دشمنوں سے لڑے ہیں۔ تو جو مصیبتیں اُن پر راہِ خُدا میں واقع ہوئیں اُن کے سبب انھوں نے نہ تو ہمت ہاری اور نہ بزدلی کی۔ اور نہ

Marfat.com

کافروں سے دبے۔ خدا استقلال رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے (آلِ عمران ۱۴۶) ارشادِ ربّی ہے کہ اہلِ ایمان کہیں تم کفار کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا (اور راہِ جہاد میں اذیت اور تکلیف کی پرواہ نہ کرنا) اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں اور تم خدا سے ایسی ایسی اُمیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے۔ اور خدا سب کچھ جانتا اور بڑی حکمت والا ہے (نسآء: ۱۰۴)۔

عصمت و پاکدامنی

قرآنِ کریم سے ہمیں عصمت و پاکدامنی کا درس بھی ملتا ہے۔ قرآنِ کریم نے اُن پاک نفس اہلِ ایمان کو فلاحِ دارین کی بشارت دی ہے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں سے یا کنیزوں سے جو اُن کی ملک ہوتی ہیں کہ اُن سے مباشرت کرنے سے انھیں ملامت نہیں۔ اور جو اُن کے سوا اوروں کے طالب ہوں (ہوس رانی سے) وہ خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے نکل جانیوالے ہیں (مومنون: ۵ تا ۷ اور معارج: ۲۹ تا ۳۱) اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بدکاری (زنا) کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بُری راہ ہے (بنی اسرائیل: ۳۲) اللہ تعالیٰ کے مُخلص بندوں کی من جملہ نشانیوں میں ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا (فرقان: ۶۸)

۶- بدکاری کے روک تھام کے اقدامات

پردہ

انسانی خواہشات جن میں اکثر و بیشتر جنسی رجحانات کا غلبہ ہوتا ہے، کی روک تھام کے لئے قرآن نے چند نہایت اہم اور دور رس نتائج کے حامل اصول بیان فرمائے ہیں۔ ان میں پردہ کے احکامات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں

Marfat.com

دراصل پردہ ہی تمام محرکات نفسی کو ضبط و اعتدال میں رکھنے کا اوّلین قدم ہے ان احکام کے پس منظر میں انسان کی نفسیات اور اس کے طبعی تقاضوں کا ادراک اور اُن میں اعتدال و توازن کے ذریعہ ایک مہذّب معاشرہ کا مقصد کارفرما ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے عالم انسانیت کو بالعموم اور اہل اسلام کو خصوصیت کے ساتھ یوں ہدایت فرمائی کہ مومن مردوں سے کہدو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ اُن کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں خدا اُن سے خوب واقف ہے (نور: ۳۰) اور مومن عورتوں سے بھی کہدو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش یعنی زیور کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں (نور: ۳۱) اے پیغمبرؐ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ جب وہ باہر نکلیں تو اپنے چہرہ پر چادر لٹکا کر گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ یہ امر اُن کے لئے موجب شناخت و امتیاز ہوگا تو کوئی ان کو ایذا نہ دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے (احزاب: ۵۹) اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی ہی قسم کی عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز اُن خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھتے ہوں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں غرض ان لوگوں کے سوا کسی کو اپنی زینت اور سنگار کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں اور پاؤں ایسے طور سے زمین پر نہ ماریں کہ جھنکار کانوں میں پہنچے اور اُن کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور اے ایمان والو، تم سب خدا کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ (نور: ۳۱)

Marfat.com

نکاح (شادی)

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے عقدِ بیوہ کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور معاشرہ کے دوسرے بدنصیب افراد یعنی غلام اور کنیزوں کو بھی عزت و آبرو کا مقام دینے کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو۔ اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں نکاح کر دیا کرو۔ اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا اُن کو اپنے فضل سے خوش حال کر دیگا۔ خدا بہت وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (نور: ۳۲) اور جن کو بیاہ کا مقدور نہ ہو وہ پاکدامنی کو اختیار کئے رہیں یہاں تک کہ خدا اُن کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔ اپنی لونڈیوں کو اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو بے شرمی سے دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرنا اور جو اُن کو مجبور کریگا تو اُن بے چاریوں کے مجبور کئے جانے کے بعد خدا بخشنے والا مہربان ہے (نور: ۳۳) جو لوگ خدا کے آگے سر اطاعت خم کرتے ہیں اور اپنی ناموس کی حفاظت کرتے ہیں اُن کے لئے خدا نے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے (احزاب: ۳۵)

سزا

جنسی بے راہ روی میں بدکاری (زنا) سب سے زیادہ سنگین جرم ہے چنانچہ قرآن نے اس کے لئے سخت ترین سزا مقرر ہے ارشاد ربّی ہے۔ بدکار عورت اور بدکار مرد جب اُن کی بدکاری ثابت ہو جائے تو دونوں میں سے ہر ایک کو سَو دُرّے مارو۔ اور اگر تم خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو شرعِ خدا کے حکم میں تمھیں اُن پر ہرگز ترس نہ آئے۔ اور چاہیئے کہ اُن کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو (نور: ۲) لیکن اس سزا کو نافذ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مضبوط اور قابلِ وثوق شہادت موجود ہو۔ قرآن نے اس

Marfat.com

ضمن میں شہادت (گواہی) کے واضح اصول بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہے کہ جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کی تہمت لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو اُن کو اسّی دُرّے مارو اور کبھی اُن کی شہادت قبول نہ کرو اور یہی بدکردار ہیں ہاں جو اُس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی حالت سنوار لیں تو خدا بھی بخشنے والا مہربان ہے۔ (النور: ۴-۵) اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو مرد چار بار خدا کی قسم کھائے کہ بے شک وہ سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اُس پر خدا کی لعنت۔ اور عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ وہ پہلے چار بار خدا کی قسم کھائے کہ بے شک یہ جھوٹا ہے۔ اور پانچویں بار یوں کہے کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل (النور: ۶ تا ۱۰) مسلمانو! تمھاری عورتوں میں جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں، اُن پر اپنے لوگوں میں سے چار شخصوں کی شہادت لو۔ اگر وہ ان کی بدکاری کی گواہی دیں تو اُن عورتوں کو گھر میں بند رکھو یہاں تک کہ موت اُن کا کام تمام کردے یا خدا اُن کے لئے کوئی سبیل پیدا کردے اور جو دو مرد تم میں سے بدکاری کریں تو اُن کو ایذا دو۔ پھر اگر توبہ کرلیں اور نیکوکار ہو جائیں تو اُن کا پیچھا چھوڑ دو (۴: ۱۵-۱۶)

زانی اور زانیہ:

قرآن نے اہل ایمان کا زانی مرد اور زانیہ عورت سے نکاح حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد ربّی ہے کہ بدکار مرد تو بدکار یا مشرک عورت کے سوا نکاح نہیں کرتا اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا کوئی نکاح میں نہیں لیتا یعنی وہ بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا تعلق زوجیت پیدا نہیں کرتی۔ بدکار عورت سے نکاح کرنا مومنوں پر حرام ہے (النور: ۳) آگے چل کر اللہ پاک نے ایک کلیہ بھی بیان کردیا ہے کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک

Marfat.com

عورتوں کے لئے ہیں۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے۔ یہ پاک لوگ (مرد اور عورت) ان الزام تراشی کرنے والوں سے بری ہیں اور اُن کے لئے بخشش اور نیک روزی ہے (النور: ۲۶)

اغلام (غیر فطری جنسی فعل)

جنسی بے راہ روی میں ایک اور سنگین ترین جرم ہم جنس سے غیر فطری فعل ہے۔ قرآنی حوالے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دنیا میں اس قبیح فعل کا ارتکاب سب سے پہلے اور کھلم کھلا قوم لوطؑ نے کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے لوطؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اس وقت انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بیحیائی کا کام کیوں کرتے ہو کہ تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے اس طرح کا کام نہیں کیا۔ یعنی خواہشِ نفسانی پورا کرنے کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر اپنے ہم جنس پر گرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد سے نکل جانے والے ہو (اعراف: ۸۰،۸۱) تو ان کی قوم سے اس نصیحت کا جواب کچھ نہ بن پڑا اور کہنے لگے کہ ان لوگوں یعنی لوطؑ اور ان کے گھر والوں کو اپنے گاؤں سے نکال دو۔ یہ لوگ بڑے پاک باز بنتے ہیں تو جب ہمارا حکم (عذاب کا) آیا تو ہم نے اس بستی کو الٹ کر نیچے اوپر کر دیا اور اُن پر پتھر کی تہ بتہ یعنی پے در پے کنکریاں برسائیں جن پر تمھارے پروردگار کے ہاں سے نشان کئے ہوئے تھے (ھود۔ ۸۲۔۸۳)

شراب نوشی اور قمار بازی (جوا)

اخلاقی کجروی میں شراب نوشی اور قمار بازی کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ جنھوں نے معاشرہ کی اخلاقی اقدار کو پامال کر کے رکھ دیا۔ قرآنِ کریم نے ان برائیوں کی بیخ کنی کے لئے واضح ہدایت اور احکامات پیش کئے ہیں ارشاد ربانی ہے کہ اے پیغمبرؐ! لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے۔ کہدو کہ ان میں

Marfat.com

نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں۔ مگر اُن کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں (البقرہ: ۲۱۹) اے ایمان والو شراب اور جُوا اور بُت اور پاسے) یہ سب ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جُوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے غافل کر دے تو تم کو لازم ہے کہ ان کاموں سے باز رہو۔ (مائدہ: ۹۰-۹۱)

۷۔ اِصلاحِ معاشرہ کے عمومی اُصول

(۱) تقلیدِ خیر اور نیکی میں سبقت: تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرو۔ تم جہاں ہو گے، خدا تم سب کو جمع کرے گا بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے (البقرہ ۱۴۸) تم نیک کاموں میں جلدی کرو۔ تم سب کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر جن باتوں میں تم کو اختلاف تھا وہ تم کو بتلا دے گا (مائدہ: ۱۴۸)

(۲) نیک کام کی ترغیب اور بُرائی سے اجتناب: نماز کی پابندی رکھنا اور لوگوں کو اچھے کاموں کے کرنے کا امر اور بُری باتوں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اُس پر صبر کرنا۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں (لقمان: ۱۷)

(۳) نیکی کا صلہ: جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے وہ جنت کے مالک ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ عیش کرتے رہیں گے۔ (البقرہ: ۸۲)

(۴) مظلوم کے سوا کسی کو سخت لینے میں شکایت روا نہیں ہے: خدا اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو علانیہ بُرا کہے مگر وہ جو مظلوم ہو۔ اور خدا سب کچھ سُنتا اور جانتا ہے (النساء: ۱۴۸)

(۵) بُرائی کا بدلہ نیکی کے ساتھ: جو لوگ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مصائب پر صبر کرتے ہیں اور نیکی سے بُرائی کو دُور کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنکے لئے عاقبت کا گھر ہے (رعد: ۲۲)

Marfat.com

(۶) سخاوت اور فراخدلی کی ترغیب: آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا۔ کچھ شک نہیں کہ خدا تمھارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے (بقرہ: ۲۳۷) رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں سے شیریں کلامی سے پیش آؤ اور اگر میراث تقسیم ہو رہی ہو تو ان کو بھی انہیں سے کچھ دیدیا کرو (نساء: ۸) صلح اچھی چیز ہے۔ اور طبیعتیں تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ اگر تم نیکوکاری اور پرہیزگاری کروگے تو خدا تمھارے سب کاموں سے واقف ہے (نساء: ۱۲۸)

(۷) بخیلی اور کنجوسی کی مذمت: جو لوگ خدا کے دیئے ہوئے مال میں بُخل کرتے ہیں، وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں۔ بلکہ اُن کے لئے بُرا ہے وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اُس کا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائیگا (آل عمران: ۱۸۰) جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو مال خدا نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اُسے چھپا کر رکھیں اور ہم نے ناشکروں کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے (نساء ۳۷)۔

(۸) ناپ تول میں دیانت: ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو (انعام: ۱۵۲)۔

(۹) ایفائے عہد: جن لوگوں سے تم عہد کر چکے ہو اُن کو بھی اُس کا حصّہ دو۔ (نساء: ۳۳) اپنا عہد یا وعدہ وفا کرو۔ یقیناً تم سے تمھارے وعدہ اور عہد کے متعلق بازپُرس ہوگی۔ (بنی اسرائیل: ۳۴)

(۱۰) انصاف: جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو (نساء: ۵۸) اے پیغمبر خدا کی ہدایات کے مطابق مقدمات فیصل کرو۔ اور دغابازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا (نساء: ۱۰۵)

(۱۱) ظاہری اور پوشیدہ برائیوں سے اجتناب: خدا تم کو بے حیائی نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے اور تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ یاد رکھو۔ (النحل: ۹۰) ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح کا گناہ ترک کر دو جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب

Marfat.com

اپنے کئے کی سزا پائیں گے (انعام: ۱۲۱)

(۱۲) حدود الٰہی کی حرمت: مومنو! جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمھارے لئے حلال کی ہیں، ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (مائدہ: ۸۷) خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں سے باہر نہ نکلنا جو لوگ خدا کی حدوں سے باہر نکل جائیں گے وہ گنہگار ہوں گے (البقرہ: ۲۲۹)

(۱۳) جائز کمائی کا استعمال! جو حلال طیب روزی خدا نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ اور خدا سے جس پر ایمان رکھتے ہو، ڈرتے رہو (مائدہ: ۸۸)

(۱۴) احسان کے بعد دل شکنی نہ کی جائے: جو لوگ اپنا مال خدا کے رستے میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ اس کا کسی پر احسان رکھتے ہیں اور نہ کسی کو تکلیف دیتے ہیں، ان کا صلہ اُن کے پروردگار کے پاس تیار ہے اور قیامت کے روز نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ جس خیرات دینے کے بعد لینے والے کو ایذا دی جائے اس سے تو نرم بات کہدینی اور اس کی بے ادبی سے درگذر کرنا بہتر ہے اور خدا بے پروا اور بُردبار ہے (البقرہ: ۲۶۲-۲۶۳)

(۱۵) دکھاوے کی سخاوت سے پرہیز: مومنو اپنے صدقات وخیرات احسان رکھنے اور ایذا دینے سے اس شخص کی طرح برباد نہ کر دینا جو لوگوں کو دکھاوے کے لئے مال خرچ کرتا ہے اور خدا اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ یہ ریاکار لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اور خدا ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا (البقرہ: ۲۶۴)

(۱۶) ادائے قرض میں مہلت: اگر قرض لینے والا تنگ دست ہو تو اسے کشائش کے حاصل ہونے تک مہلت دو اور اگر زر قرض بخش دو تو وہ تمھارے لئے زیادہ اچھا ہے، بشرطیکہ سمجھو (البقرہ: ۲۸۰)

(۱۷) گناہ اور فواحش کی مغفرت طلبی: اہل ایمان جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے

Marfat.com

ہیں اور خدا کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے اور یہ نیک طبع لوگ اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے (آل عمران: ۱۳۵)

(۱۸) بے گناہ پر الزام تراشی سے پرہیز: جو شخص کوئی قصور یا گناہ تو خود کرے لیکن اس سے کسی بے گناہ کو متہم کر دے تو اُس نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا (نساء: ۱۱۲) جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی یا تہمت کی خبر پھیلے، اُن کو دنیا اور آخرت میں دُکھ دینے والا عذاب ہو گا (نور: ۱۹)

(۱۹) مال و جاہ کی طمع سے دُوری: جو حلال طیب روزی خدا نے تم کو دی ہے اُسے کھاؤ (مائدہ: ۸۸)

(۲۰) اخلاقی بُرائیوں سے بچنے کی ہدایت: زنا کے پاس بھی نہ جانا کیونکہ وہ بےحیائی اور بُری راہ ہے یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا مگر ایسے طریق سے کہ بہت بہتر ہو۔ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ نخوت و تکبّر سے بچو۔ جس چیز کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے (بنی اسرائیل: ۳۱ تا ۴۱)

(۲۱) عاجزی اور انکساری: عبادت اور اطاعت گذاری میں انکساری برتو۔ نخوت و تکبّر سے اجتناب کرو۔ پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ جو عمل تم کرتے ہو، خدا اُن سے واقف ہے (مومنون: ۵۱) خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں۔ جو خدا کے روبرو عجز و ادب سے کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں (فرقان: ۶۳-۶۴)

(۲۲) خرچ میں میانہ روی: اللہ کے محبوب بندے جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بیجا اُڑاتے ہیں اور نہ تنگی سے کام لیتے ہیں۔ بلکہ اعتدال کے ساتھ۔ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔ (فرقان: ۶۷)

(۲۳) نخوت اور کذب سے کنارہ کشی: وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب اُن کو بے ہودہ چیزوں کے پاس سے گذرنے کا اتفاق ہوتا ہے تو بزرگانہ انداز سے گذرتے

Marfat.com

ہیں۔ (فرقان ۷۲:)

(۲۴) تضحیک و عیب لگانے سے پرہیز: مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کو نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے۔ (الحجرات: ۱۱)۔

(۲۵) بدگمانی اور بیجا تجسس اور عیب سے اجتناب: اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو۔ اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کریگا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو ضرور نفرت کروگے (الحجرات ۱۲)

(۲۶) حسنِ سلوک کی تلقین: ماں باپ، قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ داروں، ہمسایوں اور رفقائے پہلو (یعنی ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمھارے ماتحت یا زیر تصرف ہوں سب کے ساتھ احسان کرو۔ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا (النساء: ۳۶)

(۲۷) فضول خرچی سے اجتناب اور نرم کلامی کی ترغیب: رشتہ داروں، محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ اگر تم اپنے پروردگار کی رحمت یعنی فراخ دستی کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہے، ان مستحقین کی طرف توجہ نہ کر سکو تو ان سے نرمی سے بات کہہ دو (بنی اسرائیل: ۱۸)

(۲۸) یتیم اور سائل سے حسنِ سلوک: تم کبھی یتیم پر ظلم نہ کرنا۔ اور سائل (یعنی مانگنے والے) کو جھڑکی نہ دینا۔ (ضحیٰ: ۹-۱۰)

(۲۹) تحدیث نعمت: اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بیان کرتے رہنا (ضحیٰ: ۱۱)

Marfat.com

اخلاقیات پر اختتامی معروضات

مندرجہ بالا سطور میں اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے اب اس بات کا فیصلہ قارئین کے شعور و ادراک پر منحصر ہے کہ انسان کو با اخلاق بنانے اور اخلاقیات کے اصولوں سے روشناس کرانے میں اسلامی تعلیمات فی نفسہٖ مکمل اور جامع ہیں یا ان میں کسی ترمیم و اضافہ کی گنجائش باقی ہے تاہم اس موضوع کو ختم کرنے سے پیشتر یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ سالہ مدنی دورِ انتظام اور آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء اربع رضی اللہ عنہم اجمعین کے تیس سالہ دورِ خلافت میں پوری مملکتِ اسلامیہ میں بدکاری (زنا) شراب نوشی، بے حیائی، عصمت و آبرو کی ناقدری، چوری، ڈکیتی اور دیگر جرائم کی تعداد نا قابلِ ذکر حد تک کم ہو گئی تھی اور آج بھی اگرچہ مسلمان مغربی تہذیب و تمدن سے مرعوب ہو کر اور اس کی نقالی کر کے اسلامی تعلیمات کو کسی حد تک فراموش کر چکے ہیں ان جرائم کی تعداد دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں میں بہت ہی کم ہو گی۔ آج بھی کفار و مشرکین کے مقابلہ میں صحیح معنوں میں عفت و عصمت، ایمان داری و دیانتداری، عزت و حرمت اور شرم و حیا قرآن پر عمل کرنے والوں ہی میں ملے گی۔ اس کا نمایاں سبب یہ ہے کہ مغربی تہذیب کے ملمع آمیز نظریوں کی بنیاد محض لفظوں کی سجاوٹ اور موضوع کی دلفریبی پر قائم ہے جن کا عملی پہلو یکسر ناقص بلکہ گمراہ کن ہوتا ہے۔ یہ نظریات اور ان پر مبنی استدلال، بحث و تمحیص میں بال کی کھال نکالنے میں تو کارآمد ہو سکتے ہیں مگر دیانتداری و وفا شعاری کے ساتھ عملی طور پر برتنے کے لئے ان میں کوئی جاذبیت یا افادیت نہیں ہوتی اسی کا نتیجہ ہے کہ تقریباً تمام مغرب اور مشرق کا وہ حصہ جو مغرب کی اندھی تقلید کو زندگی کا ضروری حصہ سمجھتا ہے، آج اس عبرت ناک موڑ پر پہنچ گئے ہیں جہاں اخلاقیات نام کی کوئی چیز نہیں اور اگر ہے بھی تو

Marfat.com

محض نمائش اور نام و نمود کی خاطر۔

جہاں تک اسلامی تعلیمات کا تعلق ہے، صورتِ حال بالکل مختلف ہے اسلامی تعلیمات سراسر عملی افادیت پر مبنی ہیں۔ اور فطرتِ انسانی کے ساتھ مطابقت رکھنے کے علاوہ زندگی کی کل ضروریات سے ہم آہنگ بھی ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اگر مثال کے طور اسلام مردوں اور عورتوں کو پاکدامنی کی تلقین کرتا ہے تو اسی کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا بھی اہتمام کرتا ہے کہ مرد اور عورت کھلے بندوں اور ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہو کر گھل مل نہ جائیں اور نہ شراب و قمار بازی جیسی لعنتوں کے قریب جائیں۔

اسلامی اخلاقیات کے مقابلہ میں دنیا کا کوئی مکتبِ فکر آج تک ایسے اصول و ضوابط پیش نہیں کر سکتا جو اپنے دائرہ عمل میں عالمگیر افادیت رکھتے ہوں اسی بناء پر یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ دنیا میں صحت مند اخلاقیات پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ قرآنِ کریم کی پیش کی ہوئی تعلیمات و ہدایات ہیں جو تمام عالمِ انسانیت کے لئے سرچشمۂ فلاح و کامرانی صرف انہی ربانی تعلیمات و احکامات پر عمل کرنے سے انسان صحیح معنوں میں مسرت و شادمانی سے ہمکنار ہو سکتا ہے جو زندگی کا حقیقی مدعا اور منتہی بھی ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

کتاب چہارم

مالیات

مُشتملَات

ام تعارف —— نظریۂ اشتراکیت —— سرمایہ داری نظام
سلامی نظریہ —— اسلامی مالیاتی تنظیم کی بنیاد ——
حصولِ دولت —— دولت کے مالکانہ حقوق ——
دولت کا مصرف —— زکوٰۃ وخیرات —— بلاسود قرضہ
وصیت —— تحفہ —— وقف —— وراثت
خلاصۂ بیان —— بلاسود بینک کا نظام —— قرضہ جات
محنت کا عوض —— تومیانا تحویل بالحکم اور تحصیل بالطلب
—— اختتامی معروضات ——

Marfat.com

Marfat.com

مالیات

۱۔ عام تعارف

مالیات کے مسائل جو زندگی کی ضروریات اور اُن کی تکمیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اِس ضمن میں آمدنی اور اخراجات کے متعلق سوالات بنیادی غور و فکر کے متقاضی ہیں دوسرے لفظوں میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مالیات کا مسئلہ مجموعی طور پر صرف دولت (مال وزر) کے حصول اور صَرف کے گرد گھومتا ہے۔ کیونکہ عام طور پر یہ دولت ہی ہے جس کے توسط سے انسانی زندگی کی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے۔

Marfat.com

۳۰۔ نظریۂ اشتراکیت (اشتراکی نظریہ یا سوشلزم)

اشتراکی نظریہ کے مطابق انسانی تاریخ کا ارتقاء اور ترقی کا دار و مدار، ماضی سے لے کر موجودہ دور تک دولت کے حصول کیلئے افراد کے دو گروہوں میں باہم کشمکش اور جدوجہد پر رہا ہے یہ کشمکش اور جدوجہد اپنی اپنی سمت میں اب بھی جاری ہے۔ ان دو گروہوں میں ایک طرف افراد اپنی ذاتی اور دوسری طرف معاشرہ یا سوسائٹی کی صورت میں سرگرم عمل ہیں اول الذکر میں وہ لوگ شامل ہیں جن کا دولت اور ذرائع دولت پر قبضہ ہے یعنی استحصالی طبقہ اور موخر الذکر اس گروہ افراد کا نام ہے جس کا استحصال کیا جاتا ہے یعنی محنت کش اور غریب افراد جن کی محنت و جفاکشی کے بل بوتے پر دولت وجود میں آتی ہے۔ اس طرح اگرچہ دولت اور سرمایہ غریب محنت کش عوام کی احسان مند ہے۔ مگر اس کے برعکس یہی طبقہ جبر و استحصال کا شکار رہا ہے۔ اسی جبر و استحصال کو روکنے کے لئے کمیونسٹوں نے سوشلزم کا نظریہ پیش کیا جس کا مقصد اس استحصال زدہ طبقہ کو سرمایہ داروں اور معیشت کے اجارہ داروں کے چنگل سے نجات دلانا تھا چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت جبر و استحصال کو روکنے کے لئے کمیونسٹوں نے سوشلزم یا اشتراکیت کے بھیس میں معاشرہ کے پس ماندہ اور زبوں حال طبقہ کے حقوق کو تحفظ دینے کے نام سے ملک کی تمام دولت اور ذرائع پیداوار پر تسلط جمانے کا منصوبہ بنایا تاکہ ملک کے تمام افراد کو مساوی درجہ پر لا کر حکومت کی سرپرستی میں ایک ایسا اقتصادی لائحہ عمل تشکیل دیا جائے جس کے تحت ہر فرد کو لازمی خدمت دینی ہو اور اس کے معاوضہ میں اس کو زندگی کی بنیادی ضرورتیں حکومت کی جانب سے

Marfat.com

مہیا کی جائیں۔ اس طرزِ معیشت میں کسی فرد کو بھی نجی جائیداد یا ملکیت (اثاثہ) رکھنے کی اجازت نہیں۔

لیکن یہ نظریہ معیشت ظاہری طور پہ کتنا ہی پُرکشش اور مفید نظر آئے، اپنے مضمرات میں فطرتِ انسانی کے منافی بلکہ متصادم ہے یہ نظریہ دراصل انسان کے مالیاتی یا اقتصادی مسائل کا مُستقل اور حتمی حل پیش نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس ان مسائل کو اور زیادہ گمبھیر اور پیچیدہ بنا دیتا ہے جس سے کوئی مفید نتیجہ نکلنے کی بجائے باہمی کشمکش اور مستقل بے اطمینانی جنم لیتی ہے۔ چنانچہ انسان جو پہلے ہی گوناگوں مشکلات کا شکار ہے، مزید ذہنی اور طبعی اُلجھنوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نام نہاد معاشیاتی کنٹرول پورے معاشرہ کو دو متصادم اور متضاد گروہوں میں تقسیم کر دیتا ہے یعنی ایک طرف مملکت اور دوسری طرف تمام افراد مملکت اور ان دونوں گروہوں سے صرف اول الذکر یعنی مملکت کو ملک کی عام دولت اور وسائل کا حقدار سمجھتا ہے چنانچہ اس نظام کے تحت حکومت بذاتِ خود ایک ایسا فریق یا گروہ بن جاتی ہے جس کے قبضہ اور تصرف میں ملک کی تمام دولت ہوتی ہے اور مملکت کے تمام افراد اسی تناسب سے اس کے زرخرید غلام اور روزی کمانے والے مزدور کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور حکومت کے اشارہ پر اپنی صلاحیت اور توانائی صرف کر کے اور حکومت کے لئے وسائل مہیا کر کے اپنے لئے محض زندہ رہنے کے اسباب کی ضمانت حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ معدودے چند خوش نصیب شریکِ حکومت افراد کے سوا ملک کے تمام افراد کے وجود ولقلک کے تمام اختیارات و مراعات حکومت ہی کے تصرف میں آجاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس طرزِ معیشت میں فرد کی آزادی پوری طرح کچل دی جاتی ہے اور وہ محض سانس لینے والا کیڑا بن کر رہ جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ حکومت تمام وسائل و ذرائع پر مکمل قبضہ کر کے اور اختیار

Marfat.com

کلی حاصل کر کے ایک طرح سے گھر کی مالکہ کی طرح اپنے وسیع خاندان (یعنی ملک) کے بچوں (یعنی افراد) کی خوراک و پوشاک کی خود ہی مقدار اور نوعیت مقرر کرتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ اپنی زیر کفالت افراد کو گروہوں میں تقسیم کر دیتی ہے اور ہر ایک کے لئے اپنی صوابدید کے مطابق اسباب و اجناس مہیا کر دیتی ہے۔ اس تقسیم کفالت پر اتنی سختی سے عمل درآمد ہوتا ہے کہ کسی فرد کو اپنی پسند یا خواہش کے مطابق کسی خوراک و پوشاک طلب کرنے یا اپنے مقررہ حصہ رسدی میں کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ ان حالات میں عام افراد مملکت کو ضروریات زندگی کی پسند یا ناپسند یا مقررہ مقدار میں کمی بیشی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

تیسرے یہ کہ افراد کو اپنی محنت اور صلاحیت کا عدل و دیانت پر مبنی صلہ نہیں ملتا۔ حالانکہ ملک کے تمام وسائل کو بروئے کار لانے کی ذمہ داری انہی کو سرانجام دینی ہوتی ہے۔ حکومت اپنی پسند یا ضرورت کے مطابق اپنے لوگوں کو کھیتوں، کارخانوں یا جہاں کہیں وہ چاہے کام کرنے کے لئے متعین (بلکہ مجبور) کرتی ہے اور اس سے فائدہ حاصل کرتی ہے مگر ان محنت کش کارندوں کو اپنی محنت اور صلاحیت کی نسبت سے صلہ نہیں ملتا۔ اس کی بجائے کارکنان حکومت اپنے اختیار اور اپنی پسند سے ان لوگوں کی خوراک، پوشاک اور رہائش جیسی بنیادی ضروریات مقرر کر دیتے ہیں۔ ہر کسی کو اس خود ساختہ حصہ مقسوم پہ قناعت کرنا پڑتی ہے۔ انہیں کسی قسم کی چون و چرا کرنے کی نہ اجازت ہوتی ہے اور نہ ہمت! چنانچہ اس طرز معیشت میں افراد کو اپنی پسند اور میلان طبع کے مطابق پیشہ کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اور نہ ہی ان کو اپنی محنت اور صلاحیت کا کما حقہٗ صلہ یا نفع میں حصہ ملتا ہے

چوتھے یہ کہ سیاسی میدان میں بھی افراد کو نتیجہ کے طور پر آزادانہ انتخاب یا آزادانہ رائے دہندگی کا حق نہیں ہوتا۔ اشتراکی حکومت کی ساری توجہ

Marfat.com

اس بات پر مرکوز رہتی ہے کہ عام افرادِ ملک کو اپنے مقرر کردہ نظریہ یا نظامِ حکومت کے زیرِ اثر رکھا جائے اور انھیں اتنی آزادی نہ ہو کہ وہ اپنے خیالات کا یا رائے کا آزادانہ اظہار کر سکیں۔ ایسی حکومت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کے نظریہ یا نظام کے خلاف رائے عامہ ہموار ہو جس سے برسرِ اقتدار گروہ یا حکومتی تنظیم میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔ ان اقدامات کے پس پردہ حکومتِ وقت کی ساری کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایک دفعہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد وہ اس پر مستقل طور پر قائم رہے اور کوئی انقلاب یا تحریک نہ تو اس کی راہ میں مزاحم ہو اور نہ اس میں تبدیلی لانے میں کامیاب ہو۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے حکمراں طبقہ خاص طور پر ایسے لوگوں کو آگے لاتا ہے جو اس کے پروگرام کو کامیاب بنانے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ عموماً یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو حکمراں طبقہ کے ہمنوا بن کر خود اپنی مقصد براری کے لئے راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر ملک کا وہ اکثریتی طبقہ یعنی کسان اور مزدور جن کی خاطر یہ غیر جماعتی (CLASSLESS) انقلاب برپا کیا گیا ہے اور جن کے بل بوتہ پر ہی حکمراں طبقہ اپنا اقتدار قائم رکھ سکتا ہے، یک لخت نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ یہی بے بس طبقہ ان چند طاقتور شخصیتوں کی آہنی گرفت میں جکڑا رہتا ہے۔ جو ملک کے اقتدار، جائیداد، دولت اور دیگر وسائل، لوگوں کی آزادی اور شہری حقوق کو غصب کر کے اپنے ہی ملک میں بسنے والے انسانوں کو ان پر فوجی قوت اور اقتدار کے بل بوتہ پر اپنے قبضہ اختیار میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اس غیر منصفانہ اور غیر فطری انسانی تقسیم کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہی انسان جن کو ایک غیر جماعتی سوسائٹی کے نام پر اکٹھا کرنے کی کوشش (سازش!) کی جاتی ہے، اس جبر و استحصال کے ردِ عمل کی صورت میں ان گنت دھڑوں میں تقسیم ہو جاتی ہے جن کی اپنی سخت گیر حدود ہوتی اور جن کا ٹوٹنا یا توڑنا عام حالات میں ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتا ہے

Marfat.com

لیکن اس جابرانہ نظام کی چیرہ دستیاں یہیں تک محدود نہیں رہتیں بلکہ ہر قسم کی آزادی سلب کر لینے کے بعد تمام انسانی اقدار بھی جستہ جستہ پامال ہو جاتی ہیں اس نظام کے زیر اثر افراد یعنی حکمران ٹولہ کے ماسوا تمام باشندگانِ ملک چونکہ محض خود کار مشین یا کٹھ پتلی جس کی باگ ڈور کسی اور کے ہاتھوں میں ہیں، کی حالت میں تبدیل کر دیے جاتے ہیں، لہٰذا اس معاشرہ میں خوش کردار اخلاقیات، باہمی اعانت اور ہمدردی جیسی صفات کا شمہ باقی نہیں رہتا۔ ایسی فضا اور ایسے ماحول میں افراد کے درمیان ایک دوسرے کی رضاکارانہ خدمت اور عزت و تکریم کا جذبہ عنقا ہو جاتا ہے۔ والدین کا محبت آمیز احترام، لوگوں کا لحاظ اور پاس داری باقی نہیں رہتی۔ چونکہ کوئی زائد از ضرورت یا پس انداز کی ہوئی رقم پلے نہیں ہوتی لہٰذا دوستوں اور عزیزوں کی آڑے وقت میں مدد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کسی بھی کام میں اخلاص اور دلچسپی کی توقع اس لئے فضول ہے کہ پیشوں کا انتخاب صرف حکمران طبقہ کی صواب دید پر ہوتا ہے اور ہر فرد مجبور ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذمہ لگائے گئے کام کو ہر قیمت پر پورا کرے، باوجود اس کے کہ ان کو کارکردگی کے صلہ میں نفع اور تحسین کی کوئی توقع نہیں ہوتی۔ ان حالات میں روحانی ترقی، مذہب سے شغف و انہماک اور احکامِ الٰہی کی پابندی خواب و خیال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے مادیت اور جبر کی اس گھٹن میں زندگی کا تمام حسن خاک میں مل جاتا ہے اور زندگی مقصد کی لگن سے عاری گزرتی چلی جاتی ہے۔ انتہائے منزل کا کسی کو پتہ نہیں ہوتا الغرض اس مادیت پرست جابرانہ نظام کے تحت انسان کی تمام فطری صلاحیتیں، قویٰ ذہنی اور طبعی توانائی کے ساتھ مادی اثاثہ سمیت سب کچھ محض نانِ شبینہ کے عوض خرید لیا جاتا ہے اور انسان جانور سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

۳۔ سرمایہ دارانہ نظامِ مالیات (کیپٹلزم)

مختصر طور پر یوں عرض کیا جا سکتا ہے کہ سوشلزم یا نظریہ اشتراکیت۔ خالص عقلیت پر مبنی انسانی معاشرہ کے معاشیاتی مسائل کا ایک انتہائی نقطہ نظر ہے اس کے مقابل دوسرا انتہائی نقطۂ نظر سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت ہے جس کی عکاسی مغرب میں یہودی ذہنیت اور مشرق میں ہندو بنیا ذہنیت کرتی ہے۔ اس دوسری قسم کے نظامِ معیشت میں دولت کا بہترین حصہ دودھ کی بالائی کی صورت میں سرمایہ دار کی بڑھتی ہوئی توند کے لئے وقف ہوتا ہے اور کمترین حصہ دہی کے پانی یا چھاچھ کی صورت میں غریب محنت کش عوام کے جسم و جان کو یکجا رکھنے میں کام آتا ہے۔ اِس (یعنی سرمایہ دارانہ) نظام کی سب سے بڑی لعنت یہ ہے کہ محنت کار طبقہ سے اگرچہ حدِ امکان تک محنت لی جاتی ہے مگر اس کے معاوضہ میں اس مظلوم کو اتنا حقیر اور ناکافی حصہ دیا جاتا ہے کہ سرمایہ دار طبقہ تو اپنی دولت اور ملکیت میں چند در چند گنا اضافہ کرتا چلا جاتا ہے اور اس کی تجوریوں میں سونے چاندی کا انبار لگ جاتا ہے مگر غریب اور محنت کش عوام اپنی معمولی ضروریاتِ زندگی کو بھی ترستے رہتے ہیں۔ اس طرزِ معیشت کا ایک اور انسانیت سوز پہلو یہ ہے کہ اگر سرمایہ دار کسی ضرورت مند کو اس کی اشد احتیاج کے وقت کچھ رقم بطور قرض دے بھی دیتا ہے تو اس بد نصیب قرضدار پر سود یا بیاج کا اتنا بھاری بوجھ ڈال دیا جاتا ہے کہ عمر کا بیشتر کار آمد حصہ محض سود در سود ادا کرنے میں ہی صرف کر دیتا ہے اور اصل زر جوں کا توں باقی رہتا ہے۔ تاہم سوشلزم کے مقابلہ سرمایہ دارانہ نظام میں اتنی لچک اور آسانی ضرور ہے کہ محنت کش طبقہ اپنی پسند اور صلاحیت کو سامنے رکھکر اپنی مرضی کا پیشہ اختیار کر سکتا ہے اسے آجر یا مالک سے

Marfat.com

سوداکاری کا حق بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر حالات اجازت دیں تو وہ جائیداد بھی خرید سکتا ہے اور اپنی پسند کے مطابق خوراک و پوشاک بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک صاحب حیثیت انسانی ہمدردی کے تحت یا کسی اور خیال سے ضرورتمندوں اور محتاجوں کو خیرات بھی دے سکتا ہے جو موخرالذکر کے لیئے بہر حال ایک مالی امداد ہے اور اس کی ضروریات کی کسی حد تک تکمیل کا ذریعہ بھی۔

۴۔ اسلامی نظریۂ معیشت

ان دونوں انتہا پسند نظامہائے معیشت کے درمیان معاشرہ کی بہبود کیلئے نظام مالیت کا اعتدال پر مبنی اسلامی نظریۂ معیشت ہے اس ضمن میں یہ نکتہ خاص طور پر ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ اسلامی نظام معیشت کی اساس ہی ان نظامہائے معیشت سے مختلف ہے جو اشتراکی نظام عقلیت اور سرمایہ دارانہ نظام مادیت کے علمبرداروں کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ عقلیت پسند ماہرین اور دانشوروں نے معاشرہ کی معاشی ناہمواریوں کا علاج اپنے اپنے طور پر سوچا اور پیش کیا ہے۔ مگر اس کے برعکس اسلامی نظام معیشت سراسر احکام الٰہی کی بنیاد پر قائم ہے۔

اسلامی تعلیمات کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ کائنات کی حاکمیت اور اس کی تمام مخلوقات پر اقتدار اعلیٰ بلاشرکت غیرے اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے اور وہی اپنی حکمت و دانائی سے یہ سارا نظام چلا رہا ہے۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کی یاد دہانی کرائی ہے تاکہ انسانی ذہن راہ اعتدال اور صراط مستقیم سے بھٹکنے نہ پائے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو پیدا کیا (آل عمران: ۶، اعراف: ۱۱) اور اسی خالق نے انسان کو سننے، دیکھنے، عقل و شعور اور محبت و انسیت کی صلاحیت عطا کی (النمل: ۷۸) احساس و جذبہ بھی اسی کی بخشش

Marfat.com

ہے (سجدہ ۹:) خدا ہی تو ہے جس نے باغ پیدا کئے۔ چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی۔ اور کھجور اور کھیتی جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں۔ اور زیتون اور انار جو بعض باتوں میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور بعض باتوں میں نہیں ملتے (انعام: ۱۴۲) اسی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (رعد: ۲) اسی اللہ نے تمام قسم کی نباتات اگائی (مثلاً) کھجور، انگور، زیتون اور انار کے باغ (انعام: ۹۹) رات اور دن، سورج اور چاند (انبیاء: ۳۳) جانوروں سے حاصل ہونے والا خالص لذیذ دودھ (النحل: ۶۶) ہر قسم کے پھل (النحل: ۶۷) تاکہ اس سطح زمین پر حیاتِ انسانی کو قیام اور فروغ نصیب ہو۔

چونکہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا خالق اور مالک ہے، لہٰذا کائنات کی تمام مخلوقات (جن میں جاندار اور غیر جاندار تمام موجودات شامل ہیں) پر صرف اسی کو اختیار اور اقتدار حاصل ہے وہی ان میں اپنی مرضی کے مطابق تغیر و تصرف کر سکتا ہے خواہ اُن کا وجود و قیام زمینی دنیا میں ہو یا عالمِ بالا میں (نساء: ۱۲۶) زمین و آسمان کی بادشاہت اسی مالکِ مطلق کے دستِ قدرت میں ہے (اعراف: ۱۵۸) از ثریا تا تحت الثریٰ جو کچھ بھی موجود ہے اسی کے حیطۂ تصرف اور دائرہ اختیار میں ہے (طٰہٰ: ۶ اور حدید: ۲)

لہٰذا جو کچھ انسان کے پاس یا اس کے قبضہ میں نظر آتا ہے۔ وہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی بخشش ہے (زخرف: ۳۲ اور سبا: ۳۶) کسی فرد کو اللہ تعالیٰ نے کثرتِ عطا سے نوازا (آل عمران: ۲۶) اور کسی کو مقدارِ معین کیساتھ (سبا: ۳۹) بخشش و عطا یہ بھی مبنی ہیں اسی کی منشا اور اسی کے اختیار کو دخل حاصل ہے (عنکبوت: ۶۲) انسان تو محض اپنے خالق اور معبود کی بخشش و عطا کا امین ہے اور وہ مالکِ حقیقی کے حکم کے مطابق صرف اپنی دنیاوی زندگی میں ان نعمتوں سے ممتع ہو سکتا ہے۔ کیونکہ انسان اپنی

Marfat.com

پیدائش اور موت کے وقت خالی ہاتھ ہی رہتا ہے۔ نہ اس دنیا میں اپنے ساتھ کچھ لے کر آتا ہے اور نہ اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت یہاں سے کوئی شئے (مادی نقطۂ نظر سے) اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

۵۔ اسلامی مالیاتی تنظیم کی بنیاد

عقلِ سلیم اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ جب کائنات اور اس کی موجودات کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے تو انسان کے پاس جو کچھ ہے یا آئندہ جو کچھ اس کو نصیب ہو سکتا ہے، اُس کا منبع و ماخذ بھی مالکِ حقیقی کی ذات ہے لہٰذا انسان کو حق نہیں ہے کہ وہ ان مستعار یا عارضی طور سے ملنے والی املاک واشیاء کے تصرف و تحویل میں اپنی مرضی کو دخل دے انسان اس امر کا پابند ہے کہ اس دولت اور نعمت کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق استعمال اور اُن سے استفادہ کرے۔ اس سلسلہ میں اسلام کا یہی بنیادی حکم ہے جس پر ہر اُس شخص کو بلا جبر و اکراہ عمل کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلق کو تسلیم کرتا ہے۔ خصوصاً اہلِ اسلام اِن احکامِ الٰہی کے مکلف ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی لاشریک حاکمیت کو اپنے ایمان کا جزوِ اعظم قرار دیتے ہیں۔ یہی اسلامی معاشرہ کی معاشی تنظیم کی بنیاد ہے اور یہ بنیاد یا اساس اشتراکی یا سرمایہ دارانہ نظامہائے معیشت سے ہر نقطۂ نظر سے مختلف بلکہ مفتخر ہے۔ یہ فرق نہ صرف اِن مالیاتی نظاموں کی بنیادیں ہے بلکہ جہاں تک اسلامی نظامِ معیشت کا تعلق ہے، عملی طور پر بھی یہ ہر دو نظام سے برتر و بالا ہے، خصوصاً جب دولت کے حصول، اس کی ملکیت اور اس کے تصرف کا مسئلہ معرضِ بحث و عمل میں آئے۔

اسلام کے علاوہ دیگر تمام نظامہائے معیشت کے نزدیک دولت کی بازیابی اور اس کی افزائش انسان کی اپنی حکمتِ عملی اور محنت کا ثمرہ ہے

Marfat.com

یعنی کسب وحصولِ دولت کا دارومدار انسان کی اپنی کوشش اور صلاحیت پر ہے اس کے برعکس اسلام کا نظریہ ہے کہ انسان کی تمام ملکیت اور دولت صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے اور اس دولت کی پیدائش وافزائش اور اکتساب میں انسان کا دخل فی نفسہ ایک مادی وسیلہ سے زیادہ نہیں ہے اور یہ وسیلہ بھی ہمیشہ بحیثیت پیشگی یا لازمی شرط کے نہیں ہے۔

جب ہم اسلامی اور غیر اسلامی (یعنی اشتراکی اور سرمایہ داری) مالیاتی نظاموں کا بغور جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس حقیقت کو نتیجہ کے طور پر تسلیم کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ اسلامی نظامِ معیشت ہی برتر وافضل ہے۔ اگر صرف انسان کی کوشش کو دولت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا جائے تو کیا وجہ ہے کہ انسانوں کی اکثریت غربت کا شکار ہے بلکہ غریب لوگوں میں بھی وسائل اور تحصیل دولت کی مقدار اور معیار مختلف ہیں۔ اتنی بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ کوئی فرد اپنی پسند سے غریب اور محتاج نہیں رہنا چاہتا۔ چنانچہ عموماً ہر شخص اپنی بساط کے مطابق کوشش کرتا رہتا ہے اور کسی نہ کسی قدر دولت بھی کما لیتا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ یہ ضروری نہیں کہ ہر فرد بقدر محنت اور صلاحیت دولت بھی حاصل کرلے کیونکہ بسا اوقات تمام کی تمام محنت رائیگاں جاتی ہے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اس فرق اکتساب کو ہم محض اختلافِ صلاحیت اور مقدارِ محنت کا سبب بھی نہیں کہہ سکتے، نہ ہی پیشے کا معیار اس کا تمام تر ذمہ دار ہے۔ انسانی عقل وشعور بھی حصولِ دولت کا لازمی عنصر قرار نہیں دیے جاسکتے۔ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ اہلِ علم اور صاحبِ کمال حصولِ دولت کے میدان میں نہ صرف ان پڑھ اور جاہلوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات اُن کے دست نگر بن کر خوار و زبوں بھی رہتے ہیں ؎

یوں بھری اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

Marfat.com

اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ معاشرہ کا ہر فرد دولت کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ان میں بیمار بچے، بوڑھے، اپاہج اور کمزور افراد شامل ہیں جو کسبِ معاش سے عاری ہیں اس کے باوجود ان کی کفالت اور نگہداشت بھی بہرحال ہوتی ہی ہے لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ صرف محنت یا صلاحیت ہی حصولِ دولت کا ذریعہ نہیں اگرچہ یہ صفات دولت کے حاصل کرنے کا ذریعہ ضرور ہیں مگر اس کا لازمی سبب نہیں قرار دی جا سکتیں! ان تمام الجھنوں اور فکری انتشار کا حل اور اس ضمن میں اٹھنے والے تمام سوالوں کا ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام ذرائع و مقدارِ دولت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات لاشریک کو تسلیم کیا جائے اور اس حقیقت پر ایمان و یقین کو استوار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی کائنات اور کائنات کی ہر شئی پہ ملکیت و اختیارِ مطلق کا سزاوار ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص عقل و خرد کے ہوتے ہوئے اس حقیقت کا انکار ے تو اس سے دریافت کیا جانا چاہیئے کہ انسان کے پاس اکتساب دولت کا ذریعہ کہاں سے میسّر ہوتا ہے؟ بلکہ زیادہ وضاحت کے ساتھ یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ معدنیات، بارش، دریا، کھیتی باڑی اور مویشی کی تخلیق و بقا کس کی قدرت و کمال کا آئینہ دار ہیں؟ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بنیادی وسائل ہی دراصل تمام خام اشیاء کے پوشیدہ خزانے ہیں جنکو بروئے کار لا کر انسان دولت کماتا ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں یہ دولت اور وسائل دولت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ زمین کے لئے عطا ہوئے ہیں۔ پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیس ذہانت اور ادراک کو کام میں لا کر انسان خام اشیاء سے اپنی مصنوعات کو دیدہ زیبی اور دلکشی کا روپ دیتا ہے، اس کا منبع و مصدر کیا ہے؟ جواب بہرحال یہی ہے کہ عقل و ذہانت کا عطا کرنے والا بھی اللہ ہے تو اب اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کیا تامل ہے کہ معیشت کی اصطلاح میں دنیا کی تمام دولت من جانب اللہ ہے اور اس دولت کے اکتساب و حصول

Marfat.com

میں محض انسان کی اپنی کوشش اور صلاحیت کا براہِ راست کوئی دخل نہیں۔

جب یہ بات طے ہوگئی (اور اس کو صحیح تسلیم کرنے میں کوئی عقلی استدلال بھی مانع نہیں) کہ دنیا کی تمام موجودات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو فضل وعطا کے طور پر عنایت کی گئی ہیں تو اب یہ کہنا قطعاً غلط اور خلافِ واقعہ ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ دولت ہے وہ اُسی کی ملکیت ہے۔ اس کا مزید ثبوت انسان کی پیدائش اور موت سے ملتا ہے۔ جب آدمی دنیا میں آتا ہے تو اتنا بے سر و سامان ہوتا ہے کہ اُس کے تن پر ایک کپڑا بھی نہیں ہوتا اور جب دنیا سے واپس جاتا ہے تو خالی ہاتھ محض کفن میں لپٹا ہوا اور زندگی کی ساری کمائی اور پونجی لیس لیت چھوڑ کر جاتا ہے آخر ایسا کیوں ہے کہ وہ جس دولت کو اپنی سمجھتا تھا اس میں سے کوئی چیز اپنے ساتھ لے جانے کا مجاز یا مکلف نہیں ہوتا؟ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دنیاوی اثاثہ اس کے پاس بطور امانت کے تھا اس کی ذاتی ملکیت نہ تھا اس کا [illegible] تھا اور ہے اور وہی اس کائنات کی ہر شئی پر [illegible]

[illegible] مال و متاع کا جو اس کی تحویل میں بطور امانت [illegible] یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق استعمال [illegible] اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو امانت میں خیانت کا مرتکب ہوتا ہے [illegible] اپنی مرضی کو دخل نہیں ہے۔ یہ بات عین فطرت کے عین مطابق ہے [illegible] امین انسان کو اللہ کی دی ہوئی دولت کو اسی کے ارشاد کے مطابق رکھنا اس کی حفاظت کرنا ہے اور اس کو خرچ کرنا ہے اور چونکہ ہر شخص اپنی جگہ محض ایک امین ہے اسلئے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے مال و متاع پر بُری نگاہ نہ رکھے اور بغیر کسی شخص کی مرضی کے اس کی دولت ہتھیانے کی کوشش نہ کرے۔

چنانچہ ہر حالت میں انسانی معاشرہ کی مالیاتی تنظیم اسلامی نقطۂ نظر سے

دنیا کے دیگر مروجہ نظامہائے مالیات سے بنیادی طور پر مختلف ہے اسلامی نظریہ کے مطابق (۱) دولت عطائے الٰہی کے بغیر انسان کی اپنی کوشش سے حاصل نہیں ہوتی (۲) کسی فرد کی تحویل میں ہونے کے باعث دولت اُس کی ذاتی ملکیت نہیں بن جاتی اور (۳) دولت اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون اور مقررہ حدود سے باہر کسی اور طرح سے صرف نہیں کی جا سکتی۔

دولت کے حصول، حق ملکیت اور تصرف سے متعلق قرآنی احکام کی روشنی میں تفصیلی جائزہ لینے سے پیشتر چند باتیں عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

اوّل یہ کہ دیگر اسلامی اصولوں کی طرح اسلامی مالیاتی قوانین بھی فطرت انسانی اور زندگی کے منتہا و مقصد کے عین مطابق ہیں۔ چنانچہ دولت کے حصول، ملکیت اور تصرف کی اجازت اور اس کے بیجا اور آزادانہ استعمال پر پابندی اور روک تھام کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام مالیات میں انسانی قلب و روح کی آزادی، اُس کی خواہشوں اور تمناؤں، اُس کے جذبات و احساسات، اس کی روحانی، اخلاقی اور طبعی ضروریات، اُس کے حقوق و فرائض، زندگی کی اعلیٰ اقدار، غرض انسانی زندگی کی تمام داخلی و خارجی احتیاجات و مقتضیات کی تسکین کا پوری طرح خیال رکھا گیا ہے۔ انسان کے بنیادی جذبات و معتقدات کو جابرانہ طور پر یا کسی خود ساختہ اصول کی خاطر قربان نہیں کیا گیا ہے اور نہ اس کے فطری تقاضوں کو بلا جواز ٹھکرایا گیا ہے بلکہ ہر منزل میں انسانی زندگی کے منتہا اور مقصد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

دوم یہ کہ اسلامی مالیاتی نظام کی پالیسی یا اصول کی تہ میں دو مقاصد پوشیدہ ہیں ایک یہ کہ ہر فرد کی بنیادی ضرورتیں ہر لحاظ سے پوری کی جائیں اور ہر فرد کو جائز حدود میں مکمل اختیار دیا جائے کہ وہ اپنی دنیاوی دولت کو اپنی خواہش کے مطابق صرف کرے اور اس ضمن میں کوئی دوسرا فرد مزاحمت نہ کرے اور دوسرا یہ کہ دولت کو چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جانے کے بجائے

Marfat.com

عامۃ الناس کی فلاح وبہبود کے لیے مسلسل گردش میں رکھا جائے اس مقصد کے لیے زکوٰۃ، خیرات، اور صدقات، تحفہ تحائف، وصیت، وقف، وراثت، بلا سود قرضہ اور امداد، تجارت اور دیگر فلاحی منصوبوں میں سرمایہ کاری جیسے امور اور ذرائع مقرر کیے گئے ہیں جن میں دولت صحیح اور بامقصد طور پر صرف ہوتی ہے یا گردش میں رہتی ہے۔

اسلامی نظام معیشت کے مقابلہ میں اگر ہم چند لمحوں کے لیے سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظامہائے مالیات کی طرف نظر کریں تو ہم پر بہت جلد یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی کہ ان دونوں موخر الذکر نظاموں میں اسلامی بنیادی اصولوں کا شائبہ تک موجود نہیں ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں دولت معاشرہ کے چند افراد کے ہاتھوں میں جمع رہتی ہے اور عام لوگ روزمرہ کی ضروریات کو بھی ترستے رہتے ہیں۔ اگرچہ اس نظام میں پیشہ کا انتخاب اور زندگی کی اقدار کا تحفظ اصولاً موجود ہیں مگر عملی طور پر معاشرہ کی اکثریت ان سے استفادہ نہیں کر سکتی۔ جہاں تک اشتراکی نظام معیشت کا تعلق ہے وہاں اس سے بھی بدتر حالت ہے اس نظام میں ملک کی تمام دولت اور وسائل پر حکمران ٹولہ کا قبضہ ہوتا ہے اور ملک کے عوام اس حق سے محروم رہتے ہیں۔ وہ ملک کی دولت کے ایک معمولی حصہ کو بھی ذاتی ملکیت بنا سکیں۔ اور وہاں زندگی کی بنیادی ضرورتیں بھی حکومت اپنی صوابدید کے مطابق مہیا کرتی ہے اور لوگوں کو طوعاً وکرہاً اسے قبول کرنا پڑتا ہے۔ اس صورت میں پیشہ کا انتخاب اور زندگی کی اعلیٰ اقدار کے تحفظ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اسلامی نظام معیشت میں ارتکاز دولت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس حکم کا اطلاق حکومت اور افراد دونوں پر یکساں ہوتا ہے اس کے برعکس اولین اہمیت افراد معاشرہ کی بہبود کی خاطر دولت کی گردش کو دی گئی ہے اس کے ساتھ ہی پیشہ کا انتخاب اور اکتساب دولت فرد کے فطری حقوق کے طور پر تسلیم کیے گئے ہیں۔ چنانچہ نمت کش طبقہ کو سود اکا

کا حق بھی حاصل ہے۔ ساتھ ہی روحانی صلاحیتوں کو فروغ دینے اور زندگی کی اعلیٰ قدروں کا تحفظ بھی موجود ہے۔

اس پس منظر میں اب ہم [illegible] حیثیت میں دولت کے حصول ملکیت اور استعمال کے متعلق [illegible] گے۔

[illegible]

[illegible] اور ناجائز [illegible]

[illegible] اس شرط کے ساتھ [illegible]

[illegible] قرآن کریم کے [illegible] (البقرہ ۲۰۲) [illegible] طریقے سے رزق میں لانا [illegible] حرص و حسد کی نظر سے دیکھنا [illegible] ناجائز طریقے سے

Marfat.com

اڑاؤ (بقرہ: ۱۸۸ اور نساء: ۲۹)
قرآن امانت میں خیانت کی مذمت کرتا ہے (آل عمران: ۱۶۰) اور حکم دیتا ہے کہ امانت اس کے جائز حقدار یا مالک کو لوٹا دی جائے (بقرہ: ۲۸۳ اور نساء: ۵۸) یتیموں کے مال کے متعلق حکم ہے کہ اس کے مالک کے سن بلوغ کے پہنچنے تک اس کی حفاظت کی جائے اور سوائے احسن طریقہ کے جس سے یتیم کو فائدہ پہنچے، اس کے مال کو تصرف میں نہ لایا جائے (انعام: ۱۵۲)
حصولِ دولت کے جائز ذرائع میں تجارت اور لین دین کو اسلام جائز قرار دیتا ہے (بقرہ: ۲۷۵) ان ذرائع میں مالِ غنیمت (انفال: ۴۱ یوسف ... اور حشر: ۲) حلال جانوروں کا شکار (مائدہ: ۴) خیرات وصدقات (بقرہ: ۲۷۷) وراثت (نساء: ۱۱-۱۲) وصیت (بقرہ: ۱۸) تحفہ تحائف ... اور وقف شامل ہیں۔
قرآن نے رشوت لینے اور دینے سے منع کیا ہے۔ رشوت کو حکام تک ... کا ذریعہ اس نیت کے ساتھ نہ بنایا جائے کہ اس طریقہ سے ناجائز اور زیادہ سے زیادہ مالی منفعت یا دوسروں کے مال اور جائیداد میں بے جا تصرف کا موقع تلاش کیا جائے اور حکام اس سے چشم پوشی کریں (بقرہ: ۱۸۸) قرآن بددیانتی کی شدید مذمت کرتا ہے اور اس شخص کے لئے جو بددیانتی کا ... کرتا ہے روزِ حشر دردناک عذاب کی وعید سناتا ہے (آل عمران: ۱۶۱ ... اور تول میں انصاف اور دیانت داری اختیار کرنا چاہیئے (انعام: ۱۵۲) ... اور چیزیں صحیح مقدار اور وزن میں دی جائیں (بنی اسرائیل: ۳۵)
قماربازی (جوا) کے متعلق قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ اس میں شر اور نقصان کا پلہ اتنا زیادہ ہے کہ اس سے اگر کسی وقت بظاہر اور عارضی فائدہ ہو بھی جائے تو اس کو خاطر میں بھی نہیں لایا جا سکتا (بقرہ: ۲۱۹) لہٰذا اسلام کے پیروکاروں کا خصوصاً اور عامۃ الناس کا عموماً فرض ہے کہ وہ اس لعنت

Marfat.com

سے اجتناب کریں (مائدہ ۵: ۹۰)

قرآن نے سُود کی نہایت واضح طور پر مذمت کی ہے (البقرہ: ۲۷۶) اس کی ممانعت کی ہے (آل عمران: ۱۲۹) منکرینِ حق کا یہ استدلال ہے کہ سُود بھی کاروبار میں نفع کے مترادف ہے۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خرید فروخت (بیع) کو حلال اور سود (ربا) کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ بالآخر سُود کا لین دین دو طرفہ نقصان اور ضیاع پر منتج ہوتا ہے یعنی سود لینے والا اور سُود دینے والا دونوں گھاٹے میں رہتے ہیں (البقرہ: ۲۷۶: ۲۷۵)۔

سُود یا ربا کی ممانعت اور اس سے رونما ہونے والے نقصانات کی نشان دہی کے ضمن میں، اسلامی احکام کی وضاحت سے پیشتر ضروری معلوم ہے کہ دنیاوی مال و متاع (دولت) کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کا سرسری جائزہ لیا جائے۔ یہ بات پہلے کہی جا چکی ہے کہ اس دنیاوی دولت پر انسان کا حقِ ملکیت نہیں اور نہ وہ اس کا دعویٰ کر سکتا ہے اگرچہ بادی النظر میں یہ دولت اس کے قبضہ و تصرف میں نظر آتی ہے۔ مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ انسان جس طرح دنیا میں آتے وقت (پیدائش) دونوں ہاتھ خالی آیا تھا، اسی طرح وہ اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت (موت) اپنے ساتھ کوئی مادّی اسباب و دولت نہیں لے جاتا۔ انسان جو کچھ اس دنیاوی زندگی میں حاصل کرتا ہے وہ اُس محنت اور صلاحیت کا ثمرہ ہے جو خدا نے اسے عطا کیا ہے۔ اسی لئے یہ مال و زر بھی خدا کی امانت ہے اور انسان اس پر حقِ ملکیت اور دعویٰ تصرف کا اختیار نہیں رکھتا (آل عمران: ۹ آل عمران ۱۳-۱۴)۔ جب حقیقت حال یہ ہے تو انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اس مال و متاع کو احکامِ الٰہی کی حدود میں رہتے ہوئے اس طور سے استعمال کرے جو اس کی اپنی ذات دوسروں کے لئے بھی سود مند ہو اور معاشرہ بھی مجموعی حیثیت سے فلاح و بہبود کی نعمت سے سرفراز ہو۔ ان ہی اقدامات سے معاشرہ میں سخاوت، اخوت اور خیر خواہی جیسے اعلیٰ

Marfat.com

صفات کو فروغ ملتا ہے اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے ایثار و قربانی اور خیرات صدقات کو پسند فرمایا ہے (البقرہ ۲۷۷)

اس تمہید کے بعد مناسب ہے کہ سود کے متعلق چند حقائق بیان کر دیے جائیں تاکہ سود کی مضرت رسانی اور اسلامی تعلیمات کی حقانیت اور واضح ہو جائے۔ جب ایک سرمایہ دار یا سود خور کسی ضرورت مند کو سود پر قرض دیتا ہے تو بظاہر اس کا یہ قدم ایک فرد کی اشد ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ قرض خواہ اس مجبور کی مصیبت یا ضرورت سے فائدہ اٹھا کر سود کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ انتہائی خود غرضی بلکہ انسان دشمنی کی علامت ہے۔ اس دشمنِ انسانیت کو لمحہ بھر کے لئے بھی خیال نہیں آتا کہ یہ مال و متاعِ زندگی کے حقیقی مقصد کے حصول میں بالکل کارآمد نہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس تمام سازو سامان کو دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ اس طرز عمل سے چند خود غرض افراد چند روز کے لئے اپنی دولت میں اضافہ تو کر لیتے ہیں مگر ردِ عمل کے طور پر وہ مظلوم و مجبور انسانوں کو مزید گرفتارِ بلا کر جاتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ضرورت مند اپنی ایک موجودہ تکلیف کو دور کرنے کے لئے مستقل طور پر مبتلائے عذاب ہو جاتے ہیں جس سے نجات کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔ ان کی پریشانیاں چند در چند بڑھتی ہی جاتی ہیں کہ زندگی بھر سود کا بوجھ اٹھائے پھرنے کے باوجود قرض کی اصل رقم جوں کی توں باقی رہ جاتی ہے۔ سود کی سنگین اور بالجبر وصولیابی کا بجانِ انسانیت کے دامن پر بدنما داغ اور سفاکی کی علامت نہیں تو اور کیا ہے؟

قرآن کریم کی ہدایات کی روشنی میں یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ سود دولت میں اضافہ نہیں کرتا بلکہ اس کو کم کرتا ہے۔ اس کے برعکس صدقہ خیرات سے دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دراصل دولت میں اضافہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دائرہ استعمال اور حلقہ فیض رسانی بڑھتا جائے وہ دولت

Marfat.com

جو تجوریوں یا بند تہ بالائے زمین جمع ہوتی رہے بابرکت اور اضافہ پذیر نہ کہلائی جا سکتی۔ دولت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ انسانی ضروریات کی تکمیل ہو۔ چنانچہ جس معاشرہ میں دولت کی گردش، تقسیم اور اس کا استعمال زیادہ ہوگا وہی معاشرہ خوش حال اور فارغ البال ہوگا۔ اس کے برخلاف دولت جس قدر ذخیرہ کی صورت میں جمع ہوتی جائے گی اسی قدر عام افراد مصیبت اور پریشانی کا شکار ہوں گے۔ اسی لئے قرآن کریم میں ارتکاز دولت کی مذمت اور وسیع پیمانہ پر اس کی تقسیم اور گردش کی ہمت افزائی کی گئی ہے کیونکہ اس سے معاشرہ کو خوش حالی نصیب ہوتی ہے ... جتنی زیادہ دولت تجارت اور صنعت وحرفت اور دیگر فلاحی کاموں میں لگائی جائے گی، اسی قدر منافع حاصل ہوگا اور اسی کے ساتھ ملک ... لیکن سود، دولت کی گردش اور تمام بہبودی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے اسی بناء پر یہ کہنا صحیح ہے کہ سود، دولت میں ... اور کمی کا باعث بنتا ہے نہ کہ نفع اور اضافہ کا۔

اس گفتگو کا دوسرا پہلو بھی غور طلب ہے۔ اگر سود فی الواقع دولت میں اضافہ کا سبب ہے تو بینک، بیمہ اور جوائنٹ اسٹاک کمپنیاں جن کا تمام تر کاروبار سود کے سہارے چلتا ہے کیوں ٹھپ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بینک یا بیمہ کمپنی کے دیوالیہ ہو جانے سے ہزاروں کھاتہ داروں اور بیمہ پالیسی ہولڈروں کا نقصان ہوتا ہے اور نہ صرف سود بلکہ ان کی اصل رقم ڈوب جاتی ہے۔ ایسے واقعات آئے دن دنیا کے کاروباری حلقوں میں مشاہدہ اور تجربہ میں آتے رہتے ہیں۔

اس کے برعکس خیرات وصدقات میں صرف کی جانے والی رقم کا یہ افسوسناک انجام کبھی نہیں ہوتا۔ یہ تو اس جہانِ فانی کا معاملہ ہے جو خود ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ آخرت کی بات یہ ہے کہ وہاں خیرات

Marfat.com

صدقات اپنا صلہ پائیں گے۔ قرآن کی زبان میں صدقہ یا خیرات ایسے بیج کی مانند ہوگی جو بار آور ہو کر صدہا گنا دانہ دیتا ہے (البقرہ: ۲۶۱) اس کے برعکس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے صریح احکام کی نافرمانی کرتے ہوئے سُود کے کاروبار میں ملوث ہوتے ہیں اُن کے متعلق یہ وعید بیان کی گئی ہے کہ روزِ حشر وہ قبروں سے اس طرح حواس باختہ اُٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو (البقرہ: ۲۷۵) اور ان کو جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائیگا (آل عمران: ۱۳۰)

حرمتِ سود کے سلسلہ میں مندرجہ بالا استدلال کی بنیاد پر جو کچھ عرض کیا گیا اس کے علاوہ جہاں تک اہل ایمان کا تعلق ہے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کافی ہے کہ سود دولت میں نقصان کا سبب ہے اور صدقہ و خیرات سے دولت میں حقیقی معنوں میں اضافہ ہوتا ہے یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی کائنات اور اُس کی تمام موجودات کا خالق اور مالک ہے اور یہ سب کے سب اُسی کے قبضۂ قدرت اور تصرف میں ہیں۔ ان میں وہ جس مقدار میں چاہے بلا روک ٹوک کمی بیشی کر سکتا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کی دولت میں جس قدر چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے (عنکبوت: ۶۲ اور حدید: ۲) لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے سُود کی ممانعت کر دی ہے اور یہ حقیقت روشن دلائل سے واضح کر دی ہے کہ سُود دولت میں کمی اور نقصان کا باعث ہے تو اس باب میں مزید شبہ یا منطقی جواز کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اہل ایمان کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہی کافی ہے اور وہ اس پر اسی پختگی سے یقین رکھتے ہیں جس طرح انھیں خود اپنے وجود کا یقین ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دنیا میں تمام امور اور واقعات کی محض منطقی توجیہ ممکن نہیں ہے بہت سی باتیں ہیں جو ہماری عقل کی دسترس سے بالاتر ہوتی ہیں۔ مگر اس سے اُن امور کی واقعیت پر حرف نہیں آتا اور یہ بھی صحیح نہیں کہ صرف منطقی استدلال ہی کسی حقیقت کو سمجھنے اور اس پر یقین کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے

Marfat.com

اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے لئے مضر ہو۔ ان باتوں کو خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (بقرہ: ۲۱۶)

چنانچہ دولت کا حصول اسلامی نقطۂ نظر سے جائز ذرائع سے مستحسن ہے یعنی ایسے ذرائع جن کی قرآن کریم نے اجازت دی ہے، مثلاً جائز اور قانونی کاروبار اور تجارت، محنت مزدوری، تحائف کا تبادلہ، صدقہ وخیرات، وراثت، وصیت، وقف، مال غنیمت، اور حلال جانوروں کا شکار اور اُن سے حاصل ہونے والا منافع اس کے برعکس وہ دولت جس کے حصول کا ماخذ بددیانتی، جعل سازی، فریب، رشوت، سود، جُوا، قماربازی، عصمت فروشی، چوری، جبر واستحصال، امانت میں خیانت اور عہد شکنی وغیرہ وغیرہ ہو، اسلام نے اسے معاشرہ کے لئے لعنت قرار دیا ہے کیونکہ یہ تمام کے تمام اخلاقی جرائم اور حتمی طور پر ممنوع بلکہ ناجائز ہیں۔

۷۔ دولت کی ملکیت

اس حقیقت کو قرآنِ کریم کے حوالے سے پہلے ہی واضح کر دیا گیا ہے کہ کائنات کی ہر شئے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور انسان اُس کا صرف امین یا نگراں ہے۔ وہ اپنی تحویل اور امانت میں دی گئی چیزوں میں اسی قدر تصرف کر سکتا ہے جتنی اللہ تعالیٰ نے اُس کو اجازت دی ہے۔ اس کے علاوہ واقعاتی شواہد سے یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ انسان اس دنیا میں آتے وقت اپنے ہمراہ کچھ زر ومال لے کر نہیں آتا اور نہ ہی موت کے بعد اس دنیا سے کوئی چیز اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اس کا کمایا اور پس انداز کیا ہوا اثاثہ اُن لوگوں کے کام آتا ہے جو ابھی زندہ (وارث) ہیں۔ یہ بات بھی ہمارے مشاہدہ میں آچکی ہے کہ دولت ہر وقت اپنی طبعی خاصیت کے مطابق گردش میں رہتی ہے (یا رہنا چاہیے) دولت محنت کے ذریعہ آتی ہے اور پھر روئی،

Marfat.com

کپڑا اور ضرورت کی دیگر چیزوں کے عوض دوسروں کے پاس چلی جاتی ہے اس طرح دولت ہر لمحہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک گزرتی رہتی ہے۔ اسی کو دولت کی گردش کا نام دیا گیا ہے۔ انسان ہزاروں ہی کماتا ہے اور ہزاروں ہی خرچ کر ڈالتا ہے اور جو کچھ بچ رہتا ہے وہ وارثوں کے پلے پڑ جاتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ دولت کسی فرد واحد کے قبضہ میں مستقل اور دائمی طور پر نہیں رہتی اس کا مصرف یہی مصرف ہے کہ اس کے توسط سے ضروریات زندگی مہیا ہوتی رہیں یعنی ضرورت کی تکمیل ہی دولت کا صحیح مصرف ہے ایسے شخص کے لئے جس کی تجوری میں لاکھوں روپے مقفل ہوں اور وہ کسی بیماری یا خود غرضی یا دولت جمع کرنے کی لالچ میں اُس کو استعمال میں نہ لائے تو اس کی ساری دولت محض ایک لعنت ہے۔

چنانچہ دولت کی ملکیت پر انسان کا دعویٰ محض ایک بڑا، یا زیادہ سے زیادہ ایک افسانہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے ایک فرد کی حیثیت جس کو اللہ تعالیٰ نے دولت عطا فرمائی ہے محض ایک نگراں یا متولی کی ہے۔ اور اس کو اس دولت کے استعمال کا اُسی حد تک حق حاصل ہے، جہاں تک اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے اور اُسے ہر جائز (اور بصورت نافرمانی) ناجائز استعمال کا مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور حساب دینا ہوگا۔ انسان اس سرزمین پر محض خدا کا نائب یا خلیفہ ہے اور ہر موجود چیز اور ہر امر کا مالک و مختار کل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (حدید: ۱ - ۱۰)

۷۔ دولت کا مصرف

اسلامی نقطۂ نظر سے دولت کا اصلی مقصد اس کا مسلسل گردش میں رہنا ہے یعنی جائز اور مفید کاموں میں استعمال یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دولت کو محض چند ہاتھوں میں سمیٹ کر رہ جانے سے سختی سے منع کیا ہے (ہمزہ: ۲ تا ۹)

Marfat.com

قرآن کریم نے بخل اور خساست کی بھی مذمت کی ہے (آلِ عمران: ۱۷۹) اسی طرح جو لوگ سونا، چاندی جمع کرنا زندگی کا مقصد سمجھنے لگتے ہیں، اُن کو بھی انجامِ بد کی وعید سنائی گئی ہے (توبہ: ۳۵)۔

چنانچہ قرآن کریم کے احکامات کی روشنی میں دولت کی گردش اسلامی نظریۂ معیشت کی بنیادی پالیسی ہے قرآن نہ افرادِ مملکت کو ارتکازِ دولت کی اجازت دیتا ہے نہ مملکت کو۔ قرآن کی رُو سے کسی شخص کا دوسرے کے مال پر بالجبر قبضہ جائز نہیں یہانتک کہ حکومت کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ کسی شہری کی دولت پر غیر قانونی طریقہ سے قبضہ کرلے۔ قرآن کریم جو مملکت اسلامی کا منشور پیش کرتا ہے اس کا ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ مالدار لوگوں سے زکوٰۃ لیکر غرباء و مساکین میں تقسیم کر دی جائے اور چونکہ زکوٰۃ کا مصرف ہی مستحقین کی امداد ہے لہذا حکومت کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کو کسی اور مصرف میں لائے اسی طرح مالِ غنیمت کا بیشتر حصہ شریک جہاد سپاہیوں میں تقسیم کے لئے ہے حکومت کل مالِ غنیمت اپنے مصرف میں لانے کی مجاز نہیں۔ اس کا نمونہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاءِ راشدین کی زندگیوں میں ملتا ہے تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ بیت المال میں جو کچھ آتا تھا وہ عامۃ المسلمین کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں کام آتا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُنکے خلفائے راشدین انتہائی ضرورت کے سوا بیت المال سے کچھ لینا پسند نہ فرماتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جو مالِ غنیمت میدانِ جہاد سے واپسی پر پیش ہوتا تھا آپؐ تمام کا تمام مجاہدین اسلام میں اسی وقت تقسیم کردیتے تھے اور اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ نہیں رکھتے تھے۔ جب تک سارا مالِ غنیمت تقسیم نہ ہو جاتا آپؐ گھر واپس تشریف نہ لے جاتے۔ آپؐ اور آپؐ کے اہل و عیال کئی کئی روز مسلسل روزہ رکھکر گذار دیتے تھے مگر بیت المال کو ہاتھ نہ لگاتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے اس دنیا سے انتقال فرمایا تو اس کے

Marfat.com

باوجود کہ آپ سیدِ عرب و عجم اور مملکتِ اسلامی کے سربراہِ اعلیٰ اور مختارِ کل تھے، آپ کے گھر میں دنیاوی مال و متاع کا نام و نشان تک نہ تھا۔ آپؐ کی وفات کے خلفائے راشدینؓ نے بھی آپؐ کی سنت پر نہایت پامردی اور پابندی کے ساتھ عمل کیا اور ہمیشہ سادگی اور غربت کی زندگی کو امیرانہ طرزِ بود و باش پر ترجیح دی۔ انھوں نے سرکاری خزانہ یعنی بیت المال سے ذاتی خرچ کے لئے کبھی کچھ نہ لیا ماسوا اُس کے جو اہل خاندان کے لئے کم سے کم بنیادی ضرورتوں کے لئے کافی ہو جس کی مملکت کے ایک ادنیٰ فرد کے لئے اجازت تھی یا ریخی شواہد میں اور تاریخ کے غیر متعصبانہ مطالعہ سے واقعات کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

مملکتِ اسلامی کی اولین اور اہم ترین ذمہ داری جیسا کہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عنانِ خلافت سنبھالتے وقت فرمایا تھا، یہ ہے کہ خلیفہ یا امیر اپنی قلمروئے خلافت میں بسنے والے ہر فرد کی جان و مال کا محافظ ہوتا ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ اس بات کی نگرانی کرے کہ کوئی شخص دوسرے پر ظلم نہ کرے اور اگر کوئی فرد کسی دوسرے کا مال یا اسباب پر غیر قانونی طریقہ سے قبضہ کر لے تو یہ خلیفۂ وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس غصب شدہ مال کو اس کے اصلی مالک کو واپس دلانے کا اقدام کرے چنانچہ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اسلامی حکومت ملک کی دولت پر قبضہ کر کے اس کی اجارہ دار بن جائے اور جس کے نتیجہ میں مملکت کی اکثریت غلام اور نادار بن کر حکومت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے ہو جائے۔

مال و دولت کو گردش میں رکھنے کے لئے اسلام نے احکامِ قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی میں زکوٰۃ کا نظام قائم کر دیا ہے اور اس نظام کو موثر طریقہ پر چلانے کے لئے ضروری ہدایات بھی فراہم کر دی ہیں۔ حکومت

Marfat.com

کے ایک اہم ادارہ کی حیثیت سے زکوٰۃ کے نظام میں زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ خیرات، بلا سودی قرضہ، تحفے تحائف، وراثت، اور وقف جیسے رفاہِ عامہ کے امور شامل ہیں۔ اِن احکام کے نفاذ میں جن کے تحت مال کو خرچ کرنے یا نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے، انسان کے فطری تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اسی لئے اسلام نے غصبِ مال اور دوسروں کو اُن کے جائز حقوق سے محروم کرنے کو سختی سے منع کیا ہے۔

۹۔ زکوٰۃ اور خیرات

زکوٰۃ اور خیرات کے متعلق کتاب دوم کے باب سوم میں ضروری امور کسی قدر تفصیل سے بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ زکوٰۃ کی وصولیابی اور اس کی تقسیم، اسلامی حکومت کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ قرآنِ کریم کے ارشاد کے مطابق اہلِ ایمان کی صفات یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں زمین پر غلبہ عطا فرمائے اور اُن کے زیرِ نگرانی اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آجائے تو وہ اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیک کام کا حکم دینے اور بُرے کام سے روکنے) کا اہتمام کرتے ہیں (حج: ۴۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم دیا ہے کہ اہل ایمان سے صدقہ و زکوٰۃ کا مال لے کر اُن کا تزکیہ فرمائیے اور اُن کے حق میں خیر و سلامتی کی دعا کیجئے کیونکہ آپ کی دُعا اہل ایمان کے سکونِ قلب اور اطمینانِ روح کا وسیلہ ہے (توبہ: ۱۰۳) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں امیر اور دولت مند لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے غریب اور مستحق لوگوں میں تقسیم کر دوں۔ اس مقصد کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں زکوٰۃ کا نظام قائم کر دیا تھا جس پر آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی

Marfat.com

اسلام دین حق

کمال اہتمام سے عمل کیا۔ اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب ایک قبیلہ نے جس نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا، زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن کے خلاف جہاد کر کے اُن سے زکوٰۃ وصول کی۔

لیکن اگر حکومت وصولی اور تقسیم زکوٰۃ کا انتظام نہ بھی سنبھالے تو بھی مسلمان صاحب نصاب اس فرض کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہو جاتے اور انہیں لازم ہے کہ وہ اپنے طور پر زکوٰۃ ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت فرض ہے اور اس کا ادا نہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوگا۔

زکوٰۃ ایک لازمی ٹیکس ہے جو ہر صاحب نصاب مسلمان پر ایک مقررہ شرح سے واجب الادا ہے جو مسلمان اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا اس کے لئے آخرت میں اذیت ناک عذاب ہے (توبہ: ۳۴۔۳۵) زکوٰۃ کے علاوہ صدقہ و خیرات کا بھی حکم عام ہے مگر اس کے لئے وقت اور مقدار کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ یہ صاحب استطاعت کی اپنی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ جب اور جس قدر چاہے مستحقین اور ضرورت مندوں کو خیرات دے سکتا ہے۔ خیرات کے مستحقین میں زکوٰۃ کی طرح ضرورت مند اہل قرابت، غربا، مساکین اسیر اور قیدی، مسافر جن کے پاس زاد راہ کی کمی ہو جائے، غلام، طالب علم اور معاشرہ کے دیگر افراد جو فی الواقع امداد و اعانت کے مستحق ہیں آتے ہیں۔ قرآن کریم میں دولت کی ذخیرہ اندوزی کی شدید مذمت آئی ہے۔ (ہمزہ: ۲ تا ۴) اس کے ساتھ خیرات کے دینے میں میانہ روی کا بھی حکم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ خیرات دینے والا خود مالی مشکلات میں مبتلا ہو جائے (بقرہ: ۲۱۹ اور بنی اسرائیل: ۲۹)

Marfat.com

یہ بات ہر شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اگر معاشرہ کے متمول اور صاحب حیثیت افراد فراخدلی کے ساتھ صدقہ و خیرات دینے کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیں اور کسی قسم کی ذاتی ستائش یا صلہ کی تمنا نہ رکھیں تو نہ صرف معاشرہ سے غربت دور ہو سکتی ہے بلکہ ضرورت مندوں اور کم مایہ افراد کی بنیادی ضرورتیں بھی آسانی کے ساتھ پوری ہو سکتی ہیں اور وہ غیروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی ذلت سے بچ سکتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے مبارک عہد میں فراغت اور خوش حالی کا یہ عالم تھا کہ اہل خیر نے ضرورت مندوں کو بھی بے نیاز کر دیا تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگ خیرات دینے کے لئے محتاجوں کو تلاش کرتے پھرتے تھے اور کوئی خیرات قبول کرنے والا نہ ملتا تھا۔

اب اگر ہم ان تینوں یعنی اشتراکی، سرمایہ دارانہ، اور اسلامی مالیاتی نظاموں کا تقابلی جائزہ لیں تو ہم پر یہ حقیقت بہت جلد روشن ہو جائیگی کہ اول الذکر دونوں نظام عام انسانی معاشرہ کو فلاح و بہبود سے بہرہ ور کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس ان نظاموں کے معرض وجود میں آنے سے معاشرہ میں معاشی اور اخلاقی ابتری بڑھتی ہی رہی ہے۔ اشتراکی نظام معیشت کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ بندوق کی نالی کے بل بوتے پر لوگوں سے اُن کی تمام پونجی کو چھین کر بالکل مفلس بنا دیتا ہے اور انہیں حکمرانوں کے رحم و کرم پر جینے اور مرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ رہا سرمایہ دارانہ نظام، تو اس کا اصل مقصد صرف چند مخصوص طبقوں کے با اثر افراد کی تجوریوں اور بینکوں کو بھرنا ہے۔ چنانچہ ان دونوں نظامہائے معیشت میں دولت کی منصفانہ اور مساوی تقسیم کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ حالانکہ کسی معاشرہ کی فلاح و بہبود اور ترقی و فارغ البالی کا دار و مدار صرف دولت کے منصفانہ نظام کے قیام پر ہی ہے۔ اس کے برعکس اسلامی مالیاتی نظام نے ایک طرف

Marfat.com

زکوٰۃ اور خیرات کے ذریعہ لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دولت کو گردش میں رکھنے کا آسان اور قابلِ عمل طریقہ مقرر کیا ہے اور دوسری طرف انسان کی فطرت، جذبات مقاصد اور آزادی کا بھی پوری طرح لحاظ رکھا ہے۔ چنانچہ نہ تو افراد کو خود غرضی اور بخل اختیار کرنے کی اجازت دی ہے اور نہ مملکت کو اختیار دیا ہے کہ وہ افراد کو بالکل کچل کر رکھ دے۔

۱۰۔ بلا سُود قرض

ایک اور طریقہ جو اسلام نے دولت کو گردش میں رکھنے کے لئے تجویز کیا ہے وہ بلا سود قرض کا نظام ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جسے اسلام سے پہلے کسی مالیاتی نظام نے اختیار نہیں کیا ساتھ ہی یہ نظام ایک ایسی کسوٹی بھی ہے جس کے ذریعہ انسانی ہمدردی اور تعاون کے جذبہ کو پرکھا جا سکتا ہے ایک متموّل اور ذی حیثیت فردِ معاشرہ کے دوسرے نادار اور مالی اعانت کے مستحق لوگوں کے ساتھ اپنے زر و مال کے ذریعہ تعاون کا کتنا جذبہ رکھتا ہے، اس کا عملی ثبوت اس نظام پر عمل کے ذریعے بھی ہے۔ یہی انسانیت کا وہ نازک موڑ ہے جہاں آج کے دولت زدہ مہذب طبقہ نے سنگین عدم تعاون اور انتہائی خود غرضی کا شکار ہو کر ٹھوکر کھائی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ضرورت مند اور مالی مشکلات میں مبتلا شخص ہی قرض لینے پر مجبور ہوگا ایسے مجبور انسان کو سُود پر قرض دینا اُس کی مشکل کو حل کرنے کی بجائے اُس کو اور زیادہ مبتلائے مصیبت کرنے کے مترادف ہے۔ یہ مصیبت کا مارا وقتی طور پر چھٹکارا پانے کے لئے سُود پر قرض لیتا ہے جس سے اُس پر مسلّط وقتی پریشانی تو دور ہو جاتی ہے مگر اس کے بعد سُود در سُود کا ایسا چکر چلتا ہے کہ وہ ساری زندگی اصل رقم تو کیا سُود بھی ادا نہیں کر پاتا جس کے نتیجہ میں اُس کو مزید پریشانی اور ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

Marfat.com

اسلام نے لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کیلئے جو اصول بنائے ہیں اُن میں سب سے پہلا حکم تو یہ ہے کہ نادار اور قریب لوگوں کو وقتاً فوقتاً مالی امداد دیجائے قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جو اپنی دولت دن میں اور رات میں خفیہ طریقہ سے یا ظاہرہ طور پر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کا اجر اُن کے رب کی طرف سے روز حشر ضرور ملے گا (بقرہ ۲۷۴) دوسرے یہ کہ اگر رقم قرض پر دیا جانا ضروری ہو تو اُس پر سود نہ لیا جائے (بقرہ : ۲۷۵ - ۲۷۹) تیسرے قرض بنیادی طور پر قرض حسنہ کی شکل میں دیا جائے جس میں وسعت قلبی سے کام لیکر واپسی کی شرط نہ رکھی جائے۔ ایسا قرض گویا اللہ کو قرض دینا ہے (بقرہ : ۲۴۵) چوتھے، اگر قرض کی واپسی کی شرط عائد کیگئی ہو تو مقروض کو اتنی مہلت ضرور ملنی چاہیے کہ وہ بآسانی قرض ادا کر سکے (بقرہ : ۲۸۰) اور اگر قرض کی رقم معاف کر دی جائے تو یہ اور مستحسن ہے (بقرہ : ۲۸۰)

چنانچہ اسلام کے مالیاتی نظام میں اوّلین اہمیت ایک ضرورت مند انسان کے ساتھ ہمدردی اور اعانت کو دی گئی ہے۔ کسی تنگدست قرض دار کو محض قرض کی عدم ادائیگی کے جرم میں اذیت نہ پہنچائی جائے اور نہ اس کو نالش اور مقدمہ بازی کے ذریعہ قید خانہ میں ڈلوا دیا جائے۔ نہ اُس کی جائیداد ضبط کرنے کے بعد فروخت کر کے قرض کی رقم وصول کی جائے۔ جس کے سبب وہ قرض دار اور اس کے بال بچے پائی پائی کو محتاج ہو کر بے سہارا ہو جائیں۔ ایسے المناک واقعات دیگر مالیاتی نظام میں آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔

اشتراکی نظام میں محنت کش طبقہ کو زیادہ سے زیادہ اور جبری محنت کے صلہ میں محض دو وقت کی روٹی کی ضمانت مل جاتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں معمولی رقم کے بدلے محنت کشوں کے خون پسینے سے دولت میں اضافہ سرمایہ دار کا بنیادی مقصد تصور کیا جاتا ہے۔ مگر اِن دونوں کے مقابلہ اسلام نے نہایت

Marfat.com

فراخدلانہ اور حقیقت پسندانہ نقطۂ نگاہ سے مالی طور پر مجبور ایک انسان کی مصیبتوں اور پریشانیوں کے ازالے کو اولیت دی ہے چنانچہ اسلام میں حصولِ دولت کا تصور ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے مقروض کے ساتھ ہمدردی کے ساتھ پیش آئیں اور ذاتی منفعت کو پس پشت ڈال کر اس فلاکت زدہ انسان کی مزید مالی اعانت کریں اور اپنے دل میں ایسے شخص کو اذیت پہنچانے اور لعنت و ملامت کا خیال تک نہ آنے دیں۔

یہ نمایاں فرق جو ہم ایک طرف اسلامی نظام معیشت میں اور دوسری طرف اشتراکی اور سرمایہ دارانہ مالیاتی نظاموں میں محسوس کرتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دونوں کا نظریۂ حیات مجموعی طور پر بالکل جداگانہ ہے اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظامہائے مالیات میں زندگی کا تصور محض انسان کی پیدائش اور موت کی حدبندی تک ہے یعنی موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک یہ مادی زندگی ہی مقصود و منزلِ حیات ہے لہٰذا مادی اقتصادی حصے وہ جتنا کچھ اس زندگی میں حاصل کر لیں وہ ہی اُن کا اصل سرمایہ ہے اور اس کے حصول میں ہی اُن کا اطمینان ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ پر اُن کا ایمان نہیں ہے اس لئے آخرت میں انہیں کسی انعام کی توقع بھی نہیں ہے۔ اس کے برعکس اسلام کے نزدیک یہ مادی زندگی ختمی نہیں بلکہ عارضی اور مکمل زندگی کا صرف ایک جزو ہے۔ پوری زندگی ماضی، حال اور مستقبل پر مشتمل ہے اور مستقبل میں اُخروی زندگی بھی شامل ہے۔

کفار و مشرکین کے نزدیک انسان کی زندگی کے اعمال کا کھاتہ (حساب کتاب) موت کے بعد بند کر دیا جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ زندگی کے حساب کتاب کا گوشوارہ، دولت عمارت، مویشی، تجارتی لین دین اور دوسرے مادی اثاثے تک ہی محدود رہتا ہے۔ یہی ان کا زرِ محفوظ اور پس انداز شدہ سرمایہ ہے چنانچہ

Marfat.com

ان کے خیال کے مطابق یہ اثاثہ یا سرمایہ جس قدر بڑھتا جائیگا زندگی اُتنی ہی کامیاب اور خوش حال متصور ہوگی۔ اہلِ ایمان بھی اس حد تک ضرور متفق ہیں کہ زندگی کا اعمال نامہ یا حساب کتاب موت کے فوراً بعد بند کر دیا جاتا ہے لیکن اُن کا اندوختہ سرمایہ عمارتوں کی تعداد، سونے اور چاندی کے ڈھیر، مویشی یا اسی قسم کی دوسری مادّی اشیاء نہیں ہوتیں بلکہ اُن کا سرمایہ حیات وہ نیک اعمال ہیں جو انھوں نے ہدایتِ الٰہی کی اطاعت میں انجام دیئے ہیں ان کا ایمان ہے کہ روزِ حساب (قیامت کے دن) ہر فرد کا اعمال نامہ پیش کیا جائیگا تاکہ خیر و شر کی بنیاد پر اُن کے لئے فیصلہ کیا جائے (الکھف: ۴۶) قرآن کی ضمانت ہے کہ ہر فرد کو نیک اعمال کا پورا پورا صلہ ملیگا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اور زیادہ بھی عطا کریں گے (فاطر: ۳۰)

چنانچہ اسلامی نظریہ کے مطابق انسان دنیا میں جو کچھ مال و متاع حاصل کرتا ہے وہ محض عارضی اثاثہ ہے جو وقت کی ضروریات پورا کرنے کا ذریعہ ہے یہی وجہ ہے کہ اہلِ ایمان کبھی اپنے سرمایہ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہیں ہچکچاتے۔ اُن کا ایمان ہے کہ دنیاوی مال و اسباب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جو اسُ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے حاجتمندوں کی حاجت روائی اور عامۃ الناس کی فلاح و بہبود کی خاطر مال خرچ کرنا اس کا بہترین مصرف ہے اور یہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے انسانی معاشرہ خوش حال اور کامراں ہو سکتا ہے۔

۱۱- وصیّت

قرآنِ کریم کی ہدایت کے مطابق وصیّت بھی دولت کی تقسیم کا ایک طریقہ ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آجائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ

Marfat.com

اور رشتہ داروں کے حق میں دستور کے مطابق وصیت کر جائے۔ خدا سے ڈرنے والوں پر یہ ایک حق ہے (فرض ہے) (البقرہ: ۱۸۰) اس آیت میں والدین اور اہل قرابت کے لئے وصیت کا حکم ہے۔ مفسرین قرآن کے مطابق اس حکم میں ترکہ میں خیرات کے لئے رقم بھی مختص کی جا سکتی ہے لیکن وصیت کی ایک حد ہے صحیح بخاری کی ایک حدیث (۲۳: ۳۶) کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص کو اپنی وصیت میں ایک تہائی سے زیادہ حصہ مختص کرنے کی اجازت نہیں دی تاکہ اُن کے ورثاء کیلئے دو تہائی ترکہ کا حصہ محفوظ رہ سکے۔ آپؐ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ "اپنے ترکہ میں سے ایک تہائی حصہ کی وصیت کرو اور یہ بہت کافی ہے اگر تم اپنے ورثاء کو ضرورت سے زیادہ بے نیاز کر دو تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم اُن کو محتاجی کی حالت میں چھوڑ جاؤ کہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے پھریں تم اُن کے لئے جو کچھ خرچ کرو گے اُس کا صلہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں ملے گا۔ اگرچہ تم اپنی بیوی کے منہ میں ایک لقمہ ہی ڈال دو۔

چنانچہ اگر وصیت کل جائیداد کے ایک تہائی حصہ سے زائد حصہ کے لئے ہو اور غیر وارث کے حق میں ہو تو اس صورت میں اگر موصی (یعنی وصیت کرنے والے) کے تمام ورثاء اس کی وفات کے بعد ایسی وصیت کو منظور کر لیں تو وصیت شدہ کل جائیداد موصی لہٗ (یعنی جس کے حق وصیت ہو) کو ملیگی لیکن اگر وصیت کسی وارث کے حق میں ہو تو ایک تہائی یا اس سے کم حصہ کے لئے بھی موصی کی وفات کے بعد بقیہ تمام وارثوں کی رضامندی ضروری ہو گی۔
اگر موصی کی وفات کے بعد تمام ورثاء رضامندی کا اظہار نہ کریں تو غیر وارث کی صورت میں کل جائیداد تمام ورثاء میں حصہ شرعی کے مطابق تقسیم ہو گی۔
اگر موصی کی وفات کے بعد تمام ورثاء میں وصیت کے مطابق اتفاق رائے نہ ہو تو جو ورثاء وصیت کو منظور کریں گے ان کا حصہ وصیت کے مطابق موصی

Marfat.com

لہٗ کو جائیگا اور جو ورثا منظور نہ کریں گے ان کا حصّہ خود انہیں شریعت کے مطابق ملے گا۔

(الف) شہادت (گواہی)

وصیّت گواہوں کی موجودگی میں کی جانی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مومنو! جب تم میں سے کسی کی موت آموجود ہو تو شہادت کا نصاب یہ ہے کہ وصیت کے وقت تم (مسلمانوں میں) سے دو مرد عادل یعنی صاحب اعتبار گواہ ہوں۔ یا اگر مسلمان نہ ملیں اور تم سفر کر رہے ہو تو کسی دوسرے مذہب کے دو شخصوں کو گواہ کر لو۔ اگر تم کو ان گواہوں کی نسبت کچھ شک ہو تو ان کو عصر کی نماز کے بعد کھڑا کرو اور دونوں قسمیں کھائیں کہ ہم شہادت کا کچھ عوض نہیں لیں گے گو ہمارا رشتہ دار ہی ہو۔ اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے اور اگر ایسا کریں گے تو گنہ گار ہوں گے (مائدہ: ۱۰۶) پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے جھوٹ بول کر گناہ حاصل کیا ہے تو جن لوگوں کا انھوں نے حق مارنا چاہا تھا ان میں سے اُن کی جگہ اور دو گواہ کھڑے ہوں جو میت سے قرابت قریبہ رکھتے ہوں۔ پھر وہ خدا کی قسمیں کھائیں کہ ہماری شہادت اُن کی شہادت سے بہت سچی ہے اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ ایسا کیا ہو تو ہم بے انصاف ہیں اس طریق سے بہت قریب ہے کہ لوگ صحیح صحیح شہادت دیں یا اس بات سے خوف کریں کہ ہماری قسمیں اُن کی قسموں کے بعد رد کر دی جائیں گی۔ اور خدا سے ڈرو اور اُس کے حکموں کو گوش ہوش سے سنو اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا (مائدہ: ۱۰۷۔۱۰۸) جو شخص وصیت سننے کے بعد بدل ڈالے تو اس کا گناہ انہیں لوگوں پر ہے جو اُس کو بدلیں۔ بے شک خدا سنتا اور جانتا ہے (البقرہ: ۱۸۱)

Marfat.com

(ب) نیّت یا مقصد

وصیت کسی خراب نیت یا ناجائز مقصد کے لیے نہ کی جائے مثلاً یہ کہ جائز وارثوں کو حقِ وراثت سے محروم کرنے کی نیت ہو لہٰذا وصیت کرنے سے بیشتر موصی کو یہ جتلا دینا ضروری ہے کہ وہ وصیت میں کسی ایک فرد کے لئے خصوصی رعایت سے گریز کرے اور یہ بھی کہ وہ اپنی جائداد کی قانونی حد سے زیادہ وصیت نہ کرے کیونکہ اس صورت میں اُس کے حقیقی وارث نقصان میں رہیں گے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اگر کسی وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی وارث کی طرف داری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو تو اگر وہ وصیت کو بدل کر وارثوں میں صلح کرا دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے (البقرہ: ۱۸۲) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک شخص کو جس کا کل اثاثہ تین ہزار درہم تھا اور جس کے چار وارث تھے کل اثاثے کی وصیت کرنے سے منع فرمایا تھا تاکہ اُس کے وارثوں کو اس کے بعد تکلیف نہ ہو (بیضاوی) اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی ایک شخص کو جس کے پاس کل سات ہزار درہم تھے وصیت سے روک دیا تھا تاکہ اس کے بعد اُس کا ترکہ اس کے حقیقی وارثوں کو پورا مل سکے (بیضاوی)

(ج) بیوی کے حق میں وصیت

اسلام میں بیوی (ایک یا ایک سے زائد) کے حق میں بھی وصیت کی جا سکتی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیوی (یا بیویاں) چھوڑ جائیں وہ اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ ان کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں

Marfat.com

ہاں اگر وہ خود گھر سے چلی جائیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کرلیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اور خدا زبردست اور حکمت والا ہے (البقرہ: ۲۴۰)

(د) وصیت کی تعریف

وصیت اس طریقہ کار کا نام ہے جس کے تحت کسی شخص کی جائیداد اور اثاثہ کی تقسیم اُس کی خواہش کے مطابق اس کی موت کے فوراً بعد عمل میں آتی ہے۔ وصیت کرنے والے کو موصی (TESTATOR OR LEGATOR) کہتے ہیں اور وہ شخص جس کے حق میں وصیت کی جاتی ہے وہ "موہوب الیہ" یا موصی لہٗ یا وصیت دار (LEGATTEE) کہلاتا ہے اور وہ شخص جس کے ذریعہ وصیت نامہ کی تعمیل فرض ہو " وصی" (EXECUTOR) کہلاتا ہے۔

(ل) طریق کار

ہر مسلمان عاقل بالغ کو قیام ہوش کے ساتھ (یعنی دیوانگی یا خللِ دماغ سے محفوظ) اپنی جائداد یا اثاثہ کے متعلق وصیت کرنے کا اختیار ہے۔ وصیت زبانی بھی ہو سکتی ہے اور تحریری بھی۔ لیکن دونوں صورتوں میں لازمی ہے کہ وصیت دو معتبر گواہوں کی موجودگی اور علم میں کی جائے۔ وصیت کرنے کے لئے کوئی خاص طریقہ کار متعین نہیں ہے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ " موصی" کی خواہش نہایت واضح اور غیر مبہم ہو تاکہ غلط فہمی اور قانونی پیچیدگی کا احتمال باقی نہ رہے۔

وصیت کسی ایسی جائداد یا ملکیت کے متعلق کی جا سکتی ہے جو قابلِ منتقلی ہو اور جو موصی کی موت کے وقت واقعی موجود ہو، خواہ ایسی جائیداد وصیت کرتے وقت وجود میں نہ ہو۔

وصیت کا عمل مکمل ہونا چاہیئے مثلاً موصی یوں نہ کہے کہ "میں وصیت

Marfat.com

کردں گا"، کیونکہ اس صورت میں یہ "وصیت بر مستقبل" ہونے کی بنا پر کالعدم یا قانونی طور پر بے اثر متصور ہوگی۔ موصی کو صاف صاف الفاظ میں یہ کلمہ ادا کرنا چاہیئے کہ "میں بذریعہ ہذا وصیت کرتا ہوں" احتمالی وصیت یعنی وہ وصیت جو کسی واقعہ کے رونما ہونے پر نافذ العمل ہو جائز نہیں ہے "مشروط وصیت" کی صورت میں شرط ساقط سمجھی جائیگی اور وصیت بغیر شرط کے نافذ العمل ہوگی۔

متبادل وصیت قانونی حیثیت سے جائز اور نافذ العمل ہوتی ہے۔ مثلاً وصیت میں یہ اہتمام جائز ہے کہ "اگر میری موت کے وقت میری نرینہ اولاد ہو تو وصی کو لازم ہے کہ میری جائیداد اس بیٹے کے حوالے کر دے لیکن اگر میری موت کے وقت کوئی بیٹا زندہ نہ ہو تو میری جائداد خیرات کر دی جائے"

(و) وصیت کی تنسیخ

موصی کی موت سے پہلے موصی لہٗ یا موہوب الیہ (جس کے حق میں وصیت کی جائے) کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں وصیت ساقط نہیں ہوتی تا وقتیکہ موصی واضح طور پر موہوب الیہ کی موت کے بعد اس (وصیت) کی تنسیخ نہ کرے کیونکہ موصی کو موت سے پیشتر اپنی وصیت کی تنسیخ یا اس کو باطل کر دینے کا حق حاصل ہے۔ اگر موصی، موہوب الیہ کی وفات کے بعد وصیت کی تنسیخ یا ترمیم نہیں کرتا تو اس (موصی) کی موت کے بعد وصیت شدہ جائیداد وغیرہ موہوب الیہ کے قانونی جائز وارثوں کو ملے گی اور موصی کے اپنے وارث اس جائیداد وغیرہ پر حق وراثت سے محروم رہینگے

۱۱۔ بخشش، تحفہ یا ہبہ۔

بخشش یا ہبہ، انتقالِ جائداد کی ایک اور شکل ہے جو ایک فرد کی طرف

Marfat.com

سے کسی فرد کو فوری طور پر اور بلا عوض پیش کی جائے اور موخرالذکر یا اس کی طرف سے کوئی مجاز اُسے قبول کر لے۔ تحفہ یا بخشش کی داد و دہش حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ "آپس میں وقتاً فوقتاً تحفہ تحائف کا تبادلہ کیا کرو تاکہ تمھارے درمیان الفت و یگانگت کا جذبہ بڑھے"۔ ہر صحیح الدماغ بالغ مسلمان اس کا مجاز ہے کہ اپنی جائداد یا کوئی اور ملکیت یا اس کا کوئی حصہ کسی دوسرے فرد، ادارہ یا گروہ کے نام ہبہ کر دے ہبہ یا بخشش (عطا) کرنے والے کو معطی یا موہب (ہبہ عطا کرنے والا) یا DONOR، اور جس کو ہبہ یا عطا کیا جائے اس کو معطی الیہ یا موہوب الیہ DONEE کہتے ہیں۔ وصیت کے برخلاف ہبہ یا بخشش تمام جائداد یا ملکیت کی بھی کی جا سکتی ہے خواہ اس کے وصول کرنے والا اجنبی ہو اور معطی کے قانونی جائز ورثا یکسر نظر انداز کر دیے جائیں۔

(الف) ہبہ کے عناصر۔

اسلامی قانون کے تحت ہبہ کے خصوصی عناصر یہ ہیں (ا) معطی کی طرف سے ہبہ یا تحفہ کا اعلان (ب) ہبہ یا تحفہ کی قبولیت اور پذیرائی وصول کنندہ یا اس کے مقرر کردہ مجاز کی طرف سے (ج) ہبہ یا تحفہ کی عملی طور پر معطی کی طرف سے وصول کنندہ کو ملکیت کی ترسیل اور وصولیابی ہبہ کی تکمیل کے لئے تحریری دستاویز لازمی نہیں۔ اس کی ترسیل و تکمیل زبانی بھی ہو سکتی ہے۔

ہبہ، وقف کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ مندرجہ بالا تینوں شرائط پوری کر دی جائیں لیکن ایک مسلمان اس کا مجاز نہیں کہ وہ اپنی جائداد یا ملکیت وقف کے ذریعہ ایسے لوگوں کے حق میں ہبہ کرے جو ہبہ یا تحفہ کی صورت میں اُسے حاصل کرنے سے قاصر ہوں مثلاً کسی ایسے

Marfat.com

بچہ کا نام جو ابھی پیدا نہیں ہوا کیونکہ ہبہ کے لئے قبول کرنے والے کا طبعی طور پر موجود ہونا ضروری ہے غیر موجود اور لاپتہ شخص کے نام پر ہبہ جائز نہیں۔

کسی ایسی شئے کا جو موجود نہ ہو یا جس سے استفادہ معینہ یا غیر معینہ زمانہ مستقبل ہی میں ممکن ہو، جائز نہیں۔ ہبہ اس حالت میں بھی جائز نہیں جب کہ ہبہ کی جانے والی چیز کی کارکردگی یا اس سے استفادہ کی مدت اس چیز کی مکمل شکل میں نقص کا باعث ہو (یعنی جو چیز بھی ہبہ کی جائے، اس کے لئے لازم ہے کہ وہ مکمل ہو اور فوری استعمال کے قابل ہو۔ اگر مستقبل ہی میں اس سے استفادہ ممکن ہو تو یا وہ شئے نامکمل ہو یا استعمال کے بعد اس میں نقص پیدا ہو جائے تو ان صورتوں میں اس شئے کا ہبہ جائز نہ ہوگا۔ مشروط ہبہ کی صورت میں ایسی شرط جو ہبہ کی تکمیل میں مانع ہو ناجائز تصور ہوگی اور ہبہ بلا شرط نافذ العمل ہوگا

معطی اپنے ہبہ کی کسی وقت بھی تنسیخ کر سکتا ہے لیکن یہ اسی وقت تک ممکن ہے جب ہبہ شدہ شئے کی ترسیل اور وصولی عمل میں نہ آئی ہو کیونکہ وصولیابی کے بعد ہبہ کا عمل مکمل ہو جاتا ہے اور اس کی تنسیخ یا اُس کا استرداد قابل قبول نہیں،

(ب) ہبہ بالعوض۔

اسلام میں ہبہ بالعوض بھی جائز ہے مثلاً ایک شوہر اپنی جائیداد اپنی بیوی کو ہبہ کر سکتا ہے تاکہ اس کی بیوی اس کے عوض اپنے حق مہر سے دست بردار ہو جائے۔ ہبہ بالعوض کے لئے دو شرطوں کو پورا ہونا ضروری ہے ایک یہ کہ جس چیز کے عوض ہبہ کیا جا رہا ہے وہ بھی فی الحقیقت موجود ہو اور دوسری یہ کہ معطی کی نیت یا ارادہ بالکل واضح اور غیر مبہم ہو اور وہ ہبہ کے بعد اپنی جائیداد یا ہبہ شدہ شئے میں اپنا حق ملکیت وصول کنندہ (موہوب الیہ)

Marfat.com

کے نام کر دے اور خود اس سے قطعاً لاتعلق ہوجائے تاہم ہبہ بالعوض کے لئے ملکیت کی ترسیل یا وصولیابی کی شرط لازمی نہیں۔ اگر ہبہ عوض یا تبادلہ کی شرط کے ساتھ کیا جائے تو اس کو ہبہ بشرط العوض کہا جائیگا اس قسم کے ہبہ میں ان تینوں شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے جو عام ہبہ کے ضمن میں اوپر بیان کی گئی ہیں لیکن عوض یا تبادلہ میں ملی ہوئی شئے کی وصولی کے بعد ہبہ مکمل ہوجاتا ہے اور پھر اسے منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

(ج) صدقہ۔

اگر ہبہ کسی ایسی شئی کا کیا جائے جس سے کسی دینی سعادت کا حصول مطلوب ہو تو ایسے ہبہ کو صدقہ کہا جاتا ہے۔ ہبہ کی طرح صدقہ جائز نہیں۔ تاوقتیکہ ملکیت اور وصولی کا اختیار نہ دیدیا جائے اس طرح قابل تقسیم جائداد میں غیر منقسم شدہ حصہ کا صدقہ جائز نہیں۔ لیکن ہبہ کے برخلاف صدقہ کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا اور اگر دو یا زیادہ افراد میں صدقہ تقسیم کر دیا جائے تب بھی صدقہ جائز اور صحیح تصور کیا جائیگا۔

اگر کوئی مسلمان مرض الموت کی حالت میں ہبہ یا صدقہ دے (اور اس کے بعد اس کا انتقال ہوجائے) تو ایسی حالت میں ہبہ یا صدقہ متوفی کی جائیداد یا اثاثہ کے ایک تہائی سے زیادہ حصہ پر قابل تعمیل نہ ہوگا اور وہ بھی مرحوم کی تجہیز و تکفین کے اخراجات اور قرضہ (اگر ہو) کی ادائیگی کے بعد اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ معطی کی موت کے بعد اس کے ورثاء بھی اس پر متفق ہوں۔

۱۳۔ وقف

اسلامی نظام میں "وقف" ایک ایسے طریقہ کار کا نام ہے جس کے ذریعہ

Marfat.com

کوئی مسلمان اپنی جائیداد یا دوسری ملکیت دوسرے عام یا مخصوص گروہ کے لوگوں کی فلاح وبہبود کے لئے کسی ادارہ یا تنظیم یا فرد کے نام منتقل کرتا ہے اس سے مراد کسی مسلمان اہل خیر کا اپنی جائیداد یا اس کا کچھ حصہ مستقل طور پر کسی مذہبی یا خیراتی مقصد کی تکمیل کے لئے کسی ادارہ یا گروہ کے حوالہ (خیراتی وقف) کر دینا ہے جس کا مشن اسلامی مقاصد کی تکمیل ہو۔ مثلاً مسجد، مدرسہ، پل، سرائے، کنواں، اسپتال کی تعمیر اور غرباء و مساکین میں خیرات کی تقسیم ان مخصوص اور رفاہِ عام کے امور سے متعلق صدقہ کو "وقف" کا نام دیا گیا ہے جس کے تحت کسی وقف شدہ جائداد کو طویل المیعاد مقصد کے لئے اور لوگوں کی فلاح وبہبود کی خاطر کام میں لایا جاتا ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کھجوروں کے باغ کو صدقہ (وقف) کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اس شرط پر اجازت دی کہ اس باغ کو وقف کرنے کے بعد فروخت نہ کیا جائے اور نہ اس کو ورثاء میں تقسیم کیا جائے تاکہ اس کا پھل تمام لوگ ہر وقت کھا سکیں (صحیح بخاری)

(الف) وقف کی شرائط۔

وقف کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وقف شدہ جائداد کو مستقل طور پر نذر کر دیا جائے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس نیک مقصد کے لئے وقف شدہ جائیداد استعمال کی جائے وہ بھی دائمی اور مستقل افادہ کی صورت میں ہو۔ اگر یہ دونوں شرائط یا ان میں سے کوئی ایک شرط پوری نہ ہو تو "وقف" جائز اور ضابطہ کے مطابق تسلیم نہیں کیا جائیگا۔

Marfat.com

(ب) وقف کا موضوع۔

وقف کا موضوع کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ ہو سکتی ہے یہ ضروری ہے کہ وقف کرتے وقت جائداد مالک یا وقف کی ملکیت ہو اور اس کو اس بات کا اختیار حاصل ہو کہ اس جائیداد کو اپنی حسب منشاء بروئے کار لاسکے

(ج) وقف کا مقصد۔

وقف کا مقصد واضح اور حتمی ہونا چاہیئے ورنہ وقف قانونی طور پر درست نہیں ہوگا تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ وقف کا مقصد بطور خاص مقرر کیا جائے یا کسی خاص مقصد کے لئے ہی وقف کی مالیت کا تعین کر دیا جائے۔ چنانچہ فاتحہ یا امرخیر یا غریبوں اور زیر کفالت لوگوں کی خبر گیری اور نگہداشت کے لئے وقف کا استعمال جائز اور درست ہے۔

(د) وقف کا طریق کار۔

ہر مسلمان بالغ و عاقل اس کا مجاز ہے کہ وہ اپنی جائداد (ملکیت وغیرہ) کو وقف کی نیت سے پیش کر دے یہ پیشکش زبانی بھی ہو سکتی ہے اور تحریری بھی۔ اس مقصد کے لئے کسی خاص نقشہ یا فارم کی خانہ پُری ضروری نہیں یہ بھی لازمی نہیں ہے کہ وقف کی دستاویز میں وقف کی اصطلاح استعمال کی جائے۔ وقف وصیت کے ذریعہ بھی عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ وصیت کے ذریعہ قائم کیا جانے والا وقف اس صورت میں بھی درست اور قانوناً صحیح ہوگا کہ اس میں کوئی ایسی شرط شامل کر دی جائے کہ وقف کے اعلان اور ترسیل کے بعد موصی کے ہاں اولاد ہونے کی صورت میں وقف ساقط تصور ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ

Marfat.com

اسلامی قانون کے تحت موصی اپنی وصیّت کو کسی وقت بھی منسوخ یا تبدیل کرنے کا حق رکھتا ہے اس لئے "واقف" اپنے وقف بالوصیّت کو بھی منسوخ یا تبدیل کرنے کا مجاز ہے۔ لیکن اس کے ساتھ "وقف بالوصیّت اور وصیّت بالوقف" کے درمیان فرق پیش نظر رکھنا ضروری ہے اول الذکر ایک ایسی وصیت ہے جس کے ذریعہ وقف کی جانے والی جائداد موصی کے انتقال کے بعد وقف کے منتظمہ متولی کے حوالہ کردی جاتی ہے جب کہ موخرالذکر ایک ایسی وصیت ہے جس کے ذریعہ وقف کی جانے والی جائداد موصیٰ الیہ کو اس ہدایت کے ساتھ حوالہ کی جاتی ہے کہ اعلان کے مطابق اس جائداد کو وقف میں تبدیل کر دیا جائے۔ تاہم غور سے دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ دونوں میں صرف صورتِ عمل یا اطلاق کا فرق ہے موخرالذکر صورت میں جائداد فوری طور پر وقف میں تبدیل نہیں ہوجاتی مگر اوّل الذکر میں اس کے برعکس ہوتا ہے یعنی جائداد فوری طور وقف میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

ایک مسلمان اپنی جائداد کو وقف کے طور پر پیش کرسکتا ہے لیکن ایسا وقف جو وصیّت کی بنیاد پر اور مرض الموت کے عالم میں کیا گیا ہو کل جائداد کے ایک تہائی سے زیادہ کے لئے، قانونی ورثاء کی مرضی کے بغیر نافذ العمل نہ ہوگا کیونکہ وصیت کے ذریعہ وقف یا وقف بالوصیّت ترکہ کی تقسیم سے جو خیراتی مقصد کے لئے مختص کی گئی ہو، زیادہ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس وقف کے لئے وہی حدود لازم ہونگی جو کسی فرد کیلئے ترکہ کی تقسیم کی وصیّت کے لئے مقرر کی گئی ہے۔

قاضی ابو یوسف کے مطابق زبانی وقف کسی جائیداد کے مالک کی طرف سے وقف یا ہبہ کے محض اعلان ہی سے مکمل ہوجاتا ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک وقف اس وقت تک نامکمل رہتا ہے جب تک اس جائداد کے مالک کی طرف سے وقف کے اعلان کے ساتھ متولی کا انتخاب نہ ہوجائے

Marfat.com

اور جائداد مذکورہ اس متولی کے حوالے نہ کر دی جائے۔ وقف کا قائم کرنے والا خود کو بطور متولی مقرر کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ جائداد کا مالک خود ہی وقف کا متولی بھی ہو جائداد کا فی الواقع منتقل کیا جانا ضروری نہیں ہے۔ اس شکل میں محض اعلان ہی وقف کی تکمیل کے لئے کافی ہے لیکن جہاں وقف کا اعلان نہ ہوا ور نہ ہی تحویل کی منتقلی ہو، وہاں محض یہ نیت یا ارادہ کافی نہیں ہے کہ فلاں جائداد خیراتی امور کے لئے وقف کر دی گئی ہے اس طرح وقف مکمل اور نافذ العمل نہ ہوگا۔

(۷) وقف میں ردّ وبدل

ایک واقف (وقف کرنے والا) اپنے وقف میں شامل فائدہ اٹھانے والوں کے حصوں کی تعداد یا مقدار میں رد وبدل کا اختیار رکھتا ہے بشرطیکہ اس نے وقف قائم کرتے وقت اپنے لئے یہ حق محفوظ کر لیا ہو اگر اس (واقف) نے اپنے لئے یہ حق محفوظ نہیں کیا ہے تو وہ اس وقف میں ردّ و بدل نہیں کر سکتا۔ کسی واقف کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ وقف میں سے کوئی جائداد یا کوئی حصہ واپس لے کر جائز مقصد کی بجائے کوئی غیر معقول اور ناقص مقصد شامل کر دے۔

(د) وقف جائداد کی منتقلی۔

ایک وقف شدہ جائداد کو کسی حالت میں بھی منتقل نہیں کیا جا سکتا سوائے اس حالت کے کہ وقف کی دستاویز میں اس کی وضاحت پہلے سے موجود ہو یا پھر اس مقصد کے لئے عدالت سے اجازت حاصل کر لی جائے۔ وقف کردہ جائداد کو متولی کی اپنی ذات کے خلاف عدالت کے کسی حکم

Marfat.com

(ڈگری) کے عوض قرق یا فروخت بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(ذ) وقف کی نوعیت

وقف نجی (پرائیوٹ) یا عوام (پبلک) کے استفادہ کی غرض سے قائم کیا جا سکتا ہے۔ اول الذکر سے مراد وہ وقف ہے جس سے واقف کا اپنا خاندان، بچے اور ان کی آئندہ نسلوں کے افراد متمتع ہو سکیں اور موخر الذکر سے مراد وہ وقف ہے جو عامۃ الناس کے مذہبی اور رفاہی امور کے لئے ہو۔ وقف ایک ہی وقت میں دونوں یعنی نجی اور عوامی مقاصد کیلئے بھی قائم کیا جا سکتا ہے۔

وقف میں متولی کے مشاہرہ (حق الخدمت) کا بھی اہتمام بھی کیا جا سکتا ہے خواہ یہ مشاہدہ ایک مقررہ رقم ہو یا وقف کی جائداد سے حاصل شدہ آمدنی اور اخراجات سے بچی ہوئی رقم کی صورت میں ہو۔

۱۴۔ وراثت

اسلامی نظام میں دولت اور جائداد کی تقسیم کا ایک اور طریقہ وراثت کے ذریعہ ہے۔ قبل از اسلام ایک دولت مند کے مرنے پر اس کی دولت اور دیگر اثاثہ کو متوفی کے ہمراہ قبر میں دفن کر دیا جاتا تھا جیسا کہ مصری تہذیب کے دور میں رواج تھا یا حکومت اس پر قبضہ کر لیتی تھی یا مرنے والے کا سب سے بڑا بیٹا ہی اپنے مرحوم والد کی تمام جائداد کا بلا شرکت غیرے وارث بن جاتا تھا۔ ملک عرب میں خصوصیت کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو کسی قسم کا حصہ وراثت میں نہ ملتا تھا۔ عرب کہا کرتے تھے کہ مستحق وارث وہی ہے جو نیزے کی ضرب لگائے۔ مہذب دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے قرآنی احکام کے ذریعہ وراثت کے وسیع

Marfat.com

اور عائلی فطری تقاضوں پر مبنی حقوق اس طرح متعین کئے کہ متوفی کے خاندان کا کوئی مستحق اور جائز وارث حق وراثت سے محروم نہ رہا۔ وراثت کے متعلق قرآن کا نافذ کردہ بنیادی اصول اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ جو مال ماں باپ اور رشتہ دار اپنی وراثت پر چھوڑ جائیں، تھوڑا ہو یا بہت، اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی یہ حصے خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں (نساء: ۷)۔

عربوں میں ایک اور دستور تھا کہ وہ آپس میں عہد و پیمان کر لیتے تھے جس کے ذریعہ وہ ایک دوسرے کی محافظت اور وراثت کا قول و قرار کر لیتے تھے۔ اور جب ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جاتا تو دوسرا شخص متوفی کی جائیداد کے چھٹے حصہ ۱/۶ کا وارث بن جاتا تھا۔ قرآن کریم نے اس غلط اور جائز وارثوں کے حقوق کو غصب کرنے والے رواج کی بھی ممانعت کر دی اور اس کی بجائے وراثت کے واضح اور فطری اصول پر مبنی احکام بیان کئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں اس کو حق داروں میں تقسیم کر دو کہ ہم نے ہر ایک کے حق دار مقرر کر دیئے ہیں۔ اور جن لوگوں سے تم عہد کر چکے ہو ان کو بھی ان کا حصہ دو (جائز حق ادا کرو) بے شک خدا ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ (نساء ۳۳)

چنانچہ اسلام ہی دنیا کا وہ منفرد دین ہے جس نے جائداد اور ملکیت کے منصفانہ اصول متعین کئے جن کے ذریعہ ہر متوفی (مرد یا عورت) کے والدین، بیٹے اور بیٹیاں، بہن اور بھائی زن و شوہر اور دیگر رشتہ داروں کے لئے متروکہ جائداد (وراثت) میں فطری اصول تناسب پر مبنی حصے مقرر کئے اور ان کے مابین تقسیم کے تناسب کی وضاحت کی۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو ارشاد

Marfat.com

فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصّہ دو لڑکیوں کے حصّے کے برابر ہے۔ اور اگر متوفی کی صرف لڑکیاں ہی ہوں یعنی دو یا دو سے زیادہ تو کل ترکہ میں ان کا دو تہائی۔ اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا حصّہ نصف۔ اور متوفی کے ماں باپ کا یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا ترکہ میں چھٹا حصہ بشرطیکہ متوفی کے اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو ایک تہائی، ماں کا حصہ، اور اگر متوفی کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصّہ۔ اور یہ تقسیم ترکہ متوفی کی وصیت کی تعمیل کے بعد جو مرنے نے کی ہو یا قرض کے ادا ہونے کے بعد جو اس کے ذمّہ ہو عمل میں آئیگی۔ تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں، بیٹوں اور پوتوں میں سے فائدہ کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے۔ یہ حصّے خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور خدا سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے (النساء: ۱۱)

اور جو مال تمھاری عورتیں (یعنی بیویاں) چھوڑ مریں۔ اگر ان کے اولاد نہ ہو تو اس میں نصف حصّہ تمھارا اور اگر اولاد ہو تو ترکہ میں تمھارا حصّہ چوتھائی۔ لیکن یہ تقسیم وصیت کی تعمیل کے بعد جو انھوں نے کی ہو یا قرض کے ادا ہونے کے بعد جو ان کے ذمہ ہو، کی جائے گی۔ اور جو مال تم (مرد) چھوڑ مریں، اگر تمھارے اولاد نہ ہو تو تمھاری عورتوں (یعنی بیویوں) کا اس میں چوتھا حصّہ۔ اور اگر اولاد ہو تو ان کا آٹھواں حصّہ۔ یہ حصّے تمھاری وصیت کی تعمیل کے بعد جو تم نے کی ہو اور ادائے قرض کے بعد تقسیم کئے جائیں گے۔ اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے نہ باپ ہو نہ بیٹا مگر اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصّہ۔ اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہونگے یہ حصے بھی بعد ادائے وصیت اور قرض کے بشرطیکہ ان میں سے متوفی نے کسی کا نقصان نہ کیا ہو۔ تقسیم کئے جائیں گے۔ یہ خدا کا فرمان

Marfat.com

ہے۔ اور خدا نہایت علم والا اور نہایت علم والا ہے (نسآء: ۱۲)

اے پیغمبرؐ لوگ تم سے کلالہ کے بارے میں حکم خداوندی دریافت کرتے ہیں تو کہدو کہ خدا کلالہ کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو اور نہ ماں باپ اور اس کے بہن ہو تو اس کو بھائی کے ترکہ میں سے آدھا حصہ ملیگا اور اگر بہن مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو تو اس کے تمام مال کا وارث بھائی ہوگا۔ اور اگر مرنے والے بھائی کی دو بہنیں ہوں تو دونوں کو بھائی کے ترکہ میں سے دو تہائی اور اگر بھائی اور بہن یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں تو مرد کا حصہ دونوں عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ یہ احکام خدا تم سے اس لئے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو۔ اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔ (نسآء ۱۷۶)

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے کسی مرنیوالے کی جائداد کی تقسیم کے بنیادی اصول بیان فرمائے ہیں کہ ترکہ کس حصہ تناسب سے متوفی یا متوفی کے والدین، اولاد، شوہر یا بیوی، اور دوسرے رشتہ داروں کے مابین تقسیم کیا جانا چاہیئے۔ قرآن کریم نے کسی مرحوم مسلمان کی جائداد (ترکہ) کی تقسیم سے قبل جن امور میں خرچ کرنے کی اجازت دی ہے، اُن کی ترتیب (اہمیت اور ہنگامی ضرورت کے لحاظ سے) اور طریقۂ کار کی بھی وضاحت کر دی ہے وہ لازمی مصارف اور ادائیگی کے امور یہ ہیں (ا) تجہیز و تکفین (ب) متوفی کے ذمہ قرض اور دیگر واجبات (ج) ہبہ بذریعہ وصیت جو کل جائداد کی مالیت کے ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو (د) باقی ماندہ جائداد متوفی کے ورثاء میں اس کے عقیدہ (دینی مسلک) کے مطابق طے شدہ قانون کے تحت تقسیم کر دی جائے۔

Marfat.com

تاہم اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر متوفی نے کوئی وصیت نہیں چھوڑی ہو تو اس کی کل جائداد، اور اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو تو کل جائداد کا دو تہائی حصہ، متوفی کی موت کے فوراً بعد اس کے ورثاء کو بطور حق وراثت تفویض ہو جاتا ہے۔ حق وراثت کی یہ تفویض محض اس وجہ سے معطل نہیں رکھی جا سکتی کہ متوفی کے ذمہ کچھ قرض کی ادائیگی باقی ہے۔ متوفی کے ورثاء کو اس بات کی آزادی ہے کہ متوفی کی موت کے بعد جب چاہیں اس کی جائداد کو آپس میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات کے بمصداق متوفی کے جن بارہ رشتہ داروں اور متعلقین کو حق وراثت کی اولیت حاصل ہے وہ باپ، سگا دادا، شوہر، بیوی، ماں، سگی دادی، بیٹی، بیٹے کی بیٹی، اخیافی بھائی (سگی ماں سے سوتیلے باپ کا بیٹا) اخیافی بہن (سگی ماں سے سوتیلے باپ کی بیٹی)، سگی بہن اور سوتیلی بہن (سگے باپ کی سوتیلی ماں سے بیٹی)۔ یہ بارہ قریبی ورثاء جن کے حصے خود قرآن نے متعین کر دئے ہیں شرعی اصطلاح میں "ذوالفروض" کہلاتے ہیں ان میں سے کچھ یعنی والد، سگا دادا، بیٹی، بیٹے کی بیٹی، سگی بہن اور سوتیلی بہن خاص حالات میں بحیثیت "ذوالفروض" نہیں بلکہ بحیثیت "عصبات" (یعنی وہ ورثاء جو ذوالفروض نہ ہونے کی صورت میں یا ان میں تقسیم کے بعد ورثہ بچ رہنے کی صورت میں حصہ پاتے ہیں) وراثت کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔

اگر "ذوالفروض" میں سے کوئی وارث زندہ نہ ہو یا ان میں تقسیم کے بعد ورثہ میں سے کچھ بچ رہے تو ورثہ کے حقدار دوسرے درجہ کے ورثاء یعنی "عصبات" ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر عصبات میں سے کوئی زندہ نہ ہو تو تیسرے درجہ کے ورثاء یعنی "ذوالارحام" حصہ پانے کے حقدار ہوتے ہیں وراثت کی تقسیم کا مسئلہ ایک وسیع اور عمیق مطالعہ کا متقاضی ہے

Marfat.com

چونکہ بوجوہ یہ کتاب اس تفصیلی گفتگو اور بحث کی متحمل نہیں ہو سکتی ہے اس لئے ان تفاصیل کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

۱۵۔ خلاصۂ بیان

یہ وہ مختلف طریقے ہیں جو اسلام نے دولت کو عام معاشرے کی زیادہ سے زیادہ بھلائی کے لئے گردش میں رکھنے کے لئے مقرر کئے ہیں۔ یہ بات ایک معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی محسوس کر سکتا ہے کہ جس معاشرہ میں دولت کو چند ہاتھوں میں جمع ہونے کی نوبت نہ آئے بلکہ اس کے برعکس وہی دولت آزادانہ اور وسیع پیمانہ پہ عام استفادہ کے لئے حرکت پذیر یا گردش میں رہے وہ معاشرہ کس قدر خوشحال اور فروغ پذیر ہوگا یہی خصوصیت اسلامی نظام مالیت کی ہے اور معاشرہ کے افراد کو محتاجی اور غربت سے حتی الامکان دور رکھنا اسلام کا طرۂ امتیاز ہے

اس گفتگو کو ختم کرنے سے پیشتر مناسب ہے کہ دورِ جدید کے چند بنیادی مسائل کا جائزہ لے کر اس ضمن میں پیدا ہونے والے سوالات کا اسلامی نقطۂ نظر سے تسلی بخش جواب پیش کر دیا جائے ان پیچیدہ اور بظاہر لاینحل مسائل میں بلا سود بنکاری، بلا سود قرضہ، اور محنت کا مناسب معاوضہ سرفہرست ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم ان مسائل کو با لترتیب پیش کر کے اسلام کے بنیادی اصولوں کی حدود میں سمجھنے کی کوشش کریں اور دیکھیں کہ اسلام کا نقطۂ نظر اس سلسلہ میں کیا ہے اور وہ موجودہ خامیوں اور خرابیوں کا کیا حل پیش کرتا ہے۔

۱۶۔ بلا سود بنکاری

کہا جاتا ہے کہ بنک اور بیمہ کمپنیوں کا کاروبار بنیادی طور پر

Marfat.com

سود کے ذریعہ چلتا ہے اور سود ہی اس نظام کے بقا و استحکام میں ریڑھ کی ہڈی کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ ماہرینِ معاشیات کا کہنا ہے کہ اگر سود کا نظام یکسر ختم کر دیا جائے تو دنیا کا تمام بنکاری کا نظام ٹھپ ہو جائیگا اور اور سارا کاروبار درہم برہم ہو کر رہ جائیگا۔ بظاہر تو ایسا ہی نظر آتا ہے لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ سودی نظام کے نتیجہ میں دولت چند افراد کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے اور عوام کو اس کا خمیازہ ناداری اور غربت کی شکل میں بھگتنا پڑتا ہے۔ دولت مند حضرات اپنا تقریباً تمام کاروبار بینک سے قرض لے کر چلاتے ہیں اور جتنا کثیر منافع اس کاروبار سے کماتے ہیں اس کے مقابلہ میں قرضہ کا سود برائے نام ادا کرتے ہیں۔ بینک جو رقم کاروباری حضرات کو فراہم کرتے ہیں وہ ان کی اپنی نہیں ہوتی بلکہ کھاتہ داروں کی جمع شدہ رقم ہوتی ہے مگر کھاتہ داروں کو سود کا بہت ہی معمولی حصہ ملتا ہے جسے ملمع سازی کی تہ میں منافع کا نام دے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بینک میں کثیر سرمایہ تو کھاتہ داروں کی جمع شدہ رقموں سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر اس کے ذریعہ چند بڑے بڑے صاحب اثر بیوپاری اور صنعت کار بے انتہا منافع کما کر اور زیادہ امیر ہو جاتے ہیں اور کھاتہ داروں کو محض برائے نام منافع یا سود پر ٹرخا دیا جاتا ہے گویا بینک اور بیوپاری دونوں کھاتہ داروں کے بل پر اپنا کاروبار چمکاتے ہیں اور بے اندازہ "منافع" کما کر تجوریاں بھرتے جاتے ہیں اور غریب کھاتہ دار اپنے ہی پروردہ سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر پڑا رہتا ہے۔ موجودہ بینکاری کا یہ ایک ایسا انسانیت سوز پہلو ہے جس کے ذریعہ عوام کا بدترین طریقہ پر استحصال کیا جاتا ہے اور زرِ کثیر صرف چند ہاتھوں ہی میں جمع ہوتا رہتا ہے۔

اسلام اپنے مالیاتی نظام کے ذریعے سود کے کاروبار کو یکسر ختم کر کے

Marfat.com

استحصال کی اس لعنت کو ہمیشہ کے لئے جڑ سے اکھاڑ پھینک دینا چاہتا ہے لیکن ایسی حالت میں جب کہ سودی کاروبار سارے جہان میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ سوال انتہائی اہمیت رکھتا ہے کہ سودکاری کے متبادل نظام کس طرح عمل میں لایا جائے تاکہ سود کی لعنت بھی ختم ہو جائے اور کاروبار اور صنعت و حرفت بھی متاثر ہوئے بغیر ترقی کر سکیں؟ اس سوال کا ایک سیدھا سادا جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان کے لئے جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مقابلہ میں دنیا کی ہر چیز ہیچ ہے، یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنے کے نتیجہ میں دنیا کا کوئی نظام درہم برہم ہو جائیگا۔ یا نہیں تاریخ گواہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کے ذریعہ سود کو حرام کر دیا تو اہل ایمان بلا چون و چرا اپنی دی ہوئی قرضوں کی رقموں پر سود کے حق سے دست بردار ہو گئے۔ انھوں نے اس سلسلہ میں ہر قسم کی ایسی تاویلات سے گریز کیا جن کے سہارے وہ احکامِ الٰہی کی من مانی تشریح و توضیح کر کے اپنے حقِ منافع پر اڑے رہتے اور آئندہ بھی اس پر اصرار کرتے اسی طرح جب شراب نوشی کی ممانعت کا حکم ہوا تو بلا نوشوں نے بھی یک لخت شراب سے ہاتھ کھینچ لیا اور ایک لمحہ کیلئے بھی تامل نہ کیا کہ یہ منہ سے لگی کافر کیسے چھوٹیگی! اور اگر چھوٹ بھی گئی تو ہمارا کیا حشر ہوگا!! اس کے علاوہ شراب کی خرید و فروخت کے ساتھ شراب کی کشید کا کاروبار بھی عام تھا جس پر کئی خاندانوں کا گذر بسر ہوتا تھا۔ اس وقت اطاعت گزاروں کے دلوں میں بھول کر بھی یہ گمان نہ گذرا کہ اس کاروبار کے بند ہو جانے کے بعد اُن کے بال بچوں کا کیا بنے گا؟ یہی کچھ حشر بتوں پر جان و مال قربان کرنے والوں کا ہوا کہ جب بُت پرستی سے اجتناب کا حکم ہوا تو انہی صنم پرستوں نے اپنے ہی ہاتھوں تراشے ہوئے قیمتی بُت تیشہ کی ضربوں سے پاش پاش

Marfat.com

کردیئے۔ اس کے بعد ان حق پرستوں میں سے کسی نے ان منہ کے بل گرے ہوئے بتوں کی طرف حقارت سے بھی دیکھنا گوارا نہ کیا اور یوں بت پرستی کا باطل عقیدہ اور رواج اپنے انجام کو پہنچا۔ چنانچہ اہل ایمان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا حکم ہر دنیاوی رواج یا مادی فوائد سے بالاتر ہے۔ یہ اسی اطاعت پذیری اور حق شناسی کا نتیجہ تھا کہ صدیوں سے مروّجہ غلط نظاموں کا قلع قمع ہو گیا لہٰذا اگر بالفرض سود کی لعنت کو ختم کرنے سے کوئی نظام تہ و بالا ہوتا ہے تو ہو۔ خدا کا حکم بہرحال جاری و ساری ہونا چاہیئے۔ یہ بہرحال زیر بحث مسئلہ کا ایک نظریاتی پہلو ہے۔ مگر عملاً بینک کا نظام جاری رکھنے کے لئے اور اس کی افادیت کو نقصان پہنچائے بغیر اسلام کی متعین کردہ حدود میں رہ کر بلا سودی نظام بھی جاری رکھا جا سکتا ہے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ بینک میں جمع (ڈپازٹ) کی جانے والی رقموں کو نفع و نقصان کی بنیاد پر قبول کیا جائے۔ اس کے لئے بینکوں کو لازم ہو گا کہ وہ ڈپازٹ کی رقموں کا مکمل حساب رکھیں اور ان رقموں سے جو سرمایہ کاری کی جائے اور ان پر جو نفع یا نقصان ہو اس کی تفصیل بھی صحیح طور پر محفوظ کی جائے۔ اس کے بعد اس نفع یا نقصان کو ہر فرد کی ڈپازٹ شدہ رقم کے تناسب سے اس کے کھاتہ (اکاؤنٹ) میں درج کر دیا جائے اس طریقۂ کار سے نہ صرف یہ کہ سود کی لعنت سے چھٹکارا مل جائیگا بلکہ اس استحصال کا بھی خاتمہ ہو جائیگا جس کے ذریعہ بڑے بڑے سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرتے ہیں اور چھوٹے کھاتہ داروں کو برائے نام "منافع" دے کر اپنی دولت میں مسلسل اضافہ کئے جاتے ہیں۔ نفع و نقصان کی بنیاد پر قائم شدہ بلا سود بنکاری کا نظام، استحصال و زر پرستی پر مبنی سرمایہ داری کی بیخ کنی کر دے گا۔

Marfat.com

لیکن اس کے ساتھ اس بات کی بھی ضمانت دی جانی ضروری ہے
بینک میں جمع شدہ کرنٹ اکاؤنٹ کی رقم کسی حالت میں بھی سرمایہ کا
اور نفع و نقصان کے مقصد میں استعمال نہیں کی جائے گی۔ کرنٹ اکاؤ
میں جمع شدہ رقم محض امانت کے طور پر بینک میں محفوظ رہے گی۔ او
اکاؤنٹ ہولڈر (کھاتہ دار) اپنی مرضی سے اس میں سے رقم نکال یا جمع
کر سکیں گے تاہم بینک اس کے مجاز ہوں گے کہ وہ کرنٹ اکاؤنٹ کا
حساب کتاب ٹھیک رکھنے یا ایک اکاؤنٹ سے دوسرے اکاؤنٹ میں
جمع کرنے یا کسی اور مقام پر منتقل کرنے کے عوض مناسب شرح سے
کچھ رقم بطور حق الخدمت وصول کر لیں۔

جہاں تک بیمہ کمپنیوں کا تعلق ہے ان کا معاملہ قدرے مختلف
ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بیمہ کا کاروبار ہی اسلامی تعلیمات کی روح کے منافی
ہے۔ یہ ایک ایسا کاروبار ہے جس میں متصوّرہ خطرات و حادثات کا
تحفظ معمولی رقوم کی ادائیگیوں کے بدلے کیا جاتا ہے اور حادثات کے
وقوع پذیر ہو جانے کی صورت میں بعض اوقات بالکل ہی معمولی ادائیگی
کے بدلے بڑی رقوم وصول کی جاتی ہیں یہ دراصل ایک قسم کا جُوا ہے۔
تاہم اگر جمع شدہ سرمایہ سے سرمایہ کاری یا قرضہ کا لین دین مقصود ہو
تو اُس کو سُود کی بجائے نفع نقصان کی بنیاد پر اختیار کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح وہ رقمیں جو انعامی بانڈ، سیونگ سرٹیفکیٹ وغیرہ
سے حاصل ہوں اور ان سے سرمایہ کاری مقصود ہو تو اس سرمایہ کو بھی
نفع نقصان کی بنیاد پر استعمال کرنے سے اس میدان میں بھی سُودی نظام
سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ بچت کی اسکیموں میں عموماً جمع شدہ
رقم پر مقررہ شرح سے منافع تقسیم کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی جمع کی ہوئی
رقموں کے تحفظ کی ضمانت بھی دی جاتی ہے یہ بھی ایک طرح کا سُودی

Marfat.com

کاروبار ہے اور اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

جوا، سٹہ، لاٹری، وغیرہ اندوزی، چور بازاری، ریس وغیرہ تمام ایسی سماجی برائیاں ہیں جن کے ذریعہ صرف چند شاطر لوگ ہی اندھا دھند (اور ناجائز طریقہ سے) نفع کماتے ہیں اور تقریباً پورا کا پورا معاشرہ ان کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو کر نقصان اور اذیت برداشت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہزاروں لوگ لاٹریوں، گھوڑ دوڑ (ریس) اور معمہ بازی میں بڑی رقمیں لگاتے ہیں مگر انعامات صرف ایک یا چند خوش نصیب افراد کے نام ہی نکلتا ہے اور بقیہ کف افسوس ملتے رہ جاتے ہیں۔ ان تمام طریقوں سے دولت صرف چند افراد کے پاس جمع ہو جاتی ہے جب کہ عوام کی اکثریت اس فیض سے محروم ہی رہتی ہے جہاں تک سٹہ کا تعلق ہے اس سے بازار کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کے زبردست اثرات رونما ہوتے ہیں۔ سٹہ میں مال کی خرید و فروخت محض ظن و قیاس (SPECULATION) کی بنیاد پر ہوتی ہے جس سے ان اشیاء کی قیمتیں متاثر ہوتی ہیں حالانکہ مال بازار تک پہنچنے بھی نہیں پاتا تخمینی خرید و فروخت کی اس کثرت سے قیمتیں کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہیں اور بالآخر عامۃ الناس (پبلک) کو صارفین کی صورت میں ناقابلِ برداشت بوجھ کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ اسلام میں ایسی تمام تجارت اور کاروبار ممنوع ہے جس میں قیمت کا تعین کرتے وقت مال خریدار کے سامنے نہ ہو۔ بالفاظ دیگر تمام غائبانہ اور ظن و تخمینیں پر مبنی کاروبار کی اسلام قطعی اجازت نہیں دیتا کیونکہ اس کا نقصان آخر کار غریب عوام کو ہی برداشت کرنا پڑتا ہے۔

Marfat.com

۱۷۔ قرضہ جات

قرضے عام طور پر تجارتی کاروبار یا مکانات کی تعمیر یا خریداری وغیرہ کے لئے دئے جاتے ہیں۔ حکومت اس مقصد کے لئے مختلف اداروں کو جنہیں عموماً کارپوریشن کا نام دیا جاتا ہے تشکیل دیتی ہے اور یہی ادارے ضرورت مندوں کو سود پر قرضہ مہیا کرتے ہیں۔ اسلام میں چونکہ سود کا لین دین حرام ہے چنانچہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ قرضے جو سود پر دئے جاتے ہیں، جائز اور مستحسن نہیں ہیں جس بات کی اسلام میں اجازت ہے وہ نفع نقصان کی بنیاد پر کاروبار یا لین دین ہے لہذا اسلامی نقطہ نظر سے ایسے کاروبار یا لین دین کی اجازت نہیں جس میں کوئی شخص پہلے سے طے شدہ نفع کی بنیاد پر سرمایہ لگائے اور اس کو نقصان کا خطرہ نہ ہو کیونکہ یہ بھی سود ہی کی ایک مختلف صورت ہے۔

تعمیر مکان کے لئے جو قرضے دیے جاتے ہیں، اُن کے طریق کار میں بھی تبدیلی ممکن ہے جس سے سود کا تعلق ختم ہو سکتا ہے چنانچہ اس کام کو سود کی بنیاد پر کرنے کے بجائے خرید و فروخت کی بنیاد پر چلایا جا سکتا ہے اس کا طریق کار یہ ہو کہ قرض دینے والا ادارہ مجوزہ مکان کی تکمیل کے بعد اُس کی قیمت خرید و فروخت کا تخمینہ لگائے جس میں زمین کی قیمت تعمیرات کا خرچ اور متوقع منافع وغیرہ شامل ہو۔ اس طرح جو رقم مکان متعلقہ کی قیمت کے طور پر لگائی جائے۔ اس کی ماہانہ قسطوں میں وصولیابی کی ضمانت رہن کی صورت میں قرضہ لینے والے سے حاصل کر لی جائے اس طرح مکان کی قیمت قرضہ دینے والے ادارہ کو ماہانہ قسطوں کی شکل میں ادا ہو جائیگی اور قانونی طور پر یہ مکان کی خرید و فروخت

Marfat.com

کا معاملہ ہوگا۔ گویا ادارۂ مذکورہ نے یہ مکان قرضہ لینے والے کو براہِ راست فروخت کر دیا ہو جس کی قیمت کی بازیابی طے شدہ طریق کار کے مطابق عمل میں آئے گی۔

اس کے علاوہ وقتی ضرورت کے تحت دیئے جانے والے قرضوں پر سود لینا انسانی ہمدردی کے منافی ہے۔ قرآنِ کریم نے ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی امداد اور حاجت روائی کی جو ترغیب دی ہے۔ اس میں یہ حقیقت مضمر ہے کہ بندگانِ خدا کا یہ باہمی اشتراک و التفات خدا کی خوشنودی کا وسیلہ بنے جس میں نفع خوری یا ذاتی اغراض کو دخل نہ ہو قرض دینے والے پر لازم ہے کہ وہ انسانی ہمدردی کی بنا پر مقروض کو ادائے قرض کی مہلت دے اور اگر معاف کر دے تو یہ اور بھی بہتر ہے۔

۱۸۔ محنت کا عوض (معاوضہ)

بلاشبہ مزدوروں کا مسئلہ بھی موجودہ زمانہ کے اہم ترین اور پیچیدہ مسائل میں سے ایک ہے۔ اس مسئلہ کا ایک حل اشتراکی نظریہ (کمیونزم) نے پیش کیا ہے جس کی بنیاد اس منطقی استدلال پر رکھی گئی ہے کہ محنت ہی ملک کی پیداوار اور حصولِ دولت کا سرچشمہ ہے۔ لہٰذا مزدوروں کے مفاد اور انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ ملک کے ذرائع پیداوار اور تمام صنعتوں پر حکومت کو حق ملکیت (کنٹرول) حاصل ہو اور حکومت براہِ راست اپنی نگرانی میں اور اپنے نافذ کردہ احکامات کی روشنی میں ملک کے افراد کی ذہنی صلاحیت اور جسمانی توانائی بروئے کار لائے اور اس کے عوض اُن کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کرے۔ یعنی روٹی، کپڑا اور مکان کی فراہمی کی ذمہ دار ہو اس کے علاوہ افراد کا اپنے طور پر ملک کی صنعت اور صنعتی ترقی اور اس سے حاصل ہونے

Marfat.com

دالی دولت سے کوئی سروکار نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی استحصال ایک مکروہ شکل ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو اشتراکی نظریہ محنت اور معاوضہ نے مسئلہ کو سلجھانے کی بجائے اور الجھا دیا ہے۔ ایک طرف تو اس نظامِ معیشت نے کارخانہ کے مالکان کو حقِ ملکیت سے یکسر محروم کر دیا ہے اور دوسری طرف مزدوروں کو محض مشین کے پرزے بنا کر رکھ دیا ہے۔ درحقیقت یہ نظامِ معیشت انسانیت کے دامن پر بدنما داغ ہے جس سے انسانیت اور انسانیت کے مقاصد کی تذلیل ہوتی ہے۔

یہ تکلیف دہ صورتِ حال اس لئے رونما ہوئی ہے کہ مشینوں اور خام اشیاء کی درآمد کی اجارہ داری اور ملکی صنعت میں سرمایہ کاری کا استحقاق صرف چند افراد کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس اگر لائسنسوں کی آزادانہ تقسیم، کھلا مقابلہ اور باصلاحیت افراد کو مساویانہ مواقع کی فراہمی کا اصول اختیار کر لیا جاتا تو دولت کے چند ہاتھوں میں جمع ہونے کا امکان بھی ختم ہو جاتا اور اقتدار و اختیار کے ناجائز استعمال کی گنجائش بھی نہیں رہتی۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ملک کی دولت اور وسائل پر صرف چند بااثر شخصیتوں کا غلبہ ہو۔ چنانچہ اسلام تمام دانشمند اور متوازن مزاج کے حامل افراد کیلئے آزادانہ میل جول، باہمی تعاون اور مساویانہ مسابقت کا حق تسلیم کرتا ہے تاکہ وہ سب اپنے اشتراک و اتحادِ عمل سے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بہترین طریقہ پر بروئے کار لا کر عام معاشرہ کی بھلائی اور خوش حالی کا سامان پیدا کریں اور خود بھی ان نعمتوں سے مستفیض ہوں۔

صنعتی تنظیم کے تجزیہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی ملک یا معاشرہ کی پیداواری صلاحیت کے فروغ کا دارومدار بنیادی طور پر تین عوامل پر ہے یعنی محنت، سرمایہ کاری اور منصوبہ بندی۔ جب یہ

Marfat.com

تینوں عوامل متحد ہو کر روبعمل ہوتے ہیں تو ان کی مجموعی کارکردگی کا نتیجہ پیداوار کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صرف محنت ہی پیداوار کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ محنت ان تین مذکورہ عوامل میں سے ایک ہے اور اگرچہ محنت کی اپنی اہمیت ہے مگر دوسرے دونوں عوامل یعنی سرمایہ کاری اور منصوبہ بندی بھی کم اہم نہیں بلکہ اگر یہ عوامل موجود نہ ہوں تو محنت کے بروئے کار لانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا اور اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو ان دوسرے دونوں عوامل میں سے بھی زیادہ اہمیت منصوبہ بندی کو حاصل ہے۔ منصوبہ بندی کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ہی سرمایہ کاری اور محنت کا صحیح مقام اور استعمال متعین کیا جا سکتا ہے لہذا اگر یہ تصور کر لیا جائے کہ پیداوار کا سارا دارومدار صرف محنت ہی پر ہے تو یہ انسانی دل و دماغ پر ایک طرح کا ظلم ہوگا۔ جو دولت اور پیداوار کا اصلی سرچشمہ ہیں اور جن کی منصوبہ بندی کے بغیر کارخانہ کا قیام ممکن نہیں اور نہ ہی کوئی کاروبار حقیقی معنوں میں چل سکتا ہے۔ اشتراکی نظریہ کی بنیادی خامی یہی ہے کہ اس میں محنت کے مقابلہ میں سرمایہ کاری اور منصوبہ بندی کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس نظریہ میں تمام تر اہمیت محنت کو دی گئی ہے بالفاظ دیگر اشتراکیت کے نزدیک دولت کی پیداوار کا اصلی بلکہ واحد ذریعہ صرف محنت ہے اس طرح مالیاتی اور ذہنی عوامل کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے جس سے ملک میں ایک طرح کی بے چینی اور بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے جو پہلے پہل تو زیرِ سطح پرورش پاتی ہے مگر اس کے بعد ایک ایسا بھی وقت آتا ہے کہ دل و دماغ میں پکنے والا یہی لاوا خونین انقلاب کے آتش فشاں کی صورت میں پھٹ پڑتا ہے اور سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے احکام پر قائم ہے

Marfat.com

اس کے تمام اصول اور ارکان قانونِ فطرت سے ہم آہنگ ہیں۔ اسلام نے ہر میدان عمل میں نظم اور توازن برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ معیشت کے اہم میدان میں بھی اسلام نے محنت، سرمایہ کاری اور منصوبہ بندی میں توازن اور ہم آہنگی کو پیش نظر رکھا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ فطری تقاضوں کے مطابق انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ محنت کے مسائل کا حل محض ملک کی تمام صنعتوں اور ذرائع پیداوار کو قومیانے میں موجود نہیں ہے۔ قومیانہ (NATIONALISATION) ایسا اقدام ہے جس کے ذریعہ ملک کی صنعت اصل مالکوں کی تحویل اور زیر اثر رہنے کی بجائے چند سرکاری ملازمین کے قبضہ و اختیار میں چلی جاتی ہے۔ سرکاری ملازمین کارخانوں کو مراعات یافتہ افسران کے طور پر چلاتے ہیں ان کے دل و دماغ میں نجی مالکوں کی ذمہ داری کا احساس اور لگن نہیں ہوتی۔ انھیں صرف حکومت کے بنائے ہوتے قانون پر عمل کرنا ہوتا ہے وہ اپنی ذہانت اور صلاحیت کے آزادانہ استعمال سے کارخانہ کی کارکردگی کا معیار بڑھانے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ان حالات میں ان افسرانِ مجاز کی ذاتی دلچسپی بھی کم اور بعض اوقات ختم ہو جاتی ہے۔ یہ افسر بھی مزدوروں کی طرح صرف معینہ اوقاتِ کار تک ہی اپنی مصروفیت ضروری سمجھتے ہیں ان کے پاس اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے ضمیر پر مبنی انہماک اور سچی وابستگی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی جو پیداوار کو بروئے کار لانے اور کاروبار کو فروغ دینے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ اس ذمہ داری کو تو وہی شخص نبھا سکتا ہے جس کا اس صنعت یا کاروبار پر حق ملکیت تسلیم کیا گیا ہو اور جو ذمہ داری کے ساتھ اس کے فروغ میں دلچسپی بھی رکھتا ہو۔ چنانچہ اس مسئلہ کا صحیح اور منصفانہ حل یہ ہے کہ مزدوروں کو ان کی ضرورت اور کارکردگی کے معیار اور مقدار کی

Marfat.com

نسبت سے اُجرت دی جائے اور یہ اصول ہمیشہ پیش نظر رہے کہ محنت میں عظمت ہے تاکہ مزدوروں کو معاشرہ میں باعزت مقام دینے میں کسی کو تامل نہ ہو۔ مزدوروں کو کارخانوں کی ملکیت میں حصہ دار بنایا جائے اور اس کا طریق کار یہ ہو کہ تمام حالات کا جائزہ لے کر اُن کے نام پر بونس حصص (BONUS SHARES) جاری کئے جائیں۔ اس طرح اُن کے دل میں کارخانہ کا تحفظ اور پیداوار کے اعلیٰ معیار کی اہمیت بڑھ جائیگی اور مزدوروں اور مالکان کے درمیان آئے دن کی چپقلش سے نجات مل جائیگی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ کارخانہ کے مالک (آجر) اور مزدوروں کی حیثیتیں اپنی اپنی جگہ رکھی جائیں یعنی دونوں عناصر لازم و ملزوم بھی ہوں اور رتبہ کے لحاظ سے اُن کے مابین مقدم و موخر یا حاکم و محکوم کا امتیاز بھی قائم رہے صرف اسی طریقہ سے ان دونوں طبقوں کے درمیان باہمی تعاون کی خوشگوار فضا قائم رہ سکتی ہے اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔ کارخانہ کی کارکردگی میں مزدور کا حصہ صرف، محنت ہے اور مالک یا آجر کی ذمہ داری نہ صرف پیداوار اور مزدور کے مفاد کی اعلیٰ منصوبہ بندی ہے بلکہ سرمایہ کاری بھی اسی کا ذمہ ہے۔ یہ فرق نہایت واضح ہے اور اس کو صحیح طور پر ذہن نشین کرنا ضروری ہے تاکہ غلط فہمی کا امکان نہ رہے چنانچہ اس اصول پر عمل کر کے ہی مزدوروں کی مناسب اجرت اور کارخانہ دار کے جائز منافع کی ضمانت دی جا سکتی ہے اور ان دونوں کے مفاد کے درمیان ٹکراؤ کے خدشات دُور کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں یہ بتلا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مزدوروں اور آجروں کے درمیان بنیادی امتیازی فرق کمیونسٹ ممالک میں بھی پایا جاتا ہے بلکہ کمیونسٹ مملکت میں حکومت اپنے مقرر کردہ افسروں کی وساطت سے خود آجر یا مالک کا رول (کردار) ادا کرتی ہے اور مزدور اسی طرح اپنی حیثیت میں محض مزدور ہی رہتا ہے اور چونکہ پیشہ کا انتخاب

Marfat.com

اور ضروریاتِ زندگی مثلاً خوراک و پوشاک و رہائش کا انتظام بھی خود حکومت کرتی ہے جس میں مزدوروں کو چون وچرا کی مطلق اجازت نہیں ہوتی، اسلئے ان دونوں گروہوں کے درمیان عدل وانصاف کے تقاضے باعزت طریقہ پر پورے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

استحصال کے خاتمہ کے لئے فری لائسننگ سسٹم (FREE LICESING SYSTEM) (یا اجرائے لائسنس کا آزادانہ طریق کار) اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ مارکیٹ میں مسابقت کا رجحان برقرار رہے۔ اس طرح اشیاء کی قیمتیں مناسب سطح پر رکھنا بھی ممکن ہوجائیگا اور اس کے ساتھ اشیائے صَرف کا معیار اور ان کی مقدار دونوں اعلیٰ پایہ کے ہوں گے۔ صنعتوں اور کارخانوں کے حصص (SHARES) صرف چند دولت مند لوگوں کے قبضہ میں نہیں رہنے چاہئیں بلکہ اس کے برعکس ہر شخص کو اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق جتنے چاہے حصص خرید سکے۔ اس طرح سے منافع بجائے چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جانے کے وسیع ترپیمانہ پر تقسیم ہوجائیگا اور دولت پر چند خاندانوں کا تسلط بھی ختم ہوجائیگا

جہاں تک کاشتکاروں کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں حکومت کا فرض ہے کہ زیرِ کاشت زمینیں زیادہ سے زیادہ مقررہ حدود کے اندر اور طے شدہ پالیسی کے تحت کاشتکاروں میں تقسیم کردے تاکہ ہر کاشتکار اپنی حاصل کردہ زمین پر مالکانہ حقوق سے سرفراز ہوکر زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر پیداوار کو اپنی قومی اور معاشی ذمہ داری سمجھے اور ملکی دولت میں اضافہ کرے زمینداروں اور کاشتکاروں کے تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے کاشتکاروں کو پیداوار میں حصہ دار بنانے کے بجائے انہیں ان کی محنت کا عوض اجرت یا مزدوری کی شکل میں دیا جائے تاکہ غریب کاشتکار کو "ڈھل" (DHAL) اور دوسرے واجبات کی ادائیگی کے بوجھ سے چھٹکارا مل جائے۔

Marfat.com

اور اُسے یہ بھی اندیشہ نہ رہے کہ پیداوار کی کمی یا فقدان کی صورت میں اُسے بھوکا مرنا پڑیگا۔ کاشتکاروں کو بلا سود ی قرضہ کی سہولت کے ساتھ زراعت کے لئے ضروری مادی وسائل مثلاً اعلیٰ قسم کے بیج کھاد اور مشینی آلات وغیرہ بھی مہیا کئے جانے چاہئیں اگر ان چیزوں کی فراہمی مفت ممکن نہ ہو تو ان کے لئے آسان شرائط پر قرض کا انتظام کرنا چاہیئے۔

۱۸۔ قومیانا ۔ تحویل بالحکم اور تحصیل بالطلب

(ACQUISITION)-(REQUISITION)-(NATIONALISATION)

حکومت کو اختیار ہے کہ قوم کے مفاد کے پیشِ نظر کسی نجی ملکیت کو قومی ملکیت بنائے اس عمل کو نیشنلائزیشن (NATIONALISATION) یا قومیانا کہتے ہیں لیکن اسلامی اصولوں کے مطابق حکومت ایسا کوئی قدم معاوضہ کی بنیاد پر ہی اُٹھا سکتی ہے۔ یہ بات قرآنی آیات کے حوالے سے پہلے ہی واضح کیجا چکی ہے کہ اسلام کسی فرد کی نجی ملکیت پر جبراً یا غیر قانونی یا غیر اخلاقی طریقہ پر قبضہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا اسلام ایسے اقدامات کی نہ صرف مذمت کرتا ہے بلکہ اسلام نے ایسے تمام دروازے قطعی طور پر عملاً بند کر دیئے ہیں جن کے ذریعہ کسی فرد کو اس کی نجی ملکیت یا اثاثہ سے دھمکی کے ساتھ، جبراً یا کسی اور غیر قانونی طریقہ سے محروم کر دیا جائے اس مقصد کے لئے صرف آزادانہ سوداکاری کا دروازہ کھلا ہے تاکہ جائداد ملکیت یا اثاثہ کے نقل و حصول سے پہلے شرائط طے کر لی جائیں اور دونوں فریق کسی باہمی سمجھوتہ پر متفق ہو جائیں اور طے شدہ قیمت ادا کر دیجائے۔

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے ایک قطعۂ زمین کی ضرورت ہوئی تو سب سے پہلے منتخب کردہ قطعۂ زمین کی قیمت باہمی رضامندی سے طے کی گئی اور

Marfat.com

طے شدہ قیمت فوراً ادا کر دی گئی۔ اس کے بعد ہی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قطعۂ زمین پر مسجد کی تعمیر کا کام شروع کیا۔

جائداد سے قطع نظر، اسلام نے اس چیز کو بھی گوارا نہ کیا کہ غلامی کے خاتمہ کے لئے غلاموں کو آقاؤں کی تحویل سے جبراً چھین کر آزاد کر دیا جائے۔ اسلام دین فطرت ہونے کی بناء پر انسان کی فطری آزادی کو شرف انسانیت کا معیار قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک غلامی کا طوق انسانیت کی تذلیل کی علامت ہے لیکن اس کے باوجود جب بھی غلاموں کو آزاد کرنے کی ضرورت پیش آئی تو سب سے پہلے معاوضہ یا بدل کی شرائط طے کی گئیں اور طے شدہ رقم ادا کرنے کے بعد غلاموں کو آزاد کیا گیا اس کے علاوہ کبیرہ گناہوں کی پاداش میں بطور کفارہ اور طلب عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے بھی برضا و رغبت غلاموں کو آزاد کیا گیا۔

چنانچہ آزادانہ سوداکاری کے مہذب اور خوش دلانہ اقدام کے علاوہ کسی اور طریقہ سے جائداد کا حصول اور اس پر حکماً قبضہ صرف کمیونسٹ، سوشلسٹ یا اسی قسم کے کسی اور استحصالی نظام کے تحت تو ممکن ہے مگر اسلامی نظام معیشت میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔۔ قومیانا، تحویل بالحکم اور تحویل بالطلب جیسی اصطلاحات کے بھیس میں عدل و انصاف سے تجاوز کر کے کسی دوسرے کی ملکیت پر قبضہ کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کے نزدیک ایسے تمام اقدامات روز قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور قابل مواخذہ ہوں گے۔ اس روز اصطلاحی موشگافیاں جبر و استحصال کی سیاہ کاریوں کو چھپا نہ سکیں گی۔

Marfat.com

۲۰۔ مالیات پر اختتامی معروضات

اس موضوع پر اتنی وضاحت اور شرح و بسط کے ساتھ گفتگو کے بعد جی چاہتا ہے کہ اس بات کی بھی نشاندہی کر دی جائے کہ مالیات کے میدان میں عامۃ الناس کی مشکلات کا اصلی سبب کیا ہے۔ ہم موجودہ اقتصادی بے چینیوں کو دو باتوں کا منطقی نتیجہ قرار دے سکتے ہیں۔ اول یہ کہ ذخیرہ اندوزی چور بازاری (بلیک مارکیٹنگ) اور چند بااثر لوگوں کے ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز اور زیردستوں کے استحصال سے اشیاء صرف کی قیمتیں تناسب سے کہیں زیادہ اونچی ہو جاتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب عوام اپنی روزمرہ کی ضروریات تک پوری نہیں کر سکتے ہیں اور وہ روٹی، کپڑا اور مکان جیسی بنیادی ضرورتوں کے ساتھ طبی امداد کو بھی ترستے رہتے ہیں۔ اس مسئلہ کا حل اسلامی نقطۂ نگاہ سے یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ تجارت اور دوسرے کاروبار کو نہ صرف غیر ضروری بندشوں سے آزاد رکھا جائے بلکہ ان میں صحت مندانہ مسابقت (مقابلہ) کی ہمت افزائی بھی کی جائے، جبر و استحصال کا خاتمہ، طبی ضروریات مفت یا سستے داموں مہیا کی جائیں، مزدوروں اور دیگر ملازموں کی اجرت اور تنخواہ ان کی ضرورتوں کے مطابق ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زکوٰۃ کی وصولیابی اور تقسیم کا کام حکومت کی نگرانی میں ہو۔

دوم یہ کہ بدکاری اور بداخلاقی کے تمام ذرائع مثلاً سینما، کلب، شراب خانے قمار خانے، سٹہ بازی، رقص و سرود اور عصمت فروشی کے اڈے یکسر ختم کر دیے جائیں۔ اس لئے کہ یہ ایک طرف تو لوگوں کے اخلاق کو بگاڑ دیتے ہیں اور دوسری طرف انکی جیبوں کو بھی خالی کر دیتے ہیں۔ دن بہ دن تعلقات ...

Marfat.com

محنت کے بعد زائل شدہ توانائی کو بحال کرنے اور دل و دماغ کو تازگی بخشنے کے لئے تفریحی مشاغل بلاشبہ ضروری ہیں مگر اس مقصد کیلئے ان اخلاق کش محرکات میں ملوث ہونے کی بجائے دوسرے صحت مند ذرائع کیوں نہ استعمال کئے جائیں۔ مثال کے طور پر کھلی فضا اور اندرون خانہ کھیل ادبی مجالس، باغوں، اور پارکوں میں چہل قدمی اور خوش خرامی، قانونی حدود میں حلال جانوروں اور مچھلیوں کا شکار، پکنک، آرام اور ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادات میں مشغولیت وغیرہ۔

اس میں شک نہیں کہ ہر معاشرہ میں کچھ افراد ایسے ضرور پائے جاتے ہیں جو شیطان کی پیروی اور اخلاقی کجروی کو ہی اپنی زندگی کا شعار بنا لیتے ہیں۔ فخر محسوس کرتے ہیں لیکن محض اس بنا پر کہ کچھ لوگ شراب پینا بداخلاقیوں کا ارتکاب کرنا، فحش فلمیں دیکھنا یا رقص و سرود سے دل بہلانا پسند کرتے ہیں پورے معاشرے کو کلب گھر یا سینما ہال میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

بہتر امن، ارتقاء اور بلندیٔ اخلاق کا تقاضا ہے کہ زندگی کی اعلیٰ اقدار کو بہرحال پست اقدار کے مقابلہ میں بلند و بالا ہی رکھا جائے چنانچہ معاشرہ کو چند بدکار لوگوں کے مضر اثرات سے اور عوام کو نچلی سطح کی خواہشات سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ لازم ہے کہ لوگوں کو ابتداء میں تعزیراتی اقدام کی بہ نسبت ترغیبات اور ناصحانہ انداز کے ذریعہ شائستہ زندگی بسر کرنے پر ابھارا جائے۔ لیکن اگر خدانخواستہ یہ ترغیب و نصیحت کارگر نہ ہو تو اس صورت میں ایسے تعزیراتی قوانین کو تشکیل دینے اور ان پر سختی سے عمل کرانے میں پس و پیش نہ کیا جائے جن سے اخلاقی کج راہی کی روک تھام کی جا سکے۔ کیونکہ یہ کلیہ ہے کہ خطرناک بیماریوں کا علاج بھی خطرناک ہی ہوتا ہے۔

شائستہ اور فروغ پذیر زندگی کا تقاضا ہے کہ معاشرہ کا اخلاقی ڈھانچہ محفوظ و مستحکم رہے۔ اور اگر اس میں کہیں دراڑ پڑ جائے یا اس کا کوئی پہلو

Marfat.com

ستہ ہونے لگے تو اس عمارت کو زمین بوس ہونے سے بچانے کے لئے
فوری مرمت میں بالکل تاخیر نہ کی جائے اور اگر خستگی مرمت کے
مرحلہ سے بھی تجاوز کر جائے تو اس ناقابلِ مرمت حصہ کو بلا پس و پیش
ہٹا دیا جائے۔ یہی فطرت کی استوار پسندی اور امن و طمانیت کا تقاضا
ہے اور یہی وہ بنیادی مقصد ہے جس کے لئے اسلام سرگرمِ عمل ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

کتاب پنجم

سیاسیات

مشتملات

عام تعارف، مقصدِ حکومت

طرزِ حکومت تشکیل حکومت

Marfat.com

Marfat.com

باب اوّل

علم تعارف

سیاسیات کا تعلق کسی بھی مملکت یا ریاست میں قائم کیجانیوالی حکومت کے مقصد، طرزِ حکومت اور حکومت کی تشکیل سے ہوتا ہے۔ سیاسیات پر مبنی نظریات کا ایک وسیع دائرہ ہے جس میں یونانی یا رومی اور دیگر مغربی مفکرین کے نظریات بھی شامل ہیں ان نظریات کا تمام تر تعلق مملکت کے بنیادی تقاضوں سے ہے۔ مگر جب ہم اسلامی نقطہ نظر سے سیاسیات کی بات کرتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے کیونکہ حقیقت میں یہی وہ واحد الہامی کتاب ہے جو تمام دینی اور دنیاوی امور و علوم کا سرچشمہ ہے اور اس کی ہدایت کے بغیر ہم زندگی میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ ہم اس سلسلہ میں قرآن کریم کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے بھی کرنا چاہتے ہیں کہ ہم مملکت کے مقصد اس کی طرز اور اور اس کی تشکیل کے متعلق اسلامی احکامات و نظریات سے روشناس ہوں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ جب ہم سیاسیات (یا کسی بھی موضوع) پر اسلام کا نقطۂ نظر معلوم کرنا چاہیں تو ہمیں خلوصِ نیت کے ساتھ قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ ہمیں قطعاً اس بات سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے کہ

Marfat.com

اس باب میں غیر مسلم مفکرین کیا کہتے ہیں۔ البتہ تقابلی مطالعہ کے لئے یا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکامات انسان کی رہنمائی کیلئے نازل فرماتے ہیں اُن کے پسِ پردہ کیا دلائل اور جواز پوشیدہ ہیں اگر ہم مادی یا غیر اسلامی نظریات پر بھی نگاہ ڈال لیں تو کوئی حرج کی بات نہیں بلکہ اس طرزِ مطالعہ سے اسلامی احکام کی صداقت اور ہمہ گیری کا براہِ راست مزید ثبوت مل جائیگا اور یہ معلوم ہو جائیگا کہ انسانی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والے یعنی نظام مملکت یا انتظام حکومت کے میدان میں اسلامی نظریات، مادی نظریات و کلیات کے ماہرین کی آراء کے مقابلہ میں کتنے ارفع، اعلیٰ اور سہل العمل ہیں اور قانونِ فطرت کے کتنے قریب ہیں۔ اس امر کے جواز کے لئے دور ازکار منطق اور دلیل کی ضرورت نہیں کہ اسلام کے نافذ کردہ تمام احکام و اصول بنیادی طور پر حیات انسانی کی حقیقت پر مبنی نظریات پر قائم ہیں۔ اس کے برعکس دیگر مفکرین کے نظریات اُن کی اپنی دانش اور فہم کے مطابق ہوتے ہیں اور ان کی تمام تر بنیادیں مادیت پر مبنی ہوتی ہیں کیونکہ ان کے نزدیک انسانی زندگی محض مادی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے اس طرح دو مختلف سمتوں میں سفر کرنے والے نظریات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ان میں ایک نظریہ یعنی اسلامی نظریہ تو وہ ہے جس کی جڑیں حقیقت کی گہرائیوں میں پیوست ہیں اور اٹل ہیں۔ ان کے مقابلہ میں وہ نظریات ہیں یعنی غیر مسلموں کے نظریات جن کی بنیاد ''امکان'' پر قائم ہے اور جو ہر لحہ تغیر پذیر اور آخر کار فانی ہیں۔ اوّل الذکر اصول و نظریات زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں اور ان کی صداقت ہر جگہ پرکھی جا سکتی ہے۔ ان کے توسط سے فطرتِ انسانی کی تمام ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور اس لئے یہ ہر لحاظ سے کامیاب اور مفید ہیں مگر ان کے مقابل نظریات ان خوبیوں سے عاری ہیں۔ کیونکہ ان کی بنیاد آزمائش اور غلطی کے اصول پر ہے

Marfat.com

جس کو کامیابی کی ضمانت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ اگر کبھی منطقی استدلال نے کسی نتیجہ کو کامیابی کا نام بھی دے دیں تو یہ محض پروپیگنڈا ہوتا ہے کہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ محض منطقی کامیابی عارضی اثر رکھتی ہے اور عین ممکن ہے کہ آخری نتیجہ کی صورت میں مہلک ثابت ہو اور انسانی اقدار کی پامالی کا سبب بن جائے۔

حکومت کے مندرجہ بالا تین پہلوؤں یعنی مقصد، طرز اور تشکیل میں سب سے زیادہ اہمیت مقصد کو حاصل ہے۔ بقیہ دونوں دراصل مقصد کے تعین کا ذریعہ ہیں لہذا اہمیت کے تناسب کے اعتبار سے ان کو وہ مقام نہیں دیا جا سکتا جو اول الذکر کو حاصل ہے۔ اس کی وضاحت آگے بیان کر دی جائے گی۔ فی الحال مختصراً یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ قیام حکومت کا مقصد اولیں، مملکت کے افراد کی فلاح و بہبود ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان امور پر تفصیلی گفتگو سے پیشتر مملکت (سلطنت یا ریاست) اور حکومت کے تعلق کی وضاحت کر دی جائے اور ان کے درمیان جو فرق ہے اسے بھی پیش کر دیا جائے۔

۱۔ مملکت (یا ریاست) اور حکومت

مملکت یا ریاست سے مراد وہ خطۂ زمین ہے جس پر افراد کا ایک گروہ مستقل طور پر آباد ہو اور جن کا اپنا آزاد، خود کفیل ہمہ طاقتور نظام موجود ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے مطابق مملکت کے اجزائے ترکیبی میں (۱) آبادی (۲) خطہ زمین (۳) خود مختاری یا اقتدار اعلیٰ اور (۴) حکومت شامل ہیں۔ آبادی سے مراد محض خانہ بدوشوں کے گروہ نہیں بلکہ مستقل آباد ہونے والے افراد اور ان کے خاندان ہیں جو

Marfat.com

کسی مخصوص خطۂ زمین یا زمین کے چند ٹکڑوں پر مشتمل خطہ پر آباد ہوں مگر
بھی ضروری ہے کہ ایسے افراد ایک مشترک اقتدار اعلیٰ کے ماتحت
اوران کا سیاسی نظام ایک ہی ادارہ یعنی گورنمنٹ یا حکومت
ماتحت ہو۔

لہٰذا مملکت اور حکومت ایک ہی چیز کے دو مختلف نام نہیں
یہ دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔ دراصل حکومت (جیسا کہ ا
بیان کیا گیا ہے) مملکت یا ریاست کا ایک حصہ ہے اس امتیا
جزو کل" کے مطابق چند دیگر امور میں بھی دونوں میں اختلاف یا امتی
نشان پایا جاتا ہے مثلاً مملکت کی حیثیت اور ہیئت مستقل ہو
جب کہ حکومت عارضی اور تغیر پذیر ہوتی ہے۔ مملکت کی حدود
تمام بسنے والے ایک اکائی (UNIT) کے طور پر آبادی کے نام سے پکا
جاتے ہیں جب کہ حکومت اسی آبادی کے ایک یا ایک سے زیادہ حصوں
مشتمل ہوتی ہے جو انتظامی حیثیت سے ایک یا زیادہ اداروں کی شک
اختیار کر لیتے ہیں حکومت میں غیر ملکی عناصر بھی شامل ہو سکتے ہیں
بعض اوقات یہی غیر ملکی عناصر حکمراں بھی بن جاتے ہیں مگر ان تمام
بالادستی، یا اختیار اعلیٰ مملکت ہی کو حاصل رہتا ہے، حکومت
نہیں! ۔ تمام اختیارات کا سرچشمہ، مملکت ہی ہوتی ہے ۔ جمہوری نظ
میں انتخابات (الیکشن) کے ذریعہ، اور شہنشاہیت میں" جبر و طاقت
کے ذریعہ یہ اختیارات حکومت کو حاصل ہوتے ہیں۔ ہر مملکت کے لئے
حکومت کا ہونا لازمی ہے کیونکہ حکومت کے بغیر مملکت قائم نہیں
سکتی بلکہ اس کا وجود ہی تسلیم نہیں کیا جاتا۔

Marfat.com

۲۔ مملکت یا ریاست کا فروغ

مملکت یا ریاست (State) کی ابتداء اور اس کے فروغ کے متعلق
طون (۴۲۷ ق م ۔ ۳۴۷ ق م) ارسطو (۳۸۴ ق م ۔ ۳۲۲ ق م)
عربی (۱۱۶۵ ۔ ۱۲۲۹ عیسوی)، ایکوئی ناس (۱۲۲۷ ۔ ۱۲۷۴ عیسوی)
ابن خلدون (۱۳۳۲ ۔ ۱۴۰۶ عیسوی) اس نظریہ پر متفق ہیں کہ زندگی
بنیادی ضرورتوں نے افراد کو ایک دوسرے سے قریب آنے اور یکجا
لبر گروہ کی صورت میں مل جل کر رہنے پر مجبور کیا اور اس طرح معاشرہ
د میں آیا، افراد ایک معاشرہ یا سوسائٹی بنا کر رہنے پر مجبور تھے
کہ کوئی فرد اپنی تمام ضروریاتِ زندگی بذاتِ خود مہیا نہیں کر سکتا
رقدرتی طور پر وہ ایسے ہی جیسے دوسرے افراد کی امداد اور تعاون
محتاج تھا۔ ابن خلدون کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ روٹی کا ایک ٹکڑا بھی
ہت سے افراد مثلاً کسان، لوہار، بڑھئی، چکی، باورچی وغیرہ کے تعاون
ے وجود میں آتا ہے۔

انسان کی فطرت میں قدرت نے یہ صلاحیت اور خواہش پوشیدہ
ھی ہے کہ وہ اپنی ایک حالت پر قانع نہیں رہ سکتا۔ اسی جذبہ نے اُسے
ترقیب وتمدن کے راستے دکھائے اور یہی جذبہ اس میں کشورکشائی کا
ک بھی بنا ساتھ ہی دشمن کے خوف نے اُسے بچاؤ کے لئے ہتھیار اور
لاتِ حرب ایجاد کرنے پر ابھارا اسے خود سپاہی بننے اور دوسرے
سپاہیوں کو اپنی فوج میں ملازم رکھنے کی ضرورت بھی پیش آئی معاشرہ
کی تنظیم اور اصلاح نے نظم ونسق اور ربط وضبط کی صلاحیتوں کو پروان
بڑھایا اور اس طرح ایک ایسی متحدہ ومنضبط اکائی وجود میں آئی۔

Marfat.com

جسے سیاسیات کی زبان میں "حکومت" کا نام دیا گیا اور معاشرہ کے
ضروری اختیارات اسی اکائی (حکومت) کو سونپ دیئے گئے تاکہ
اپنے قانون کے ذریعہ امن و سلامتی اور فروغ و بقا کے فرائض بخوبی ا
دے سکے۔

چنانچہ ریاست یا مملکت کا بنیادی مقصد اپنے زیر اثر تمام
افراد کی ضرورت کو پورا کرنے کی ذمہ داری ہے اسی کو ارسطو نے ا
مشہور کتاب "سیاسیات" (POLITICS) میں یوں بیان کیا ہے
"ریاست، زندگی کی خاطر وجود میں آتی ہے اور زندگی کی فلاح و بہبود
لئے قائم رہتی ہے۔

مارسگلیو (MARSIGLIO) (۱۲۷۰-۱۳۴۹ عیسوی) نے ا
کتاب ڈی فیسر پیسیس (DEFASCER PACIS) میں ریاست
موازنہ جسم انسانی سے کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "خاندان تشکیل ریاست
کا اوّل قدم ہے" اس کے قول کے مطابق ریاست افراد کے مختلف گروہ
پر مشتمل ہوتی ہے مثلاً کسان، سپاہی، مبلغ و واعظ، سوداگر وغیرہ
ریاست ایک خود کفیل تنظیم ہے جس کا مقصد امن و سلامتی قائم کرنا
افراد کی زندگی کو خوش حال رکھنا اور ان کی صلاحیتوں کو فروغ دینا ہے

فرانسیسی مفکر، ژین بودین (JEAN BODIN) (۱۵۳۰-
۱۵۹۶ عیسوی) اپنی کتاب "ڈی ری پبلیکا" — DE REPUBLICA
میں کہتا ہے کہ ریاست بہت سے خاندانوں پر مشتمل قانونی حکومت ہے ا
جو بات دونوں میں مشترک ہے وہ "اقتدار اعلیٰ" ہے۔ بلکہ حقیقت یہ
ہے کہ خاندان کے نظام ہی میں ریاست کی نظریاتی ابتداء کی جھلک موجود
ہے۔ خاندان اور ریاست میں مماثلت کا یہ پہلو بہت نمایاں ہے کہ دونوں
میں اختیارات فرد واحد (سربراہ) ہی کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جس

Marfat.com

اطاعت و فرمانبرداری متعلقہ افراد پر لازم ہے۔ لودین کے قول کے مطابق انسانوں میں موجود معاشرتی جبلت ہی خاندانوں کو وجود میں لاتی ہے۔ جس طرح خاندان کا سرپرست اعلیٰ یا سربراہ تمام بچوں کی خبرگیری کرتا ہے اسی طرح ریاست کے افراد کی فلاح وبہبود ریاست کے سربراہ کے ذمہ ہوتی ہے۔

مشہور برطانوی فلاسفر تھامس ہابس (THOMAS HOBBES) ۱۵۸۸-۱۶۷۹ء) اور جان لاک (JOHN LOCKE) ۱۶۳۲-۱۷۰۴ عیسوی اور فرانسیسی مفکر ژین جیکس روسو (JEAN JACQUES ROUSSEAU) (۱۷۱۲-۱۷۷۸ عیسوی) اس بات پر متفق ہیں کہ معاشرہ کے افراد کے مابین عہد وپیمان کے عمرانی معاہدے (SOCIAL CONTRACT) کے توسط سے "ریاست" وجود میں آتی ہے۔ اس عہد وپیمان یا عمرانی معاہدہ سے مراد یہ ہے کہ معاشرہ کے تمام افراد اپنے حقوق ایک مشترک اقتدار اعلیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں اور اس کے عوض اپنے تحفظ و بقا کی ضمانت اسی ریاست کے سربراہ سے حاصل کرتے ہیں۔

مذکورہ معاہدہ کے ماقبل کا زمانہ (PRE-CONTRACT PERIOD) انسانی تاریخ میں ہابس کے قول کے مطابق فطری زمانہ NATURAL AGE کہلاتا ہے جس میں ہر شخص اپنے آپ کو فطرتاً آزاد تصور کرتا تھا مگر انفرادی آزادی کی وجہ سے تمام افراد کا تحفظ خطرہ میں پڑ گیا تھا بلکہ قریب قریب ناممکن ہو گیا تھا۔ اس معاشرتی افراتفری اور خود پسندی کے ماحول سے نجات پانے کے لئے لوگوں نے اپنے طور پر گروہ کی شکل میں چند بنیادی شرائط پر آپس میں عہد وپیمان کر لیا جس کے تحت عام لوگوں نے اپنے حقوق متفقہ طور پر ایک فرد یا گروہ کے حوالے کر دئیے تاکہ وہ (فرد یا گروہ) دیگر تمام افراد کے حقوق کی نگہداشت کر سکے اور ان کے درمیان امن قائم رکھ سکے وہ منتخب

Marfat.com

سیاسیات

فرد جس کی تحویل میں معاشرہ کے لوگوں کے حقوق منتقل کیے گئے وہی اس معاشرہ (یا ریاست) کا سربراہ یا اختیارِ اعلیٰ کا مالک کہلایا۔ اس سربراہ یا حاکم اعلیٰ کو ہابس نے اپنی مشہور کتاب LEVIATHAN (لیویاتھان) میں اسی نام سے پکارا ہے جس کے معنی ہیں "خوفناک بھوت" یا عفریت"!!

جان لاک JOHN LOCKE اپنی کتاب "ON CIVIL GOVERN MENT" (شہری حکومت) میں کہتا ہے کہ فطری زمانہ میں لوگ فطری قانون پر عمل کرتے تھے، جس سے مراد یہ تھی کہ لوگوں کو آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور ملکیت و جائیداد حاصل کرنے کے حقوق حاصل تھے لیکن اس "انفرادی فطری آزادی" کے دور میں کوئی ایسی بااختیار شخصیت تقریباً ناپید تھی جو فطری قانون کا تعین اور اس کے حدود مقرر کرتی اور جو اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دینے اور لوگوں کی زندگی اور جائداد کے تحفظ کا اختیار رکھتی۔ لہٰذا لوگوں نے اپنے طور پر یہی بہتر سمجھا کہ وہ ایک مشترک مرکز کے قیام پر متفق ہو جائیں اور ایک عہد نامہ (CONTRACT) کے تحت اپنے حقوق اس مرکز (یا مرکزی شخصیت) کے حوالے کر دیں۔

بائرن ڈی مانٹسکو (BYRON D. MONTISKO) (۱۶۸۹ء - ۱۷۵۵ عیسوی) اپنی کتاب SPIRIT OF THE LAWS (قانون کی روحِ رواں) میں لکھتا ہے کہ عہد ما قبل تمدن میں لوگ فطری قانون (مکمل آزادی) پر عمل کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان میں یہ خیال پیدا ہوتا گیا کہ انہیں اپنی زندگی کی حفاظت کرنے، امن و سلامتی کو برقرار رکھنے اور اپنی زندگی کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے لازم ہے کہ وہ باہم مل جل کر رہیں۔ چنانچہ لوگوں میں آپس کے تعلقات استوار ہوتے گئے اور معاشرہ وجود میں آگیا اس طرح معاشرتی زندگی کے ظہور نے اس خیال کو جنم دیا کہ اختیار یا طاقت

Marfat.com

کا کوئی مرکز بھی قائم کرلیا جائے۔ اسی کے نتیجہ میں ریاست یا مملکت کا قیام عمل میں آیا۔

روسو اپنی کتاب THE DISCOURSES (مقالات) اور ON THE ORIGIN OF INEQUALITY (عدم مساوات کی اصلیت) میں نظریۂ مملکت کے متعلق اس طرح اظہارِ خیال کرتا ہے کہ فطری زمانہ میں لوگ آزاد و خود مختار تھے اور ہنسی خوشی، صحت و توانائی، بلا خوف و خطر اور آزادی و بیباکی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن میں قناعت پسندی پائی جاتی تھی، ضرورتیں بھی کم تھیں جن میں کافی حد تک وہ اپنے ذرائع پر ہی انحصار کرتے تھے۔ وہ غیروں کے دستِ نگر نہ ہوتے تھے، وہ فطری قانون پر عمل کرتے تھے اور فطری حقوق سے سرشار تھے لیکن آبادی کی کثرت اور ترقی کے سبب لوگوں کے میل جول میں بھی اضافہ ہوا، نتیجہ میں تہذیب و تمدن اور علم و فن کو فروغ ہوا اور جائیداد اور ملکیت کا خیال بھی پیدا ہوا جس کے باعث آپس میں اختلافات اور لڑائی جھگڑے بھی بڑھ گئے۔ روسو نے ان اختلافات اور جھگڑوں کی اصل بنیاد "جائداد پر مالکانہ قبضہ کے جذبہ کو قرار دیا ہے۔ اس کے نزدیک "فطری زمانہ جنت کی مانند تھا کیونکہ اس وقت تک جائیداد کے سانپ کا وہاں گزر نہ ہوا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ جائیداد کا سانپ اس جنت ارضی میں رینگتا ہوا پہنچ گیا اور اس نے ڈس کر حیات انسانی کی رگوں میں اپنا زہر داخل کر دیا۔" اس کے بعد خاندان وجود میں آئے اور "میں" اور "تم" کے امتیاز کو فروغ ہوا جس سے ہر قسم کے تشدد و استحصال نے سر اٹھایا۔ لوگوں میں سے کچھ بادشاہ یا حکمراں بن بیٹھے اور لوگوں کی قریب قریب تمام اکثریت پیا باسے یا عوام کے نام سے حقیر جانوروں کے سے سلوک کی مستحق گردانی گئی اب ان حاکموں کی اطاعت ہر ایک کے لئے لازم ہوگئی اور وہ فطری آزادی آہستہ

Marfat.com

آہستہ بساط ہونے لگی اس طرح اس نام نہاد عمرانی معاہدہ کے ذریعہ ریاست وجود میں آئی جس میں افراد کی عام رضامندی GENERAL WILL کو ریاست کی اختیار اعلیٰ کا منصب دیا گیا۔ چنانچہ اس نظریہ کی مدد سے "رضامندی" ہی ریاست کی بنیاد قرار پائی جس میں طاقت (جو تشدد کی علامت ہے) کا دخل نہ تھا۔

کارل مارکس (KARL MARX) (۱۸۱۸-۱۸۸۳ عیسوی) مشہور جرمن مفکر اور کمیونزم یا نظریہ اشتمالیت کا بانی اپنی مشہور زمانہ کتاب داس کیپیٹال DAS KAPITAL (سرمایہ داری) میں لکھتا ہے کہ ریاست یا مملکت کی تاریخ دراصل گروہی جدوجہد کی تاریخ ہے یعنی وہ جدوجہد یا کشمکش جو سرمایہ داروں اور مزدوروں کے درمیان یا دوسرے لفظوں میں آزاد اور غلام گروہوں کے درمیان عرصہ سے جاری ہے۔ کارل مارکس کے نظریہ کے مطابق انسان ایک اقتصادی مخلوق ہے اور دولت کی نامنصفانہ تقسیم کی بدولت معاشرہ دو متصادم گروہوں میں بٹ گیا ایک گروہ تو سرمایہ داروں کا ہے اور دوسرا گروہ مزدوروں یا محنت کش عوام کا۔ ان کے درمیان تصادم کا نتیجہ گروہی جنگ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ کارل مارکس کا کہنا ہے کہ ریاست طاقت کا وہ مظاہرہ ہے جو سرمایہ دار طبقہ ریاست کی حمایت میں کرتا ہے اور جس کے بل بوتے پر ریاست کی بقا اور استحکام کا دارومدار ہے اس میں لوگوں کی عام رضامندی یا رضاکارانہ خوش دلی کا دخل نہیں ہوتا۔ ریاست یا مملکت تو دراصل ایسا ہتھیار ہے جس کو ظلم و استحصال کا ذریعہ بنا کر سرمایہ دار دونوں ہاتھوں سے نفع کماتے اور مظلوم طبقہ کا استحصال کرتے ہیں۔

"عمرانی معاہدہ" کا نظریہ دراصل سقراط کے زمانہ ہی سے چلا آرہا ہے۔ یونانی سوفسطائیوں (GREEK SOPHISTS) کا نقطہ نظر بھی یہی تھا کہ ریاست

کا وجود لوگوں کے عہد و پیمان کے ذریعہ باہمی رضامندی کا مرہون منت ہے۔ لیکن افلاطون اور ارسطو نے اس نظریہ کو باطل قرار دیا اور اس کی بجائے ضروریات زندگی کی تکمیل کو ریاست کی بنیاد ٹھیرایا۔ چنانچہ انھوں نے اسی نظریہ کی پُرجوش وکالت کی۔

سلاطین روم بھی لوگوں سے رضامندی کا عہد و پیمان لیا کرتے تھے اور اسی کو "اختیار کلی" کی اساس بنا کر لوگوں پر حکومت کرتے تھے۔

مشہور رومن مفکر سیسیرو (CICERO) (۱۰۴-۴۳ ق م) بھی لوگوں کی رضامندی کو ریاست کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ اُس کے قول کے مطابق ریاست ایک فطری اکائی ہے جس کا خصوصی مقصد افراد کی عام خوش حالی ہے۔

قرآن کریم بھی معاہدہ کا ذکر کرتا ہے یعنی وہ معاہدہ جو تخلیق کائنات کے اوّلین لمحات میں خالق کائنات نے انسانوں سے حضرت آدم کی تخلیق کے وقت لیا تھا جس کے ذریعہ قیامت تک وجود میں آنے والی نسل آدم نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اللہ کے پیغمبروں کے مواثیق کی پاسداری اور ان کو بجالانے کا اقرار کیا تھا قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جب تمھارے پروردگار نے بنی آدم سے ان کی اولاد کو پیدا کیا تو ان سے خود اُن کے سامنے اقرار کرالیا یعنی ان سے پوچھا کہ کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں۔ وہ (یعنی نسلِ آدم) کہنے لگے کہ کیوں نہیں؟ ہم گواہ ہیں کہ تو ہمارا پروردگار ہے۔ یہ اقرار اس لئے کرایا تھا کہ قیامت کے دن کہیں یوں نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی (اعراف ۱۷۲) اسی کو عرف عام میں "وعدۂ الست" کہا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست (ISLAMIC STATE) کی بنیاد رکھتے وقت مدینہ کے یہودیوں سے باہمی عہد و پیمان کیا تھا۔

جمہوری ملکوں میں مروجہ تحریری یا غیر تحریری دستور العمل بھی دراصل افراد اور ریاست کے درمیان معاہدہ کی حیثیت رکھتے ہیں اس معاہدہ کی رو سے جس کی بنیاد پر ملک میں دستور نافذ کر دیا جاتا ہے افراد اس طریقہ کار پر عمل پیرا ہونے کا اقرار کرتے ہیں جس کے ذریعہ دستور کی حدود میں حکومت کے انتظامی امور طے کئے جاتے ہیں۔ اس دستور میں حکومت کے اختیارات، حقوق اور فرائض کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ افراد کے لئے بھی حقوق و فرائض کی ضمانت دی جاتی ہے۔ جو فرد یا افراد دستور کے ذریعہ متعین طریقہ (یعنی عام انتخابات ریفرنڈم یا استصواب رائے وغیرہ) سے برسر اقتدار آتے ہیں وہی اپنی صوابدید کے مطابق حکومت کی تشکیل کرتے ہیں اور ملک کا نظم و نسق سنبھال لیتے ہیں اور ملک کے عوام اپنی حکومت کی طرف سے نافذ کردہ احکامات پر عمل کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ اگر کسی حکومت کے ارکان دستور کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو عوام جن کی تائید و توثیق سے وہ حکومت برسر اقتدار آئی ہے اپنا "حق استرداد" (POWER OF VETO) استعمال کر کے اس حکومت کو ہٹا دیتے ہیں اور از سر نو انتخاب کے ذریعہ اپنی پسند کی دوسری حکومت کو اقتدار منتقل کر دیتے ہیں۔

ایک دوسرے نظریہ کے مطابق ریاست یا مملکت خدا کی مخلوق کا درجہ رکھتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ریاست ایک قدرتی اور فطری تنظیم ہے جس کے تحت انسان زندگی بسر کرتے ہیں اور جس پر اللہ تعالیٰ براہِ راست یا اپنے منتخب نائبین کے ذریعہ احکام جاری فرماتا ہے۔ یہ برگزیدہ نائبین الوہی اختیارات کے حامل ہوتے ہیں اور ان کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے حکومت کا اختیار بھی سونپ دیا جاتا ہے۔ اس کو "نظریۂ الوہیت نژاد" (DIVINE ORIGIN THEORY) کا نام دیا گیا

Marfat.com

ہے۔ اس نظریہ کے تحت بادشاہ کو یا تو خدا کے درجہ تک پہنچا دیا گیا ہے جیسا کہ نمرود اور فرعون نے کیا تھا یا خدا کا نائب کی حیثیت دیدی گئی۔ جیسا کہ مقدس رومی حکومت میں رومن کیتھولک کے پیشوائے اعظم پوپ در ہندوستان میں رام اور کرشنا کے روپ میں دیکھتے ہیں۔

انجیل قدیم (OLD TESTAMENT) میں بھی ریاست کے خدا کی خلوق ہونے کا ذکر ملتا ہے جس کی رُو سے خدا اپنی طرف سے لوگوں پر حکومت کرنے کے لئے حاکم مقرر فرماتا ہے جس کی اطاعت تمام رعایا پر فرض ہوتی ہے۔ سلطنت یونان اور روما کی تاریخ میں اسی نظریہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق ریاستوں کا نظام دیوتاؤں اور دیویوں کے ہاتھوں میں ہوتا تھا وہی اپنی مرضی سے ریاستوں کا نظم و نسق چلانے کے لئے اپنی جانب سے حاکم مقرر کرتے تھے۔ ہندوستان میں بھی ہندو مت کی مشہور کتاب رامائن میں رام کو دیوتا یا خدا کا اوتار بیان کیا گیا ہے اور مہابھارت کی لڑائیوں میں بھی یہی نظریہ کارفرما ہے عیسائی مذہب بھی کلیسائی ریاست (CHURCH STATE) کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس کلیسائی نظام میں پاپائے اعظم پوپ POPE کا درجہ بادشاہ وقت سے بلند و بالاتر ہوتا ہے۔ نصرانیت میں پاپائے اعظم کے اقتدار اعلیٰ کا مالک ہونیکا سُراغ نویں صدی عیسوی میں ملتا ہے جب گرگوری دی گریٹ (GREGORY THE GREAT) پوپ کی حیثیت سے فرمانروا تھا۔ اس کے پیرو اپنے مذہبی پیشوا کو تمام انسانوں سے بالاتر مانتے تھے جو بادشاہوں کو معزول اور منتخب کرنے کا اختیار بھی رکھتا تھا۔ اسی بنیاد پر مقدس سلطنت روما کا تصور عام ہوا۔ تیرہویں صدی عیسوی میں اس عقیدہ کو مشہور فلاسفر تھامس ایکوئی ناس (THOMAS ACQUINAS) کے ذریعہ بہت فروغ ہوا اُس نے

Marfat.com

"نظریۂ الوہیت" کا علی الاعلان پرچار کیا اور دعویٰ کیا کہ انسان صرف چرچ کی وساطت ہی سے معرفتِ کمال حاصل کرسکتا ہے۔ لہٰذا بادشاہِ وقت کو بھی چرچ کے ماتحت رہنا چاہیئے اور پوپ کی عدول حکمی نہیں کرنا چاہیئے مگر جلد ہی اس نظریہ کے خلاف آوازیں اُٹھنے لگیں چنانچہ تیرھویں صدی عیسوی میں ریاست (STATE) اور کلیسا (CHURCH) کے درمیان مسلسل چپقلش جاری رہی۔ کچھ عرصہ بعد جب پوپ اور اس کے تحت کلیسائی نظام نے ظالمانہ روش اختیار کی تو لوگ اس نظام کے خلاف بھڑک اٹھے اور بغاوت کے ذریعہ پوپ اور اس کے حاشیہ نشینوں کو اقتدارِ اعلیٰ کی وراثت سے محروم کرکے بادشاہت (KINGSHIP) کو اس کا کھویا ہوا مقام واپس دلا دیا۔ بلکہ بادشاہ کے اختیار و اقتدار میں مزید اضافہ بھی ہوا۔

۳۔ ریاست کے ارتقاء کے متعلق اسلامی نظریہ

مندرجہ بالا مختلف نقطہ ہائے نظر کے مطابق ریاست کی تخلیق یا اُس کے قیام کا اصل سبب طاقت، ضرورت، معاہدہ (عمرانی) یا منشاءِ الٰہی ہے۔ لیکن اگر ہم قرآنی نقطہ نظر سے اس مسئلہ کا بغور جائزہ لیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ طاقت، ضرورت اور معاہدہ تخلیق ریاست کے محض ضمنی پہلو ہیں۔ بجائے خود علتِ حقیقی نہیں ہیں۔ علتِ حقیقی دراصل وہی منشاءِ الٰہی ہے جو تخلیق کے بنیادی منصوبے میں کارفرما ہے اور جس کے زیرِ اثر فطرتِ انسانی میں اپنے سے بلند و بالا ہستی یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جذبہ ودیعت کیا گیا ہے۔

اسلام کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کا خالق اور

Marfat.com

پالنے والا ہے اور وہی قادرِ مطلق اور عظمت و کبریائی میں لاشریک ہے (واقعہ: ۵۸ تا ۷۴) اسی کے قبضۂ قدرت میں سارے جہان کا نظام ہے (نساء: ۸۵) اور اسی کی اطاعت تمام مخلوق پر فرض ہے (آلِ عمران: ۸۲ اور فاتحہ: ۴) قرآنِ کریم کے مطابق تخلیق آدم کا منشاء زمین پر نیابت الٰہی کے فریضہ کا اہتمام تھا (بقرہ: ۳۰) جب حضرت آدم سے عدول حکمی کا ارتکاب ہوا اور انھوں نے خدا سے اپنی لغزش کی معافی چاہی تو خدا نے انھیں بہشت سے زمین پر اُتر جانے کا حکم دیا مگر ساتھ ہی انھیں ہدایت و نجات کا راستہ بھی بتلا دیا کہ وہ کس طرح اپنی (اور اپنی آئندہ کی تمام نسل کی) عظمت و مقبولیت پر بحال ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے اور معافی مانگی تو اللہ نے اُن کا قصور معاف کر دیا بیشک وہ معاف کرنے والا ہے اور صاحب رحم ہے۔ ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ، جب تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو اُس کی پیروی کرنا کیونکہ جو لوگ میری ہدایت پر چلیں گے اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے اور جن لوگوں نے اس ہدایت کو قبول نہ کیا اور بات کو جھٹلایا وہ دوزخ میں جانے والے ہیں وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے (البقرہ: ۳۷ تا ۳۹)

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت آدم کی زمین پر تشریف آوری نیابتِ الٰہی کے فریضہ کی انجام دہی کے لئے تھی یعنی ایسی ریاست کا قیام جس میں انسان کے ذریعہ انسان پر حکومت کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی بنیاد پر ہو اس لئے کہ ریاست کا بنیادی مقصد ہی حاکم اور اس کی اطاعت ہے اور حکم قرآنی نقطۂ نظر سے صرف اللہ تعالیٰ کا ہے (نساء: ۵۹)

Marfat.com

تاریخی شواہد سے بھی اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ حضرت آدمؑ اور اُن کے بعد مختلف زمانہ میں مبعوث ہونے والے اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں نے انسانوں کو خدا کا پیغام سنایا اور ان کو راہِ ہدایت پر چلنے اور خدا کی اطاعت کی تلقین کی (نساء: ۶۴) قرآن کریم نے بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا جابجا حکم دیا ہے (انفال: ۴۶ اور نساء ۸۰) لہٰذا اب اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ ریاست (STATE) کے قیام کی بنیاد اسی روز ڈال دی گئی جس دن سے اللہ تعالیٰ کے احکام پیغمبروں کی معرفت بنی نوع آدم تک پہنچنا شروع ہوئے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام

. . . .

. . . . بجالائے وہ دینی اور دنیاوی ثمرات سے بہرہ ور ہوئے اور جن لوگوں نے ان احکام کی مزاحمت کی یا انکار کیا اور سرے سے ماننے ہی سے انکار کر دیا یا ان میں ترمیم و تحریف کی کوشش کی وہ ناکامی اور نامرادی کے انجام کو پہنچے اور دونوں جہان کا نقصان اُن کا مقدر ہوا۔ حضرت نوحؑ حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضور سرورِ عالم نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے روگردانی کرنے والوں کا یہی انجام ہوا اور وہ آئندہ نسلوں کے لئے سامانِ عبرت بن کر رہ گئے۔ تاریخ انسانی میں ان بدنصیبوں کی تباہی کی لرزہ خیز داستانیں آج بھی موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے زمین پر قانونِ خداوندی کی حکومت قائم کر کے عدل و انصاف کا بول بالا کیا۔ اس کے ساتھ ہی اشاعتِ حق کی خاطر دشمنوں سے جنگ بھی کی اور موقع کی مناسبت سے صلح جوئی سے بھی کام لیا۔ میدانِ جنگ میں مدافعانہ یا جارحانہ انداز سے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور امن و آشتی کے زمانہ میں انسانوں کے بکھرے ہوئے شیرازہ

Marfat.com

کو متحد و منظم کر کے فروغ پذیر معاشرہ کی بنیاد ڈالی جس سے قیام ریاست کی راہ ہموار ہوئی۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے عہد کے طاقتور اور سفاک ترین بادشاہ فرعون سے اپنی قوم بنی اسرائیل کو نجات دلائی اور فرعون کی تباہی کے بعد سینائی کے میدان میں اُن کو آباد کیا۔ اُس کے ساتھ ہی توراۃ کے ذریعہ ملنے والے احکامات خداوندی کے تحت معاشرہ کے اصول مرتب ہوئے اور اُن مجرموں کی جو بدکار، چور، ڈاکو اور قاتل کے روپ میں اُن کی قوم کی بدنامی کا باعث بن رہے تھے سرکوبی کے لئے تعزیراتی قوانین شریعت نافذ کئے۔ اس طرح حضرت موسیٰؑ نے اپنی کوششوں سے تعلیمات واحکاماتِ الٰہی پر مبنی ایک عظیم روحانی اور دنیاوی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ قرآن کریم کا ارشاد کہ (حضرت) موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو! تم پر خدا نے جو احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کئے اور تمھیں بادشاہت عطا کی اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا (مائدہ: ۲۰)

سلسلۂ نبوت میں حضرت داؤدؑ کو بھی بادشاہت دی گئی۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ داؤدؑ نے جالوت کو قتل کر دیا اور خدا نے ان (یعنی حضرت داؤدؑ) کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے پر چڑھائی اور حملہ کرنے سے نہ ہٹاتا رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا۔ لیکن خدا اہل عالم پر بڑا مہربان ہے (بقرہ: ۲۵۱)

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ ہم نے اُن (یعنی داؤدؑ) کی بادشاہی کو مستحکم کیا اور ان کو حکمت عطا فرمائی اور عداوت اور جھگڑے کی بات کا فیصلہ سکھایا (ص: ۲۰) چنانچہ اس طرح حضرت داؤدؑ کو بارگاہِ ایزدی سے نہ صرف بادشاہت عطا ہوئی بلکہ انہیں اس سلطنت (ریاست) کو مستحکم کرنے اور عدل و انصاف قائم کرنے کیلئے دنیاوی ساز و سامان کیساتھ

Marfat.com

فہم و فراست کی دولت بھی بخشی گئی۔ حضرت داؤدؑ کے بعد آپ کے فرزند حضرت سلیمانؑ نے دعا کی کہ اے پروردگار میری مغفرت کر اور مجھکو ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو بے شک تو بڑا عطا کرنے والا ہے (ص: ۳۵) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہوا اور عفریت و جن کو بھی حضرت سلیمان کا تابع فرمان بنا دیا۔ ارشادِ ربانی ہے کہ پھر ہم نے ہوا کو حضرت سلیمانؑ کے زیر فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے اُن کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی اور دیووں (یعنی جنات) کو بھی اُن کے زیرِ فرمان کر دیا کہ یہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔ اور دوسروں (یعنی عفریت وغیرہ) کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے (ص۔ ۳۶- تا ۳۸) اس کے ساتھ ہی اُن کو علم و دانش کی دولت سے بھی نوازا گیا۔ (نمل: ۱۵) انھیں منطق الطیر یعنی جانوروں کی بولیوں کی فہمائش عطا ہوئی (نمل: ۱۶) اور عدل و انصاف کی صلاحیت بھی بخشی گئی (انبیاء: ۷۸)

حضرت یوسفؑ نے بھی مصر میں حکومت قائم کی۔ سورۂ یوسف میں حضرت یوسف کا واقعہ صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح آپ کے سگے حاسد بھائیوں نے آپ کو کنویں میں ڈال دیا تھا اور کسطرح وہاں سے ایک قافلہ والوں کے ہاتھوں مصر کے بازار میں سستے داموں فروخت کر دئے گئے اسکے بعد عزیز مصر کے گھر پرورش پانے اور زلیخا کے انتقامی جذبہ کے سبب جیل میں قید کئے جانے اور وہاں سے رہائی پانے کے بعد بادشاہِ مصر کے دربار میں پہنچ کر امور و انتظامِ سلطنت حسن و خوبی کے ساتھ سنبھالنے کے واقعات نہایت موثر دلنشین پیرایہ میں قرآن کریم کی اس سورت میں بیان کئے گئے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے کہ اس طرح ہم نے یوسف کو ملکِ مصر میں جگہ دی اور وہ اُس ملک میں جہاں چاہتے تھے، رہتے تھے ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں نازل کرتے ہیں اور نیکوکاروں کے اجر کو

Marfat.com

ضائع نہیں کرتے (یوسف: ۵۶) انہی واقعات کے ضمن میں حضرت یوسف کے والدِ بزرگوار، آپ کی والدۂ محترمہ اور بھائیوں کے مصر میں آباد ہونے کا بھی ذکر موجود ہے۔ ارشاد ہے کہ جب یہ سب لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے والدین سے کہا کہ مصر میں داخل ہو جائیے خدا نے چاہا تو خاطر جمع رہیئے گا اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسف کے آگے سجدہ میں گر پڑے اسوقت یوسف نے کہا کہ اباجان یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے بچپن میں دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اُسے سچ کر دکھایا (یوسف ۹۹-۱۰۰) آگے ارشاد ہے کہ حضرت یوسف نے فرمایا کہ پروردگار نے مجھکو حکومت سے بہرہ ور کیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا (یوسف: ۱۰۱)

اس کے بعد ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کا بھی اجمالی خاکہ پیش کر کے یہ بتلا دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اسلام نے اصلاحِ معاشرہ اور قیامِ سلطنت کے سلسلہ میں کیا زریں اصول مرتب کئے اور انسانیت کی بقاء اور دوام کے لئے کون سے نمایاں کارنامے انجام دے کر نسلِ انسانی کو رہتی دنیا تک کے لئے امتیاز و افتخار کے ساتھ زندہ رہنے اور ترقی کرنے کا فطری حق عطا کیا۔

دنیا جانتی ہے اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ حضور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت ملک عرب کن اخلاقی اور معاشرتی ذلتوں کا شکار تھا۔ اس دور کو ملک عرب کا تاریک ترین دور کہا جاسکتا ہے۔ قرآنِ کریم نے مختلف مقامات پر قوم عرب کی زبوں حالی کا نقشہ پیش کیا ہے اسلام سے پہلے اہل عرب زمانۂ دراز سے آپس میں برسرِ پیکار اور جنگ و جدال میں الجھے رہتے تھے (آل عمران: ۱۰۲) وہ عورتوں کو جبراً بیوی بنالیا کرتے تھے (نساء ۱۹) اپنی بیوہ ماؤں سے خود شادی کر لیتے تھے (بقرہ ۲۲۱) بیوی بچوں کو وراثت میں حصہ نہ دیتے تھے (نساء: ۰۰)

Marfat.com

بلکہ وراثت کی جائیداد اور مال و متاع کو خود ہڑپ کر جاتے تھے (مخبر ۱۹) عورتوں کو بطور وراثت اپنے پاس رکھ لیتے تھے (نساء ۱۹) اپنی بیوہ ماؤں سے خود شادی کر لیتے تھے (نساء ۲۲) بتوں کے نام پر جانوروں کو آزاد کر دیا کرتے تھے۔ (مائدہ: ۱۰۳) اپنی پیداوار کا ایک حصہ بتوں کی نذر کے طور پر علیحدہ رکھ لیتے تھے اور بتوں کے آگے جانوروں کی قربانی پیش کرتے تھے (انعام: ۱۳۷) حد سے زیادہ توہم کا شکار تھے (انعام ۱۳۹) اور بیٹیوں کی پیدائش کو نحوست اور بدنصیبی کی نشانی خیال کرتے تھے (النحل: ۵۸ اور زخرف: ۱۷) اپنے بچوں کی قربانی دیتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے (انعام ۱۳۸) النحل ۵۹ اور تکویر ۸) روز قیامت کا یقین نہ رکھتے تھے، مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور روز حساب کا علی الاعلان مذاق اڑاتے تھے (بنی اسرائیل ۵۱) خدا کی نعمتوں کا انکار کرتے تھے (انبیاء ۳۶) اور جوا اور شراب نوشی کے عادی تھے (بقرہ: ۲۱۹) زنا اور بدکاری کو عیب نہ سمجھتے تھے (بنی اسرائیل ۳۲) اور نہ سود کو برا جانتے تھے (بقرہ ۲۷۵) ریاست کے مفہوم سے ناآشنا تھے بلکہ انھیں قومیت کا بھی شعور نہ تھا وہ محض خانہ بدوشوں کی طرح ملک کے مختلف حصوں میں قبیلہ کے سرداری کی سربراہی میں ادھر سے ادھر پھرا کرتے تھے۔

حب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتہ (جبرئیل) کے ذریعہ اپنا اولین حکم یہ صادر فرمایا کہ پڑھیئے اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھیئے جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے تخلیق کیا اور جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا (علق: ۱ تا ۵) اس کے بعد وحی الٰہی کے ذریعہ دوسرا حکم دیا گیا اٹھیئے اور لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرایئے

Marfat.com

اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے"، (مدثر: ۲-۳) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قریش کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان کو بت پرستی اور دوسری مذموم عادتوں اور رواجوں کو ترک کر دینے کی ہدایت کی اور عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ آپ نے اپنی قوم کو توحید کا پیغام دیا اور ہدایت کی کہ وہ وحدہٗ لاشریک کے احکام پر چلیں اور اس کے منتخب اور پسندیدہ دین اسلام کے پرچم تلے جمع ہو جائیں۔ آپ نے اس گراں بہا ذمہ داری یا امانت کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے عقل و شعور سے ما لاتر استدلال اور ما فوق الفطرت قوت کا دعویٰ کر کے ان کے ذہن و قلب کو مرعوب نہیں کیا بلکہ جو بات بھی آپ نے پیش کی وہ عام فہم اور علم و دانش کی بنیاد پر مبنی تھی۔ آپؐ نے انتہائی مشکل اور مخالفانہ ماحول میں اپنے اس فرض کو پورا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مگر آپؐ کی قوم نے بلکہ تمام اہل عرب نے پورے تیرہ سال تک آپؐ کی مکی زندگی کے دوران آپ کی شدید مخالفت کی اور ہر ممکن طریقہ سے آپؐ کا راستہ روکنے کی کوشش کی کفار مکہ نے نہ صرف آپ کو اذیت پہنچائی بلکہ آپ کے ساتھی، صحابہ کرامؓ کو بھی جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے انہیں بھی طرح طرح کی تکلیفیں دیں تاکہ وہ دین اسلام سے پھر جائیں۔ مگر آپؐ نے اور آپؐ کے مخلص اور باہمت صحابہؓ نے اپنا مشن جاری رکھا اور راہ حق میں ہر اذیت اور مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

اس کے بعد آپؐ کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم ہوا آپؐ نے مدینہ پہنچکر شہری زندگی کو نئے طرز پر استوار کیا اور اسلامی ریاست کی بنیاد قائم کی۔ اس زمانہ میں یہودیوں کی کثیر تعداد آباد تھی اور وہ وہاں کی معاشرت و معیشت میں کافی عمل دخل رکھتے تھے۔ اسلامی معاشرت کو اپنے مخصوص سانچے میں ڈھالنے اور دین کی ترویج و اشاعت اور اسلامی ریاست کو مستحکم

Marfat.com

بنیاد پر قائم کرنے کے لئے صلح و امن کا ماحول درکار تھا۔ چنانچہ آپؐ نے مدینہ کے یہودیوں سے ایک معاہدہ کیا جس کی چند اہم شرائط حسب ذیل تھیں

(۱) ہر قبیلہ اور ہر جماعت کو اس بات کی آزادی ہو گی کہ وہ اپنے دستور اور قانون کے مطابق اپنے معاملات سرانجام دیں اور تصفیہ طلب امور کا فیصلہ کریں۔

(۲) معاہدہ کے دونوں فریق یعنی مسلمان اور یہودی اس بات کے مجاز نہ ہوں گے کہ وہ براہ راست اور دوسرے فریق کی رضامندی حاصل کئے بغیر کسی ایسی جماعت یا قبیلہ سے عہد و پیمان کریں جو مدینہ کی حدود سے باہر آباد ہو۔

(۳) اگر مدینہ کی حدود سے باہر بسنے والے قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ جائے تو مدینہ کے مسلمان اور یہودی اس میں شریک نہ ہوں گے اور نہ مدینہ میں رہنے والے کسی شخص کو اس جنگ میں شرکت کے لئے مجبور کیا جائے گا۔

(۴) مدینہ میں پیش آنے والے تمام اختلافات اور تنازعات کو طے کرنے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ثالث تسلیم کیا جائیگا اور آپ کا فیصلہ ہر دو فریق کو غیر مشروط طریقہ پر تسلیم کرنا ہو گا۔

اس طرح دنیا کی سب سے پہلی اسلامی ریاست کا قیام ظہور میں آیا۔ جس کی بنیاد احکام الٰہی پر قائم کی گئی تھی۔ اس کے بعد اسلامی معاشرہ کو نئے خطوط پر منظم کیا گیا اور انتظامی امور کے قوانین نافذ کئے گئے۔ جنگ اور امن کے اصول طے پائے صلح نامے اور معاہدوں کی (بوقت ضرورت) شرائط مرتب ہوئیں اور مقامی اختلافات اور تنازعات کو باہمی رضامندی سے طے کرنے کا طریقہ کار متعین ہوا اور روزمرہ کی زندگی میں امن و سلامتی اور شہری حقوق کی نگہداشت اور فرائض

Marfat.com

کی ادائیگی کی حدود مقرر کی گئیں یہ تمام امور نہایت حزم واحتیاط کے ساتھ احکام ربانی کی روشنی میں طے گئے جو وقتاً فوقتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے رہے یہاں تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی وہ دن بھی آیا جب خالصتہً احکام الہٰی کی بنیادوں پر قائم کی جانے والی اسلامی ریاست ایک ایسی فلاحی ریاست بن کر ابھری جس کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔

احکام الہٰی پر مبنی اس اسلامی ریاست کی تشکیل اور استحکام کے ہر مرحلہ پر تائید ربّانی شامل حال رہی جب بھی دشمنان اسلام نے اسلام اور بانی اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش یا سازش کی نئی قائم شدہ اسلامی ریاست کی بیخ کنی کے منصوبے بنائے، نصرت الہٰی نے حق کا ساتھ دیا اور باطل کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور اللہ کا دین نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ آگے ہی بڑھتا رہا اور بہت جلد تکمیل کے مراحل نہایت کامیابی کے ساتھ طے کر کے منزل مقصود جا پہنچا۔ ہجرت سے قبل جو اسلام اور اہل اسلام کے لئے ابتلاء وآزمائش کا دور تھا اللہ تعالےٰ نے اس نازک موقع پر مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی اور اپنی نصرت واعانت سے مسلمانوں کو کامیابی کا یقین دلایا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اس وقت کو یاد کرو جب تم زمین (یعنی مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اڑا نہ لے جائیں یعنی بے خانماں نہ کردیں تو اللہ نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں تاکہ تم اس کا شکر کرو (۸ : ۲۶) یہی نصرت ربّی مدینہ منورہ کو ہجرت کے وقت بھی ساتھ تھی جب کہ دشمنوں نے آپ کو جان سے مار دینے کا خطرناک منصوبہ بنایا تھا اور اپنی دانست میں تمام احتیاطی اور تدبیری انتظامات مکمل کرتے تھے۔ ارشاد ربّی ہے کہ

Marfat.com

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت کو یاد کرو جب کافر لوگ تمھارے بارے میں چال چل رہے تھے اور ادھر خدا چال چل رہا تھا اور خدا سب سے بہتر چال چلنے والا ہے (انفال: ۳۰) اسی تائید ربانی کے سایہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بحفاظت تمام مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور دشمن بال بھی بیکا نہ کر سکا۔

ہجرت مدینہ کے بعد سب سے پہلا اور اہم واقعہ جنگ بدر کا پیش آیا۔ یہ ۲ھ ہجری کا واقعہ ہے جب کہ کفار مکہ نے ایک ہزار تربیت یافتہ اور مسلح افراد پر مشتمل فوج کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کا منصوبہ بنایا اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) تھی جن میں صرف چند سپاہیوں کے پاس تلوار یا گھوڑے تھے اسلام کے لئے یہ نازک ترین آزمائش تھی کیونکہ اسی جنگ میں فتح پر ہی اسلام کی بقاء اور تحفظ کا دارومدار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تاریخ اسلام کے اس سب سے نازک موقع پر مسلمانوں کی امداد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ اس کے متعلق ذکر کیا ہے۔ ارشاد ربی ہے کہ خدا نے جنگ بدر میں بھی تمھاری مدد کی تھی اور اس وقت بھی تم بے سر و سامان تھے۔ پس خدا سے ڈرو اور اس احسان کو یاد کرو تاکہ تم شکر گزار بنو (آل عمران: ۱۲۳) (اس وقت کو یاد کرو) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمھاری دعا قبول کر لی اور فرمایا کہ تسلی رکھو ہم ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے، تمھاری مدد کریں گے (انفال: ۹) جب تمھارا پروردگار فرشتوں کو وحی کرتا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں۔ میں ابھی ابھی کافروں کے دلوں میں رعب و ہیبت ڈالے دیتا ہوں تو ان کے سر مار کر اڑا دو اور ان کا پور پور توڑ

Marfat.com

دو۔ یہ سزا اس لئے دی گئی کہ انھوں نے خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو خدا بھی سخت عذاب دینے والا ہے (انفال ۱۲۔۱۳) تم لوگوں نے اُن کفار کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے انہیں قتل کیا.... کچھ شک نہیں کہ خدا کافروں کی تدبیر کو کمزور کر دینے والا ہے (انفال: ۱۷۔۱۸)

اسی طرح اللہ تعالٰی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ حُنَین میں بھی غیب سے مدد فرمائی جب کہ مسلمانوں نے اپنی تعداد اور ساز و سامان کے زعم میں جوشِ ایمانی اور ہمت و استقلال کا وہ مظاہرہ نہیں کیا جس کی اُن حالات میں ضرورت تھی۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے بہت سے موقعوں پر تم کو مدد دی ہے اور جنگ حُنین کے دن جب کہ تم کو اپنی جماعت کی کثرت پر غرہ تھا تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین باوجود اتنی بڑی فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ پھر خدا نے اپنے پیغمبر پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور تمہاری مدد کو فرشتوں کے لشکر آسمان سے اُتارے اور کافروں کو عذاب دیا اور کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہے (توبہ: ۲۵۔۲۶)

اللہ تعالٰی نے اپنے رسول اور مسلمانوں کے مستقبل قریب میں فتح مکہ کی بشارت بھی دی تھی مومنو! مشرک تو پلید ہیں تو اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں اور اگر تم کو مفلسی کا خوف ہو تو خدا تم کو اپنے فضل سے غنی کر دیگا۔ بے شک خدا سب کچھ جانتا اور حکمت والا ہے (توبہ: ۲۸) ہجرت کے چھٹے سال آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ سر کے بال منڈائے خانہ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اشارۂ خداوندی کے حکم کی تعمیل میں آپ نے صحابہؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کا قصد فرمایا لیکن راہ میں مشرکین نے آپؐ کے قافلہ کو

Marfat.com

سیاسیات
آگے بڑھنے سے روک دیا اور مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی
آپ نے کفار مکہ کو یقین دلایا کہ آپ اور آپ کے ہمراہی صرف حج کی غرض سے
آئے ہیں کوئی جارحانہ مقصد لے کر نہیں آئے ہیں مگر کفار اپنی ضد پر
اڑے رہے۔ باہمی گفت وشنید کے نتیجہ میں ایک معاہدہ وجود میں
آیا جس کی رُو سے یہ طے پایا کہ مسلمان اس سال کی بجائے آئندہ سال حج
کے لئے آئیں گے۔ چنانچہ مسلمانوں کو بغیر حج یا عمرہ ادا کئے واپس ہونا
پڑا۔ بظاہر یہ ہمت افزا موقف نظر نہ آتا تھا مگر اللہ تعالے عالم الغیب
نے اسی "صلح" کو فتح مبین کے نام سے پکارا اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا
(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو فتح مبین (صاف و صریح) عطا
کی (فتح۔ ۱) اس کو "صلح نامہ حدیبیہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے اسی
موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بیری کے درخت
کے نیچے بیعت لی تھی جس کو بیعت رضوان کہتے ہیں قرآن کریم میں یہ
واقعات صراحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ ارشاد ہے کہ اے پیغمبر جب
اہل ایمان تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے
خوش ہوا اور جو صدق وخلوص ان کے دلوں میں تھا وہ اس سے
باخبر تھا اس کے بعد خدا نے ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد ہی
فتح عنایت کی۔ اور بہت سی غنیمتیں جو انھوں نے حاصل کیں اور خدا
غالب اور حکمت والا ہے (فتح: ۱۸۔ ۱۹) بے شک خدا نے اپنے پیغمبر
(صلی اللہ علیہ وسلم) کو سچا اور صحیح خواب دکھایا کہ انشاء اللہ تم مسجد
حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کترو اکر امن وامان کے ساتھ
داخل ہو گے اور کسی طرح کا خوف نہ کرو گے جو بات تم نہیں جانتے
اللہ کو معلوم تھی چنانچہ اس نے اس سے پہلے ہی جلد فتح کرا دی (فتح ۲۷)
بالآخر اسی صلح کے نتیجہ میں وہ مبارک دن بھی آیا جب حضور نبی

Marfat.com

کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ اُسی سرزمین مکہ پر فاتحانہ شان سے داخل ہوئے جہاں سے آپ کو صرف تیرہ سال پہلے بے سروسامانی کے عالم میں انہی کفار و مشرکین مکہ نے ہجرت کرلنے پر مجبور کر دیا تھا اسلام کی روزافزوں ترقی اور حق و باطل کی جنگ میں مسلمانوں کی مسلسل کامیابیوں نے کفار مکہ کے حوصلے پست کر دیئے تھے اور اب اُن میں مقابلہ یا مزاحمت کی سکت نہ تھی۔ چنانچہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے تو آپؐ کے مخالفین نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اس مبارک و مسعود موقع پر آپؐ نے چند مراعات کا اعلان فرمایا جب حضرت ابوسفیان کی معرفت کفار مکہ کو پڑھ کر سنایا گیا۔ اس اعلان مکہ کی چند خصوصی مراعات یہ تھیں

(۱) جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کے لئے معافی ہے۔

(۲) جو شخص گھر کے اندر رہے اور دروازہ بند رکھے اس کو امان دیا جائیگی

(۳) جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہو گا، اُس سے کسی قسم کی بازپرس نہیں ہوگی۔ اور

(۴) جو شخص ہتھیار لگائے بغیر روزمرہ کے کام انجام دے گا اس کے لئے بھی امان ہے۔

اسکے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور وہاں نصب بتوں کو ایک ایک کرکے گرانا شروع کیا۔ اُس وقت آپ کی زبان مبارک پر قرآن کی یہ آیت جاری تھی جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (حق آیا اور باطل دور ہو گیا، بے شک باطل دور بھاگنے والا ہے) جب خانہ کعبہ بتوں کی موجودگی اور ان کی آلائش سے پاک ہو گیا تو آپؐ نے خدائے وحدہٗ لاشریک کی توحید بیان کرتے ہوئے اہل قریش سے یوں خطاب فرمایا۔

Marfat.com

سیاسیات

" اَللہ ایک ہے، اس کا کوئی ہمسر اور ساتھی نہیں۔ آج کے دن اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ اس نے اپنے بندوں کی مدد کی اور ان کو دشمنوں پر فتح و نصرت عطا فرمائی اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتا ہے کسی دوسرے کا قصداً خون بہانا جائز نہیں۔

آج میں نے ایام جہالت کی تمام رسموں اور رواجوں کو ختم کر دیا ہے۔ سوائے ان انتظامات کے جو حاجیوں اور زائرین کعبہ کو چاہ زمزم سے پانی پلانے کیلئے قائم ہیں۔ یہ انتظامات پہلے کی طرح جاری رہیں گے۔

اے اہل قریش! غور سے سنو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ایام جہالت کی تمام فرقہ بندیوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے اس کے ساتھ ہی نسل و نسب کے تمہارے تمام غرور اور تکبر کو بھی نیست و نابود کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں۔ وہ سب اپنے جدِ امجد حضرت آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے"۔

قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت اور فروغ اسلام کی نوید سنائی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ جب خدا کی مدد آپہنچی اور فتح حاصل ہو گئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو بے شک وہ معاف کرنے والا ہے (النصر: ۱تا۳)

قرآن کریم میں تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں قوموں کے عروج و زوال

Marfat.com

ہے متعلق بھی حقائق بیان کئے گئے ہیں اور یہ بتلایا گیا ہے کہ اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ نے مختلف قومیں آباد کیں اور انہیں دسترس عطا کی۔ ان میں جب ایک قوم اپنی بدبختی کے سبب تباہ کر دی گئی تو اس کی جگہ دوسری قوم آباد کی گئی اور یہ سلسلہ چلتا رہا۔ چنانچہ قومِ نوح کے غرق طوفان ہو کر تباہ ہونے کے بعد قومِ عاد زمین کی مالک بنائی گئی (اعراف: ۶۹) لیکن جب انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور اپنے رسول کی ہدایات کو پسِ پشت ڈال کر فسق و فجور میں مبتلا ہوگئے تو ان کی برادری ہی سے مبعوث پیغمبر حضرت ہود نے ان کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا اور کہا کہ اگر تم روگردانی کروگے تو جو پیغام میرے ہاتھ تمھاری طرف بھیجا گیا ہے وہ میں نے تمھیں پہنچا دیا ہے اور میرا پروردگار تمھاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ میرا پروردگار تو ہر چیز پر نگہبان ہے (ہود: ۵۷) لیکن قومِ عاد نے بھی قومِ نوح کی تباہی سے کچھ عبرت نہ حاصل کی اور خود بھی بہت جلد گرفتارِ معصیت ہو کر تباہ کر دی گئی اور اس کی جگہ اللہ تعالیٰ نے قومِ ثمود کو زمین کا مالک بنا دیا (اعراف: ۷۴) قومِ ثمود کا بھی ان کے پیش رو اہلِ عاد جیسا حشر ہوا۔ اور بداعمالی کے سبب وہ بھی نیست و نابود کر دی گئی (اعراف: ۷۸) اسی طرح فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی رہنمائی میں بنی اسرائیل کو زمین کی خلافت عطا کی (اعراف: ۱۲۹) اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کے انجام سے خبردار کر کے اہلِ ایمان کو یوں مخاطب فرمایا ہے کہ تم سے پہلے ہم کئی امتوں کو جب انھوں نے ظلم اختیار کیا، ہلاک کر چکے ہیں۔ اور ان کے پاس پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے گنہگاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں پھر ہم نے ان کے بعد تم لوگوں کو ملک میں خلیفہ بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔

Marfat.com

(یونس: ۱۳۔ ۱۴۔)

قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی زمین کا مالک ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے (اعراف ۱۲۸) اللہ تعالیٰ بادشاہی کا مالک ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے بادشاہت بخش دیتا ہے اور جس سے چاہے بادشاہت چھین لیتا ہے (آلِ عمران ۲۶) اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے اور اسے حاکمیت عطا کی ہے (البقرہ: ۳۰) دوسری جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا اُن سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا.... (النور: ۵۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہونگے (انبیاء ۱۰۵)

چنانچہ قرآنی نقطہ نظر سے زمین کی بادشاہت (یعنی قیامِ ریاست) بھی بنی نوعِ انسان کی تخلیق کے منصوبے کا ایک حصہ ہے اس میں ماقبل اور مابعد زمانوں میں انسانی ضرورت، جبر و اقتدار، اور عمرانی معاہدات کا کوئی دخل نہیں جیسا کہ مغربی اور یونانی مفکرین اور فلسفہ دانوں کا نظریہ ہے اور جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے، زمین کی بادشاہت اور قیامِ ریاست عطائے ربانی ہے اور اس پر کوئی اپنا حق نہیں جتا سکتا اس کے مستحق وہی لوگ یا وہی قومیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نظام کو اس سرزمین پر رائج کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تخلیقِ آدم کا مقصد قرآن کریم کے مطابق زمین کی خلافت یا نیابت ہے۔ چنانچہ اسی اعلیٰ مقصد کی تکمیل کے لئے ایک حاکم کے بعد دوسرا یا ایک حکمران قوم کے بعد دوسری حکمران قوم کی آمد و رفت یا دوسرے لفظوں میں عروج و زوال کا سلسلہ جاری ہے جب تک وہ اپنے فرض منصبی پر قائم رہے وہ زمین کی خلافت اور اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہوتے رہے اور جب وہ راہِ مستقیم سے

Marfat.com

۔ لئے تو انکی نیابت سروں کو دیدی گئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ روز
سے اب تک خلافت ارضی کا ایک ہی محور رہا ہے اور وہ ہے زمین پر
کی حاکمیت اعلیٰ قائم کرنا اور اس کے بنائے ہوئے قانون کو بلا جبر
اور ازادی رائے وعمل کے ساتھ نافذ کرنا یہی ریاست ارضی کے قیام
بنیادی عنصر ہے جو زمانہ میں کارفرما رہا ہے اسی سے اللہ اور بندوں
بین اور خود بندوں کے درمیان رشتہ استوار ہوتا ہے۔ چنانچہ جن
ان افراد یا اقوام نے اطاعت الٰہی سے روگردانی کی اور زمین پر نیابت الٰہی
فریضہ انجام دینے سے قاصر رہے اُن کا نام ونشان مٹا دیا گیا اور ان
بجائے دوسری قوم اس مشن کی تکمیل کے لئے لائی گئی۔ یہ سنت الٰہی پوری
انی کے ساتھ اب تک جاری ہے اور دنیا کے کسی حصہ میں بھی ہونے والے
قعات یا ترقیاتی منصوبے اس (سنت الٰہی) میں کسی طرح دخل انداز
ہیں ہو سکتے خواہ اُن کا تعلق منکرین حق کی مادی کامیابیوں سے ہو یا اہل
یان کی ظاہرہ زبوں حالی سے۔

اس مادی دور میں بھی جب کہ فلسفہ اور سائنس کے میدان میں گوناگوں
ریات اور تجربات وجود میں آرہے ہیں، یہ حقیقت بتدریج نمایاں اور
مستحکم ہوتی جارہی ہے کہ اس سرزمین پر بلکہ پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ
کی ذات ہی توحید مطلق اور اقتدار اعلیٰ کی مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے
بندوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف لاتا ہے فضل ربی کا یہ سلسلہ برابر
جاری ہے اور ایک دن ایسا بھی آئیگا جب اس دنیا سے تاریکی کا نام ونشان
بھی مٹ جائیگا اور کائنات میں ہر طرف اللہ کا نور جلوہ فشاں ہوگا۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہی سے
زمین پر حاکمیت عطا ہوتی ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے صالح اور مطیع و
فرمانبردار بندے ہی زمین کی بادشاہت کے وارث ہیں تو کیا وجہ ہے کہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کو قادرِ مطلق نہ ماننے والے اور متعدد خداؤں کی پرستش کرنے والے یا بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ کے (بزعمِ خود) دشمن بھی مختلف ادوار میں سلطنت و حکمرانی سے نوازے جاتے رہے ہیں؟ بلکہ اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس کی دو ممکنہ توجیہات پیش کی جا سکتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ عام مشاہدہ کے مطابق غیر مسلموں کی حکومت غیر مسلم اقوام تک محدود رہتی ہے یا بالعموم غیر مسلم حکمران اُن قوموں پر حکومت کرتے رہے ہیں جن میں غالب اکثریت غیر مسلم افراد کی رہی ہے اور ایسا ہونا قانونِ سیاست کے عین مطابق بھی ہے اور فطری بھی۔ اس کو سنتِ الٰہیہ کی عدم کارفرمائی نہیں کہا جا سکتا۔ قرآنی احکام اس سلسلہ میں نہایت واضح ہیں۔ ان احکام کی رُو سے سیاست کے قرآنی احکام کا اطلاق اُس قوم پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ، اُس کے رسول اور کتبِ سماوی پر ایمان رکھتی ہے یعنی اسلامی حکومت اہلِ اسلام کے لئے ہے اگر ریاست کی آبادی مسلمان نہ ہو تو اس پر اسلامی حکومت کے قیام کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ اسلام کی حقانیت روز بروز روشن ہوتی جا رہی ہے اور غیر مسلم خواہ فی زمانہ قلیل تعداد میں ہی سہی، اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام کے دائرۂ اطاعت میں شامل ہو رہے ہیں اور ان شاء اللہ وہ وقت بھی آئے گا جب زمین پر بسنے تمام انسان حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں گے۔ اس وقت یقیناً ہر جگہ اسلامی حکومت ہو گی۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا موجودہ غیر مسلم حکمران عارضی طور پر یا نگران حکومت کی حیثیت سے اسی طرح قائم رہیں گے تا آنکہ یہی حکومتیں اسلامی حکومتوں میں تبدیل ہو جائیں اور قرآن کی حکمرانی مسلّم اور مسلّط ہو جائے۔ موجودہ غیر مسلم حکومتیں دراصل قانونِ قدرت کے معمولات میں سے ہیں اور وقت کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہیں جب اصل حاکم یعنی اہلِ ایمان، اللہ کے نیک اور

Marfat.com

باعمل بندے منصۂ شہود پر وارد ہوجائیں گے تو وہ از خود عنانِ حکومت سنبھال لیں گے۔ اس کی مثال یوں بھی دی جاسکتی ہے کہ شہنشاہی طرزِ حکومت میں جب کوئی فرمانروا (بادشاہ) فوت ہوجاتا تو حکومت کی ذمہ داری ولی عہد کے سپرد کردی جاتی ہے۔ اگر ولی عہد نابالغ ہو تو حکومت کی باگ ڈور وزراءِ سلطنت یا کسی معتمد اور زیرک ماہر امور کو عارضی طور پر سونپ دی جاتی ہے۔ جب ولی عہد بالغ اور باشعور ہوجاتا ہے تو وہ خود زمامِ سلطنت سنبھال لیتا ہے اور پھر اُس کی حکومت اسی کے نام اور اسی کے حکم سے چلتی ہے۔ اسی طرح جمہوری طرزِ حکومت میں صدر یا وزیر اعظم کی موت پر یا معزول ہونے یا ملک سے باہر رہنے کی صورت میں قائم مقام صدر یا وزیر اعظم اس منصب کی ذمہ داری کو عارضی طور پر سنبھال لیتا ہے اور جب تک آئین کے تحت صدر یا وزیر اعظم کا انتخاب نہیں ہوجاتا یا وہ ملک واپس نہیں آجاتا یہ عارضی حکومت قائم مقام صدر یا وزیر اعظم کے تحت رہتی ہے لہٰذا ان موجودہ غیر مسلم حکومتوں کو ہم ان معنوں میں عارضی تصور کرتے ہیں کہ ابھی ان کی حدود میں اسلام پوری طرح کارفرما نہیں ہے مگر اسلامی تعلیمات کا اثر اس معاشرہ میں آہستہ اور تدریجاً نفوذ کررہا ہے۔ جب اِس سرزمین پر اسلام کا غلبہ ہوجائیگا تو قرآن کریم کا یہ وعدہ بھی پورا ہوجائے گا کہ زمین پر حکومت کے اصل وارث اللہ کے نیک اور فرمانبردار بندے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

باب دوم

مقصدِ حکومت

اب ہم اپنی گفتگو کا سلسلہ پھر اس مقام سے شروع کرتے ہیں
جہاں ریاست کا ارتقاء (DEVELOPMENT OF STATE) زیر بحث
تھا۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کسی ملک یا ریاست میں حکومت کے قیام
کا مقصد کیا ہے۔ ہم یہ بات پہلے بھی بتلا چکے ہیں کہ افلاطون، ارسطو، اور
تھامس اکوئی ناس کے مطابق حکومت کے قیام کا مقصد انسان کی بنیادی
ضرورتوں کو پورا کرنا ہے۔ مارسیگلیو کا یہ کہنا ہے کہ ریاست اس لئے
وجود میں آتی ہے کہ افراد کی زندگی کو پُر مسرت بنایا اور قائم رکھا جائے اور
ان کی صلاحیتوں کو فروغ دینے میں مدد دی جائے۔ ہابس، لاک، مانٹسکو
اور روسو کے نظریات کے مطابق ریاست کا مقصد عام لوگوں کی جان اور
مال کا تحفظ، قانون شکنی پر سزا، امن و امان کا قیام اور انسان کی بنیادی
ضرورت کو پورا کرنا ہے۔ قرآن کریم کے مطابق قیام حکومت کے مقصد
کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل آیات خصوصی اہمیت رکھتی ہیں۔

(۱) (اہل ایمان کی صفات یہ ہیں) کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو
ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں (یعنی اقامت صلوٰۃ کا اہتمام کریں)
اور زکوٰۃ دیں (یعنی اسلام کا معاشی نظام قائم کریں) اور نیک کام کرنے کا
حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں (یعنی معاشرہ میں اسلامی اخلاقیات

Marfat.com

کو رواج دیں) اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے (حج: ۴۱)
(۲) ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں، اور میزان (ترازو یعنی قواعدِ عدل) عطا فرمائی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں (حدید: ۲۵)
(۳) اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے پر چڑھائی اور حملہ کرنے سے نہ روکتا رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا لیکن خدا اہلِ عالم پر بڑا مہربان ہے (بقرہ: ۲۵۱)
متذکرہ بالا تینوں آیات کا اگر ہم ایک ساتھ مطالعہ کریں اور ان کو باہم مربوط قرار دے کر ان میں بیان کردہ اصول و ضوابط پر غور کریں تو ہم پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ قرآن کریم کے نزدیک حکومت کا بنیادی مقصد تمام بنی نوعِ انسان کی فلاح اور خوش حالی ہے جس کا دائرہ فیض نہ صرف مادی یا دنیاوی امور تک محدود ہے بلکہ یہ فلاحِ عقبیٰ کو بھی محیط ہے۔ قرآن کریم نے اس مقصد کے حصول اور استحکام کے چار بنیادی اصول بیان کئے ہیں (۱) اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ (۲) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (۳) عدل و مساوات اور (۴) امن و سلامتی کا قیام۔ چنانچہ ان قرآنی احکام کی روشنی میں اسلامی ریاست کے لئے لازم ہے کہ وہ ان اصولوں کو اپنے دستور العمل کی بنیاد قرار دے اور ان پر عمل درآمد کے لئے ضروری اقدامات کرے۔ اب ہم ان بنیادی امور کی تشریح پیش کرتے ہیں۔

۱۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ

صلوٰۃ و زکوٰۃ کے متعلق کتاب دوم "عبادات" کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے یہاں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ صلوٰۃ (نماز) کا مقصد قرآن کریم کے نزدیک بنی نوعِ انسان کو ہر قسم کی برائی اور ناشائستگی

Marfat.com

ے بچا کر ان کی زندگی کو صاف ستھرا، سادہ، تقویٰ کی حامل اور پرہیزگار بنانا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کا مقصد دولت کو گردش میں رکھنا اور اس معاشرہ کے غریب اور نادار طبقہ کو بلا معاوضہ تقسیم کر کے ان بنیادی ضروریات کو پورا کرنے میں اعانت بہم پہنچانا ہے تاکہ دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو کر عام انسانوں کے لئے مفلسی اور تنگدستی کی اذیت کا سبب بن سکے۔ صلوٰۃ اور زکوٰۃ ایک ایسے معاشرہ کو وجود میں لانے کا موثر ذریعہ اور مستحکم بنیاد قرار دیئے جا سکتے ہیں جس کے افراد پاکیزہ ذہنی اور مسرت و شادمانی سے ہمکنار ہو کر اس طرح گھل مل کر رہتے ہیں گویا وہ ایک ہی خاندان کے رکن ہیں اور جن کے درمیان رنگ و نسل اور غربت و امارت کا کوئی امتیاز ہی نہیں ہے۔

۲۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

نیکی کا حکم دینا (امر بالمعروف) اور برائی سے روکنا (نہی عن المنکر) انسانی معاشرہ کی خوش حالی کا دوسرا موثر ذریعہ ہے۔ اس سلسلہ میں "علم"، بنیادی کردار ادا کرتا ہے کیونکہ معروف (نیک اور جائز امور) اور منکر (برے کام جن سے منع کیا جائے) کا صحیح معنوں میں احاطہ اور ادراک اور ان کی ترویج و تعمیل کے لئے علم کا وسیع ذخیرہ درکار ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بالعموم اور حضور نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر علم و حکمت سے نواز کر دنیا میں بھیجا تاکہ اس علم و حکمت کی روشنی سے لوگوں کے دلوں کی تاریکی کو دور کیا جائے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمایا۔ جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور خدا کی کتاب

Marfat.com

اور دانائی (حکمت) سکھاتے ہیں۔ اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔ (آلِ عمران ۱۶۴) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھئے جس نے (تمام کائنات) کو پیدا کیا" میں علم کی عظمت و افادیت کی طرف اشارہ ہے۔ اسی سورۃ میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور اُسے وہ کچھ بتایا جس سے وہ پہلے واقف نہ تھا یعنی علم سے بے بہرہ تھا (علق ۱، ۴۔ ۵) اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بھی حکم دیا کہ لوگوں کو خصوصاً منکرین اسلام کو حقائیت سے روشناس کرانے اور ان کو ان کی غلطیوں سے آگاہ کرنے کے لئے حکمت اور موعظت کا طریقہ اپنائیں۔ ارشاد ہے کہ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو دانش (حکمت) اور نیک نصیحت (موعظت) سے اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقہ سے ان سے مناظرہ کرو۔ جو اس کے راستہ سے بھٹک گیا تمہارا پروردگار اسے خوب جانتا ہے اور جو ہدایت پر ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے (النحل : ۱۲۵) دین میں جبر و اکراہ نہیں ہے لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ ۲۵۶) مزید برآں اہلِ عقل و دانش کو بار بار ہدایت کی گئی ہے کہ وہ مظاہر قدرت میں پوشیدہ حقائیت پر غور کریں کہ چاند، سورج، ستارے، زمین، آسمان، درخت، جانور وغیرہ کیوں پیدا کئے گئے ہیں اور وہ کن اصولوں کی بنیاد پر اپنے فرائض پر کاربند ہیں۔ یقیناً اس کے لئے علم و دانش کا ذخیرہ درکار ہے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اپنے میں سے ایک ایسی جماعت تیار کریں جو لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دے اور ان کو نیکی کی طرف لاتے بلائے چنانچہ ارشاد ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو

Marfat.com

لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں (آل عمران ۱۰۴) اس سے علم و حکمت کی تشہیر و تبلیغ اور مظاہر قدرت پر غور و فکر کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے ان امور کی مزید وضاحت "باب علم" میں پیش کی جائے گی۔ سردست اتنا ہی ذہن نشین کر لینا کافی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو پورا کرنے کے لئے علم کی اشاعت اسلامی حکومت کی اوّلین ذمہ داریوں میں سے ہے تاکہ اہل ایمان بالعموم اور ان کی نوجوان نسل بالخصوص اسلامی معاشرہ کی اس اہم اور سب سے بنیادی حقیقت کو دل و دماغ میں محفوظ کر کے اپنے دینی و دنیاوی فرائض صحیح طور پر انجام دے سکیں۔

۳۔ عدل و مساوات

انسانی معاشرہ کی خوش حالی کا تیسرا ذریعہ "عدل و مساوات" ہے۔ ارشاد ربانی جس کا حوالہ سطور بالا میں دیا گیا ہے اس طرح ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح نشانیاں دیکر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں۔ اور میزان (یعنی عدل اور مساوات کی علامت) عطا فرمائی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں (حدید: ۲۵) اس آیت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم و حکمت کی اشاعت اور عدل و مساوات قائم کرنے کے لئے کتاب و میزان کے ساتھ دنیا میں بھیجا "میزان" کی مزید تشریح اس طرح بھی کی گئی ہے کہ مادی نقطۂ نظر سے "میزان" سے ترازو مراد ہے جس سے روزمرہ کی زندگی میں اشیاء کو تولتے ہیں مگر "میزان" ضمیر کا مترادف ہے جس سے اخلاق و کردار کو جانچا جاتا ہے بعض مفسرین قرآن کے نزدیک "میزان" سے خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ ہی

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے احکاماتِ ہدایت کے حقیقی ترجمان اور علومِ الٰہی کے خزانوں کے مالک ہیں

کتاب و میزان دنیا میں علم اور عدل کی اشاعت اور تبلیغ کا سرچشمہ ہیں۔ قرآن کریم کے مطابق اہل اسلام کے ایمان کی آزمائش اس حقیقت کے عملی اعتراف میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی حیثیت نہ صرف مسلمانانِ عالم بلکہ اقوام عالم کے درمیان بہترین منصف کی ہے اور آپؐ کا ہر حکم اور ہر فیصلہ فلاح انسانیت کے لئے حرفِ آخر ہے ارشادِ الٰہی ہے کہ آپ کے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں، اُس وقت تک صاحب ایمان کہلانے کے مستحق نہیں ہوں گے (النساء: ۶۵) اسی سورۃ میں دوسری جگہ یوں ارشاد ہوا ہے کہ اے پیغمبرؐ ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ خدا کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کرو اور دیکھو دغابازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا (النساء ۱۰۵) آگے چل کر اہل ایمان کو یوں خطاب کیا گیا ہے کہ اہل ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لئے سچی گواہی دو خواہ اس میں تمھارا یا تمھارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو خدا اُن کا خیر خواہ ہے تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل و انصاف کو نہ چھوڑ دینا۔ اگر تم پیچدار شہادت دو گے یا شہادت سے بچنا چاہو گے تو جان رکھو کہ خدا تمھارے سب کاموں سے واقف ہے (النساء ۱۳۵) عدل و انصاف سے متعلق قرآنی اصول ایک علیحدہ باب میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ عدل وانصاف ہی دراصل معاشرہ کی فلاح و خیر کی بنیاد اور ضمانت ہے عدل کے بغیر کسی معاشرہ میں خوشحالی کا تصور محال ہے جس معاشرے سے انصاف اُٹھ

Marfat.com

جائے وہ جلد یا بدیر بربریت کا شکار ہو کر بالآخر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

۴۔ امن اور نظم و ضبط

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے پر چڑھائی (یعنی حملہ کرنے اور امن سلامتی کو تہ و بالا کرنے) سے نہ ہٹاتا رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا۔ لیکن خدا اہل عالم پر مہربان ہے (بقرہ: ۲۵) قرآن کریم کی یہ بات اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کسی ملک کی بقا اور سلامتی کے لئے امن اور ضبط و نظم کتنی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ دراصل امن اور سلامتی کی فضا میں ہی قومیں پروان چڑھتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ کسی حکومت کے قیام کا مقصد ملک میں امن اور ضبط و نظم کی فضاء کا قیام اور فتنہ و فساد کو مٹانا ہے۔ حق و صداقت سے برسر پیکار ہونے والے اور ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے والوں کے لئے قرآن کریم میں سخت پاداش کی وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد ہے کہ جو لوگ خدا اور اس کے رسول سے برسرِ پیکار ہوں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں، ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا اُن کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دئیے جائیں یا وہ ملک سے نکال دئیے جائیں یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب تیار ہے (مائدہ: ۳۴) اہل ایمان سے ارشاد ہے کہ تم لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما (نساء: ۷۵) دوسری جگہ ارشاد ہے کہ ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ و فساد (یعنی کفر و

Marfat.com

عصیاں کا فساد) باقی نہ رہے اور دین سب خدا ہی کا ہو جائے۔ اور اگر وہ لوگ (یعنی مفسدین) باز آجائیں تو خدا ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے (انفال ۳۹)

چنانچہ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق حکومت کے قیام کا مقصد من جملہ امورِ بالا کے بنی نوع کی خوش حالی کے لئے امن اور نظم وضبط کا برقرار رہنا انتہائی ضروری ہے اور اس مقصد کے لئے اگر منکرین اور مفسدین سے جنگ بھی کرنا پڑے تو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ اس بارے میں مغرب کے مفکرین کا بھی نقطۂ نظر یہی ہے مگر ان کے نزدیک صرف مادی خوش حالی ہی اصل مقصد ہے حالانکہ ایسی خوش حالی عارضی اور زوال پذیر ہے اور اس کا دائرۂ فیض مادی دنیا تک ہی محدود ہے اس کے برعکس اسلام میں انسانی فلاح اور بہبود کا احاطہ مادی اور روحانی یعنی دونوں جہاں کی نعمتوں اور وسعتوں تک پھیلا ہوا ہے۔

Marfat.com

باب سوم

طرزِ حکومت

۱۔ عام تعارف

اس موضوع پر میرا نقطۂ نظر سہ گونہ مباحث پر مشتمل ہوگا اوّل یہ کہ جمہوریت جیسا کہ یہ عرفِ عام میں سمجھی اور برتی جاتی ہے عملی نتیجہ کے اعتبار سے سیاسی فراڈ (یعنی دھوکہ) سے زیادہ نہیں ہے۔ نام نہاد رائے عامہ کے پس پردہ جو طریقۂ کار اختیار کیا جاتا ہے، وہ آخری تجزیہ میں لازمی طور پر شخصی حکومت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جو مطلق العنانیت کا دوسرا نام ہے۔ دوم یہ کہ طرزِ حکومت کے نقطۂ نظر سے اس نام نہاد جمہوریت کے مقابلہ میں فردِ واحد کی حکومت یا شخصی حکومت زیادہ کامیاب حکمتِ عملی ہے۔ سوم یہ کہ جو طرزِ حکومت قرآن کریم نے پیش کیا ہے وہ نہ جمہوریت ہے نہ شہنشاہیت بلکہ خلافت ہے جس میں اقتدارِ اعلیٰ (SOVEREIGNTY) یا مطلق حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کی جاتی ہے کسی فردِ واحد یا عوام کیلئے نہیں۔

۲۔ شہنشاہیت، اشرافیہ (حکومت امراء) اور جمہوریت

طرزِ حکومت کے اعتبار سے حکومت بالعموم یا تو شہنشاہیت ہوتی ہو

Marfat.com

یا اشرافیہ یا جمہوریت۔ شہنشاہی طرز حکومت میں مملکت کے تمام اختیارات ایک فرد واحد کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں اور وہی ملک کے سیاہ و سفید کا مالک ہوتا ہے اشرافیہ (امراء یا سرداروں کی حکومت) میں اختیارات امراء یا سرداروں کے ایک گروہ کے پاس ہوتے ہیں اس گروہ کو حکمران جماعت (RULING PARTY) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جمہوری طرز حکومت میں اختیارات نظریاتی طور پر عوام کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں جو اپنے اس حق کو کثرت آراء سے منتخب نمائندوں کو منتقل کر دیتے ہیں شہنشاہیت یا اشرافیہ (حکومت الامراء) میں تمام اختیارات ملک کا حاکم یا حکمران جماعت کے امراء سردار خود بالجبر اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں اور عوام ان کے سامنے بے بس ہوتے ہیں۔ جمہوریت میں یہی اختیارات عوام اپنی مرضی سے منتخب نمائندوں کو سپرد کر دیتے ہیں اول الذکر دونوں طرز حکومت میں حاکم (RULER) یا حکمران جماعت ملک کا دستور اور دیگر قوانین بناتے اور نافذ کرتے ہیں لیکن جمہوریت میں یہ ذمہ داری عوام کے منتخب نمائندے پوری کرتے ہیں اور یہی نمائندے حکومت کے اختیارات اور فرائض بھی متعین کرتے ہیں۔ شہنشاہیت یا شخصی طرز حکومت میں کاروبار سلطنت عام طور پر حاکم وقت کی ذاتی خواہش کے تحت چلتا ہے جیسا کہ سکندر اعظم، نپولین، سلاطین مغل اور برطانوی سامراج کے عہد میں برصغیر میں نامزد انگریز حکمران کے دور میں ہوتا رہا یا پھر کوئی نظریہ یا عقیدہ کاروبار حکومت کی بنیاد بن جاتا ہے جیسا کہ خلفائے بنو امیہ اور خلفائے بنو عباس کے دور میں تھا۔ شہنشاہیت میں بعض اوقات حاکم وقت بادشاہ، شہنشاہ، یا امراء اپنے اقتدار کو وسعت دیکر اپنی محکوم قوم کے ساتھ ساتھ دوسری قوم یا ملک پر اپنا اقتدار مسلط کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر غیر منقسم ہندوستان میں برطانوی سامراج۔ ایسی حکومت میں فوج اور پولیس پر اختیار کلی کے

Marfat.com

ساتھ سیاسی اور اقتصادی حکمت عملی بھی نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے
مختصر یہ کہ شہنشاہیت (امپیریلزم) میں اقتدارِ اعلیٰ ایک فرد کے پاس ہوتا ہے اور وہ تنہا اپنی مرضی کے مطابق اپنی مملکت کی حدود میں بسنے والوں پر حکومت کرتا ہے یا پھر کوئی قوم شہنشاہیت کا روپ دھار کر دوسری مقبوضہ اور مغلوب قوم پر راج کرتی ہے۔ ایسی حکومت میں "بنیادی حقوق" محدود بلکہ تقریباً مسدود ہوتے ہیں۔ آخرکار ایسی حکومت اخلاقی و سیاسی بگاڑ کا شکار ہو کر اس ضرب المثل کا مصداق بن جاتی ہے کہ اقتدار بگاڑ پیدا کرتا ہے (POWER CORRUPTS) اور "مطلق اختیار" "مطلق بگاڑ" کو جنم دیتا ہے (ABSOLUTE POWER CORRUPTS ABSOLUTELY) اس صورتِ حال سے افراد میں بے چینی پھیل جاتی ہے اور وہ اس ذلت اور غلامی سے نجات پانے کے لئے پہلے احتجاج اور پھر بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور انقلاب کے ذریعہ شہنشاہیت، سامراجیت یا آمریت کا تختہ الٹ دیتے ہیں اور اس کے بعد جمہوریت کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔

جمہوریت (DEMOCRACY)

جمہوریت آزادانہ انتخابِ رائے کے ذریعہ عوامی نمائندوں پر مشتمل حکومت کا نام ہے جمہوریت کے علمبرداروں کے بیان کے مطابق جمہوری حکومت کی تشکیل میں دولت یا طاقت کوئی کردار ادا نہیں کرتی اور نہ ذات پات یا گروہی امتیازات کا کچھ دخل ہوتا ہے بلکہ جمہوریت یا جمہوری حکومت فعّال اور انقلابی مزاج کی حامل ہوتی ہے۔ جمہوریت کی جو بالعموم تعریف کی گئی ہے وہ یہ ہے "عوام کی حکومت، عوام کے ذریعہ حکومت اور عوام کے لئے حکومت" (GOVERNMENT OF PEOPLE BY THE PEOPLE FOR THE PEOPLE) اس نظریہ کی تہ میں تین بنیادی اصول

کارفرما ہوتے ہیں (۱) آزادی رائے (۲) خودمختار حکومت اور (۳) مساوات
آزادی رائے کے متعلق ٹام پین (TOM PAINE) اپنی کتاب
"آدمی کے حقوق" میں کہتا ہے کہ اس میں ہر اُس عمل کی آزادی شامل ہے جو
دوسروں کے حقوق سے متصادم نہ ہو۔ پروفیسر لاسکی اپنی کتاب "جدید
ریاست میں آزادی" (LIBERTY IN THE MODERN STATE) میں
کہتا ہے کہ آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ "آدمی اپنی ذات کا ذمہ دار ہو اور اس کی
بقاء اور قیام کا انحصار مزاحمت کی قوت پر ہے۔ یہ بات ریاست کے فرائض
میں ہے کہ وہ لوگوں کی خوش حال زندگی کے لئے حالات پیدا کرے" ارسطو
کا قول ہے کہ "ریاست زندگی کو ممکن بنانے کے لئے وجود میں آتی ہے اور
زندگی کو خوش حال بنانے کے لئے اپنا وجود برقرار رکھتی ہے" جان اسٹوارٹ
مل (JOHN STUART MILL) کے قول کے مطابق جس کا اظہار اس
نے اپنی کتاب "مضامین آزادی" (ESSAYS ON LIBERTY) میں کیا
ہے "آزادی" میں اظہار خیال کی آزادی، ذوق وشوق اور شغل و پیشہ کی
آزادی اور ہر ایسی تحریک کی آزادی شامل ہے جو دوسروں کے لئے نقصان
دہ نہ ہو۔ آزادی کی اس فہرست میں اول الذکر یعنی اظہار و اشاعتِ خیال
کی آزادی اہم ترین ہے۔ جان ملٹن (JOHN MILTON) نے آزادی
کا مطالبہ اسی طرح کیا ہے "میں مطالبہ کرتا ہوں کہ تمام آزادیوں کے مقابلہ
میں مجھے ضمیر کی ایسی آزادی دی جائے جو علم، گفتار، اور لگن کو پورا کرنے
میں ہر پابندی سے بے نیاز ہو۔ سقراط زمانۂ قبلِ مسیح کا شہرہ آفاق فلسفی
دنیا کا پہلا شخص تھا جس نے آزادی خیال اور آزادی اظہار کے لئے آواز
اُٹھائی اور اس جرم کی پاداش میں اُسے زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ پروفیسر بری
(PROF. BURY) اپنی کتاب "آزادیٔ خیال کی تاریخ" میں لکھتا ہے۔
کہ "اس آزادی (یعنی آزادیٔ خیال) کو تہذیبِ حاضرہ کا سب سے قیمتی

Marfat.com

اثاثہ قرار دیا جا سکتا ہے، اور سماجی ترقی کے لئے تو اس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

جمہوریت کا دوسرا عنصر یعنی، خود مختار حکومت سے مراد لنکن کے مشہور قول کے مطابق ایسی حکومت ہے جو "عوام کی ہو، عوام کے ذریعہ ہو اور عوام کے لئے ہو،" روسو کے الفاظ میں یہ اجتماع و تنظیم کا ایسا طریقہ ہے، جس سے معاشرہ کے تمام افراد کی مشترکہ قوت کے ساتھ ہر فرد کی جان اور مال کی حفاظت کی جائے گی اور جس کے ذریعہ ہر فرد اپنے معاشرہ کے تمام لوگوں کے ساتھ مل کر رہنے کے باوجود آپ اپنا وفادار رہو گا اور ہمیشہ کی طرح آزاد رہے گا۔"

لیکن حقیقت الامر یہ ہے کہ لنکن کے ذہن سے ابھرنے والی جمہوریت کا وجود عملاً ممکن نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ افراد کی اکثریت کی آزادانہ رائے (VOTE) سے وجود میں آنے والی حکومت کا نام جمہوریت ہے تاہم اس کے لئے بھی اس مفروضہ کو سچ تسلیم کرنا ہوگا کہ آزادیٔ رائے کا استعمال کرنے والا فرد تعلیم یافتہ ہے اور اپنے حقوق کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس پر دوسروں کے حقوق کا احترام بھی واجب ہے، جمہوریت کی بنیاد نظریۂ اشتراک عمل کی بنیاد پر قائم ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر فرد قانون سازی میں اور اقلیت کے حقوق کے تحفظ میں برابر کا شریک ہے۔ لارڈ ایکٹن (LARD ACTON) کا کہنا ہے کہ "سب سے معتبر طریقۂ آزمائش جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کوئی ملک صحیح معنوں میں آزاد ہے، اس امر پر منحصر ہے کہ اس ملک کی اقلیت کس حد تک محفوظ و مامون ہے،" پروفیسر لاسکی اس بات کا قائل ہے کہ ایک آزاد ریاست میں لوگ ہمیشہ اپنی رضامندی سے ایسی تنظیم بروئے کار لانے کا حق رکھتے ہیں جس کے ذریعہ وہ اپنی مشکلات یا تکالیف کا برملا اظہار کر سکیں اور ان

Marfat.com

کے تدارک کے لئے اپنے خیالات کی بلا روک تشہیر کرسکیں۔

جمہوریت کا تیسرا عنصر "مساوات" (EQUALITY) ہے جس میں یہ اہم نکات شامل ہیں۔ (۱) سیاسی آزادی یعنی رائے دہندگی کا مساوی حق (۲) شہری مساوات یعنی قانون کی نظر میں تمام شہریوں کا مساوی درجہ اور (۳) اقتصادی مساوات یعنی دولت اور جائداد کو حاصل کرنے اور اس پر ملکیت کے مساوی حقوق کی ضمانت۔ نظریہ مساوات کی وضاحت پاکستان کے ممتاز ماہر قانون مسٹر اے کے بروہی نے اپنی کتاب "پاکستان کا بنیادی قانون" (FUNDAMENTAL LAW OF PAKISTAN) میں فرانس کے اعلان جمہوریت (FRENCH LAW DECLARATION OF DEMOCRACY) کے حوالے سے پیش کی ہے اس "اعلان" میں کہا گیا ہے کہ تمام لوگ پیدائشی طور پر آزاد ہیں اور ان کو (یعنی ہر ایک کو) اپنے حقوق کے ضمن میں برابری یا مساوات کا درجہ حاصل ہے ایک اور فرانسیسی فلاسفر ڈی توکوول (DE TOCQUEVILLE) نے اپنا نقطۂ نظر اس طرح پیش کیا ہے کہ "انقلاب فرانس کا اصلی سبب مساوات کا مطالبہ تھا نہ کہ محض آزادی کا، مراعات کے خلاف نفرت کا اظہار تھا نہ کہ خود مختار حکومت کا" پروفیسر لاسکی نے اپنی کتاب "یوروپی آزادی کا عروج" (RISE OF EUROPEAN LIBERATION) میں لکھا ہے کہ "مساوات متوسط طبقہ کی اس کوشش کی ضمنی پیداوار ہے جو اس نے آسمان تک اپنا مقام حاصل کرنے کے لئے کی تھی"!

آزادی اور مساوات کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور سیاسی مساوات کا اقتصادی مساوات کے بغیر یا اقتصادی مساوات کا سیاسی مساوات کے بغیر تصور محال ہے۔ افلاطون کا کہنا ہے کہ اقتصادی عدم مساوات کسی بھی جماعت یا قوم کے اتحاد کے منافی ہے۔ لاسکی نے اس سلسلہ میں

Marfat.com

مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مساوات کے بغیر کوئی جمہوری حکومت قائم نہیں رہ سکتی اور جمہوری حکومت کے بغیر آزادی کوئی معنی نہیں رکھتی" جمہوری حکومت کا صحیح مفہوم سماجی اداروں میں مساوات کی بنیاد پر افراد کی خوشحالی میں مضمر ہے۔ شہری مساوات صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے جب ہر شخص کے اس حق کو تسلیم کیا جائے کہ اسے بلا امتیاز عدالت سے رجوع کرنے اور انصاف حاصل کرنے کا مساوی حق ہے اور ایسی تمام عدالتیں توڑ دی جائیں جو ظلم و جفا کا آلہ کار ہوں نیز افراد کو من مانے طریقہ پر جیل میں ٹھونسے جانے سے تحفظ دیا جائے۔

۴۔ بہترین طرزِ حکومت

تاریخی حیثیت سے شہنشاہیت اشرافیہ (حکومت امراء) اور جمہوریت کے نظریات نئے نہیں ہیں ان کا وجود زمانہ قدیم سے قائم ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یونانی فلسفی افلاطون اور ارسطو اور رومی مفکرین پولی بیئس (POLIBIOUS) اور سیسرو (CICERO) قبل مسیح کے دور میں تھامس ایکوئی ناس (THOMAS ACQUINAS) ڈانٹے (DANTE) مارسیگلیو (MARSIGLIO) میکیاولی اور ژان بودین زمانہ وسطیٰ میں تھامس ہابس، جان لاک، مانٹسکو، روسو اور دوسرے سیاسی فلسفی دور جدید کے آغاز میں اور اسی طرح عصر حاضر میں بھی تمام مفکرین نے طرزِ حکومت کے سلسلہ میں شہنشاہیت اشرافیہ (حکومت امراء) اور جمہوری حکومتوں کا ذکر کیا ہے جو مختلف ادوار میں اور مختلف ممالک میں رائج تھیں۔

دنیا کے اکثر سیاسی مفکرین بشمول افلاطون، ارسطو، سیسرو، ایکوئی ناس، ڈانٹے، مرسیگلیو، بودین، لاک اور مانٹسکو شہنشاہیت (امپریلزم) کے حق میں ہیں اور اسی کو بہترین طرزِ حکومت تسلیم کرتے ہیں۔

Marfat.com

دوسرے مفکرین یا تو ملی جلی حکومت یا جمہوریت کو بہتر قرار دیتے ہیں۔

افلاطون کا قول ہے کہ شہنشاہیت بہترین طرز حکومت ہے بشرطیکہ وہ ایک فلسفی بادشاہ کی حکومت ہو جس میں تمام لوگوں کے ساتھ عادلانہ اور منصفانہ سلوک کیا جاتا ہو۔ ارسطو کا کہنا ہے کہ شہنشاہیت ایک بہتر اور اعتدال پسند طرز حکومت ہے کیونکہ بادشاہ وقت بنیادی طور پر رعایا کی فلاح و بہبود پیش نظر رکھتا ہے لیکن یہی حکومت ظالمانہ طرز اختیار کر لیتی ہے اگر بادشاہ یا شہنشاہ افراد کی فلاح و بہبود کے مقابلہ میں ذاتی خواہشوں کو ترجیح دینے لگے۔ ایکوئی ناس کہتا ہے کہ شہنشاہیت کی بنیاد اتحاد اور تجربہ پر ہے اس کے ذریعہ ریاست میں خدائی قانون کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ شہنشاہیت محدود ہونا چاہیئے اور بادشاہ کا تقرر عام لوگوں کے انتخاب کے ذریعہ ہونا چاہیئے۔ ڈانٹے کے نزدیک امن کا قیام اور رعایا کے تمام مفادات کا تحفظ صرف بادشاہ وقت کے ذریعہ ہو سکتا ہے اس کا یقین ہے کہ بین الاقوامی شہنشاہیت ہی عام انسانیت کا تحفظ کر سکتی ہے۔ میکیاویلی نے بھی ایک منتخب بادشاہ کی حمایت میں اظہار رائے کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بادشاہ کو عوام کا نمائندہ ہونا چاہیئے جو عوام کے سامنے جواب دہ بھی ہو۔ لیکن میکیاویلی بادشاہ کو قانون سازی کا اختیار دینے کے حق میں نہیں ہے۔ اس کے خیال کے مطابق اس مقصد کے لئے ایک علیحدہ قانون ساز اسمبلی ہونا ضروری ہے جسے لوگوں نے منتخب کیا ہو۔ لوڈین کے نزدیک موروثی بادشاہت بہترین طرز حکومت ہے کیونکہ اس کے نزدیک بادشاہ کے لئے یہ بہت آسان ہے کہ وہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اپنی پالیسی کو تبدیل کر سکے اس کے علاوہ تمام اختیارات بادشاہ کے ہاتھ میں ہوتے کی وجہ سے اس کے لئے اپنی رعایا

Marfat.com

کے حقوق اور جان و مال کی نگہداشت بہت آسان ہے۔ ہابس مطلق شہنشائیت (SUPREME MONARCHY) کو ترجیح دیتا۔ اس کا خیال ہے کہ ایک طاقتور بادشاہ ہی عام لوگوں میں سیاسی بیداری پیدا کر سکتا ہے، ملک کا نظم و نسق خوبی کے ساتھ سنبھال سکتا ہے اور تمام لوگوں کے حقوق اور مفادات کا تحفظ کر سکتا ہے۔ مانٹسکو دستوری شہنشائیت (CONSTITUTIONAL MONARCHY) کے حق میں ہے اور فرانس کے انتشار گرفتہ حالات میں اسی طرز حکومت کو ترجیح دیتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں کچھ سیاسی مفکرین ایسے بھی ہیں جو جمہوریت کو دوسری تمام طرز حکومت پر ترجیح دیتے ہیں۔ میکیاویلی کہتا ہے کہ جس ملک میں دولت کی مساویانہ تقسیم کارفرما ہے وہاں جمہوریت بہترین طرز حکومت ہے۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ عوام کے سیاسی خیالات میں تبدیلی کے پیش نظر جمہوریت میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے جو شہنشائیت میں ممکن نہیں۔ اس کے نزدیک جمہوری طرز حکومت میں معاشرہ کی خوشحالی کی ضمانت بہتر صورت میں مل سکتی ہے اور لوگوں میں سیاسی بیداری بھی اسی کے ذریعہ پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی میکیاویلی ایک منتخب بادشاہ میں بھی یقین رکھتا ہے، خاص طور پر اٹلی کے لئے، کیونکہ اس کے نزدیک ایک منتخب بادشاہ کی حکومت ہی اٹلی کو متحد رکھ سکتی ہے اور اٹلی کو تباہ کرنے کے لئے دشمنوں کی تمام تدبیروں کو ناکام بنا سکتی ہے

جان لاک پارلیمانی طرز حکومت کا مداح تھا۔ وہ ہمہ جہت طاقتور شہنشائیت کی مذمت کرتا تھا اس کے خیال میں اگر شہنشائیت ہی کو اختیار کرنا ہو تو اسے عوام کی خواہش کے مطابق ہونا چاہیئے اور اس کے اختیارات نہایت محدود ہونے چاہئیں گویا لاک بھی منتخب بادشاہ کے حق میں ہے۔ اس کے خیال میں قانون ساز اسمبلی حکومت

Marfat.com

کا اہم ترین ادارہ ہے۔ وہ عدلیہ اور انتظامیہ کو قانون ساز اسمبلی کے ماتحت رکھنا چاہتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ منتخب بادشاہ کو بھی قانون سازی کے اختیارات نہیں دینا چاہتا، سوائے اس کے کہ وہ خاص حالات میں آرڈیننس (ہنگامی قانون) جاری کرے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ قانون ساز ادارہ کے اختیارات بھی یہ کہہ کر محدود کرنا چاہتا ہے کہ اس ادارہ کے بنائے ہوئے قانون نیچر یا فطرت کے خلاف نہ ہوں۔ اس کے خیال میں عوام کو اختیار ہے کہ وہ ملک میں انقلاب برپا کریں۔

روسو بلا واسطہ جمہوریت اور مساوات کا حامی ہے وہ عوام کی آزادی اور بالادستی پر یقین رکھتا ہے اور ریاست کے مقابلہ میں عوام کی خوش حالی کو ترجیح دیتا ہے۔ جہاں تک بڑی مملکتوں کا تعلق ہے، روسو کے خیال کے مطابق وہاں جمہوریت کا نفاذ ناممکن ہے کیونکہ ان میں رائے عامہ (GENERAL WILL) کا تعین ممکن نہیں جیرمی بنیتھم (JEREMY BENTHEMS) جمہوری طرزِ حکومت کو بہترین قرار دیکر اسی کو ترجیح دیتا ہے اور کہتا ہے کہ حکومت کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کی بڑی سے بڑی تعداد کو زیادہ سے زیادہ خوشی کے اسباب مہیا کرے جان اسٹوآرٹ مِل انفرادی ازادی کا شدت سے حامی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہر فرد کی آزادی کے تحفظ اور ضمانت کے لئے حکومت کے اختیار کم کر دیتے چاہئیں۔ حکومت کو لازم ہے کہ وہ فرد کے معاملات میں کوئی مداخلت نہ کرے۔ اس کے نزدیک وہی طرزِ حکومت قابلِ ترجیح ہے۔ جس میں بالادستی عوام کے ہاتھ ہو چنانچہ اس کے نزدیک جمہوری طرزِ حکومت ہی قابلِ ترجیح ہے۔

پولی بیئس کے نزدیک شہنشاہیت دنیا کی قدیم ترین طرزِ حکومت ہے لیکن جوں ہی بادشاہ اپنی رعایا کی طرف سے غفلت برتنا شروع کر دیتا

Marfat.com

ہے، اُس کی حکومت امراء کی حکومت (ARISTOCRACY) میں تبدیل ہو جاتی ہے جس میں زمامِ حکومت چند امراء کے ہاتھوں محدود ہو کر رہ جاتی ہے مگر جلد یا بہ دیر یہ حاکم امراء عام لوگوں کے مفاد کے خلاف کام کرنا شروع کر دیتے ہیں جس سے ملک میں عام بے چینی بڑھ جاتی ہے اور انقلاب برپا ہو جاتا ہے اس کے بعد وہاں جمہوریت اپنے قدم جما لیتی ہے لیکن جمہوریت بھی جلد ہی جمود کا شکار ہو کر بد دیانتی اور نا انصافی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور آخر کار ایک بے ہنگم بھیڑ (اژدہام) کی حکومت (MOB RULE) کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر وہاں نراجیت (ANARCHY) کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں کوئی طاقتور شخص ابھرتا ہے اور وہ اقتدار پر قبضہ کر لیتا ہے اس کا نام آمریت ہے جو اس صورت میں شہنشاہیت یا سامراجیت کی بگڑی ہوئی شکل ہی قرار دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اُس کے نزدیک ایک مشترک اور متحد حکومت جس میں تینوں طرزِ حکومت یعنی شہنشاہیت، اشرافیہ اور جمہوریت کی خوبیاں موجود ہوں، قابلِ ترجیح ہے۔ پولی بئیس کے نظریہ کو روم میں عملاً آزمایا گیا اور سلطنتِ روما (ROMAN EMPIRE) کو اسی طرز پر ڈھالا گیا چنانچہ رومی حکومت سنات (SENATE) اور پاپولر اسمبلی (POPULAR ASSEMBLY) (یعنی عوامی طور پر مقبول حکومتی ادارہ) پر مشتمل تھی۔ سیسرو بھی پولی بئیس کی تقلید کرتے ہوئے مشترک طرزِ حکومت کی تلقین کرتا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ جمہوری طرزِ حکومت صرف مخصوص حالات کے تحت اختیار کی جا سکتی ہے ورنہ نہیں۔ ہابس بھی اسی نقطۂ نظر کا حامی ہے اُس کا کہنا ہے کہ تمام مروجہ طرزِ حکومت میں وہی بہترین ہے جو امن و امان برقرار رکھ سکے اور افراد کے حقوق کا تحفظ کر سکے۔ روسو کا خیال ہے کہ طرزِ حکومت کا دار و مدار کسی ملک کے حالات

Marfat.com

پر ہے ایک خاص طرز حکومت اگر کسی ملک کے لئے مناسب ہے تو ضروری نہیں کہ وہ دوسرے ممالک کے لئے بھی موزوں ہو۔

حکومت خواہ وہ بادشاہت ہو یا اشرافیہ یا جمہوری فی الحقیقت بالادستی یا اقتدار اعلیٰ پر مشتمل ہوتی ہے اور بالادستی ہمیشہ عملی طور پر ایک ہی شخص کے ہاتھ میں ہوتی ہے، ایک سے زیادہ افراد کے ہاتھ نہیں ہوتی، اگرچہ نظریاتی طور پر اس کے برعکس کچھ بھی کہا جائے۔ یہ کہنا کہ بالادستی یا اقتدار اعلیٰ کے مستحق یا حقیقی مالک عوام ہیں، محض ایک سیاسی فریب ہے جس کی آڑ میں حکمراں طبقہ عوام کو بے وقوف بناتا رہتا ہے تاکہ وہ اُن کا اعتماد حاصل کرے اور پھر انھی کا استحصال کرے اور اسطرح اپنے اقتدار کو طول دیتا جائے۔ اگر ہم جمہوریت اور شہنشاہیت کے بنیادی عناصر کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ دونوں میں ایک ہی مشترک عنصر کام کر رہا ہے اور وہ ہے اقتدار کا استعمال! جو ایک ہی شخص کی مرضی اور کارگزاری سے وجود میں آتا ہے۔ یہ فرد واحد بادشاہ بھی ہوسکتا ہے، صدر مملکت بھی اور وزیر اعظم بھی۔ آخری تجزیہ میں عملاً بالکل ایسا ہی ہوتا ہے اور اس سے انکار ممکن نہیں۔ فرق صرف نظریاتی یا اصطلاحی تاویلات کا ہے! زیر بحث سوال یہ ہوتا ہے کہ "اقتدار"، جو حکومت کا بنیادی عنصر ہے کس طرح حاصل کیا جاتا ہے یا تفویض ہوتا ہے! عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سامراجی یا شاہی نظام میں اقتدار غصب کیا جاتا ہے جب کہ جمہوری نظام میں یہی اقتدار تفویض کیا جاتا ہے یا تحویل میں دیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک نظام میں اقتدار پر طاقت کے بل بوتے پر یا جبراً قبضہ کیا جاتا ہے جب کہ دوسرے نظام میں رائے عامہ کے آزادانہ استعمال سے رضامندی کے ساتھ اقتدار کی منتقلی ہوتی ہے۔ یہ بات تسلیم کرنے میں ہمیں عذر نہیں کہ سامراجی یا شاہی نظام

Marfat.com

حکومت میں اقتدار پر زبردستی قبضہ کیا جاتا ہے مگر جمہوریت کے بارے میں یہ کہنا صحیح نظر نہیں آتا کہ اقتدار آزادانہ رضامندی سے سپرد کیا جاتا ہے۔ یہ محض افسانہ طرازی ہے، حقیقت کہیں دور ہے!

جمہوریت کی نظریاتی توضیح یوں کی جاتی ہے کہ یہ حکومت "عوام کی، عوام کے ذریعہ اور عوام کے لئے" ہے مگر عملی طور پر ایسی جمہوریت فی الواقع وجود میں لائی گئی ہے یا لائی جا سکتی ہے، اس کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سیاسی "زرّیں قول" کا مختلف پہلو سے جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس قول پر مبنی عملی حیثیت سے کوئی حکومت قائم بھی کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

اس کُلیّہ کے پہلے نکتہ "عوام کی حکومت" پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ایک فرد کے عوامی نمائندہ منتخب ہونے اور عنانِ اقتدار سنبھالنے کے بعد ہی رائے عامہ جس کے آزادانہ استعمال کے نتیجہ میں ایسا شخص برسرِ اقتدار آیا ہے اور جس کی شان میں بہ بانگ دہل اعلان کیا جاتا رہا ہے کہ جمہوریت کی بالادستی اور اقتدار کی زمام عوام کے ہاتھ ہوتی ہے۔ حکومت کے نظم و نسق میں حصہ لینے اور اپنا حق بالادستی، استعمال کرنے سے یکسر محروم کر دی جاتی ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ ایک دفعہ منتخب ہونے کے بعد صاحبِ اقتدار ہی سیاہ و سفید کا مالک بن جاتا ہے اور وہ شاذ و نادر ہی اپنے کسی اہم فیصلہ میں عوام کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اُن کے پاس آتا ہے یا اُن کو اعتماد میں لیتا ہے۔ اُس کا طرزِ عمل کچھ ایسا ہوتا ہے کہ گویا وہی "مختارِ کُل" ہے۔ اُس کی بارگاہ میں اُنہی کی ہمت افزائی اور پذیرائی ہوتی ہے جو اس کے "جی حضوری" بن جاتے ہیں! اور جو لوگ اس سے اختلاف کی جرأت کرتے ہیں اُن کی سرکوبی کی جاتی ہے۔ اس طرح وہ ملک کے تمام وسائل کا استحصال کرتا ہے۔ وہ حکومت کی پروپیگنڈا مشنری یا ذرائع ابلاغ

Marfat.com

اپنے (یا اپنی پارٹی) کے مفاد میں استعمال کرتا ہے۔ اپنے تمام اقدامات میں خود کو حق بجانب بلکہ عوام کے مفاد میں ثابت کرنے کے لئے وہ تمام ممکنہ سیاسی حربے استعمال کرتا ہے تاکہ عوام کو بہلایا اور اُن کا نام نہاد اعتماد حاصل کیا جاسکے! اپنے مخالفین کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دینا، ان کے خلاف جھوٹے الزام گھڑنا، ان کو جھوٹے مقدموں میں ملوّث کرنا اُن کے اثر ورسوخ کو توڑنے کے لئے اُن کی زندگی تباہ کرنے کی دھمکی دینا، بنیادی حقوق اور شہری آزادی کو ملک کی سلامتی کے نام پر معطّل کر دینا، پریس پر قبضہ کر کے اُن پر دباؤ ڈالنا، عوام کے ذرائع اطلاعات پر سنسرشپ کے ذریعہ صحیح حالات سے آگاہ ہونے کے لئے عوام کو روکنا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے جابرانہ اور تحکمانہ احکامات و اقدامات کا نفاذ اس کا روزمرّہ کا معمول بن جاتا ہے اب اس کے بعد جمہوریت اور شہنشاہیت بلکہ آمریت کے درمیان اصطلاحی نام کے علاوہ کیا فرق باقی رہتا ہے! حقیقت تو یہ ہے کہ جو کام بادشاہ شیر بن کر بے باکی سے انجام دیتا ہے وہی کچھ سیاستدان صاحب اقتدار لومڑی کی عیارانہ چال کے سہارے کرتا ہے!!

ممکن ہے کچھ لوگ یہ کہیں کہ پارلیمانی طرزِ حکومت میں ہر قانون عوام کے منتخب نمائندوں کی رضامندی سے منظور کیا جاتا ہے اور اس کا امکان بہت کم ہے کہ یہ عوامی نمائندے عوام ہی کے مفاد کے خلاف کوئی قانون منظور کریں گے۔ لیکن کیا واقعی ایسا ہوتا ہے؟ پارلیمانی طرزِ حکومت میں ہمیشہ اکثریتی جماعت کے نمائندے حکومت کا کاروبار چلاتے ہیں لہذا جو قانون بھی پارلیمنٹ میں منظور ہوتا ہے وہ وہی ہوتا ہے جو اکثریتی جماعت چاہتی ہے۔ اس کے پسِ پردہ وہی "صاحبِ اختیار" فرد ہوتا ہے جو حکمراں جماعت کا رہنما یا لیڈر ہے۔ اگر کسی وقت کسی مجبوری یا حالات کے تحت وہ اپنی مرضی کا کوئی قانون منظور نہیں کرا سکتا ہے جو

Marfat.com

رائے عامہ کے خلاف ہو تو وہ کم از کم اتنا تو ضرور کر سکتا ہے کہ وہ ایسے قانون کا راستہ روک دے جو عوام کے مفاد میں تو ہو مگر اُس کے اپنے یا اُس کی جماعت کے مفاد میں نہ ہو۔

اس کے علاوہ پارلیمنٹ کی اکثریتی جماعت (حزبِ اقتدار) کسی حالت میں بھی مملکت کے تمام افراد کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ میں اقلیت کے نمائندے (حزبِ اختلاف) بھی ہوتے ہیں، اگرچہ اُن کی آواز اتنی موثر نہیں ہوتی اس کے علاوہ اگر پارلیمنٹ میں کسی قانون کا منظور ہونا ہی رائے عامہ کی منظوری کی علامت ہے تو یہ امتیاز صرف جمہوریت کے لئے ہی کیوں مخصوص رہے؟ سامراجی یا بادشاہی حکومت میں بھی حکمران یا بادشاہ اپنے بنائے ہوئے قانون کو عوام کی اکثریت کے مفاد میں ثابت کرنے کا اہتمام کرتا ہے بلکہ اُس کا دعویٰ بھی یہ ہوتا ہے کہ اس کا نافذ کردہ قانون یا حکم عوام کی اکثریت کے مفاد میں ہے (اگرچہ سارے ملک کے مفاد میں نہ ہو) اور چونکہ بادشاہ یا حکمران کسی پارٹی یا جماعت کے نمائندے کی حیثیت سے منتخب نہیں ہوتا اس لئے یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اُس کا کوئی اقدام کسی جماعت کے خلاف متعصبانہ ہے اس لحاظ سے ایک بادشاہ ایک بے لگس پارلیمانی گروہ کے مقابلہ میں زیادہ قابلِ قبول ہے کیونکہ بادشاہ اپنے ہر اقدام میں محتاط رہتا ہے اور حتی الوسع کوشش کرتا ہے کہ اس کا نافذ کردہ قانون یا فرمان تمام رعایا کے لئے سودمند ہو۔ اس کے برخلاف عوام کی نمائندگی کے زعم میں منتخب ہونے والا "حزبِ اقتدار" اپنی مرضی کو پارلیمنٹ اور عوام پر مسلط کرنے سے نہیں ہچکچاتا اور اس سے بے نیاز رہتا ہے کہ دوسرے لوگ اُس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ منتخب نمائندے پارلیمنٹ کے توسط سے عوام کے سامنے

Marfat.com

جواب دہ ہوتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ پارلیمنٹ ہمیشہ اکثریتی یعنی حکمران جماعت کے ہاتھوں میں ہوتی ہے جس کا ہر ممبر اولاً اپنے ہی مفاد یا اپنی پارٹی کے مفاد میں دلچسپی رکھتا ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے منشور کے پروگرام پر عمل کرے اس کے علاوہ پارلیمنٹ کے تمام ممبران قانون سازی میں دلچسپی نہیں لیتے بلکہ بہت سوں کو تو یہ خبر نہیں ہوتی کہ قانون کے معنی کیا ہیں؟ ان میں سے کئی ایک سیاست کے میدان کے بالکل نئے کھلاڑی ہوتے ہیں اور وہ قانون کی موشگافیوں سے نابلد ہوتے ہیں۔ بعض نئے آنے والے ممبر پارلیمنٹ میں صرف مالی منفعت کی نیت لئے آتے ہیں۔ کم از کم ان کی اپنی غرض اتنی ضرور ہوتی ہے کہ الیکشن کے سلسلہ میں جو کچھ اخراجات انہیں برداشت کرنے پڑے ہیں۔ ان کی کسی طرح تلافی ہو جائے۔ ان میں سے کچھ تو اس کے لئے بھی کوشاں رہتے ہیں کہ انہیں کابینہ میں کرسی مل جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ ہر کام کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں جو پارٹی کا لیڈر ان سے لینا چاہتا ہے۔

گو کہ تو وزراء کی کابینہ بھی ہوتی ہے مگر ہر وزیر کے پیش نظر حکمران پارٹی کے سربراہ یعنی صدر یا وزیراعظم کی خوشنودی رہتی ہے اور وہ اس کی ناز بے جا تائید کرتا ہے۔ اس طرح یہ نام نہاد جمہوری حکومت امرانہ حکومت بن جاتی ہے جس کے ممبران کی حیثیت ان خدمت گزاروں جیسی رہ جاتی ہے جو پارٹی کے سربراہ کے دوستوں کو تو خوش آمدید کہتے ہیں مگر اس کے معترضین اور مخالفین کو پاس پھٹکنے بھی نہیں دیتے۔

یہ صورت حال ہمارے خیال میں تمام نام نہاد جمہوری حکومتوں میں پائی جاتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو حفاظتی پولیس (SECURITY POLICE) باڈی گارڈ اور خفیہ تفتیش کے عملے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر حکمران پارٹی کا سربراہ واقعی عوام کا منتخب نمائندہ ہے تو اسے صحیح معنوں میں ہر دلعزیز

اور عوام کا خیر خواہ ہونا چاہیئے۔ اور اگر وہ عوام کے فلاح و بہبود کے لئے کوشاں ہے تو اُسے عوام سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حقیقی معنوں میں "عوام کی حکومت" کا وجود شاید و باید ہو!

اب ہم جمہوری حکومت کے دوسرے پہلو یعنی "حکومت عوام کے ذریعہ" کا جائزہ لیتے ہیں۔ بظاہر اس سے ایسی حکومت مراد ہے جسے عوام نے تشکیل دیا ہو یا بالفاظ دیگر ایسی مملکت جس میں تمام افراد نے باہمی رضامندی سے کسی شخص کو اپنا حکمران منتخب کر لیا ہو۔ لیکن کیا ایسی حکومت سطح زمین پر ان نام نہاد جمہوری ملکوں میں کبھی تاریخ انسانی کے کسی دور میں بھی وجود میں آئی ہے؟ اس سوال کا جواب بلا خوف تردید دیا جا سکتا ہے کہ "نہیں"!

بیشک دورِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد کو مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے مگر بوجوہ اُس عہد کی سیاسی تاریخ کا یہاں موقع نہیں۔ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اُس دور میں جو اسلامی حکومت برسر اقتدار تھی یا جو اسلامی نظام حیات بروئے کار تھا وہ اپنا جواب آپ تھا۔ اس کی مثال تاریخ انسانی کے کسی دور میں نہیں ملتی۔ اس کے متعلق آئندہ صفحات میں کچھ تفصیلی ذکر کیا جائیگا۔ فی الحال ہم اپنا جائزہ مغربی مفکرین اور اہل سیاست کی پیش کردہ جمہوری حکومت اور اس کے مختلف پہلوؤں تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔

مغربی مفکرین جس حکومت کو عوام کے ذریعہ (BY THE PEOPLE) کی صفت سے یاد کرتے ہیں اُس سے خود ان کی مراد بھی یہ نہیں ہوتی کہ ملک کے تمام افراد نے مل کر اس کی تشکیل کی ہے بلکہ فی الحقیقت ان کے پیش نظر جمہوری نظام پر مبنی ایسی حکومت ہوتی ہے جس کو عوام کی کثرت رائے نے منتخب کیا ہو۔ "کثرتِ رائے" کا مفہوم بھی بادی النظر میں غیر منطقی بلکہ مضحکہ خیز کہا جا سکتا ہے۔ عددی نقطۂ نظر سے کسی ملک کی آبادی کا

Marfat.com

اکیاون (۵۱) فیصد حصہ "اکثریت" کہلاتا ہے اور انچاس (۴۹) فی صد حصہ اقلیت!! ظاہر ہے کہ ان دونوں گروہوں میں فرق یا تناسب بہت معمولی بلکہ قابلِ نظر انداز ہے۔ مگر سیاست کی لغت میں ۵۱ فی صد کو اکثریت ہی قرار دیا جاتا ہے اور اس حصہ کے بل بوتے پر منتخب حکومت "جمہوری" کہلاتی ہے۔ اس بات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس طرح کی جمہوری حکومت" کے لئے "عوام کے ذریعہ منتخب حکومت" کا معنوی اطلاق نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایسی حکومت کا حقیقی طور پر "جمہوری" ہونا محلِ فکر ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ۴۹ فیصد عوام اس حکومت کی تشکیل میں شریک نہیں ہیں اور اس حد تک لوگوں کے حقوق غصب کئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ نام نہاد "اکثریت" بھی ایک پُر اسرار نظریہ ہے۔ اسمبلی میں "نشستوں کی اکثریت اور رائے عامہ کے تحت "ووٹ" کی اکثریت" دو مختلف چیزیں ہیں۔ لیکن اکثر ان دونوں کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ یہ دعویٰ ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا کہ جو جماعت اسمبلی میں نشستوں کی اکثریت حاصل کرلے، اس نے ووٹ بھی اکثریت میں حاصل کئے ہیں۔ بعض اوقات صورتِ حال اس کے بالکل برعکس بھی ہو سکتی ہے یعنی جس پارٹی نے اسمبلی میں نشستوں کی اکثریت حاصل کی ہے اُسے ووٹ اقلیت میں ملے ہوں!! اور جس پارٹی یا جماعت کی اسمبلی میں اقلیت ہے اُسے ووٹ اکثریت میں ملے ہوں۔ اس عجیب و غریب صورتِ حال کو مثال کے ذریعہ سمجھایا جا سکتا ہے۔ فرض کیجئے کہ کسی اسمبلی کی دس نشستوں کے لئے سو سو رائے دہندگان پر مشتمل دس حلقے ہیں اور ہر حلقے میں سے ایک امیدوار منتخب کرنا ہے۔ یہ بھی فرض کر لیجئے کہ اس انتخاب میں (الیکشن) میں چار جماعتیں یا پارٹیاں الف، ب، ج، اور د حصہ لے رہی ہیں اور چھ حلقوں میں ان چاروں جماعتوں کو اس تناسب سے ووٹ ملتے ہیں: الف

Marfat.com

= ۳۵، ب = ۲۵، ج = ۲۰ اور د = ۲۰۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ چھ کے چھ حلقوں میں الف کے امیدوار کامیاب قرار دیے جائیں گے۔ اسی طرح فرض کیجئے کہ بقیہ چار حلقوں میں ووٹوں کا تناسب یہ ہے۔ الف : ۳۵، ب : ۴۰، ج : ۱۵ اور د : ۱۰۔ لہٰذا ان چاروں حلقوں میں ب کے امیدوار کامیاب ہوں گے اس طرح اسمبلی میں مجموعی طور پر الف کی چھ اور ب کی چار نشستیں ہونگی چنانچہ "جمہوریت" کے اصول کے مطابق الف یعنی وہ جماعت یا پارٹی ہے جس نے صرف ۳۵ فیصد ووٹ حاصل کئے ہیں حکومت بنائے گی اُسے عوام کی اکثریت کی حمایت اور اعتماد حاصل نہیں ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس صورت میں جو فرد حکومت کا سربراہ بنے گا وہ محض ۳۵ فی فیصد آبادی کا منتخب نمائندہ ہوگا اور ۶۵ فیصد لوگوں کے ضمن میں اس کا حقِ حکمرانی غصب اور جبر کے حدود میں متصوّر ہوگا۔

مزید برآں یہ بھی حقیقت ہے کہ تفویض حکومت کا عمل کبھی بھی آزادانہ اظہارِ رائے سے ظہور میں نہیں آتا عملی طور پر اقتدار پر قبضہ ہی کیا جاتا ہے ہوتا یہ ہے کہ عوام کی طرف سے نامزدگی کی بجائے اقتدار کا خواہش مند امیدوار خود کو منتخب ہونے کے لئے پیش کرتا ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ بے دریغ رقم خرچ کرتا ہے اور پروپیگنڈہ کے ذریعہ اپنی شخصیت کو ابھارنے کی کوشش کرتا ہے ووٹ کی خرید وفروخت کی جاتی ہے اور وہ تمام ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں جو الیکشن جیتنے کے لئے ضروری ہوں ان حالات میں منتخب ہونے والا شخص ظاہر ہے کہ خود اپنی ذات ہی کا خیر خواہ ہو سکتا ہے اس کے بعد وہ صرف انہی لوگوں کی مدد کریگا جنہوں نے اس کی مدد کی ہے۔ پھر کہیں جا کر قوم کے مفاد کی کچھ فکر کی جائے گی۔ یہ ہے نقشہ اور انجام اُس جمہوری حکومت کا جو "حکومت بذریعہ عوام" کہلاتی ہے (یعنی GOVT - BY THE PEOPLE)

Marfat.com

جہاں تک جمہوری حکومت کی تعریف کے تیسرے پہلو" حکومت برائے عوام" کا تعلق ہے تو اس ضمن میں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اس مقولہ کا وجود تینوں طرزِ حکومت یعنی شہنشاہیت، اشرافیہ اور جمہوریت کسی میں حقیقی معنوں میں نہیں پایا جاتا۔ ان تینوں قسم کی حکومتوں میں جو اصول کارفرما ہوتا ہے، وہ پس پردہ ذاتی مقاصد کا حصول ہے جس کے لئے سربراہ مملکت یا حکمران جماعت کے ارکان کوشاں رہتے ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں کچھ خیر خواہی کے کارنامے عوام کے لئے نظر آتے ہیں تو اس کے پس منظر میں بھی عوام کی خوشنودی اور تائید سے اپنا مقصد اور مدعا پورا کرنے کی نیت شامل ہوتی ہے لیکن اگر" حکومت برائے عوام" کے نعرہ کو تسلیم کر ہی لیا جائے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کا دائرۂ اطلاق صرف جمہوریت تک محدود نہیں رہتا بلکہ کسی نہ کسی شکل میں دوسری دونوں قسم کی حکومتوں میں بھی پایا جاتا ہے بالعموم ہر قسم کی حکومت عوام کی خیر خواہی کا دم بھرتی ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ" خیر خواہی" واقعی ذاتی اغراض سے بالاتر ہے؟ اور اس میں کسی قسم کا امتیازی سلوک یا تعصب شامل نہیں ہے؟ کیا اس" خیر خواہی" کو ذاتی مقاصد کے باوجود جاری وساری رہنے کی اجازت ہوتی ہے اور اس میں کسی ذہنی تحفظ کا دخل نہیں ہوتا خواہ وہ ایک فرد کے لئے ہو یا ایک جماعت کے لئے؟

تمام نام نہاد جمہوری حکومتوں میں بدقسمتی سے انسان کے بنیادی حقوق کی ضمانت محض دستور العمل یا حکمران جماعت کے منشور کے کاغذی وعدوں تک محدود رہتی ہے یہ بنیادی حقوق جن میں اظہارِ خیال کی آزادی حصولِ جائداد اور دولت کی آزادی، تحریک وعمل کی آزادی اور قانون کی نظر میں مساوات شامل ہیں، ان جمہوری حکومتوں میں عملی طور پر اور تسلسل کے ساتھ شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔ بالعموم ان برکتوں کے دروازے

Marfat.com

عوام کے لئے بند رہتے ہیں مگر جہاں تک "خواص" کا یعنی جی حضوریوں کا تعلق ہے وہ ان بنیادی حقوق کی آزادی کے ساتھ ساتھ دیگر کئی اضافی آزادیوں سے بھی متمتع ہوتے رہتے ہیں! حزب اختلاف کو تو پر امن زندگی بسر کرنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ موخرالذکر میں بھی ذہین اور دانشمند ہوتے ہیں مگر ان کو اظہارِ خیال کا موقع نہیں دیا جاتا۔ وہ اپنی ذہانت اور تجربہ کی بنیاد پر استحقاق کے باوجود ملک کے نظم ونسق سے دور ہی رکھے جاتے ہیں بعض اوقات تو حکومت ملک کی پیشہ ورانہ زندگی میں بھی اُن کے تعاون کو خوش دلی کے ساتھ قبول نہیں کرتی۔ ملک کے ممتاز شہری ہو کر بھی وہ عدل ومساوات جیسی نعمتوں کو ترستے رہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جمہوری حکومت میں خوش حالی اور حقوق کی آزادی حکمراں جماعت کی خوشنودی پر منحصر ہوتی ہے جو صرف خوشامد اور جی حضوری میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ عقل وذہانت اور اصول پرستی میں نہیں! یہ عملی نمونہ ہے "حکومت برائے عوام" کے زرّین اصول پر قائم جمہوریت نواز حکومت کا!!

غور سے دیکھا جائے تو "حکومت برائے عوام" کے اصول میں طرز اور طریق کار سے زیادہ "مقصد" کو اہمیت حاصل ہے، "نظریۂ جمہوریت" پُرکشش اور نظری طور پر قابلِ قبول ہونے کے باوجود شاذ ہی اپنی خوبیوں کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوا ہے یہ دنیائے سیاست کا المیہ ہے اگر جمہوریت عملی طور پر ناکام ہو جائے تو اس کی افادیت محض منطقی رہ جاتی ہے اور عوام کو اس سے کوئی فیض نہیں پہنچتا۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی مفکرین یہ سوچنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ طرز حکومت کے مقابلہ میں مقصد اور مدعا زیادہ اہم ہے جس کا تمام تر دارومدار کسی ملک کے معاشرتی اور معاشی حالات پر ہوتا ہے لہذا وہی حکومت کامیاب اور ترقی پذیر کہلائی جاسکتی ہے جس کا نصب العین انسانی معاشرہ کی خوش حالی، تحفظ، انصاف،

Marfat.com

اور ترقی کے مواقع فراہم کرنا ہے۔ حقیقت پسند اور غیر متعصب سیاسی مفکرین کے نزدیک اس نصب العین کے حصول اور عملاً نافذ کرنے کے جتنے امکانات شہنشاہی طرز حکومت کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں کسی اور طریقہ سے نہیں ہوتے۔ اس کی تصدیق و تائید میں دوگونہ استدلال پیش کئے جاسکتے ہیں پہلا استدلال تو شہنشاہی طرز حکومت کے حق میں یہ ہے کہ عوام انتخابات کے بکھیڑوں سے نجات پاجاتے ہیں کیونکہ موجودہ دور میں انتخابات یا الکشن محض پروپگنڈا، شہرت پسندی، جھوٹے مگر دل فریب وعدے، تضیع اوقات اور دولت کا بے جا اسراف، باہم جماعتی رقابت۔ غیر قانونی طریقوں کا استعمال، دھوکہ، فریب، غلط بیانی اور ذاتی غرض کے لئے جذبات کو ابھارنے کا ذریعہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ان لایعنی مصروفیتوں میں ملک کے بیشتر افراد کئی کئی مہینے سرگرداں رہتے ہیں۔ ان تمام ہیجان انگیز حالات کے نتیجہ میں اگر ایسی حکومت وجود میں آئے جس سے مسائل اور الجھ جائیں تو اس کی افادیت معلوم! دوسرا استدلال، شہنشاہیت کے جواز میں یہ دیا جاسکتا ہے کہ عملاً ہر حکومت میں اقتدار و اختیار آخر کار فرد واحد کی ذات میں ہی مرکوز ہو کر رہ جاتا ہے اور وہی اپنی صلاحیت اور مصلحت کے تحت حکومت کی پالیسی مرتب کرتا ہے۔ شہنشاہیت میں بھی اقتدار اعلیٰ اور جملہ اختیارات ایک ہی فرد یعنی بادشاہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے مگر بادشاہ سلامت، کو تخت شاہی پر بٹھانے کے لئے عوام کو انتخاب یا الیکشن کے بکھیڑوں سے واسطہ نہیں پڑتا اور نہ ہی ملک کو غیر یقینی حالات کا سامنا پڑتا ہے ایک فرد کا فرمان تمام اہل ملک کے لئے واجب العمل ہوتا ہے اور ملک کا نظم و نسق بادشاہ وقت کی صوابدید کے مطابق سرانجام پاتا ہے اور لوگ اپنے معاشی اور معاشرتی حالات کو سدھارنے اور ان کو فروغ دینے میں آزاد ہوتے ہیں۔ یہ ایک سیدھا سادا اور روک ٹوک سے محفوظ ملک

Marfat.com

سی مسائل کا حل ہے۔ اس میں مملکت کے انتظامی امور کے پھیلیں میں
ی مکر و فریب اور جبر و استحصال کا گذر نہیں۔

ــرآنی نقطۂ نظر

قرآن کریم نے حکومت سازی کے کسی پیچیدہ اور غیر تسلی بخش نظام
ت انسانی کو مبتلا کرنے کی بجائے معاشرہ کے مسائل حل کرنے کے لئے
سادہ اور قابل العمل اصول بیان کئے ہیں۔ انسانی فطرت میں اطاعت
ودلیعت کیا گیا ہے اسی لئے قرآن کریم نے بھی اطاعت ہی کو فلاح
موجب قرار دیا ہے۔ وہ ذات جس کے دستِ قدرت میں ساری کائنات
م ہے وہی سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اطاعت کی سزاوار ہے
۔ بعد تمام انسانوں میں انسانِ کامل اور کائنات میں مکرم ترین
حضور نبی کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات
عت کا محور قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد دنیاوی نظم و نسق کے نقطۂ
ے حاکمِ وقت اور صاحبِ امر کے احکام کی بجا آوری ضروری ہے اِس
ر کے لئے قرآن کریم نے کسی خاص طرزِ حکومت کی تلقین یا وضاحت
ی ہے بلکہ اس کی بجائے قیامِ حکومت کا بنیادی مقصد بیان کیا ہے۔
کریم کے نزدیک اہلِ ایمان وہ ہیں جن کو اگر اللہ تعالیٰ زمین میں سلطنت
ملے تو وہ اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے ساتھ امر بالمعروف اور
ن المنکر کا ذریعہ سرانجام دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔
اس طرح قرآن کریم نے دراصل حکومت کے بنیادی مقاصد پر زور
ہے۔ رہا طرزِ حکومت کا معاملہ تو اس کا انتخاب اصحابِ اختیار، اہلِ تقویٰ
سخون فی العلم کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے جو وقت اور حالات کے تقاضوں
نظر رکھتے ہوئے حکومت یا انتظامی مشنری کی تشکیل و تکمیل میں اپنا

Marfat.com

حق ادا کریں۔ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے یہ ضروری ہے کہ حاکم و
کا انتخاب مسلمانوں کی باہم رضامندی سے ہو اور حکومت چلانے کے
مجلس شورای (ADVISORY COUNCIL) قائم کی جائے

قرآن کریم نے جو قیام حکومت کے مقاصد کو خاص اہمیت دی ہے
چیز قانون فطرت کے عین مطابق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مقصد حکو
پورا نہ ہو تو پھر کوئی حکومت بھی اچھی نہیں خواہ وہ جمہوری، حکومت
کیوں نہ ہو۔ اس کے برعکس اگر مقصد حکومت کی تکمیل ہو تو بادشاہت
بُری نہیں۔ اس کے علاوہ مقاصد حکومت کو اہمیت دینا اُس واقعیت
بھی پوری طرح مطابق رکھتا ہے جو ہر طرز حکومت میں عملاً فرد واحد
حکمرانی کی صورت میں کارفرما رہتی ہے اور جس سے کسی طرح بھی مفر نہیں۔
صفحات میں ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ قرآن کریم کے بیان کردہ طرز
تشکیل حکومت کے متعلق گفتگو کریں گے۔

۶-۱ اقتدارِ اعلیٰ (SOVEREIGNTY)

حکومت، اقتدار اعلیٰ پر مشتمل ہوتی ہے جو مغربی مفکرین کے نزد
شہنشاہیت میں بادشاہ یا حکمراں کو اور جمہوریت میں عوام کو حاصل ہ
ہے لیکن قرآن کریم کے مطابق اقتدار اعلیٰ کا مالک نہ بادشاہ ہوتا ہے
نہ عوام بلکہ اقتدار اعلیٰ کا اصل مالک و مختار اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن کریم کا ا
ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم ہے آسمانوں میں اور زمین پر (شوریٰ: ۹
جو کچھ زمین و آسمان میں ہے۔ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ تہ
کے اندر ہے سب اللہ رب العزت کی ملکیت ہے (طہٰ: ۶) وہ ہر زمان محیط
ہے (النساء: ۱۲۶) اور وہ تمام امور پر قدرت رکھتا ہے (ملک: ۱)
"اقتدار اعلیٰ" کی بنیادی خصوصیات، سیاسی مفکرین کے مطا

Marfat.com

یہ ہیں (۱) وہ ایک ناقابل تقسیم اکائی ہے، مستقل، عالمگیر، بے عیب اور ناقابل منتقلی ہے اور اس کا ہر حکم قانون ہے۔ ژان بودین نے اپنی کتاب "دی ری پبلیکا" میں کہا ہے کہ اقتدار اعلیٰ مطلق اور دائمی ہے اور سوائے قانون قدرت کے ہر دنیاوی قانون کی پابندیوں سے آزاد ہے اقتدار اعلیٰ کے مالک کو قانون سازی کا اختیار ہے اور وہ خود قانون سے بالاتر ہے کیونکہ اسی کی ذات ملکی قانون کا سرچشمہ ہے اور اس کا ہر حکم قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ اُسے اعلان جنگ، قیام امن، عدل وانصاف، سرکاری ملازموں کی تقرری اور معزولی کا اختیار ہے۔ تھامس ہابس اپنی کتاب "لیویتھن" (LEVIATHEN) میں کہتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے مالک کو غیر محدود اختیارات اور حقوق حاصل ہیں اور وہ قانون قدرت کے سوا ہر پابندی سے آزاد ہے اُسے سزا نہیں دی جا سکتی۔ وہ ہمہ قوت کا مالک ہے اور اپنے سوا کسی پر انحصار نہیں رکھتا (یعنی مبنی بر خود SELE-DEPENDENT) وہ اختیار واعزاز کا سرچشمہ ہے۔ اس کے اختیارات اور حقوق ناقابل تقسیم اور ناقابل منتقلی ہیں۔ اس کا حکم قانون ہے لہٰذا وہ خود قانون سے بالاتر ہے۔ روسو اپنی کتاب "ناانصافی کے مبدا پر مقالات" (DISCOURCES ON THE ORIGIN OF INEQUITY) اور عمرانی معاہدہ (SOCIAL CONTRACT) میں لکھتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ رائے عامہ کی بنیاد پر قائم ہے جو اس کے نزدیک ایک اکائی، غرض سے بالاتر، آفاقی دائمی اور ساتھ ہی ناقابل تقسیم ہے۔ بنیتھم اقتدار اعلیٰ کے حامل کو غیر محدود اختیارات دینے کے حق میں ہے۔ وہ اس بات کو ضروری نہیں خیال کرتا کہ اقتدار اعلیٰ کا مالک، افراد کے حقوق کا احترام کرے جب کہ اس کے پیش نظر زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے بڑی سے بڑی بھلائی ہو۔

چنانچہ اقتدار اعلیٰ کا مالک اپنی ذات میں واحد (بلاشرکت غیرے)

Marfat.com

مطلق، تمام طاقت کا مالک ابدی اور دائمی ہے لیکن "واحد" (یعنی ایک) حقیقت میں وہ ہے جبکا ثانی کسی شکل میں بھی نہ ہو جو نہ صرف اپنی ذات میں تنہا اور لاشریک ہو بلکہ صفات میں بھی اس کا ہم پلہ نہ ہو۔ اسی طرح "مطلق" بھی درحقیقت وہ ہے جو کسی غیر کی تخلیق کا نتیجہ (یعنی مخلوق) نہ ہو بلکہ خود ہی تمام مخلوق کا خالق ہو۔ جو کسی علت کا نتیجہ نہ ہو بلکہ خود تمام علتوں کی علتِ اعلیٰ ہو۔ اسی طرح "قادر مطلق"، کا مفہوم بھی فی الحقیقت اسی ذات سے وابستہ ہے جو تمام طاقتوں کا مالک اور سب سے برتر و بالا ہو۔ اپنی ذات میں کسی دوسرے کے سہارے کا محتاج نہ ہو خود کفیل ہو جس پر کسی غیر کا غلبہ نہ ہو جو دوسروں کی روک ٹوک سے ماوراء ہو اور جس کا اختیار تمام قیود، تمام حدود اور تمام عیوب سے مبّرہ و منزّہ ہو اور جو کائنات کی ہر شی پر قادر ہو۔ اور جس کا اختیار کسی دوسرے کا تفویض کردہ یا مشروط نہ ہو اور جس کے اختیارات ناقابل منتقلی ہوں۔ جس کے حیطۂ تصرف میں تمام چیزیں اور امور داخل ہوں۔ اسی طرح ابدی اور دائمی کے مفہوم میں بھی "ذاتِ واحد" کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہو یعنی نہ اس کی ابتدا ہو اور نہ انتہا وہ ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہنے والا ہو ہر زماں موجود، ہر آن زندہ، ہر لحہ باخبر و نگراں، اور ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا ہو۔

وہ ذات جس میں متذکرہ بالا تمام صفات ہر وقت مطلقیت کے ساتھ موجود ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ کہو کہ وہ ذات پاک جس کا نام اللہ ہے، ایک ہے، وہ معبود برحق بے نیاز ہے نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں (سورہ اخلاص) اس کا کوئی شریک نہیں (انعام: ۴۶ اور انعام ۳) اس جیسا کوئی دوسرا نہیں (شوریٰ: ۱۱) وہ واحد ہے، اس کے سوا

Marfat.com

کوئی اور معبود نہیں (بقرہ: ۱۶۳) وہ ایسا ہے کہ نگاہیں اسکا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے۔ اور وہ بھید جاننے والا اور باخبر ہے (انعام: ۱۰۴) وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ حکیم وخبیر (دانا اور خبردار) ہے (انعام: ۱۸) خدا زبردست اور بدلہ لینے والا ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، نہ زمین میں نہ آسمان میں (آل عمران ۴-۵) وہ رحمٰن ورحیم ہے (بقرہ ۱۶۳) وہی اعلیٰ دوست (مولیٰ اور اعلیٰ مددگار (نصیر) ہے (حج: ۷۸) اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے (آل عمران ۵۴) وہ سننے والا اور نزدیک ہے (النساء: ۵۰) وہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے (ق: ۱۶) وہی اول وآخر ہے اور وہی ظاہر وباطن ہے (حدید) اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے (آل عمران: ۴) وہی ہدایت دیتا ہے (انعام: ۸۸) اور ہدایت کا راستہ وہی برحق ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے (انعام: ۷۱) وہ ہمیشہ رہنے والا ہے، اُسے نہ اونگھ آتی ہے، نہ نیند.... کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اُس سے کسی کی سفارش کر سکے... اُسے سب معلوم ہے۔ اُس کی معلومات (علم) میں کسی چیز پر دوسرے دسترس حاصل نہیں کر سکتے البتہ وہ جس قدر چاہے... اُس کی بادشاہی (اور علم) آسمان وزمین سب پر حاوی (محیط) ہے اور اُسے ان کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں، وہ بڑا عالی رتبہ اور جلیل القدر ہے (بقرہ: ۲۵۵) وہ بھولنے والا نہیں (ہر چیز اُس کے علم اور اس کی یاد میں محفوظ رہتی ہے (مریم ۶۴ اور طٰہٰ: ۵۲) وہ ہر آن خبردار رہتا ہے (اُس کے آگے کوئی سرکش چال نہیں چل سکتا) (فجر: ۱۴) وہ ہر جگہ حاضر وناظر ہے (بقرہ: ۱۱۵) وہ کہیں سے اور کسی وقت غائب نہیں رہتا (اعراف: ۷) اُس کی ذاتِ پاک کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے (قصاص: ۸۸) اس کی حمد وثنا لامحدود ہیں اور حیطۂ تحریر میں نہیں لائی جا سکتیں خواہ تمام مادی ذرائع ہی کیوں نہ استعمال

Marfat.com

میں لائے جائیں (کہف: ۱۰۹ اور لقمان: ۲۷)

وہ بے پرواہ (غنی) اور صاحبِ رحمت ہے (انعام: ۱۳۴)، تمام احتیاج سے مبرا اور سزاوارِ حمد وثنا ہے (تغابن: ۶) وہ ہر چیز پر قادر ہے (نساء: ۸۵ اور مائدہ: ۱۲۰) وہ اپنے کام (امر) پر غالب ہے (یوسف ۲۱) سنت الٰہی (طریقِ کار) میں تغیر وتبدل نہیں پایا جاتا (بنی اسرائیل ۷۷ اور فاطر: ۴۳) وہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے (بروج: ۱۶ اور حج: ۱۴) اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے (یٰسین: ۸۲ اور بقرہ ۱۱۷) وہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے (رعد ۱۶) وہی تمام مخلوق کا رزاق ہے (ھود: ۶) آسمانوں اور زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے بے شک وہ ہر چیز سے واقف ہے (شوریٰ ۱۲) سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار (پالنے والا) ہے بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے انصاف کے دن کا حاکم ہے (فاتحہ ۱ تا ۳ سورہ فاتحہ) آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کے لئے ہے (مائدہ: ۱۲۰) وہ احکم الحاکمین ہے (تین: ۸)

ان تمام صفات واختیارات کے مطالعہ اور ان پر غور وفکر کرنے سے یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے کہ "اقتدار اعلیٰ" اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے. اور وہی مطلق العنان حاکم کائنات ہے جس کا حکم ہی حقیقی معنوں میں حکم ہے اور وہی حقیقت الامر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی مالک، خالق، رحمٰن ورحیم، رب اور حکمران ہے اسی کی ذات احدیت کا حکم بر وبحر پر جاری وساری ہے حکم اللہ ہی کا ہے (یوسف: ۶۷) اُسی کا حکم اعلیٰ وارفع ہے (مائدہ: ۵۰) جو کوئی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ منکرِ حق ہے، غلط کار اور حد سے گذرنے والا ہے (مائدہ: ۴۴ تا ۴۷)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا حکم کائنات میں کارفرما ہے۔ اسُی نے انسان کو زمین پر
نہ کا منصب دیا ہے اور انسان پر لازم ہے کہ اپنے حاکم مطلق کے حکم کے
ق زمینی معاملات سرانجام دے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع اور
ق ہونا لازمی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہی تمام دنیا اور اس کی بادشاہت کا
ہے (مالک الملک) ہے وہ جسے چاہتا ہے ملک (کی حاکمیت) عطا
ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے (آل عمران: ۲۶) اس لحاظ
لافت فی الارض کا مدعا اور مفہوم انسان کی قائم کردہ حکومت نہیں
لہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک امانت یا تفویض کی ہوئی مملکت ہے لہٰذا اس
ات پر اللہ تعالیٰ کا حکم ہی جاری اور قائم ہونا چاہیئے اللہ تعالیٰ نے
ن کی ہدایت کے لئے مملکت یا حکومت کا بنیادی مقصد بتا دیا ہے
ہ حدود کی نشان دہی بھی کر دی ہے یعنی (۱) اقامت صلوٰۃ (نظام
ت) اور ادائے زکوٰۃ (نظام معیشت کے تحت دولت کا مصرف)
امر بالمعروف و نہی عن المنکر (نظام معاشرت اور اخلاقیات (۳)
و مساوات اور (۴) امن و سلامتی کا قیام۔ ان کے متعلق ہم باب
یں مقصدِ حکومت کے عنوان کے تحت وضاحت سے ذکر کر چکے ہیں۔
حوالے کے لئے سورہ الحج آیت ۴۱، حدید آیت ۲۵ اور لبقرہ آیت ۲۵۱
لہ فرمائیں۔

اس طرح اس مسئلہ کی بھی وضاحت ہوگئی کہ مسلمانوں کو اسلامی
ت میں اپنے حاکم (اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ) جو خود مسلمانوں ہی میں
) کی اطاعت کیوں لازم قرار دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات
ہو گئی کہ اسلامی ریاست کے حاکم کو حدود الٰہی کا احترام کرتے ہوئے
دود کے تحت نظام سلطنت کی تشکیل کرنی چاہیئے کیونکہ یہ حدود
حکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پر بطور حاکم یا خلیفہ عاید کئے گئے

Marfat.com

ہیں اور ان سے انحراف یا انکار اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ گرفت
قرآن کریم کی آیت (نساء ۵۹) جو اس موضوع پر اکثر بیشتر پیش کی جا
اُس کی بھی اجمالی تشریح یہی ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا ض
ہے کہ مسلمانوں کو اپنے فرمانروا کی اطاعت اسی وقت جائز ہے جب
نافذ کردہ احکام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اح
تابع اور انہی کی بنیاد پر ہوں۔ اسلامی ریاست میں کوئی بھی قانون ال
اس کے رسول کے احکام اور ہدایات کے خلاف یا اُن سے متجاوز نہیں ہ
اسی لئے اسلامی نظام کی تشکیل اور اس پر عمل درآمد کی ذمہ داری
وقت پر سب سے زیادہ عاید ہوتی ہے اور اس ذمہ داری کو کما حقہ
پورا کرنے کے بعد ہی وہ اُولِی الْاَمْر کے مقام پر فائز ہو سکتا
"امر" کے معنی ہیں "حکم" اور اسلامی نظریہ کے مطابق "حکم" سے
وہ حکم یا احکام ہیں جن پر عمل کرنے اور عمل کرانے کی تاکید قرآن حکیم
کی گئی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ حکم تو بس اللہ کا ہے (یوسف
اور قرآن کریم نے اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ جو لوگ وحی الٰہی
مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر (منکر احکام خداوندی) غلط کار
سے گذرنے والے ہیں (مائدہ: ۴۴تا۴۷) یہ ہدایت بھی ہمیں قرآن
ہی سے ملتی ہے کہ پیغمبر جو کچھ دیں وہ خوشی کے ساتھ قبول کرو اور
باتوں سے باز رہنے کا حکم دیں اُن باتوں سے صدق دلی کے ساتھ اجتنا
کرو (حشر: ۷) اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ
ارشاد فرماتے ہیں وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں ہوتا بلکہ وحی الٰہی
تحت ہوتا ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (
۴) رسول اللہ کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ اُس کی اطاعت کی جائے
(نساء: ۶۴) دوسری جگہ ارشاد ہے کہ جو کوئی رسول اللہ کی اطاعت

Marfat.com

کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے (نساء ۸۰)

قرآن کریم کی ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اصل حکم اللہ تعالیٰ کا ہے اور "اُولِی الْاَمْرِ" کا اطلاق صرف اسی حاکم پر ہوتا ہے اور اسی حاکم کے حکم کی اطاعت مسلمانوں پر فرض ہے جو اسلامی ریاست میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات و ہدایات کو نافذ کرے اور خود بھی اس پر عمل کرے جو حاکم اس کی پابندی نہ کرے وہ اولی الامر کے زمرے میں شامل نہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس کی اطاعت مسلمانوں پر لازم نہیں (صحیح بخاری ۲ : ۳۹)

خلفائے راشدین میں اول منتخب ہونے والے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہو کر سب سے پہلے مسلمانوں سے یوں خطاب کیا۔

> اے لوگو! مجھے تم لوگوں میں سے خلیفہ منتخب کیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں بہترین نہیں ہوں اور نہ میں اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ لہذا اگر میں سیدھے راستہ پر چلوں تو تم میرا اتباع کرو اور مجھ سے تعاون کرو۔ اور اگر (بالفرض) میں غلطی کروں تو تمھیں چاہیئے کہ مجھے ٹوک دو اور میری اصلاح کرو۔"

آپ نے مزید فرمایا۔

> جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کی پیروی کروں تم پر میری اطاعت واجب ہے اور اگر (بالفرض) میں احکامِ الٰہی اور سنت رسول کا اتباع نہ کروں تو مجھے تم سے اطاعت طلب کرنیکا کوئی حق نہیں ہے۔"

Marfat.com

خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی مسند خلافت پر متمکن ہو کر مسلمانوں سے یوں خطاب کیا۔

"مجھے تم لوگوں کے معاملات پر اختیارات تفویض کئے گئے ہیں۔ میں بھی تم لوگوں کی طرح ایک فرد (بشر) ہوں بلاشبہ میرے تمھارے درمیان وہی رشتہ ہے جو ایک یتیم پر اس کے سرپرست یا نگران کا ہوتا ہے"......

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد مسلمانوں سے من جملہ اور باتوں کے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔

"اگر میں تمھیں کسی کام کا حکم دوں جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہے تو تمھیں اس حکم پر عمل کرنا لازم ہے، خواہ تم اس کو پسند کرو یا نہ کرو۔ اگر تم مجھے ان احکام کی (بالفرض) خلاف ورزی کرتے دیکھو تو مجھے یا کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کی تعمیل پر تمکو مجبور کرے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ ہر ریاست (خواہ اسلامی ہی ہو) کا ہر حکمران اولی الامر نہیں ہوتا۔ اولی الامر کے لقب کا مستحق صرف وہی حکمراں ہو سکتا ہے جس کے اعمال اور احکام، قرآن و سنّت کے مطابق ہوں اور جن کی بنیاد پر وہ اپنی ریاست کا نظم ونسق چلاتا ہے۔ اُسے اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ خود اپنے اختیار یا عوام کی منظوری کے نام پر کوئی ایسا قانون نافذ کرے جو قرآن اور سنّت کے منافی ہو۔ اس امر کی مزید توثیق قرآن کریم میں سورۃ النسآء کی آیت ۵۹ کے آخری جزو سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اگر تمھارے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو تم اللہ اور اس کے رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف رجوع کرو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھارے درمیان اگر ریاست کے نافذ کردہ کسی بھی حکم کے متعلق اختلاف

Marfat.com

رائے ہو جائے تو اس کے تصفیہ کے لئے کتاب قرآن اور سنّت کے احکام سے ہدایت حاصل کرنی چاہیئے جو ثالث یا حَکَم کا درجہ رکھتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کے مطابق "ہر حکم کا سننا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ بشرطیکہ کوئی حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کی عدم تعمیل کی تلقین نہ کرے۔ ایسی صورت میں کسی بھی حکم کا سننا اور اس پر عمل کرنا لازمی نہیں" (بخاری ۵۶: ۱۰۸) امام ابو حنیفہ رح کا قول ہے کہ "میرے کسی حکم یا قول کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں ترک کر دو میرے کسی قول یا حکم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مقابلہ میں ترک کر دو"

ان توضیحات اور تشریحات کے بعد اب کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ اقتدار اعلیٰ یا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور جو حق اجرائے قانون کا اہل ایمان میں سے ملک کا حکمران استعمال کرتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا تفویض کیا ہوا ہے۔ چنانچہ مسلمان حاکم پر لازم ہے کہ اسلامی ریاست کے تمام امور قرآن و سنّت کے مطابق طے کرے۔ اسلامی حکومت میں خواہ اس کی نوعیت شہنشاہیت ہو یا اشرافیہ یا جمہوری حکمراں کو اس امر کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی کے قانون نافذ کرے خواہ اس کا تعلق خود اس کے اپنے مفادات ہو یا کسی جماعت یا مملکت کے تمام باشندوں کے مفادات ہو۔

۷۔ حاکم یا فرمانروائے مملکت

اسلامی حکومت میں اصل حاکم کوئی ایک فرد واحد ہوتا ہے نہ کہ بہت سے افراد کا گروہ جیسا کہ اشرافیہ میں ہوتا ہے اور نہ ملک کے تمام افراد جیسا کہ جمہوریت کا تصور ہے۔ شہنشاہیت میں بھی عنانِ حکومت فرد واحد کے ہاتھ ہوتی ہے مگر وہ مطلق العنان ہوتا ہے۔ جمہوریت میں اقتدار اگرچہ نظریاتی طور پر عوام کے ہاتھ میں ہوتا ہے مگر اس میں بھی اقتدار عملاً ایک

Marfat.com

فرد ہی کے ہاتھ منتقل ہو جاتا ہے جو ملک کا سربراہ یا وزیر اعظم کہلاتا ہے اسی طرح اشرافیہ کی حکومت میں بھی عملی طور پر اقتدار اور اختیار ایک فرد کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو اپنی صلاحیت اور استعداد کے لحاظ سے حکمران گروہ کا دماغ اور راہ نما سمجھا جاتا ہے یا جسے حکمران گروہ کے افراد سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر آگے بڑھا دیتے اور اس کے ذریعہ اپنی مطلب براری کرتے ہیں۔ اس طرح جمہوریت اور اشرافیہ دراصل سیاسی فریب نظر کے روپ میں ایک ہی فرد کی حکومت کے مختلف نام ہیں۔ اسلام بھی ایک ہی فرمانروا کی حکومت تسلیم کرتا ہے مگر اسلامی مملکت کے فرمانروا اور دیگر تینوں طرز حکومت کے فرمانرواؤں کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔

اسلامی حکومت کا فرمانروا شہنشاہ یا بادشاہ نہیں ہوتا کیوں کہ اُس کو اپنی مرضی کے مطابق احکامات نافذ کرنے کے اختیارات نہیں یعنی وہ اپنی من مانی نہیں کر سکتا۔ وہ جمہوریت کے عام فہم معنوں میں عوام کا منتخب نمائندہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ عوام کی مرضی کے مطابق یا ان کے دباؤ یا تقاضوں کے تحت حکومت کا کام نہیں چلا سکتا۔ اُسے زمین پہ خدا کا نائب بھی نہیں تسلیم کیا جا سکتا کیونکہ اُسے ربانی اختیارات اور مراعات حاصل نہیں جیسا کہ بادشاہوں اور پوپ کے متعلق مقدس سلطنت روما میں لوگوں کا عقیدہ تھا۔ یا جیسا کہ راماین اور مہابھارت کی روایات کے مطابق رام اور کرشنا کو خدائی اوصاف سے متصف دیوتا مانا جاتا ہے ان سب کے برعکس اسلامی ریاست کا فرمانروا دراصل اللہ کے رسولؐ کا نائب ہوتا ہے جسے مسلمان باہمی مشورہ سے حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لئے منتخب کرتے ہیں لہٰذا اس کا اوّلین فرض یہ ہے کہ وہ احکام الٰہی اور احادیث نبویؐ (یعنی قرآن اور سنّہ) کے مطابق نظامِ سلطنت کی تشکیل کرے۔ وہ فی الحقیقت خلیفۃ اللہ نہیں بلکہ خلیفۃ الرسولؐ ہوتا ہے اُسے امیر المومنین

Marfat.com

یا اہل ایمان کے رئیس کا لقب دیا گیا ہے۔

تمام دوسرے انسانی معاشروں کی طرح اسلامی معاشرہ میں بھی متفقہ قیادت لازمی ہے۔ اصول فطرت کا تقاضا ہے کہ معاشرہ کا نظم و نسق چلانے کے لئے کسی ایسے شخص کا متفقہ انتخاب کر لیا جائے جو لوگوں کے درمیان انصاف کرے اور اُنکی فلاح و بہبود کے ساتھ ضبط و نظم برقرار رکھے۔ اسی متفقہ طور پر منتخب شخصیت کو اسلامی معاشرہ میں امیر یا خلیفہ کا لقب دیا گیا ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے جانشین کی حیثیت سے اللہ کا حکم نافذ کرتا ہے اور مملکت کے تمام داخلی اور خارجی امور سرانجام دیتا ہے۔ چونکہ خلیفہ یا امیر خود بھی مسلم معاشرہ کا ایک فرد ہوتا ہے اس لئے دیگر افراد ملت کی طرح وہ بھی قرآن و سُنہ کا پابند ہوتا ہے وہ قانون کی دسترس سے بالاتر نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے اختیار سے کسی حکم کو خود تشکیل نہیں دیتا وہ اللہ و رسول کی طرف سے دئے ہوئے قوانین و احکامات سلطنت میں نافذ کرتا ہے۔ عظیم مسلم مفکر اور فقیہ ابوالحسن علی محمد حبیب الماوردی (۹۷۴۔ ۱۰۵۸ عیسوی) کا کہنا ہے کہ خلیفہ یا امیر کو راست باز و وفا شعار، ذہین و فطین اور جری و بے باک ہونا چاہیئے نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بنی قریش سے تعلق رکھتا ہو۔

اس آخری شرط کے متعلق کہ امیر حکومت اہل قریش سے ہو الماوردی کا کہنا ہے کہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بنی سقیفہ میں انتخاب کے وقت آپ نے اعلان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ امام اہل قریش میں سے ہونا چاہیئے (اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْش) الماوردی نے اس سلسلہ میں ایک اور حدیث کا حوالہ دیا ہے جس میں حکم دیا گیا ہے کہ قریش کو امور دین و دنیا میں سبقت دی جائے

Marfat.com

اور اُن کے آگے نکل جانے کی کوشش نہ کی جائے (قدموا قریشاً ولاتقدموها)

ابن خلدون کے مطابق خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جسمانی اور ذہنی حیثیت سے صحت مند ہو، عاقل و دانا ہو، عالم و فاضل ہو، اور عدل وانصاف کا علمبردار ہو۔ ابن خلدون نے یہ بھی کہا ہے کہ پوری اسلامی ریاست (سلطنت) میں ایک ہی امیر، خلیفہ یا فرمانروا ہونا چاہیئے۔ لیکن وہ غیر معمولی زیرک اور ذہین نہ ہو۔ اس کے قول کے مطابق یہ صفت عدم جواز کی دلیل ہے۔ اس کے ثبوت میں وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرتا ہے جس میں آپؐ نے فرمایا کہ سِیْرُوْا علیٰ سَیْرِ ضَعِیْفِکُمْ یعنی کمزوروں کے درمیان کمزوری کی چال چلو، اس کے علاوہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی بھی ایک مثال پیش کرتا ہے جب آپ نے زید بن ابیہ کو امامت سے معزول کر دیا تو حضرت زید نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی معزولی کا سبب دریافت کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمھاری غیر معمولی ذہانت کا بوجھ رعایا پہ نہیں ڈالنا چاہتا۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۱۱۶۵ - ۱۲۳۹ عیسوی) نے اسلامی ریاست کے امیر کے لئے تیرہ ۱۳ صفات کا ہونا ضروری قرار دیا ہے ان میں بہتر ذہنی اور جسمانی صلاحیت، علم کا ذوق و شوق، سچائی سے رغبت، عدل وانصاف سے لگاؤ، محبت، ظلم سے نفرت، حیاتِ انسانی کو فانی جاننا اور زندگی کو عوام کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دینا شامل ہیں۔ قرآنی نقطۂ نظر سے اسلامی حکومت کے سربراہ کی صفات مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہوتی ہیں۔

(۱) اے اہل ایمان! خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت (امیر یا خلیفہ) ہیں اُن کی بھی۔ اور اگر

Marfat.com

کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے (النساء: ۵۹)

(۲) یہ وہ صاحب ایمان ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے (حج ۴۱)

(۳) ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دیکر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور میزان (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں (حدید ۲۵)

(۴) اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے پر چڑھائی اور حملہ کرنے سے نہ ہٹاتا رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا لیکن خدا اہل عالم پر بڑا مہربان ہے (البقرہ: ۲۵۱)

پہلی آیت کے بموجب خلیفہ یا امیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہل ایمان میں سے ہو یعنی وہ خود صاحب ایمان ہو اور صاحب ایمان (یعنی مومن) کی صفات کتاب اول میں تفصیل سے بیان کردی گئی ہیں۔ اجمالاً وہ صفات یہ ہیں: وہ خدا کی وحدانیت پر ایمان لائے، ساتھ میں کتب سماوی، اللہ کے پیغمبروں اور فرشتوں اور روز قیامت پر ایمان لائے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قرآن وسنت کے احکام پر سختی سے عمل کرے اور ان کی تعمیل وتنفیذ کے لئے ضروری اقدامات کرے۔ مختصر یہ کہ اسلامی ریاست کا امیر محض زبان سے ایمان کا اقرار نہ کرے بلکہ عمل کے ذریعہ بھی وہ خود دوسروں کے لئے تقلید واطاعت کا نمونہ بن جائے۔

دوسری آیت سے امیر حکومت کی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں چند بنیادی فرائض کی وضاحت ہوتی ہے یہ فرائض حکم الہٰی کے تحت اسلامی ریاست کی تشکیل وتعمیر میں مضبوط اور پائدار بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ انہی کو بروئے کار لانے سے اسلامی حکومت کی امتیازی

Marfat.com

شان نمایاں ہوتی ہے آیتِ قرآنی کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحب اختیار و تمکن پر لازم ہے کہ وہ ملک میں اقامت صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ترویج واشاعت کا اہتمام کرے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی مملکت کے سربراہ کو پاکیزہ اخلاق کا حامل اور پابندِ شریعت ہونا چاہیئے۔ فریب وجعلسازی، ظلم وستم، غفلت شعاری، اور دیگر مذموم خصائل میں مبتلا نہ ہو، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ احکام خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے اعتنائی برتنے والا نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ عوام کی فلاح وبہبود کو دل وجان سے عزیز رکھتا ہو۔

تیسری آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حاکم وقت کو سب کے ساتھ انصاف کرنا چاہیئے۔ وہ ظالم اور بدمعاملہ نہ ہو۔ انصاف کے معاملہ میں کسی کے ساتھ تعصب اور عناد نہ برتے اور فیصلہ کرتے وقت بے اعتنائی من موجی پن، عبث تصورات یا اپنے پسندیدہ نظریات سے کام نہ لے بلکہ قرآن وسنتہ کی روشنی میں صحیح اور دیانتدارانہ فیصلہ کرے۔

چوتھی آیت ہمیں بتاتی ہے کہ امیرِ سلطنت ایک بہادر اور باہمت شخص ہو، جو بیرونی دشمن کے حملوں سے اور اندرونی خلفشار سے ملک کو بچانے اور حالات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ امن عامہ اور ملک وقوم کی سلامتی کے لئے سینہ سپر ہونے کو ہمہ وقت تیار رہے وہ ایک سپاہی بھی ہو اور سپہ سالار بھی اور جدید ترین فن سپاہ گری کا ماہر بھی۔

مندرجہ بالا صفات کے علاوہ اسلامی حکومت کے سربراہ کو قیامِ امن وانصاف اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسی گراں بہا ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دینی اور دنیاوی علوم سے آراستہ ہو۔ خصوصیت کے ساتھ سیاست کے میدان میں جہاں حالات بدلتے رہتے ہیں، اس کو کافی درک ہونا چاہیئے تاکہ وہ اپنی حکومت کے نظم و

Marfat.com

ونسق کو خوبی اور سلامتی کے ساتھ چلا سکے۔ چنانچہ قرآن کریم کے مطابق ایک خلیفہ یا امیرِ سلطنت کو جن خوبیوں اور صلاحیتوں کا مالک ہونا چاہیئے وہ یہ ہیں۔ وہ صاحبِ ایمان ہو، اس کے اخلاق پاکیزہ ہوں، ذہین اور بہادر ہو۔ جسمانی طور پر صحت مند اور باشعور ہو۔ اس کے علاوہ مصنف کی اپنی رائے کے مطابق سربراہِ مملکت چالیس سال سے کم عمر کا نہ ہو کیونکہ مصنف کے خیال میں بلوغت چالیس سال کی عمر میں تکمیل کو پہنچتی ہے اس کا اشارہ ہمیں سورۃ احقاف کی آیت ۱۵ سے ملتا ہے جس میں ارشاد کیا گیا ہے کہ "جب آدمی خوب جوان ہوتا اور چالیس برس کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں اُن کا شکر گزار ہوں" دوسرا تصدیقی ثبوت اس عمر کے قابلِ قبول ہونے کا یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت بھی چالیس سال کی عمر میں عطا ہوئی تھی۔

جہاں تک طرزِ حکومت کا تعلق ہے قرآن کریم خلافت کا نظریہ پیش کرتا ہے جس میں حکومت کے تمام اختیارات جمہور مسلمین کے منتخب کردہ ایک ہی فرد (خلیفہ یا امیر) کو تفویض ہوتے ہیں اور خلیفہ یا امیر کا بنیادی فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کی حدود میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرے اور قرآن وسُنّت کے مطابق حکومت کا نظم ونسق چلائے۔ عدل وانصاف اور امن وامان قائم کرے اسلامی ریاست کے سربراہ کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی کے قانون نافذ کرے جمہور مسلمین کسی ایسے قانون کے پابند نہیں جسے حاکمِ وقت نے قرآن وسُنّت سے تجاوز کر کے اپنی مرضی سے بنایا ہو۔ خواہ اس میں وقتی طور پر کچھ بھی مصلحت کار فرما ہو بلکہ اس سنگین ارتکاب کی پاداش میں جمہور مسلمین خلیفہ کو اس کے منصب سے ہٹا سکتے ہیں۔ لیکن اگر خلیفۂ وقت قرآن وسُنّت کے مطابق

Marfat.com

امور سلطنت انجام دیتا ہے اور خود بھی احکام الٰہی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند ہے تو کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کی اطاعت سے انحراف کرے ایسے ایماندار اور صالح کردار امیر یا خلیفہ کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مصنف کی دانست میں اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کا یہی مفہوم ہے۔

۸ - وُزَراء

ایک فرد کے لئے خواہ وہ کتنا ہی عالم و فاضل اور ذہین با صلاحیت ہو واقعتاً یہ امر محال ہے کہ وہ حکومت کے پیچیدہ اور طویل نظم و نسق کو حسن و خوبی کے ساتھ تن تنہا سر انجام دے سکے۔ اُسے لامحالہ ایسے ذہین تجربہ کار اور باوقار معاونین کی ضرورت ہوگی جن سے وہ صلاح و مشورہ کرکے اُن کی تجویز و تدبیر سے استفادہ کرے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اہلِ ایمان کی من جملہ دیگر نشانیوں کے ایک نشان یہ بھی بیان کی ہے کہ وہ اپنے معاملات باہمی صلاح و مشورہ سے طے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت فرمائی ہے اہم معاملات پر صحابۂ کرام سے مشورہ کر لیا کریں۔

حکومت کے پیچیدہ اور طویل معاملات میں سربراہ حکومت کو مشورہ دینے اور اس کا ہاتھ بٹانے کے لئے ہر قسم کی حکومت میں ایک مجلس وزارت کا قیام زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ ماوردی کا کہنا ہے کہ وزارت یا وزراء کے تقرر کا عمل اس لئے وجود میں آیا ہے کہ حکومت کے نظم و نسق کو صلاح و مشورہ کے بعد اور سربراہ مملکت کے ساتھ تعاون کرکے حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا جائے۔ اس کی افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ وزارت کا قیام نہ صرف ضروری بلکہ امور حکومت کا اہم حصہ ہے لیکن اس کا

Marfat.com

مطلب نہیں کہ وزیروں کی تقرری کے بعد حاکم اپنی ذمہ داریوں سے بری ہو جاتا ہے۔ حاکم ہر حالت میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا پابند ہے وزراء کا کام محض اُس کا ہاتھ بٹانا ہے۔ وزارت کے قیام کے جواز میں خود ماوردی نے قرآن کریم کی اس آیت کو سامنے رکھا ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ نے بارگاہِ ایزدی میں دعا کی کہ اُن کی مدد کے لئے اُن کے بھائی حضرت ہارون کو اُن کے ساتھ شریک کیا جائے (۲۰: ۲۹-۳۰) ماوردی کا استدلال یہ ہے کہ اگر نبوت کے سلسلہ میں شریک کار کی ضرورت ہو سکتی ہے تو امامت (یعنی حکومت) کے سلسلہ میں اس کی بدرجۂ اولیٰ ضرورت ہوگی۔

ماوردی کے مطابق وزارت کا قیام دو طریقوں سے عمل میں لایا جاتا ہے۔ ایک بذریعہ تفویض اور دوسرا بذریعہ تنفیذ۔ تفویض کا تعلق وزیر اعظم کے تقرر سے ہے جس کے ذریعہ سربراہِ مملکت عملی طور پر حکومت کے تقریباً تمام امور وزیر اعظم کے سپرد کر دیتا ہے اور تنفیذ دیگر وزراء کے طریق تقرر کو کہتے ہیں جن کا تعلق خصوص محکموں سے ہوتا ہے اور ہر وزیر کے اختیارات اپنے محکمے تک محدود رہتے ہیں مثال کے طور پر محکمہ مالیات، دفاع، زراعت، صنعت، قانون، امور خارجہ، امور داخلہ، تعلیم، خزانہ وغیرہ۔

وزیر اعظم کے لئے ماوردی کے نزدیک وہ تمام خوبیاں اور صلاحیتیں ضروری ہیں جو خلیفہ یا امیر سلطنت کے لئے ضروری ہیں۔ لیکن ضرورت ہو تو تنفیذ جاتی وزارت کے عہدہ کے لئے غیر مسلم کا تقرر بھی کیا جا سکتا ہے وزیروں کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ باصلاحیت اور اعلیٰ کردار کے حامل ہوں۔ ایماندار، قابلِ اعتماد، غرض وطمع سے بے نیاز، ذہین، مُدبّر (سیاستداں) اور تجربہ کار ہونا وزارت کی اہلیت کی دلیل ہے۔ ماوردی کے نزدیک وزارت کے عہدے

Marfat.com

کے لئے مردوں کو ترجیح دینی چاہیئے ۔

وزیراعظم کی معزولی یا موت کے بعد پوری کابینہ (مجلس وزارت
ٹوٹ جاتی ہے ۔لیکن کسی وزیر کی معزولی، استعفٰی یا موت پر کابینہ برقرا
رہتی ہے۔ صرف اُس وزیر کی بجائے نئے وزیر کا تقرر عمل میں آتا ہے ۔

کابینہ یا مجلسِ وزارت کا تقرر تمام قسم کی حکومتوں میں اپنایا جاتا
پارلیمانی طرزِ حکومت میں کابینہ کا سربراہ وزیراعظم ہوتا ہے اور صدا
نظام حکومت میں کابینہ کا سربراہ خود صدر مملکت ہوتا ہے ۔ عام ط
وزیروں کا تقرر عوام کے نمائندوں میں سے ہوتا ہے جو پارلیمنٹ کے
رائے دہندگی کے اصول پر منتخب ہوتے ہیں بعض ملکوں کے دستور العمل
اس بات کی بھی گنجائش رکھی جاتی ہے کہ ضرورت کے تحت غیر منتخ
نمائندوں میں سے بھی وزیر مقرر کرلئے جائیں، لیکن وزیراعظم ہر حال میں
پارلیمنٹ کے منتخب نمائندوں ہی میں سے ہوتا ہے ۔

موجودہ زمانے میں جمہوری ملکوں میں نظام حکومت تین حصوں
تقسیم کردیا جاتا ہے (۱) انتظامیہ (۲) قانون ساز اسمبلی اور (۳) عدلیہ
وزارت یا کابینہ اولاً انتظامی امور سے متعلق ہوتی ہے عدلیہ اور مجلس قان
ساز اپنا اپنا فرض الگ الگ اور خودمختارانہ طور پر انجام دیتے ہیں ۔ ا
انتظامیہ جس کے ذمّے پارلیمنٹ سے منظور شدہ قانون کی تعمیل او
ترویج ہے، اپنی تمام کارگزاری کے لئے پارلیمنٹ کے سامنے جواب د
ہوتی ہے ۔چنانچہ موجودہ زمانہ کی نظریاتی حکومتیں خصوصًا صدار
اور پارلیمانی بنیادوں پر قائم حکومتیں اپنے وجود اور بقا کے لئے اُس الہ
ہدایت کی ممنون ہیں جس کے ذریعہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے معاملات با
مشوروں سے طے کیا کرو۔ لیکن اس کے باوجود دورِ حاضر کی نظریاتی حکو
اور اسلامی حکومت کے درمیان بنیادی فرق ہے ۔اول الذکر کا مدّعا ا

Marfat.com

...بھی عوام کی رضامندی اور الٰہی کی بالادستی کی بنیاد پر ہے۔ اس کے ...عکس اسلامی حکومت کا مرکز اور سرچشمہ قرآن وسنّہ یعنی احکام الٰہی ...ر احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، جن سے نہ تو حاکم اور نہ ہی ...ایا میر موا انحراف کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں ...تدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے اگر کوئی پارلیمانی یا صدارتی حکومت ...ی طرز پر قائم کی جائے کہ اُس کے سربراہ میں اسلامی حکومت کے سربراہ ...خوبیاں موجود ہوں اور وہ حکومت بھی اسلامی شعائر و احکام کی ...ترویج واشاعت کے لئے خود کو آمادہ اور برسرِ کار کر لے تو ایسی حکومت ...خود اپنی جداگانہ طرزِ تشکیل کے اسلامی حکومت متصور ہوگی۔

تاہم اس امر کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ پارلیمانی طرزِ ...حکومت میں بلاضرورت اختیارات کی دوہری تقسیم ہوتی ہے جس سے اخراجات ...بھی کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ صدرِ مملکت محض ایک علامتی سربراہ بن کر ...رہ جاتا ہے اور اصل اختیار واقتدار وزیراعظم کے ہاتھ منتقل ہو جاتا ہے۔ ...ایسی حکومت میں صدرِ مملکت کا کام صرف یہی رہ جاتا ہے کہ پارلیمنٹ کے ...منظور شدہ قوانین پر مہرِ تصدیق ثبت کرے یا جشن اور خصوصی موقعوں ...پر سلامی لے یا بیرونی سفیروں کے اسناد تقرری وصول کرے۔ لیکن اس ...کارروائی کے لئے بھی ایسا ہی ایک سکرٹیریٹ رکھنا پڑتا ہے جیسا ...سیکرٹریٹ وزیراعظم کا ہوتا ہے اور دونوں سیکرٹریٹ اپنا اپنا علیحدہ ...بجٹ رکھتے ہیں یہ حال تو مرکزی یا وفاقی حکومت کے انتظامی ڈھانچے ...کا ہے صوبوں کی سطح پر بھی یہی نقشہ ہوتا ہے۔ وہاں ہر صوبہ میں گورنر اور ...اس کا عملہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وزیراعلیٰ اور اس کا عملہ بھی۔ صوبہ ...کا گورنر بھی محض علامتی نشان ہوتا ہے اور اس کے فرائض بھی کم و بیش ...صدرِ مملکت کی طرح ہوتے ہیں سوائے بیرونی ممالک سے آئے ہوئے سفیروں

Marfat.com

کے اسناد تقرری کی وصولیابی کے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ اسراف بے جا ہے اور محض سطحی یا نمائشی ہے۔ اسلامی طرزِ حکومت میں صدرِ مملکت اور وزیر اعظم دونوں عہدے خلیفہ یا امیر کی ذات میں مجتمع ہو جاتے ہیں اس طرح حکومت دوہرے خرچ سے بچ جاتی ہے اور امورِ حکومت زیادہ منظم اور بہتر طریق پر انجام دئے جا سکتے ہیں۔

۹۔ گورنر، سِول اور فوجی افسران

خلیفہ یا اسلامی حکومت کے سربراہ کو مکمل اختیار ہے کہ وہ شہری اور فوجی افسروں بشمول افواج کے کمانڈر (سپہ سالار) عدالتوں کے جج صاحبان اور گورنروں کا تقرر کرے یا انہیں معزول کرے۔ دورانِ ملازمت یا تقرری کے زمانہ میں انتظامی امور میں تمام افسروں پر لازم ہے کہ سربراہ مملکت کی اطاعت کریں۔ کیونکہ وہ اپنے محکمے یا شعبۂ متعلقہ لیں سربراہ کی طرف سے بحیثیت نامزد نمائندہ یا نائب مقرر کئے گئے ہیں اور انھیں وہ فرائض انجام دیتے ہیں جو اُن کو سونپے گئے ہیں۔ لیکن جج صاحبان اپنے شعبہ عدلیہ میں خود مختار ہیں اور اپنے عدالتی فرائض کی انجام دہی میں وہ سربراہ مملکت کی ہدایت کے پابند نہیں۔ انصاف کے میدان میں سربراہِ مملکت اور عوام یکساں حیثیت رکھتے ہیں اس لئے کہ انصاف کے معاملہ میں شخصیت کے مقابلہ میں اصول و دیانت زیادہ اہم ہیں۔ اسلامی مملکت میں عدل وانصاف کی بنیاد اور سرچشمہ قرآن وسنتہ ہیں اس سلسلہ میں اگر عدالتیں مناسب سمجھیں تو ماضی کی اسلامی عدالتوں کے فیصلوں کی مثالوں اور حوالوں سے استفادہ کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق قرآن وسنت کے احکام و ہدایات کی تشریح و ترجمانی بھی کر سکتی ہیں لیکن اس ضمن میں انھیں ائمہ سلف کے وضع کردہ تشریح و تعبیر کے اُن بنیادی اصولوں پر

کرنا لازمی ہے جو مختلف فرقوں میں سند تسلیم کئے گئے ہیں۔

۱۰۔ پارلیمنٹ (پارلیمان)

امورِ سلطنت کو صحیح خطوط پر انجام دینے اور انہیں ہر لحاظ سے مبسوط و جامع بنانے کیلئے صلاح و مشورہ اور ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے جہاں تک صلاح و مشورہ کا تعلق ہے مجلس وزارت یا کابینہ اس غرض کو پورا کرتی ہے اسی کے ذریعہ منظور شدہ قوانین کو عملی شکل دی جاتی ہے اور مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لئے ضروری احکام جاری کئے جاتے ہیں مگر جہاں تک ہدایات یا وضع قوانین کا تعلق ہے اس کی تکمیل پارلیمنٹ کے ذریعہ ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ عوام کے منتخب نمائندوں پر مشتمل قانون ساز ادارہ ہے جو ملک کے معاملات کے لئے قانون بناتا ہے۔ پارلیمانی طرز حکومت میں پارلیمنٹ کو اقتدار اعلیٰ کا حامل سمجھا جاتا ہے جس کے وضع کردہ قوانین پر عمل درآمد کے لئے انتظامیہ ضروری اقدام کرتی ہے۔ ان قوانین کی پابندی عدلیہ پر بھی لازم ہے کیونکہ اس کو اپنے فرائض انہی خطوط اور حدود میں انجام دیتے ہیں جو پارلیمنٹ نے مقرر کئے ہیں تاہم عدلیہ اس بات کی مجاز ہے کہ ان منظور شدہ قوانین کی تشریح اپنے نقطۂ نظر سے کرے مگر اس کے لئے ٹھوس ثبوت اور منطقی دلائل درکار ہیں۔ انتظامیہ اور عدلیہ دونوں پارلیمنٹ کے قوانین کی پابند ہیں اور ان کے نفاذ سے انکار نہیں کر سکتے لیکن اگر کوئی قانون عدلیہ کے مطابق اپنی اصل میں قانونی نقطۂ نگاہ سے بے اثر ہے یا اس میں سقم موجود ہے تو جمہوری حکومت میں عدلیہ کو اختیار ہے کہ وہ اس قانون کے بے اثر ہونے کا اعلان کر دے۔ اس کے بعد وہ قانون نافذ العمل نہیں رہتا تا وقتیکہ پارلیمنٹ نظر ثانی کر کے قانون متعلقہ کی خامیوں کو دور نہ کر دے۔

لیکن قرآنی نظم حکومت میں پارلیمنٹ یا مجلسِ شوریٰ کو بالادستی

Marfat.com

حاصل نہیں اور نہ وہ اقتدارِ اعلیٰ کی مالک اور حقدار ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہے جیسا کہ سطورِ بالا میں متعدد مقامات پر عرض کیا گیا ہے اسلامی حکومت میں اقتدارِ اعلیٰ کی سزاوار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ اسلامی حکومت میں دراصل پارلیمنٹ مجلسِ شوریٰ کا کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے ذمہ ایسے تعمیلی احکام وضع کرنے ہوتے ہیں جو قرآن و سنت کے عین مطابق ہوں۔ اسلامی پارلیمنٹ اس امر کی مجاز نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ایسا قانون وضع کرے جو قرآن و سنت کے خلاف ہو خواہ اس قانون کی حمایت میں تمام افراد اُٹھ کھڑے ہوں۔

پارلیمنٹ ایک اہم قانون ساز ادارہ ہے اور اسی کے وضع کردہ قانون ملک کی سالمیت اور یکجہتی کی ضمانت ہوتے ہیں اس لئے اس ادارہ کا رکن منتخب ہونا ایک اعزاز اور ایک گراں بہا ذمہ داری کو پورا کرنے کے عزم کی علامت ہے۔ اس ادارہ اور اس کی رکنیت کی اہمیت کو اسی معیار پر جانچنا چاہیئے۔ لیکن عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جمہوریت نواز ملکوں میں پارلیمنٹ کی رکنیت ذاتی مفاد کے حصول کا ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔ بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر بعض ایسے لوگ بھی منتخب ہو جاتے ہیں جو انتہائی نا اہل ہوتے ہیں مگر وہ اپنی دولت اور ذاتی رسوخ سے کام لے کر پارلیمنٹ میں پہنچ جاتے ہیں اور وہاں جا کر مفاد پرستی کی خاطر جوڑ توڑ اور خوشامد درآمد کرتے پھرتے ہیں۔ اس طرح یہ سود مند ادارہ بدنام ہو جاتا ہے اور جمہوریت اور پارلیمنٹ کے قیام کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت ہے، خاص طور پر اسلامی ممالک میں، کہ پارلیمنٹ کے لئے صرف ایسے افراد منتخب کئے جائیں جو ہر لحاظ سے عزت و احترام کے اہل ہوں۔ انھیں علومِ اسلامیہ بالخصوص قرآن و سنت اور قانون پر عبور ہونا چاہیئے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ

Marfat.com

ذہین، تجربہ کار، اور شعور اور عقل میں پختہ ہوں۔ ان کی عمر ۴۰ سال سے کم نہ ہو۔ پارلیمنٹ کی اہم ذمہ داری کے پیش نظر ترجیحاً مرد حضرات کو پارلیمنٹ کا رکن ہونا چاہیئے اگرچہ خواتین بھی قانوناً اس کی مجاز ہیں ساتھ ہی وہ عملاً اور قولاً دیندار، با اخلاق اور صحت مند جسم اور ذہن کے مالک بھی ہوں۔

اسلامی سلطنت میں غیر مسلم بھی آباد ہوتے ہیں لہذا ان کے مفاد میں اور اُن کے حقوق کی نگہداشت کے لئے چند نشستیں ان کے لئے بھی مخصوص کر دینی چاہیئیں۔ ظاہر ہے کہ ان غیر مسلموں یا اُن کے نمائندوں کو قرآن و سُنّہ کی تعلیم پر مجبور نہیں کیا جا سکتا مگر اُن میں رواداری اور خود اپنے مذہب و اعتقادات سے کماحقہٗ واقفیت ضروری ہے تاکہ وہ ملک میں اسلامی قوانین کی بالادستی تسلیم کرتے ہوئے کوئی ایسی تجویز یا تحریک پیش یا اُن کی حمایت نہ کربیٹھیں جو قرآن و سُنّہ کے منافی ہو اور جس کی بناء پر ملک کی فضا ناسازگار ہو کر امن و امان کا سوال پیدا کرے۔

۱۱۔ قوانین

شہنشاہیت یا سامراجی طرز حکومت میں بادشاہ یا سربراہ مملکت کا ہر حکم قانون کا درجہ رکھتا ہے اور اس کی پابندی ہر فرد پر لازم ہوتی ہے چونکہ بادشاہ خود قانون اور احکام کا سرچشمہ ہوتا ہے اس لئے اس کی اپنی ذات قانون سے بالاتر سمجھی جاتی ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ ملک کے قانون کی پابندی بادشاہ کے لئے لازمی نہیں اور اس کی خودمختارانہ اور آزادانہ حیثیت کو معرض بحث میں نہیں لایا جا سکتا اس کے برعکس جمہوریت میں پارلیمنٹ کی منظور کردہ ہر تجویز قانون کی حیثیت رکھتی ہے اور کوئی شخص عدالتی چارہ جوئی کے سوا پارلیمنٹ کے اختیار یا قانون کے جواز کو ماننے

Marfat.com

سے انکار نہیں کرسکتا اور نہ اُس کی اطاعت سے انکار کرسکتا ہے لیکن اسلامی مملکت میں صورت حال بالکل مختلف ہے یہاں بادشاہ (امیر یا خلیفہ) پارلیمنٹ (مجلس شوریٰ) یا کسی بھی ادارہ کو اپنی طرف سے کسی ایسے قانون بنانے اور منظور اور نافذ کرنے کا اختیار نہیں ہے جو قرآن وسنۃ کے خلاف ہو۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جو خدا کے نازل فرماتے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیں تو ایسے لوگ کافر ہیں (مائدہ: ۴۴) بے انصاف (مائدہ ۴۵) اور فاسق و نافرمان ہیں (مائدہ ۴۷) دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے کہ کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کے حکم کے خواہشمند ہیں۔ جو لوگ یقین (ایمان) رکھتے ہیں اُن کے لئے خدا سے اچھا حکم کس کا ہے (مائدہ ۵۰) یہ آیات واضح طور پر نشان دہی کرتی ہیں کہ اسلامی ریاست میں کوئی ایسا قانون جاری کرنا جو قرآن وسنۃ کے خلاف ہو، قرآن کے مطابق انکار حق، ناانصافی، نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنا ہے اسلامی حکومت کے قیام کا مقصد احکام الٰہی کی ترویج و تعمیل ہے۔ اس صورت میں کسی ایسے قانون کا وضع کرنا جو احکام الٰہی سے مطابقت نہ رکھتا ہو عدم اطاعتِ الٰہی کے مترادف ہے تاہم اسلامی حکومت کی پارلیمنٹ کو اتنی اجازت ہے اور عقل بھی اس کو تسلیم کرتی ہے کہ وہ ایسے قانون یا طریقۂ کار کو جن کے متعلق قرآن و حدیث میں صراحت کے ساتھ ممانعت یا اجتناب کا حکم نہیں ہے، اپنی حدود میں رائج کرے لیکن اس کے ساتھ لازمی شرط یہ ہے کہ ایسے تمام قوانین جنہیں تقاضائے وقت کے تحت وضع کرنا ضروری ہے، قرآن وسنۃ سے متصادم نہ ہوں اور جن کو اختیار کرنے سے اطاعتِ خدا اور رسول کے جذبہ کو ٹھیس نہ لگتی ہو۔

قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے کہ اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

Marfat.com

جو تمھیں عطا کریں اُسے (خوشی اور جذبۂ تشکر کے ساتھ) لے لو اور جس چیز سے منع کریں اسُ سے (صدق دل اور خلوص نیت سے) اجتناب کرو۔ (حشر: ۷) اس آیت کے ذریعہ امت مسلمہ کو حدیث رسول کی عظمت اور اطاعت کا احساس دلایا گیا ہے۔ قرآن کریم کی یہ آیت اس امر کی بھی ہدایت کرتی ہے کہ مملکت کی قانون سازی میں کوئی ایسا قانون شامل نہ کیا جائے جو حدیث رسول کے خلاف ہو۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کا ہر ارشاد وحی الہٰی پر مبنی ہوتا ہے (النجم: ۳-۴) اگر کسی قانون یا حکم کے اسلامی شریعت کے مطابق ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو اس کا حتمی فیصلہ قرآن و سُنّہ کے حوالے سے کیا جانا چاہیے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اگر تم میں کسی بات پر اختلاف یا تنازعہ پیدا ہو جائے تو تمھیں چاہیئے کہ تصفیہ اور ثالث کے لئے خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم (کے احکام) کی طرف رجوع کرو (النساء ۵۹) چنانچہ اسلامی حکومت میں وضع قانون کے سلسلہ میں قرآن و سُنّہ حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں اور ان سے سرمو انحراف نہیں کیا جا سکتا شریعت اسلامیہ میں اس امر کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر کسی امر میں قرآن و سُنّہ میں واضح اور حتمی ہدایت لفظاً صراحت کے ساتھ موجود نہیں ہے بلکہ معنوی حیثیت میں تشریح و تعبیر سے مطلوبہ فیصلہ اخذ کیا جا سکتا ہے تو اجماع یعنی علماء فقہ متحدہ رائے سے فیصلہ صادر کر سکتے ہیں اگر اجماع یعنی ائمہ فقہ کا متفقہ فیصلہ موجود نہ ہو تو ایسا کوئی صاحب الرائے جس کا قرآن و سُنّہ پر پختہ ایمان ہے اور وہ خلوص نیت سے کسی قابل قبول نتیجہ کا آرزومند ہے تو وہ "قیاس" کے ذریعہ فیصلہ کر سکتا ہے یعنی ایسی رائے جو علم و دانش پر مبنی ہو اور جس کا جواز قرآن و حدیث سے پیش

Marfat.com

کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اسلام میں قانون سازی کے یہ چار مستند ذرائع موجود ہیں یعنی (۱) قرآن (۲) سنّۃ (۳) اجماع اور (۴) قیاس۔ ان کے علاوہ اوراق سے بالاتر کوئی اور ذریعہ استنباط و منبع قانون کے لئے فہم انسانی میں نہیں آسکتا۔

قانون کی درجہ بندی صرف دو سطح پر تسلیم کی گئی ہے ایک بنیادی اور دوسری ضمنی یا ذیلی۔ بنیادی قوانین کا ماخذ قرآن کریم ہے۔ چنانچہ ایسے تمام قوانین ہیں جو قرآن کریم میں صراحت اور تاکید کے ساتھ موجود ہیں، کسی قسم کی تبدیلی یا ترمیم کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ ضمنی یا ذیلی قوانین ثانوی حیثیت رکھتے ہیں جو بنیادی قوانین سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ انہیں استخراجی یا استنباطی قوانین (BYE LAWS) بھی کہہ سکتے ہیں جو ضرورت کے تحت اور کسی خاص مقصد کے لئے بنائے جاتے ہیں مجلس قانون ساز (پارلیمنٹ) صرف اسی طرح کے ضمنی قوانین وضع کرنے کی مجاز ہے۔ لیکن یہ بنیادی حقیقت ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیئے کہ کوئی بھی وضع کردہ قانون قرآن و سُنّہ کے منافی نہ ہو۔

Marfat.com

باب چہارم

تشکیلِ حکومت

۱۔ عام تعارف

جہاں تک ہمارا خیال ہے قرآنِ کریم کے نزدیک حکومت کی تشکیل کا طریق کار زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ قرآنِ کریم دراصل حکومت کے مقصد یا نصب العین (IDEOLOGY) پر خاص طور پر زور دیتا ہے قرآن کا مقصد قانونِ الٰہی کو زمینی مملکت میں جاری کرنا اور لوگوں کے درمیان باہمی اختلافات اور زندگی کے روزمرّہ کے معاملات کو احکامِ الٰہی کے تحت نمٹانا ہے بلکہ پوری زندگی کو قانونِ الٰہی کے سانچے میں ڈھالنا ہے تاکہ زندگی کا کوئی شعبہ نورِ ہدایت سے محروم نہ رہے اور ہر خامی اور بےراہی کی بروقت اصلاح ہو سکے۔

تاہم مندرجہ ذیل دو آیات کے بموجب یہ بات بھی عیاں ہے کہ جہاں تک حکومت کی تشکیل کا سوال ہے، اس کو باہمی صلاح و مشورہ سے بروئے کار لانا ضروری ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ (اہل ایمان کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ) وہ اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں (شوریٰ ۴۲: ۳۸) دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اے رسولؐ اپنے

Marfat.com

کاموں میں اپنے ساتھیوں سے مشورت کرلیا کرو اور جب کسی کام کا عزم مصمم کرلو تو خدا پر بھروسہ رکھو۔ بے شک خدا بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے (آل عمران: ۱۵۸) چنانچہ اسی حکم کے تحت خلیفۂ وقت کا انتخاب بھی باہمی صلاح و مشورہ (اور اتفاق رائے) سے ہونا چاہیئے۔ خلفائے راشدین کے زمانہ تک اسی حکم الہٰی کے مطابق سربراہِ مملکت کا انتخاب صحابۂ کرام کی اتفاق رائے سے ہوا کرتا تھا اسلامی نقطۂ نظر سے سربراہِ مملکت کا تقرر دو طریقوں سے ہو سکتا ہے ایک انتخاب (ELECTION) یعنی ووٹ کے ذریعہ اور دوسرا نامزدگی (یعنی NOMINATION) کے ذریعہ مسلمان علمائے سیاسات نے ان دونوں طریقوں کو جائز قرار دیا ہے

۲۔ انتخاب (یعنی الیکشن)

اہل یونان اور مغربی مفکرین جو بالعموم شہنشاہیت یا جمہوری طرز حکومت کو زیادہ پسند کرتے ہیں، وہ اس بات کے حق میں ہیں کہ حکومت کی تشکیل انتخاب (الیکشن) کے ذریعہ ہونا چاہیئے افلاطون نے اپنی کتاب "THE LAWS" (قوانین) میں مشورہ دیا ہے کہ عام لوگوں کے ووٹ سے انتخاب کے ذریعہ ایتھنز کے لئے ۳۷ ممبروں کا ایک بورڈ یا ادارہ بنایا جائے جو اقتدار اعلیٰ کا حامل ہو۔ تھامس ایکوئی ناس کا کہنا ہے کہ عام لوگوں کے توسط سے انتخاب کے بعد بادشاہ مقرر کیا جائے کیونکہ اس کے قول کے مطابق بادشاہ عوام کا نمائندہ ہوتا ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرے اور دستور کے مطابق ملک کا نظام چلائے۔ اسی طرح مارسیگلیو کہتا ہے کہ بادشاہ کو عوام کا نمائندہ ہونا ضروری ہے جسے لوگوں نے خود منتخب کیا ہو اور وہ عوام کے سامنے جواب دہ ہو۔ میکاویلی نے بھی اٹلی کے لئے منتخب بادشاہ کا مشورہ دیا ہے کیونکہ اس کی رائے میں

Marfat.com

ایسا بادشاہ ہی ملک کو متحد اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے تاہم ژاں بودین کا مشورہ یہ ہے کہ بادشاہت وراثت کے طور پر قائم ہو وہ جمہوریت کا قائل نہیں ہے اور نہ ہی وہ انتخاب کو مفید اور صحیح طریق کار سمجھتا ہے۔ اس کے برعکس جان لاک اس بات کا حامی ہے کہ ملک کا اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں رہنا چاہیئے۔ اس کے خیال میں بادشاہ کو قانون سازی کا اختیار نہیں ہونا چاہیئے۔ مانٹسکو فرانس کے لیئے دستوری بادشاہت کو مفید قرار دیتا ہے اس کے نزدیک برطانیہ کا دستور قابل تقلید ہے کیونکہ اس میں عوام کے حقوق کی ضمانت دی گئی ہے اور عوام کو اس کے تحت شہری اور سیاسی آزادیاں حاصل ہیں برطانوی دستور کی ایک اور خوبی اس کی لچک ہے جس کے باعث ملک کا نظم ونسق عوام کی خواہشات کے مطابق تشکیل پاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس دستور میں بالادستی عوام کو حاصل ہے۔ روسو براہِ راست جمہوریت اور مساوات کا قائل ہے۔ جیری بنتھم وحدانی مجلسِ قانون سازی کی حمایت کرتا ہے جو خفیہ بیلٹ (BALLOT) کے ذریعہ بالغ رائے دہندگی کے اصول پر ہر سال از سرِ نو تشکیل دی جائے۔ جان اسٹوارٹ مِل بھی جمہوری حکومت کے حق میں ہے جس کو عوام اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعہ تشکیل دیں۔

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تقریباً سیاست کے ہر مکتب فکر نے نمائندہ حکومت کی تشکیل کی سفارش کی ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ انتخاب کے ذریعہ حکومت کی تشکیل کی جا سکتی ہے مگر یہ کہنا کہ انتخاب کے ذریعہ وجود میں آئی ہوئی حکومت ہی صحیح معنوں میں نمائندہ حکومت ہوتی ہے یا یہ کہ دعویٰ کہ نمائندہ حکومت صرف انتخاب کے ذریعہ ہی قائم کی جا سکتی ہے، ہمارے خیال میں درست نہیں ہے۔

صحیح معنوں میں انتخاب یا الیکشن کا مفہوم یہ ہے کہ حقِ رائے دہی

Marfat.com

(یعنی ووٹ)، کا استعمال آزادانہ، منصفانہ اور عصبیت سے بالاتر ہو اور یہ کہ حق رائے دہی (ووٹ) استعمال کرنے والے اپنے ووٹ کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہوں مگر اس تکلیف دہ حقیقت کو کس طرح فراموش کیا جا سکتا ہے کہ عملی طور پر یہی حق رائے دہندگی ایک حقیقی جمہوری یا نمائندہ حکومت کی تشکیل کا ذریعہ بننے کی بجائے اقتدار کے وقتی حصول کا آلہ کار بن کر رہ جاتا ہے اس کا مشاہدہ مختلف ممالک میں آئے دن ہوتا رہتا ہے کہ اقتدار کے رسیا سیاستدان جمہوریت اور آزادانہ و منصفانہ حق رائے دہندگی کا خوبصورت جال بچھا کر اقتدار پر قبضہ کر لیتے ہیں یہاں تک کہ ان ممالک کے لوگ بھی جن میں خواندگی کا تناسب خاصا بلند ہوتا ہے، محض پروپیگنڈہ، بلند بانگ دعوے اور سکوں کی جھنکار کے شکار ہو جاتے ہیں ان دونوں (یعنی پروپیگنڈہ اور لالچ) طاقتور اور پرکشش ذرائع کے ساتھ سیاسی تشہیر (CONVASSING) اور نعرہ بازی بھی اپنا مکروہ کردار ادا کرتی ہے یہ سب مل کر عوام کے ذہنوں کو یکسر بدل دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہی عوام ایسے افراد کو منتخب کرنے کا وسیلہ (جیسے سیاسی زبان میں سرچشمہ کہا جانے لگا ہے) بن جاتے ہیں جن کے بارے میں ان کی معلومات ناکافی یا بالکل ہی نہیں ہوتی اور جن سے عوام کا کبھی ربط نہیں رہا بالعموم عوام کو اپنے حلقہ کے امیدواروں کے متعلق عین انتخاب کے زمانے میں علم ہوتا ہے اور وہ بھی اخبارات، ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ذریعہ یا پروپیگنڈہ، تشہیر و اشاعت کے ذریعہ جن میں بنیادی طور پر ذاتی اغراض اور غلط بیانی کا رنگ غالب رہتا ہے۔ اس پر مبالغہ آرائی اور بلند و بانگ دعوے سیاسی شعبدہ بازی کے طور پر مزید رنگ چڑھا دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ اس نام نہاد جمہوری طریقۂ انتخاب میں ہر قسم کی

Marfat.com

غیر قانونی حرکتیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ رشوت، دھونس، دھمکی۔ دھاندلی ترغیب و تحریص کے ساتھ ساتھ پریشان کن ہتھکنڈے کھلے بندوں استعمال کئے جاتے ہیں تاکہ کسی نہ کسی طریقہ سے اسمبلی میں نہ صرف کرسی مل جائے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اسمبلی کی اکثریت حاصل ہو جائے۔ ووٹ خریدے بھی جاتے ہیں یہاں تک کہ ان افراد کے نام کے بھی ووٹ پڑ جاتے ہیں جن کا نام فہرست رائے دہندگان میں تو ضرور ہوتا ہے مگر اُن کا فی الحقیقت وجود نہیں ہوتا۔ بیلٹ کے صندوق توڑ دیے جاتے ہیں اور خفیہ بیلٹ کا اصول پامال کیا جاتا ہے۔ اصل رائے دہندگان مختلف طریقوں سے اپنا ووٹ ڈالنے سے دور رکھے جاتے ہیں بلکہ اُن کو پریشانی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے ان مختلف ہتھکنڈوں کے سہارے مملکت کے بنیادی نظریہ کی خاطر نہیں بلکہ صوبائی عصبیت، ذات برادری، یا دوسری شخصی اغراض کے لئے ووٹ طلب کئے جاتے ہیں۔

جن ممالک میں خواندگی کا تناسب نسبتاً کم ہوتا ہے، خاص طور پر اندرون دیہات اور مضافات میں، وہاں کے حالات اور بھی ابتر ہوتے ہیں ووٹ ڈالنے والوں کو بعض اوقات یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ ووٹ کی قدر و قیمت کیا ہے اور کس طرح اپنا حق رائے دہندگی استعمال کیا جاتا ہے ان حالات میں اُن کے ووٹ استحصال کا شکار ہو جاتے ہیں یا ناپسندیدہ افراد کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ اُن کے ووٹ اکثر ان لوگوں کے نام ڈالے جاتے ہیں جن سے وہ واقف بھی نہیں ہوتے بلکہ اگر انھیں صحیح صورت حال کا علم ہو جائے تو وہ ایسے امیدواروں کو کبھی منتخب نہ کریں۔

۳۔ حق رائے دہندگی (VOTE)

ووٹ دینے کا حق مملکت کے ہر فرد کو حاصل نہیں ہوتا بالغ رائے دہندگی

Marfat.com

کے اصول کے مطابق صرف بالغ اور باشعور افراد ہی کو ووٹ دینے کی اجازت ہے۔ لیکن بعض وجوہات کی بناء پر ہمارے نزدیک محض بالغ رائے دہندگی سے الیکشن کا صحیح مقصد پورا نہیں ہوتا الیکشن کا مقصد ہی یہ ہے کہ بہتر سے بہتر افراد کو حکومت چلانے کے لئے منتخب کیا جائے اس کے لئے لازم ہے کہ ووٹ دینے والوں کو امیدواروں کے بارے میں مکمل معلومات ہوں۔ انہیں اس عہدہ کی اہمیت کا بھی اندازہ ہونا چاہیئے جس پر کامیاب ہونے کے لئے امیدوار ووٹ طلب کر رہا ہے۔ ووٹروں کو اپنے ووٹ کی اہمیت کا احساس ہونا چاہیئے اور انہیں سوچ سمجھ کر پوری احتیاط کے ساتھ اپنا حق رائے دہندگی استعمال کرنا چاہیئے بدقسمتی سے اکثر ممالک میں حق رائے دہندگی کے یہ تمام بنیادی مگر نہایت اہم عناصر عملاً مفقود ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے امیدوار بھی جو ناخواندہ ہوتے ہیں اور اپنا نام بھی صحیح نہیں لکھ سکتے یا جن کو قانون یا قانونی اداروں کا مطلق شعور نہیں ہوتا وہ بھی مختلف ناپسندیدہ طریقوں سے اسمبلی کے ممبر منتخب ہو جاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اسی قسم کے لوگ ذاتی اغراض کے لئے درپردہ یا اپنے ذاتی اثر و رسوخ کے بل پر گورنر اور وزیر بھی بنا دیے جاتے ہیں۔ ایسے امیدوار جو قانون سے شُدبُد بھی نہیں رکھتے محض تماشہ کی خاطر اسمبلی میں چلے جاتے ہیں اور وہاں اپنی نشستوں پر اونگھتے رہتے ہیں یا اپنے مخالفین کو پریشان کرنے کے لئے یا اپنی پارٹی کی حمایت میں شور مچاتے رہتے ہیں۔ یا پھر ایسے لوگوں کا اسمبلی میں جانا محض ذاتی مطلب براری کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ بہرحال یہ حقیقت ہی کہ ایسے ممبرانِ اسمبلی قوم اور ملک کیلئے کوئی مفید کام انجام نہیں دے سکتے۔

انتخاب کا صحیح مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب رائے دہندگان (یعنی ووٹر) خود معاملہ فہم ہوں اور ملکی مسائل کو سمجھنے اور ان پر مشورہ دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ صرف ایسے ووٹروں کے توسط سے کامیاب ہونے

Marfat.com

ایسے امیدوار ہی ملک و قوم کی صحیح طور پر خدمت کر سکتے ہیں اور مفادِ عامہ کے قانون وضع کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اہم ملکی معاملات میں اپنے مخلص پیروکاروں سے صلح ومشورہ کرنے کے لئے ارشاد فرماتا ہے۔ قرآن کریم سے ہمیں اس امر کی نشان دہی ملتی ہے کہ اہلِ ایمان اپنے مسائل ومعلومات باہمی صلاح ومشورہ سے حل کیا کرتے تھے ہمیں اس اہمیت کا بھی احساس ہونا چاہیئے کہ باہمی صلاح مشورہ یا کسی اہم معاملہ میں مشورہ دینے کے مجاز صرف وہی صاحبان باصلاحیت ہیں جو کسی مسئلہ یا معاملہ کی اہمیت اور نزاکت کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور اس پر صحیح اور قابلِ عمل مشورہ دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ کوئی شخص کسی ایسے فرد سے کبھی مشورہ کرنا ضروری نہیں سمجھتا جسے کسی معاملہ کی اہمیت کا اندازہ ہی نہ ہو چہ جائیکہ اُس سے کسی سنگین اور اہم مسئلہ کے حل کے لئے اُمید رکھی جائے چنانچہ انتخاب کا صحیح اور عقلی طور پر قابلِ قبول طریقہ یہ ہونا چاہیئے کہ یہ انتخاب ایسے صاحب الرائے افراد کی حق رائے دہندگی پر مبنی ہو جو مملکت کے مختلف النوع مسائل پر صحیح مشورہ دینے کے اہل ہوں۔ نہ یہ کہ تمام بالغ اور سمجھدار (یعنی جو دیوانے یا پاگل نہ ہوں) افراد کو ووٹ دینے کا اہل قرار دیا جائے خواہ اُن کی تعلیم اور معاملہ فہمی کا معیار کچھ ہی ہو! ایسا کرنا یعنی ناخواندہ اور نااہل لوگوں کو بالغ اور ذی ہوش ہونے کی بنیاد پر انتخاب کا حق دینا نظم مملکت کے ساتھ مذاق سے کم نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت انتظام و انصرام نااہل اور غیر مستحق لوگوں کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہی نومنتخب ممبران مملکت کے نظریہ کے خلاف ہوتے ہیں یا اُن کا اخلاق اور عزتِ نفس کا معیار بلند نہیں ہوتا اور وہ اپنے مفاد کے آگے ملک کے تحفظ اور سالمیت اور عوام کی فلاح وبہبود کی مطلق پرواہ بھی نہیں کرتے۔

Marfat.com

چنانچہ اسلامی مملکت میں سربراہِ مملکت، مجلس وزراء (کابینہ) اور مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کا انتخاب ایسے ذی عقل وفہم لوگوں کی آراء پر مبنی ہونا چاہیئے جو اس گراں بہا ذمہ داری کے اہل ہیں۔ الماوردی کا کہنا ہے کہ کسی ووٹر کی عمر، دولت یا جائے رہائش کو حق رائے دہندگی کی بنیاد اور معیار نہیں قرار دیا جاسکتا۔ بلکہ اس کا صحیح معیار یہ ہے کہ وہ بھلے برے اور جھوٹ سچ کی تمیز ہو اور جو مستحق اور غیر مستحق کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس کے اخلاق پاکیزہ ہوں اور وہ ذہانت اور شعور کی دولت سے نوازا گیا ہو اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ احکام الٰہی کا پابند ہو۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ خوبیاں لازمی طور پر ان تمام لوگوں میں ہونا چاہیئے جو امام یا سربراہِ مملکت کو منتخب کرنے کا حق رکھتے ہیں تاکہ اس صحیح معیار کے انتخاب سے صحیح امام یا اسلامی مملکت کا سربراہ منتخب ہو۔ ابن خلدون کا بھی یہی موقف ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسلامی مملکت کے خلیفہ کا انتخاب ملک کے عام افراد کو نہیں سونپا جاسکتا اس حق رائے دہندگی کے تو وہ افراد مستحق ہیں جو ملک کے نظم ونسق اور انتظام والصرام کے متعلق صحیح اور مدلل رائے رکھتے ہوں۔ اور جن میں اتنی اخلاقی جرأت ہو کہ وہ اپنی صداقت پر مبنی رائے کو بلا خوف وخطر ہر کسی تحریص وترغیب سے بالاتر ہو کر پیش کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔

۴۔ نامزدگی (NOMINATION)

چنانچہ یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حکومت کی تشکیل کا صحیح اور موثر طریقہ یہ ہے صرف باصلاحیت اور اہل دانش افراد کو ووٹ کا حق ملنا چاہیئے۔ یہ نظریہ کہ ہر بالغ اور عاقل آدمی ووٹ کا مستحق ہے منطقی اور عملی نتیجہ کے نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے بلکہ اس سے گوناگوں

Marfat.com

خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور اس کے ذریعہ کوئی حکومت صحیح معنوں میں پائیدار اور عوام کے لئے مفید اور فلاح و بہبود کی ضامن نہیں ہو سکتی لیکن اس کے ساتھ ہی جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں، الیکشن یا ووٹ کے ذریعہ انتخاب حکومت کو تشکیل دینے کا واحد اور لازمی ذریعہ نہیں ہے۔ اس کے لئے ایک اور طریقہ بھی ہے اور وہ ہے نامزدگی کے ذریعہ تقرری یا مسند نشینی کا۔ تاریخ اسلام میں یہ طریقہ سب سے پہلے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اختیار کیا اور اس طریقہ کو تمام مسلم مفکرین نے سراہا۔ ماوردی کا کہنا ہے کہ خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کے دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ اہل الرائے افراد کے آراء کے ذریعہ انتخاب ہے اور دوسرا طریقہ سابق خلیفہ کی جانب سے نامزدگی کا ہے۔ موخر الذکر میں حکمراں خلیفہ اپنی زندگی میں (وفات سے کچھ عرصہ پیشتر) اپنا جانشین نامزد کر دیتا ہے اور رائے عامہ سے اس کی تائید حاصل کر کے وقت ضرورت جانشین خلیفہ کا باقاعدہ اعلان کر دیا جاتا ہے۔

جہاں تک طریقہ اوّل یعنی اہل الرائے افراد کے ووٹ کے ذریعہ انتخاب کا تعلق ہے۔ ماوردی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حکمراں یا خلیفہ کے انتخاب میں ہر شہر، قصبہ اور گاؤں سے اہل الرائے افراد کا حصہ لینا ضروری نہیں صرف دار الخلافہ میں موجود اور رہائش پذیر باصلاحیت اور ذی احترام شخصیتوں کے ذریعہ انتخاب کافی ہے۔ اس کے بعد ملک کے تمام بسنے والے اس نامزد (یا اصحاب الرائے کے ذریعہ منتخب شدہ) خلیفہ کو اپنا حکمراں تسلیم کرلیں چنانچہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کا خلافت کے لئے انتخاب اسی محدود رائے کے ذریعہ عمل میں آیا سب سے پہلے مدینہ منورہ میں موجود مقتدر صحابہ کرامؓ نے آپ کو خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے منتخب کیا (اس طریقہ کار کو نامزدگی کہنا زیادہ مناسب ہے) اس کے بعد جمہور مسلمین نے اس کی تصدیق و تائید کی اور حضرت ابوبکرؓ پوری اسلامی ریاست کے خلیفہ یا حکمراں تسلیم کر لئے گئے۔

Marfat.com

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنے آخری ایام میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد کیا جسے تمام مسلمانوں نے قبول کر کے اس کی توثیق کر دی۔ حضرت عمرؓ نے اس طریقۂ کار کو ذرا وسعت دی اور بجائے اس کے کہ آپ خود اپنا جانشین نامزد کرتے، آپ نے اپنی طرف سے چھ صحابۂ کرام کو نامزد کر کے ایک جماعت بنائی اور انھیں اختیار دیا کہ وہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں چنانچہ دیگر پانچ صحابۂ کرام نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جانشین منتخب کیا جس کی پوری ملت نے تائید کی اور حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم کیا۔

خلیفۂ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انتخاب صرف حضرت عباسؓ (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) کی طرف سے نامزدگی کے ذریعہ عمل میں آیا۔ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنا جانشین نامزد نہیں کیا تھا۔ چنانچہ نامزدگی کا ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی بھی مقتدر اور صاحب الرائے فرد اپنی صوابدید سے خلیفہ یا حاکم نامزد کر دے اور اس کی رائے کو جمہور کی تائید حاصل ہو جائے۔

ابنِ خلدون کا کہنا ہے کہ عام افراد (پبلک) کو خلیفہ کے انتخاب سے لاتعلق رہنا چاہیئے اس کی رائے میں عوام کو براہ راست خلیفہ کے انتخاب کا حق دینا مناسب نہیں۔ ان کا کام تو محض خلیفۂ وقت کی اطاعت کرنا ہے۔ خلیفہ قوم کا متولی یا سرپرست ہوتا ہے اسے تمام لوگوں کا اعتماد اور تعاون حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اُس کو اپنا جانشین نامزد کرنے کا حق ہونا چاہیئے کیونکہ وہ اس (نامزدگی) کی اہلیت اور صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ اپنا جانشین خود ہی نامزد کرے، خواہ ایسا نامزد شخص خلیفۂ وقت کے خاندان یا قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو یا نہیں۔

نامزدگی کا طریقہ اسلامی ریاست میں خلفائے راشدین کے زمانہ سے

Marfat.com

رائج رہا ہے اس طریق کار کو مسلمان مفکرین کی حمایت بھی حاصل رہی ہے۔ چنانچہ آج بھی ہم اسلامی مملکت میں اس نقطۂ نظر کی بلا جھجک تائید اور حمایت کرنے کو تیار ہیں کہ اسلامی ریاست میں خلیفۂ وقت یا سربراہ مملکت نامزدگی کے ذریعہ منتخب کیا جائے مگر شرط یہ ہے ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ جیسے صاحب الرائے اور پاک باطن دانشور، مدبر اور سیاستدان نامزد کرنے یا نامزد ہونے کے لئے موجود ہوں جو اللہ کا قانون حقیقی معنوں میں محض اللہ و رسولؐ کی خوشنودی اور اطاعت کے لئے، ذاتی مفاد اور غرض سے بالاتر ہو کر نافذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں ورنہ نہیں۔ ہم ایسے افراد کو نامزد کرنے یا نامزد ہونے کی قطعاً حمایت نہیں کر سکتے جو ظاہر میں تو مسلمان کہلاتے ہوں مگر باطن میں اسلام کی حقانیت کو تسلیم نہ کرتے ہوں کیونکہ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو منافقین کہا ہے۔ یا ایسے لوگ جو مسلمان ہونے کے تو دعویدار ضرور ہیں مگر اُن کے اعمال کافرانہ یا ملحدانہ ہیں کیونکہ قرآن کریم کی اصطلاح میں یہ لوگ فاسق و فاجر ہیں یا ایسے لوگ جو اسلام قبول کرنے کے بعد کسی دنیاوی لالچ یا اقتدار کی ہوس میں اسلام سے پھر جاتے ہیں کیونکہ ان لوگوں کو قرآن میں مرتد کہا گیا ہے یا ایسے لوگ جو خدا کی وحدانیت میں غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں کیونکہ یہ لوگ قرآن کی نظر میں مشرکین ہیں ہم ایسے نام نہاد مسلمان کے حق میں بھی خلیفہ یا اسلامی ریاست کا حکمران بننے کی حمایت نہیں کر سکتے جو شرابی، بدکار، جھوٹا، مبالغہ آمیز پروپیگنڈہ کرنے والا، بددیانت، بے ایمان، خود غرض اور آوارہ مزاج ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم اس زمانہ میں اور بالخصوص موجودہ حالات میں جن کو کوئی معجزہ ہی درست کر سکتا ہے نامزدگی کے اصول کی تائید نہیں کر سکتے۔ موجودہ حالات میں یہ طریقہ نہایت غیر محفوظ ہے اور دیر یا سویر شہنشاہیت میں منتقل ہو کر موروثی بن جاتا ہے یعنی اقتدار پر ایک ہی

Marfat.com

خاندان کا نسلاً بعد نسلٍ" تسلط قائم ہو جاتا ہے خواہ یہ نام نہاد صاحب اقتدار اس کا اہل ہو یا نہ ہو۔ ہم تو اس حد تک محسوس کرتے ہیں کہ اسی طریقۂ نامزدگی کے سبب ہی اسلام میں کربلا کا اندوہناک واقعہ پیش آیا جس میں نواسۂ رسولؐ اور آپ کے عزیز و اقارب نہایت بے دردی اور شقاوت قلبی کے ساتھ شہید کر دیئے گئے اس تاریخی غم انگیز سانحہ کے وہی لوگ ذمہ دار تھے جو مسند خلافت پر اپنا استحقاق وراثت کے بل بوتہ پر جتاتے تھے یہ نام نہاد حکمران خود کو مسلمان کہلاتے تھے مگر خانوادۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معصوم خون بہانے میں انھیں محض اس لئے دریغ نہ ہوا کہ وہ طاقت و جبروت کے ذریعہ اپنا "حق حکومت" منوا سکتے تھے۔ انھیں اس کی مطلق پرواہ نہ تھی کہ اُن کے اس ظلم و سفاکی اور جابرانہ سیاست سے تاریخ اسلام کا دامن داغدار ہو رہا تھا اور ایک ایسی رسم بد وجود میں آ رہی تھی جس نے ملت کا شیرازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بکھیر کر رکھ دیا۔

۵۔ آخری (فیصلہ کُن) نقطۂ نظر

ہمارے خیال کے مطابق سب سے زیادہ محفوظ اور صحت مند طریقہ خلیفۂ وقت یا سربراہ مملکت کے انتخاب کا یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے صرف اُن افراد کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہو جنہیں انتظامِ سلطنت کا درک ہو اور یہی طریقۂ انتخاب پارلیمنٹ کے ممبران کے انتخاب کے لئے بھی اختیار کرنا چاہیئے۔ وزیر اعظم کا انتخاب عام طور پر پارلیمنٹ کی کثرت رائے سے عمل میں آتا ہے۔ جہاں تک وزراء (کابینہ) کے تقرر کا سوال ہے اس کے لئے وزیر اعظم کے مشورہ اور سربراہِ مملکت کی منظوری کا مروجہ طریقہ مناسب ہے۔ اس سلسلہ میں عام افراد کی رائے یا اُن کی حمایت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ عوام کا تعلق صرف سربراہِ مملکت اور پارلیمنٹ کے ارکان

Marfat.com

تک محدود رہتا ہے۔ اور یہ دونوں عہدے مملکت کے لئے اہم ترین ہونے کی وجہ سے ان کا انتخاب عوام کے صرف اُن افراد تک ہی محدود ہونا چاہیئے جنہیں امورِ سلطنت کا ادراک ہو اور جو اس جلیل القدر عہدوں کے لئے موزوں امیدواروں کے انتخاب کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ہمارے خیال میں اس انتخاب کے لئے رائے دینے والوں کو جن خوبیوں اور صلاحیتوں کا حامل ہونا چاہیئے اُن کا تعلق ووٹ دینے والوں کی عمر قابلیت، تعلیم، مذہب، اور اخلاق سے ہے۔

ہماری رائے میں ایک ووٹر کی کم سے کم عمر ۳۵ سال ہونا چاہیئے کیونکہ اس عمر تک پہنچنے سے پیشتر شاذ و نادر ہی کسی شخص میں صلاحیت، علم اور تجربہ کی اتنی استعداد پیدا ہو سکتی ہے کہ وہ امورِ سلطنت میں رائے زنی کر سکے۔ اس عمر کو پہنچنے کے بعد ہی کوئی شخص زندگی کے امور کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کرتا ہے اور اُس میں قومی اور بین الاقوامی سیاست کی تبدیلی اور ترقی اور اُن کے محرکات کا شعور پیدا ہوتا ہے۔

قابلیت سے ہماری مراد ووٹر کی جسمانی اور دماغی صحت، تجربہ، علم اور ذہانت ہے۔ جسمانی صحت میں بدن کی مناسبت اور شعور کا بلوغ شامل ہے۔ چنانچہ ایسا فرد جو جسمانی طور پر بیمار، ناتواں، گونگا، بہرہ، اندھا، بے وقوف، کاہل الوجود، دیوانہ، ناتجربہ کار، ناخواندہ، فہم و شعور سے محروم اور سلطنت کے معاملات سے نابلد ہو، رائے دینے کا مستحق نہیں ہو سکتا اور نہ اُسے اس کی اجازت ہونی چاہیئے۔

تیسری ضرورت ووٹر کی تعلیم سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمارے خیال میں ایک ووٹر کی تعلیم مروجہ نظامِ تعلیم کے مطابق کم سے کم میٹرک تک یا اُس کے مساوی ہونی چاہیئے یا پھر کسی دارالعلوم یا مستند مذہبی ادارہ کا سند یافتہ ہو۔ اس معیار تک تعلیم اس لئے ضروری ہے کہ ایک ووٹر کو

Marfat.com

اس عہدہ کی اہمیت کا شعور ہونا چاہیئے جس کے لئے وہ کسی شخص کو منتخب کرنے کا متمنی ہے اس طرح اس کو اپنے ووٹ کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ ہو جائیگا

مذہبی نقطہ نظر سے کسی اسلامی ریاست کے حکمران اور ممبرانِ پارلیمنٹ کے انتخاب کے لئے صرف مسلمانوں کو ووٹ کا حق دیا جانا چاہیئے۔ البتہ غیر مسلم، غیر مسلموں کے لئے محفوظ نشستوں کے امیدواروں کے حق میں اپنا ووٹ دے سکتے ہیں۔ ہمارے خیال میں حق راہندگی کے سلسلہ میں مذہب کی شرط ضروری ہے کیونکہ قرآن کریم کے مطابق مسلمانوں کے معاملات مسلمانوں کے درمیان ہی طے ہونے چاہئیں۔ اور یہ ایک بدیہی امر ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان ہی اس بات کا صحیح جائزہ لے سکتا ہے کہ کوئی امیدوار اسلامی ریاست کے سربراہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔ اس طریق کار سے اُس خطرہ کا قدرتی طور پر سدباب ہو جائیگا جس کے ذریعہ کوئی غیر موزوں اور نااہل امیدوار مسلم اور غیر مسلم ووٹروں کی اکثریت کے سہارے خود کو اس اہم عہدہ کے لئے منتخب کرا سکتا ہے۔

اخیر میں ووٹر کے اخلاقی معیار کے متعلق بھی کوئی حدبندی ضروری ہے اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ اسلامی ریاست میں سربراہ کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ ملک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی اچھائیوں کو اختیار کرنے کا حکم اور برائیوں سے بچنے) کا اہتمام کرے۔ یہ اُسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب وہ خود اعلیٰ اخلاق کا حامل ہو۔ شرابی، فاسق، فاجر، جھوٹا، قزاق، بے ایمان اور جعلساز سے کبھی توقع نہیں کی جا سکتی کہ ملک سے اخلاقی و معاشرتی برائیوں کا خاتمہ کر سکے گا۔ اس کی تگ و دو شراب و کباب اور رقص و سرود کی محفلوں تک رہتی ہے اور امور سلطنت میں اُس کی دلچسپی برائے نام ہوتی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جب تک کوئی فرد خود شراب

Marfat.com

کباب اور فسق و فجور سے دور نہ رہے وہ دوسروں کو کس طرح ان برائیوں سے دور رہنے کا حکم دے سکتا ہے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سربراہِ مملکت کا اخلاق و کردار مملکت کے افراد کے اخلاق و کردار کو بڑی حد تک متاثر کرتا ہے لہذا یہ ضروری ہے کہ جو شخص اسلامی حکومت میں خلافت (سربراہی) کابینہ میں شمولیت اور اسمبلی کا ممبر بننے کا خواہش مند ہے۔ اُسے لازماً اعلیٰ اخلاق و کردار کا ہونا چاہیئے۔

یہ فطری تقاضا ہے کہ جو شخص کسی عہدہ کے خواہش مند امیدوار کے لئے اعلیٰ اخلاقی معیار کو ضروری سمجھتا ہے، اُسے خود بھی بلند کردار کا حامل ہونا چاہیئے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ بدکردار افراد پاک کردار اور شریف النفس شخص کو سربراہِ مملکت کی حیثیت سے منتخب کریں۔ اپنی عیش پرور زندگی کو طول دینے کے لئے اُن کی کوشش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ پاک طینت اور اعلیٰ کردار افراد کو سلطنت کی دہلیز تک بھی نہ پہنچنے دیں اور اُن کی کامیابی کے تمام راستے بند کر دیں۔ وہ جب بھی اپنی نجی محفلوں میں الیکشن یا انتخاب کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی گفتگو کی تان اسی نکتہ پر ٹوٹتی ہے کہ "یارو! ان ملاؤں سے ہوشیار رہو، ایسا نہ ہو کہ یہ کامیاب ہو جائیں اگر ایسا ہو گیا تو تمھارے جام و ساغر اور تمھاری لذت کوشی کی خیر نہیں بس سمجھ لو کہ عیش و عشرت کی زندگی کا خاتمہ ہو جائیگا اور ذلت و خواری تمھارا مقدر بن جائے گی"!!!

۲۔ وقفہ جاتی انتخابات (PERIODICAL ELECTIONS)

جمہوری ملکوں میں عام انتخابات ایک خاص میعاد کے بعد ہوتے ہیں جن کے ذریعہ نمائندوں کا انتخاب از سرِ نو ہوتا ہے اور پرانی حکومت کی جگہ نئی حکومت زمامِ اقتدار سنبھال لیتی ہے بعض اوقات گذشتہ نمائندوں کا پورا گروہ یا اُن کا غالب حصّہ دوبارہ منتخب ہو کر اقتدار پر بدستور فائز

Marfat.com

رہتا ہے۔ وقفہ جاتی انتخابات (PERIODICAL ELECTIONS) کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عوام اپنے نمائندوں کی کارکردگی کا جائزہ لیں۔ اگر اُن کی کارکردگی قابلِ اطمینان ہے تو انھیں اقتدار پر رہنے دیا جائے ورنہ انھیں ہٹا کر دوسرے موزوں تر امیدواروں کا انتخاب کیا جائے۔ اس طریقہ سے قوم کے نمائندے ہمیشہ چوکنا رہتے ہیں اور انہیں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ قوم کے مفاد کے خلاف کوئی کام کریں کیونکہ انہیں عوام کے احتساب کا اندیشہ رہتا ہے اور آنے والے انتخابات کی تلوار اُن کے سروں پر لٹکتی رہتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وقفہ جاتی انتخابات کے پیچھے جو نظریہ کارفرما ہے، وہ قرین مصلحت اور قابلِ قبول نظر آتا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ان انتخابات کے ذریعہ عملاً وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جس کے لئے یہ انتخابات کرائے جاتے ہیں ہوتا یہ ہے کہ جو شخص ایک دفعہ برسرِ اقتدار آگیا وہ آسانی سے اپنے حریفوں کو الیکشن میں کامیاب ہوکر اقتدار پر قبضہ نہیں کرنے دیتا۔ برسرِ اقتدار گروہ عموماً دوبارہ بھی انتخابات جیت لیتا ہے تاوقتیکہ اس کے خلاف نفرت اور بیزاری کی مُلک گیر تحریک نہ چلے۔ سیاسی تاریخ میں ایسی مثالیں کمیاب ہیں جن میں برسرِ اقتدار گروہ کو آسانی سے شکست ہوئی ہو۔ حکومت میں تبدیلی بالعموم اس وقت عمل میں آتی ہے جب برسرِ اقتدار شخص یا گروہ اپنے طور پر انتخابات میں حصّہ نہ لینے کا فیصلہ کرلے اور سیاست سے عملی طور پر علیحدہ ہوجائے۔

انتخابات میں کثیر رقم صرف ہوتی ہے اور حکومت کو انتخابات منعقد کرانے میں کروڑوں روپے کا خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ امیدوار بھی ہر تیسرے، چوتھے یا پانچویں سال (جیسا بھی دستور ہو) انتخابات کے سلسلہ میں بھاری رقم خرچ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ موجودہ زمانہ کی انتخابات کی تکنیک اور ضروریات انتہائی گراں ہوگئی ہیں اور کثیر اخراجات سے مفر

Marfat.com

نہیں۔ اس کے باوجود اگر حکومت میں تبدیلی نہ آئے یا زمامِ اقتدار بدتر افراد کے ہاتھوں میں چلی جاتے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ تمام محنت اور رقم جو انتخابات پر صرف ہوئی، بالکل ضائع گئی اور نتیجہ میں اور زیادہ مشکل اور خراب تر صورتِ حال سے واسطہ پڑ گیا جس سے نجات پانے کے لئے عرصہ درکار ہے پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ قانونی چارہ جوئی کا سلسلہ چل پڑتا ہے اور نمائندوں کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشی کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ قانونی رسہ کشی آئندہ انتخابات تک جاری رہتی ہے اور اس تمام دوران منتخب شدہ افراد کی پوزیشن غیر یقینی اور غیر مستحکم رہتی ہے۔ اس کے علاوہ ایسے متنازعہ انتخابات کے نتیجہ میں امنِ عامہ میں بھی خلل واقعہ ہوتا ہے اور جسمانی اور ذہنی توانائی کا ضیاع اس پر مستزاد ہے! انتخابات کے دلوں میں عموماً دن کا سکون اور رات کا چین برباد ہو جاتا ہے کاروبار رُک جاتے ہیں اور زندگی کے معمولات بھی متاثر ہوتے ہیں۔ گروہی رقابت اور تصادم کی فضا طاری ہو جاتی ہے اور بعض اوقات اشتعال انگیزی کے باعث رونما ہونے والے تصادم میں لوگ جان بھی گنوا بیٹھتے ہیں۔ اس پر طرّہ یہ کہ انتخابات کے نتیجہ میں حکومت کے داخلی اور خارجی معاملات کے بنیادی اقدام بھی معرضِ خطر میں پڑ جاتے ہیں کیونکہ امتحانات کے ذریعہ اگر حکومت تبدیل ہو جاتے تو اس کی پیش رَو حکومت کے اقدامات ادھورے رہ جاتے ہیں بلکہ معطل ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سابقہ حکومت کی تمام محنت اور دولت جو اُس نے اپنے منشور کی تکمیل کے سلسلہ میں صرف کی تھی، اکارت ہو جاتی ہے۔

ان موجودہ سیاسی نظریات پر مبنی حکومتوں کے برعکس اسلامی مملکت میں بنیادی پالیسی ایک اور یکساں رہتی ہے اس لئے کہ احکامِ الٰہی کا انفاذ اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں حکومت کے معاملات کی تشکیل

Marfat.com

وتکمیل جو حقیقی معنوں میں اسلامی ریاست کی بنیاد ہوتے ہیں، کبھی تبدیل نہیں ہوتے اور ان کی بنیاد جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ چنانچہ اس قسم کی حکومت کے لئے وقفہ جاتی انتخابات قطعاً غیر ضروری ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں سربراہ کی میعاد کا تعین عملی طور پر درست اور قابل قبول نہیں مانا گیا اور یہ قرین قیاس اور مصلحت سے ہم آہنگ بھی ہے اسلامی ریاست میں اقتدار کے ہیرپھیر اور جاہ پسند افراد کی ریشہ دوانیوں کے برعکس اس کا نصب العین متعین ہے۔ یعنی روئے زمین پر احکام خداوندی کی ترویج واشاعت اور اس پر عمل کرنے اور عمل کرانے کے لئے مختلف اقدامات۔ لہٰذا اسلامی مملکت میں اگر کوئی سربراہ جسے بطریق معروف منتخب کیا گیا ہے، اپنے فرائض قرآن وسنۃ کے مطابق انجام دے رہا ہے اور وہ بصورت دیگر جسمانی، ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے صحت مند بھی ہے تو ضرورت اور وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اُسے اپنے عہدہ پر قائم رہنے دیا جائے اور جمہور اسلام کا فرض ہے کہ وہ اس سربراہ کے احکام پر عمل کرے وہ جب تک امور سلطنت کی دیانتداری اور لگن کے ساتھ دیکھ بھال کرتا رہے اُس سے بلحاظ مدت حاکمیت تعرض نہ کیا جائے لیکن جوں ہی یہ محسوس ہو کہ وہ احکام خدا اور رسولؐ میں عدم اطاعت یا غفلت کوشی کی طرف مائل ہو رہا ہے یا یہ انکشاف ہو کہ اُس کی ذہنی اور جسمانی قوت انحطاط پذیر ہے جس کی بنا پر وہ سربراہی کے فرائض کماحقہ انجام نہیں دے سکتا، یا اُس کے اخلاق وکردار میں لوچ پیدا ہو رہا ہے تو اُسے اُس کے عہدۂ جلیلہ سے فوراً معزول کر دینا چاہیئے۔ یہ قطعاً نامناسب ہے کہ نااہل ثابت ہونے کے باوجود اُسے ایک خاص مدت تک رسمی طور پر یا طاقت کے بل پر برقرار رہنے دیا جائے۔ خلافت یا اسلامی مملکت کی سربراہی ایک مقدس عہدہ ہے اور اس پر کسی حالت میں بھی کسی ایسے فرد

Marfat.com

کو خائز نہیں رہنے دیا جانا چاہیئے جو اس کا اہل نہ ہو۔ ہمارے خیال میں خلیفہ یا سربراہِ مملکت کا ازسرنو انتخاب اسی حالت میں عمل میں لایا جائے جب موجودہ حکمران وفات پا جائے یا وہ خود استعفیٰ دے دے یا برضا و رغبت سبکدوش ہونا چاہے یا مندرجہ بالا کسی صورت میں اُسے معزول کر دیا جائے لیکن پھر سوال کیا جائیگا کہ سربراہِ مملکت کو معزول یا سبکدوش کرنے کا طریقہ کیا ہو؟ اس کے لئے سیدھا سادا اور صاف ستھرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ پارلیمنٹ سربراہ کی نااہلی یعنی جسمانی، ذہنی یا اخلاقی خرابی یا قرآن و سنّۃ سے عمداً بے اعتنائی یا خلاف ورزی یا مملکت کی سالمیت اور رفاہِ عامہ سے غفلت کا واضح ثبوت مل جانے پر کثرت رائے سے اُس کو سربراہی کے عہدہ سے معزول کر دے۔ پارلیمنٹ میں عدم اعتماد کی تجویز منظور ہوتے ہی سربراہِ مملکت فوری طور پر اپنے عہدہ سے معزول سمجھا جائے اور اُس کی جگہ ملک کا چیف جسٹس نئے سربراہ کے انتخاب تک عارضی طور پر اس عہدہ کے فرائض انجام دے۔ اسی طرح سربراہ کے انتقال غیر حاضری یا استعفیٰ یا ریٹائر ہو جانے کی صورت میں بھی چیف جسٹس قائم مقام سربراہ کی حیثیت سے امورِ مملکت کی دیکھ بھال کرے۔

یہی طریق کار ہمارے خیال میں پارلیمنٹ کے ممبران کے سلسلہ میں بھی اختیار کیا جانا چاہیئے اس ضمن میں بھی وقفہ جاتی انتخابات خاص اہمیت نہیں رکھتے اگر پارلیمنٹ کا ممبر اپنے فرائض صحیح طور پر اسلامی اصولوں کے مطابق انجام دے رہا ہے تو اُس کو اپنے عہدہ پر برقرار رہنے میں کسی قسم کی پابندی یا رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ پارلیمنٹ کی کسی نشست کا ازسرنو انتخاب بھی اسی صورت میں ہو جیسا کہ سربراہِ مملکت کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے یعنی اُس کے انتقال، استعفیٰ، یا ریٹائر ہونے، یا نااہلی کی بنا پر سبکدوش لئے جانے کی صورت میں اُس مخصوص نشست کے لئے ضمنی انتخاب کے ذریعہ اُس کی

Marfat.com

خالی جگہ پُر کی جائے۔ ایسی ممبر کی معزولی بھی ممبرانِ پارلیمنٹ کی کثرتِ آراء سے عمل میں لائی جائے۔ اس کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ وجوہات جن کی بناء پر ممبر مذکور کی معزولی زیر غور ہے، معقول دلائل اور واضح ثبوت کے ساتھ پیش کی جائیں۔ ان وجوہات میں جسمانی، ذہنی یا اخلاقی نااہلیت، اور قرآن و سُنّۃ کی خلاف ورزی یا ان سے قصداً بے اعتنائی، رفاہ عامہ یا ملک کی سالمیت کے خلاف کارروائی یا غفلت برتنے کے الزامات شامل ہیں بصورت دیگر ممبر مذکور کو تاحیات اس کے عہدہ پر فائز رہنے دیا جائے اور جب تک وہ خود استعفیٰ نہ دے یا اس کو معزول نہ کر دیا جائے یا پوری پارلیمنٹ نہ توڑ دی جائے، ممبر یا ممبران کو اُن کے عہدوں پر بدستور قائم رہنے دیا جائے

اگر پارلیمنٹ کوئی ایسا قانون منظور کرے جو قرآن و سُنّۃ کے منافی ہو یا کوئی ایسی کارروائی کرے جس سے ملک کی سلامتی خطرہ میں پڑ جائے یا اپنے فرائض انجام دینے میں غفلت برتے یا آپس کی کشمکش یا کسی اور وجہ سے اپنے فرائض انجام نہ دے سکے تو خلیفہ وقت یا اسلامی مملکت کے سربراہ کو اختیار ہونا چاہیئے کہ پوری پارلیمنٹ کو توڑ دے اور رائے عامہ کے ذریعہ نئی پارلیمنٹ کے انتخاب کا اہتمام کرے۔

۷۔ خواتین، ووٹر یا امیدوار کی حیثیت سے

جدید معاشرہ میں خواتین کو پارلیمنٹ اور سربراہ مملکت کے عہدہ کا انتخاب لڑنے اور انتخاب میں ووٹ دینے کی اجازت ہے لیکن اس رعایت یا اجازت کو موجودہ زمانہ کا فیشن ہی کہہ سکتے ہیں ورنہ استحقاق کی بنیاد پر یہ رعایت یا اجازت اور اس کی ضرورت یا اہمیت نظر ثانی کی محتاج ہے اگر مرد اور عورت کی فطری صلاحیتوں کا موازنہ کیا جائے تو ان دونوں کے درمیان فرق اور امتیاز واضح ہو جائیگا۔ عورتوں کی بنیادی ذمہ داریاں

Marfat.com

خاندان کی نگہداشت، ابقائے نسل، اولاد کی تربیت اور اہل خاندان کی خانہ داری کی خدمات تک محدود ہیں جبکہ مردوں کے مشاغل اور فرائض گھر کی چہار دیواری کے باہر ہوتے ہیں جن میں کھیتوں میں فصل اُگانی، کاروبار تجارت یا دیگر ذرائع سے تلاش معاش کی فکر شامل ہے ان کے علاوہ ملک کی حفاظت اور سالمیت کے لئے دشمن سے برد آزما ہونا اور اسی قسم کی جفاکشی اور محنت پر مبنی کئی اور ذمہ داریاں بھی مردوں کے کاندھوں پر ہوتی ہیں۔ جس طرح ایک مرد سے، خاص حالات کے سوا، گھر میں کھانا پکانا بچوں کی نگہداشت اور امور خانہ داری کی دیکھ بھال کی توقع نہیں کی جاسکتی اسی طرح ایک عورت سے بھی کھیتوں میں فصل کی کاشت، دفتروں، کارخانوں ملوں اور امور عامہ کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی توقع نہیں کیجانی چاہیئے اگر مرد و عورت اپنی فطری صلاحیتوں پر مبنی ذمہ داریوں کی حدود کو پھلانگ کر ایک دوسرے کے مشاغل کو اپنالیں تو نتیجہ میں سوائے افراتفری اور ایک دوسرے کے لئے مشکلات پیدا کرنے کے اور کیا ہاتھ آئیگا!!

غیروں کے نقطۂ فکر سے قطع نظر مسلمانوں کو تو اپنے تمام امور زندگی کی تکمیل و تعمیل کے لئے احکام الٰہی اور احادیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی سے ہدایت حاصل کرنی چاہیئے۔ لوگ اب یہ کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ مرد و عورت کے حقوق مساوی ہیں اور عورت کو حق ہے کہ وہ مردوں کے شانہ بشانہ کام کرے اس مفروضہ کو بنیاد بنا کر مردوں نے عورتوں کو دفتروں، ملوں اور کارخانوں میں پہنچا دیا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھکر یہی عورتیں پارلیمنٹ اور کابینہ میں شامل ہونے کو اپنا حق سمجھنے لگی ہیں چنانچہ اسی مساوات اور عدل و انصاف کے نام پر عورتوں کو مردوں کے برابر کھڑا کر دیا گیا ہے اس سے بیشتر یہ کہا جاتا تھا کہ مردوں نے عورتوں کا استحصال کر کے اُن کے حقوق پامال کر دیئے ہیں لیکن جب ہم صورتِ حال

Marfat.com

کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ اس قسم کی منطق واستدلال کی تہ میں جو جذبہ کارفرما ہے وہ لذت کوشی یا ہوا وہوس کی تسکین کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ عورت فی الحقیقت مرد کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہ گئی ہے جس سے وہ اپنا دل بہلاتا رہتا ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ عورت اپنی تمام تر ذہانت اور عقلمندی کے باوجود مرد کی خواہشات کی چار دیواری سے باہر نہیں نکل سکتی مرد کو بہرحال تفریح طبع کے لئے عورت کی رفاقت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور جوں جوں روزمرہ کے کاموں میں عورتوں کا دائرہ عمل بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر مردوں کو عورتوں کی رفاقت کے مواقع زیادہ سے زیادہ ہاتھ لگتے جاتے ہیں چنانچہ اگر عورت خود کو چار دیواری میں محفوظ کرلے تو مردوں کو عورتوں کے ساتھ باہمی ربط واختلاط اور ان کے حسن وجمال سے لطف اندوز ہونے کے مواقع کم سے کم ہوجائیں اور ظاہر ہے کہ عیاش طبع اور ہوا وہوس کے رسیا مردوں کے لئے یہ صورتِ حال قابل قبول نہیں ہوسکتی

ہمارے معاشرہ میں ایسے مسلمان بھی ہیں جن کا خیال ہے کہ امورِ عامہ میں عورتوں کا تعاون حاصل کرکے وہ اپنی کارکردگی میں دوگونہ اضافہ کرسکتے ہیں۔ ہم ایسی منطق کو عقل کا فریب نہ کہیں تو کیا کہیں؟ اگر ہم ایک لمحہ کے لئے آغازِ اسلام کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو یہ بات واضح ہوجائیگی کہ ایک وقت وہ تھا جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا تبلیغ دین کا کام کر رہے تھے اور اگرچہ آپ چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے مگر آپ نے کبھی اپنی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو اپنے کام میں شریک نہیں کیا حالانکہ ام المومنین خاصی معمر اور باصلاحیت خاتون تھیں اور قریش میں آپ کی بڑی عزت تھی مگر آپ نے مطلق گوارا نہ کیا کہ ام المومنین مردوں کے درمیان اور آپ کے شانہ بشانہ کھڑے ہوکر تبلیغ اسلام میں آپ کا ہاتھ بٹائیں اسی طرح آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی کبھی

Marfat.com

اس بات کی اجازت نہیں دی کہ کوئی عورت امورِ عامّہ میں یا مملکت کے نظم ونسق میں یا میدانِ جنگ میں کھُل کر حصہ لے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ عورتوں کو مردوں کے شانہ بہ شانہ عام زندگی کے کاموں میں حصّہ لینے کی اجازت ہونی چاہیئے تو اس مقصد کے لئے اسلام کے اوّلین دور سے زیادہ اور کون سا مناسب موقع تھا جب کہ مسلمان بہت قلیل تعداد میں تھے اور آج کل کے نقطۂ نظر کے مطابق اپنے مشن کو تقویت دینے کے لئے صحابیاتِ کرامؓ کو شریکِ کار بنانا نامناسب نہ ہوتا۔ مگر اسلام کے اُس صبر آزما اور نازک دَور میں بھی پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کی اجازت نہیں دی۔ اور آج جب کہ مسلمان بحمد اللہ اتنی کثیر تعداد میں روئے زمین کے چپہ چپہ پر پھیلے ہوئے ہیں اور دنیاوی مال ومتاع کی بھی اُن کے ہاں کوئی کمی نہیں تو عورتوں کو گھر سے باہر نکالنے کے حق میں دلائل پیش کئے جا رہے ہیں یہ صورتِ حال انتہائی افسوسناک ہے اور درحقیقت ہمارے خیال میں عورتوں کا چہار دیواری سے باہر نکلنا اور اپنے فطری رجحانات اور صلاحیتوں کے برعکس بیرونِ خانہ امورِ زندگی میں حصّہ لینا قطعاً مناسب نہیں اور خاص طور پر مسلم معاشرہ کیلئے انتہادرجہ مہلک ہے۔

عقلِ سلیم کا تقاضا ہے کہ عورتوں کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں اُن کے جذبات اور امنگوں، اور قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ افزائشِ نسل اور تربیتِ اولاد کی ذمّہ داریوں کے پیشِ نظر انھیں عام زندگی کے امور کی محنت ومشقت کی دشواریوں میں نہ ڈالا جائے بلکہ قدرت نے اُن کے لئے جو آسائش وسکون اور ذمّہ داری گھر کی چہار دیواری میں مہیّا کی ہیں اُن سے مستفیض ہونے کا انہیں موقع ملنا چاہیئے اُن کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ خانگی فرائض کو خوش اسلوبی سے انجام دیتی رہیں اور گھر کو راحت و طمانیت کا گہوارہ بنادیں۔

مسلمان عورتوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ اپنے آپ کو عام لوگوں

Marfat.com

کے سامنے پیش ہونے سے بچائیں۔ اگر کسی غیر مرد سے مجبوراً کبھی گفتگو کرنا ہی پڑے تو اس اجنبی یا غیر محرم سے اس طرح کلام نہ کریں جس سے اُس کی نفسانی خواہش کو شہ ملے۔ مسلمان عورتوں پر لازم ہے کہ جب وہ گھر سے نکلیں تو اپنے آپ کو پردہ یا چادر میں ڈھانپ لیں اور اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں۔ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک مسلمان عورت جو ان احکامات الٰہی کی تعمیل کو جزوِ ایمان قرار دیتی ہے وہ کس طرح بیرون خانہ عام زندگی کے کاموں میں مرد کے شانہ بشانہ حصہ لے سکتی ہے یا اسمبلی یا دیگر اداروں کی ممبری کی خواہش کر سکتی ہے یا سربراہ مملکت بننے کا خواب دیکھ سکتی ہے یا ووٹ دینے کا استحقاق طلب کر سکتی ہے یا دفتروں یا ملوں اور کارخانوں میں مردوں کے ساتھ کام کرنے کے لئے تیار ہو سکتی ہے؟ یہ تو اُسی وقت ممکن ہے جب وہ خدانخواستہ احکام الٰہی کی اطاعت سے روگردانی کرے اور دنیاوی آسائش و زیبائش کے لئے اپنی سرشت اور قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ ذمہ داریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئے۔ جب یہ صورتِ حال ہو تو دینی اور دنیاوی دونوں حیثیتوں میں زندگی کی تباہی لازمی ہے۔

۷۔ امیدواری (CANDIDATURE)

قرآن کریم کے ارشاد کے بموجب مسلمانوں کو اپنے معاملات اپنے درمیان ہی مشوروں سے طے کرنے چاہئیں چنانچہ یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے باہمی متفقہ فیصلہ سے اپنے لئے حاکم یا خلیفہ کو منتخب کریں۔ اس کے پیش نظر اور اخلاقی تقاضوں کے تحت کسی فرد کو زیب نہیں دیتا کہ اپنے آپ کو اس عہدہ یا کسی اور عہدہ کے لئے بطور امیدوار پیش کرے۔ منصب کی خواہش کو جو جاہ طلبی کا دوسرا نام ہے قرآن نے مسترد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ آخرت کی عزت و سربلندی اُن لوگوں کے لئے ہے جو زمین پر علو نہیں چاہتے اور ہوا کی خواہش

Marfat.com

نہیں کرتے اور نہ زمین پر فساد پھیلاتے ہیں (قصص: ۳۸)

انسان کے خود ساختہ معاشرہ میں تقریباً ہر جگہ انتخاب کے سلسلہ میں یہ دستور رائج ہے کہ جب کوئی فرد کسی عہدے کیلئے انتخاب میں حصہ لینا چاہتا ہے تو کوئی دوسرا فرد اُس کا نام بطور امیدوار تجویز کرتا ہے پھر اُس تجویز کنندہ کے علاوہ ایک اور شخص بحیثیت تائید کنندہ اس تجویز کی تائید کرتا ہے یعنی یہاں بھی وہی اصول کار فرما ہے کہ امیدوار خود کو بطور امیدوار پیش نہ کرے۔ بلکہ قاعدہ کے مطابق کوئی دوسرا شخص اس کا نام کسی عہدہ کے لئے تجویز کرے اور تیسرا شخص اُس کی تصدیق و تائید کرے لیکن موجودہ معاشرہ میں یہ محض ایک نظریہ یا کلیہ سے زیادہ نہیں کیونکہ آج کل عملی طور پر امیدوار خود آگے بڑھ کر اپنی خواہش کا اظہار کرتا ہے اور یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ فلاں عہدہ کے لئے وہی سب سے زیادہ موزوں اور قابل امیدوار ہے۔ اس کے بعد خانہ پُری کے طور پر اپنا نام کسی ایک دوست سے تجویز اور دوسرے دوست اور حمایتی سے اُس کی تائید کراتا ہے اس ضابطہ کی کارروائی کو پورا کرتے ہی وہ میدان انتخاب میں کود پڑتا ہے اور اپنے حلقہ انتخاب میں اپنی موافقت کی راہ ہموار کرنے کے لئے پروپیگنڈہ اور پبلسٹی کی یلغار کر دیتا ہے۔ وہ جھوٹے اور مبالغہ آمیز وعدوں کا ڈھیر لگا دیتا ہے اور جائز و ناجائز طریقہ سے کمائی ہوئی دولت صرف کر کے انتہائی کوشش کرتا ہے کہ وہ الیکشن میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو جائے! ایسا کیوں ہوتا ہے؟ صرف اس لئے کہ آج کل اسمبلی یا پارلیمنٹ کی ممبری ایک نفع بخش کاروبار ہے اس سے "شہرت" بھی حاصل ہوتی ہے اور دولت بھی!! عوام کی خدمت اور فلاح و بہبود کے نام پر امیدوار خود اپنی خدمت اور خبر گیری کے اہم مقصد کے لئے ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف رہتا ہے۔ اس کے بعد اپنے دوستوں اور خیر خواہوں کی اعانت و امداد کی طرف متوجہ ہوتا ہے تاکہ آئندہ بھی اُن کی تائید اور حمایت حاصل رہے۔ دوسرے لفظوں

Marfat.com

میں اس طلب زر اور طلب جاہ کے علاوہ کوئی اور نیک جذبہ امیدوار کے دل میں موجزن نہیں رہتا۔ اپنے عہدہ اور عوام کے استحصال کا اس سے بہتر اور آسان تر طریقہ شاید ہی اس کے خیال میں آسکتا ہو!!

اس کے برعکس جہاں تک اسلامی مملکت میں خلافت یا مفاد عامہ کے دوسرے اہم عہدوں کا تعلق ہے یہاں ذاتی منفعت اور عزت و جاہ طلبی نام کی کسی چیز کا گذر نہیں۔ بلکہ یہاں تو ایک فرد کو دن کا چین اور رات کی نیند قربان کرنی ہوتی ہے۔ مملکت اسلامی میں ساری رعایا تو چین سے سوتی ہے مگر سربراہ مملکت بھیس بدل کر گلی کوچوں کا چکر لگاتا ہے تاکہ بذات خود معلوم کرے کہ کہیں کوئی فرد بھوکا یا بیمار یا ضرورتمند تو نہیں ہے اور جب میدان جنگ میں اسلام کے سپاہی دشمن سے نبرد آزما ہوتے ہیں تو خلیفہ وقت اُن مجاہدوں کے گھر گھر جاکر اُن کی ضروریات کے متعلق دریافت کرتا اور انھیں ضروری اسباب وسامان مہیا کرتا ہے۔ وہ خود سوکھی روٹی اور موٹے کپڑوں پر گذارا کرتا ہے، فرش زمین پر سوتا ہے اور بیت المال سے صرف اسی قدر رقم لیتا ہے جو اُس کی کم سے کم ضرورت کو پورا کر سکے دوسرے لفظوں میں اس کی اپنی زندگی کی ضروریات ایک عام فرد سے بڑھکر نہیں ہوتیں بلاشبہ وہ قلمروئے اسلامی کا حکمراں ہوتا ہے مگر جب وہ اپنے مسکن (جو شاہی محل نہیں ہوتا بلکہ معمولی رہائش گاہ ہوتی ہے) سے باہر نکلتا ہے تو اس کے لئے شاہانہ سواری (STATE DRIVE) کا اہتمام نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی اردلی میں باڈی گارڈ (محافظ نگراں) ہوتے ہیں۔ اُسے دنیاوی شان وشوکت اور نمائشی باتوں سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہوتا۔ اُس کی زندگی مملکت اسلامی کے کسی بھی عام فرد سے زیادہ نہیں ہوتی بلکہ ممکن ہو تو اس سے بھی کم تر۔ وہ قوم وملک کی صحیح معنوں میں خدمت کرتا ہے، حکمرانی نہیں کرتا اس طرح اس کا ہر قدم قوم وملک کی بھلائی اور پرخلوص خدمت کے لئے اُٹھتا ہے۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ جس عہدہ کے لئے جذبات وجذبات کا یہ معیار ہو اس کے حصول کی تمنا لے کر کون امیدوار آگے بڑھے گا اور اپنی کامیابی کے لئے تگ و دو کرے گا۔ مملکت اسلامی کی سربراہی تاج وتخت سے مزین زندگی نہیں یہاں کانٹے ہی کانٹے ہیں، پھولوں کا نام تک نہیں۔ یہ عہدہ تو ملک وملت کے خیرخواہ اور باصلاحیت مسلمان پر زبردستی بارگراں کی طرح ڈال دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے آرام وچین کی قربانی دیکر ملت کی آسائش وراحت کا ذریعہ بنے اس نقطہ نظر سے اگر ہم مروجہ طرز حکومت کا مطالعہ کریں، خصوصی طور پر جمہوریت کی بنیاد پر قائم کی جانے والی حکومت کا جائزہ لیں (کہ اس میں برائے نام ہی سہی مگر عوام کی رائے کا کسی حد تک دخل تو ہوتا ہے) تو ہم یہ محسوس کریں گے کہ یہ نام نہاد جمہوار نواز حکومت اور دوسری نوعیت کی حکومتیں سب کی سب غیر اسلامی ہیں۔ انتخابات کے انعقاد اور حکومت کی تشکیل کا اسلامی نظریہ یہ ہے کہ مسلمان خود اپنے طور پر مل جل کر فیصلہ کریں کہ اُن کا سربراہ کون ہو۔ اس کے بعد اس عہدہ پر اس حکمران کو متمکن کردیا جائے اور ملت اسلامیہ اس انتخاب یا تقرر کو بسروچشم قبول کرلے اس کے برعکس اگر دو یا زیادہ گروہ کے درمیان خلیفہ کے انتخاب پر اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو اس صورت میں کثرت رائے کے ذریعہ خلیفہ کا انتخاب یا تقرری عمل میں آنا چاہیئے۔ یہ طریقہ کار بھی مسلمانوں کے معاملات کو آپس میں طے کرلینا کا ایک ذریعہ ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

کتاب ششم

حکومت کے فرائض

مشتملات

تعلیم — عدل وانصاف — امن اور جنگ

Marfat.com

Marfat.com

حکومت کے فرائض

حکومت کے فرائض کا تعین اس کے مقصد پر مشتمل ہوتا ہے کیونکہ مقصد پیش نظر ہی فرائض کی نوعیت اور تشکیل ممکن ہے جیسا کہ اس سے پیشتر عرض کیا جا چکا ہے، اسلامی حکومت کے مقاصد کو ہم چار شعبوں میں تقسیم کر سکتے ہیں یعنی (۱) اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ (۲) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (۳) عدل و مساوات (۴) قیام امن و نظم۔

اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کا ذکر تفصیل کے ساتھ کتاب دوم "صلوٰۃ" میں پیش کیا جا چکا ہے۔ جہاں تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق ہے، اس ضمن میں ہم اپنی معروضات کسی قدر وضاحت کے ساتھ کتاب سوم بعنوان "اخلاقیات" اور اجمالی طور پر باب پنجم "سیاسیات" کے تحت پیش کر چکے ہیں۔ البتہ تعلیم کے متعلق مزید گفتگو ضروری معلوم ہوتی ہے کیونکہ تعلیم ہی وہ موثر ترین ذریعہ ہے جس کی وساطت سے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے مشن کو ملک میں عام کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح عدل و مساوات کے ضمن میں بھی کتاب دوم اور کتاب پنجم میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے حوالے پیش کئے گئے ہیں لیکن ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس پر مزید روشنی ڈال کر یہ واضح کیا جائے کہ عدل و مساوات کے متعلق قرآن کے پیش کردہ اصول کے مطابق اس اہم شعبہ زندگی کے بنیادی اصول اور مقاصد کیا ہیں۔ قیام امن و امان بھی وسیع موضوع ہے جس کے بارے میں بھی تفصیل سے گفتگو ضروری ہے لہذا آئندہ صفحات میں ہم قرآنی تعلیم کی روشنی میں تعلیم، عدل و انصاف، اور امن و جنگ کے بعض اہم پہلوؤں پر اختصار کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

Marfat.com

باب اوّل

تعلیم

تعلیم ذہنِ انسانی کو ایک خاص نہج پر استوار کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ تعلیم ہی کے ذریعہ ایک فرد پاک باز اور خوش اطوار بن سکتا ہے اور تعلیم ہی کسی فرد کو مکمل طور پر بداطوار اور بے راہ بنا دیتی ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی اچھے کاموں کا حکم دینے اور بُری باتوں سے روکنے کے ضمن میں تعلیم موثر ترین وسیلہ ہے اور اگر تعلیم کی نوعیت اور اس کا معیار اعلیٰ ہو تو یقیناً ایک ایسا معاشرہ وجود میں آسکتا ہے جو بنی نوعِ انسان کی فلاح وبہبود کا ضامن ہو اور اس کے لئے ترقی وکامرانی کے دروازے کھول دے اس مقصد کے حصول کے لئے لازم ہے کہ بچہ کو شروع ہی سے ایسی تعلیم دی جائے جس سے اس کے دل میں بھلائی سے رغبت اور برائی سے نفرت پیدا ہو جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے نصابِ تعلیم اور طرزِ تدریس میں علمی وعملی نقطۂ نظر سے مجموعی تبدیلی ضرورت ہے۔

اسلامی مملکت میں تعلیم کو قرآنِ کریم اور احادیثِ نبوی پر مبنی ہونا چاہیئے یہ حقیقت ہے کہ قرآن وسنتہ ہی تمام فیوض وبرکات کا سرچشمہ ہیں اور یہی تعمیر روحانیت کے لئے مستحکم ستون کا کام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی تمام بنی نوع انسان کی ہدایت اور تعلیم کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو وسیلہ قرار دیا ہے (جس طرح قرونِ سابقہ میں انبیاء ورسل

Marfat.com

نبی اپنی امتوں کے لئے ہادی اور معلم بنا کر بھیجے گئے تھے) قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارک ہی کتاب و حکمت اور پاکیزگی کی تعلیم کا واحد ذریعہ ہے (البقرہ: ۱۵۱) اسی طرح قرآنِ کریم کے ذریعہ ہم پر یہ حقیقت روشن ہوئی کہ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ ان کی اولاد میں ایک ایسا پیغمبر مبعوث ہو جو کتاب و حکمت کی تعلیم عام کرے اور لوگوں کے دل کو گناہوں کی آلودگی سے پاک صاف کرے (البقرہ ۱۲۹) دعائے خلیلؑ کا الہامی جواب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں عطا ہوا اور جس کتاب کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے وہ بلا کسی ریب و شک کے خود قرآن کریم ہی ہے۔ قرآن کریم میں حکمت و دانائی کے ضمن میں تمام علوم بشمول فلسفہ، سائنس اور ٹیکنالوجی اور متعلقات کے نظائر و ظواہر سمٹے ہوتے ہیں اور پاکیزگی و طہارت کے ضمن میں ان تمام علوم اور کردار انسانی کے تمام عملی پہلو شامل ہیں در اصل حصول علم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جو کچھ سیکھا جائے اس پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ اسی عمل کی بنیاد پر فیضان کا ظہور ہوتا ہے اور اس فیضان کا تسلسل کے ساتھ جاری رہنا بھی استقامتِ عمل پر ہی موقوف ہے۔ چنانچہ عملی مشن کے لحاظ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سہ گونہ فرائض کی تکمیل سے عبارت تھی (۱) قرآن کریم کی تعلیم و تشریح (۲) دنیاوی علوم کی افادیت کو صحابۂ کرام اور ان کے بعد عامۃ المسلمین کے دلوں میں راسخ کرنا اور (۳) عالم باطنی و ظاہری کو عمل کے ذریعہ اجاگر کرنا یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل ہونے والی سب سے پہلی وحی کا سب سے پہلا لفظ اِقْرَاْ یعنی (آپ) پڑھئے تھا۔ (علق: ۱) اسی اولین وحی میں یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی تھی کہ رب اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کو قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور اس کو ان تمام امور و حقائق کا علم بخشا جن سے پہلے وہ واقف نہ تھا (علق: ۴-۵) اس وحی سے یہ بات ثابت

Marfat.com

ہوتی ہے کہ پڑھنا اور لکھنا، دونوں ہی حصولِ علم اور تبلیغ احکام
کے بنیادی ذرائع ہیں اس امر کی تصدیق اُس حکمِ ربّی سے بھی ہوتی ہے جس
کہا گیا ہے کہ اہلِ ایمان میں ایک جماعت پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ و
کی خدمت میں حاضر ہو کر دین کا ادراک حاصل کرے اور واپس جا کر
اور قرب وجوار کے لوگوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرے (توبہ: ۱۲۲
کریم کی ان واضح ہدایات کی روشنی میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ تعلیم (یع
حصولِ علم) ہی وہ بہترین بنیادی ذریعہ ہے جس سے بنی نوعِ انسان کو ا
الٰہی سے آگاہ کر کے اُن کے قلب و ذہن میں خیر و شر کا امتیاز اور ش
پیدا کیا جا سکتا ہے۔

اسلام میں حصولِ علم یعنی تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے
لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمان گھرانوں میں ہر بچہ کی پیدائش کے فوراً بعد ا
کے کانوں میں اذان کے کلمات دہرائے جاتے ہیں تاکہ سب سے پہلا کلم
لاشعوری طور پر دنیا کے نئے مہمان کے کانوں میں گونجے، اس میں خدا کی
و کبریائی کا بیان اور رسالت کا اقرار ہو۔ ساتھ ہی اس کے مافی الضمیر میں
و فلاح کی بھی تلقین کر دی جائے تاکہ جب وہ ہوش سنبھالے تو اس کے د
میں اس کی اپنی دینی و دنیاوی ذمہ داری کا احساس ابھر آئے اور یہی ا
کی بنیادی تعلیم بھی ہے یعنی خدا کی توحید و عظمت، رسالت کا اقرار و
اور دنیاوی امور میں فلاح و کامرانی کی تلاش اور ان تمام امور میں جہد مس
اور استقامتِ عمل یہ اوّلین تعلیم دراصل ایک مسلمان بچہ کی آئندہ زندگ
منشور ہے جو پیدا ہونے کے فوراً بعد اس کو بتا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب
کی عظمت و کبریائی کا احساس ذہن نشین ہو گیا تو گویا دنیا اور دنیا کی ہر
تا نونی بلکہ ناپائدار سطح پر آگئی۔ اس کے ساتھ ہی خدا کی توحید کے اقرار
دل و دماغ پر یہ حقیقت نقش ہو جاتی ہے کہ خدا کی خدائی میں کوئی ش

Marfat.com

نہیں ہوسکتا اور انسانوں کے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بُت کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار اس بات کی یقین دہانی ہے کہ زندگی کے تمام امور صرف خالقِ کائنات کے احکام کے مطابق ہی سر انجام دینے چاہئیں یعنی وہ احکام و ہدایت جو سردارِ انبیاء اور ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دنیا میں لینے والوں کے پاس آئے اور جو رہتی دنیا تک قائم و دائم رہیں گے احکامِ خداوندی اور احادیث نبوی کے ماسوا تمام امور و احکام باطل اور ناقابلِ پذیرائی ہیں ان میں مذکورہ اوّلین کلمات میں دعوتِ صلوٰۃ (حی علی الصّلوٰۃ) اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ صلوٰۃ ہی تمام دینی عبادات کا ماخذ اور سرچشمہ ہے اور اس کے علاوہ دیگر تمام عبادات و اعتقادات ہیچ ہیں۔ اسی طرح دعوتِ الیٰ الفلاح (حی علی الفلاح) کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ تمام دینی و دنیوی امور میں فلاح و کامرانی کا دار و مدار صرف اطاعتِ خدا اور رسولؐ میں مضمر ہے اس کے علاوہ تمام طریقے اور تمام راستے انسان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی بجائے تباہی کے کنارے تک پہنچا دیتے ہیں۔

یہ حقیقی معنوں میں اسلامی زندگی کا منشور یا نصب العین ہے اور ہر بچہ کی تعلیم اور تربیت کا آغاز اسی منشور پر عمل اور تلقین کی بنیاد پر ہونا چاہیئے۔ اسی تعلیم پر عمل کر کے ہی ہر مسلمان کا خدا کی توحید، حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء سابقین کی نبوت، ملائکہ، کتب سماوی اور روزِ قیامت پر ایمان پختہ ہوسکتا ہے۔ وہ خالقِ کائنات کے سوا کسی غیر کے آگے سر نہیں جھکاتا اور اس کے دل میں اللہ کے ڈر (تقویٰ) کے سوا کسی اور کا خوف اور ڈر بالکل نہیں رہتا، خواہ دنیاوی اعتبار سے اُس کے اقتدار کی شان کتنی ہی بلند ہو ایسے مسلمان کے دل میں صلوٰۃ (نماز) کی ادائیگی کا جذبہ جاگزیں ہو جاتا ہے اور وہ دنیاوی فوز و فلاح

Marfat.com

کے لئے قرآن و سُنّتہ کو ہی صدق دل اور خلوصِ نیت سے اپنا رہبر و رہنما تسلیم کرتا ہے۔

کوئی ایسا نظامِ تعلیم جو اس اسلامی منشورِ حیات سے ہم آہنگ نہ ہو یعنی جس کا مرکز و منبع قرآن و حدیث نہ ہو، وہ کسی بھی نقطۂ نظر سے اسلامی نظامِ تعلیم کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کا غیر اسلامی نظامِ تعلیم ایک فرد کو ماڈرن اپ ٹوڈیٹ فلاسفر، ڈاکٹر، انجینیر، سیاستدان، سائنسدان، ماہرِ فن اور اس کے علاوہ بہت کچھ تو بنا سکتا ہے مگر حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں بنا سکتا۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ اسلام دنیاوی یا مادی تعلیم کا مخالف نہیں ہے اس کے برعکس وہ ہر قسم کے علم کو علم کی حیثیت سے قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کے حصول و اکتساب میں کوشش کی ہمت افزائی بھی کرتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت وضاحت اور پُر زور طریقہ پر اعلان فرمایا ہے کہ "علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے،، آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر حصولِ علم کے لئے چین جیسے دور دراز علاقہ میں بھی جانا پڑے تو اس مقصد کے لئے راہ کی مشکلات و شدائد کو خاطر میں نہیں لانا چاہیئے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ علم سیکھو مہد سے لحد تک،، یعنی ولادت کے گہوارہ سے قبر میں جانے تک یا دوسرے الفاظ میں زندگی کی پہلی سانس سے آخری سانس تک کا زمانہ تحصیلِ علم کے لئے وقف کر دینا چاہیئے۔ آپؐ نے مدینہ میں مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے خاص طور پر اہتمام فرمایا۔ یہاں تک کہ ایک تعلیم یافتہ غیر مسلم اسیر یا غلام کی آزادی کا فدیہ یا تاوان یہ مقرر کر دیا تھا کہ وہ ایک مسلمان بچہ کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ اس کے علاوہ علم اور صاحبِ علم کی عزت و احترام سے متعلق متعدد احادیث بیان کی گئی ہیں۔ آپؐ کا ارشاد

Marfat.com

ہے کہ کسی صاحب علم کے قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے زیادہ قیمتی ہے
آپ نے صاحبان علم کی صحبت میں علم وفضل کی تلاش کی نیت سے ایک
لمحہ بیٹھنے کو برسوں کی عبادت سے افضل قرار دیا ہے ایک اور حدیث ہے
کہ "مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمْ"، یعنی ایک عالم کی موت ایک عالم
یعنی دنیا جہاں کی موت کے برابر ہے۔

قرآن کریم نے اہل عقل (اولی الالباب) کو بار بار مظاہر قدرت اور اشیاء عالم کے مشاہدہ اور اُن پر غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ وہ سورج، چاند، ستاروں کی گردش پر غور کریں، دریاؤں اور سمندروں کی روانی اور سیلابی کیفیت کا مطالعہ کریں، نباتات، حیوانات اور انسان کی نشو ونما اور اُن کے عالم شباب سے گذر کر ضعیفی اور ناتوانی کی زبوں حالی تک پہنچنے کا جائزہ لیں، شب و روز، موسم اور آب و ہوا کے اُلٹ پھیر اور زندگی اور موت کے انقلاب پر تفکر کریں۔

اس تمام دعوتِ فکر اور حصولِ تعلیم کی رغبت کا مقصد یہی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی یکتائی (توحید) پر ایمان لائیں۔ اُس کے احکام کی اطاعت کو اپنا شعار بنائیں اور مقصد تخلیق اور تکمیلِ زندگی میں مضمر حقائق کی تلاش کے ساتھ زندگی کو حقیقی معنوں میں کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ اسلام میں تعلیم کا یہ مقصد کبھی نہیں رہا کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کا زیردست اور منکرینِ حق اور بت پرستوں کی تقلید کا خوگر بنا دیا جائے یا مسلمان، ایسے لوگوں کا دست نگر بننا گوارا کرلیں۔ جن کے آبا و اجداد کو تاریخِ اقوام میں مردود قرار دیا گیا ہے اسلام نے کبھی اجازت نہیں دی کہ مسلمان فلسفہ، سائنس اور ٹیکنالوجی کے علوم محض اس نیت سے حاصل کریں کہ وہ اسلامی شعار کی جگہ یہود و نصاریٰ کے تمدن اور طرز زندگی کو اپنائیں اور ہر قدم پر اُن کی تقلید کریں۔ تعلیماتِ اسلامی کے نزدیک

Marfat.com

زندگی اور طرزِ تمدن و رہائش کا صحیح مفہوم وہی ہے جو حضور نبی کریم
اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں رائج تھا۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ا
پاکیزہ اور بامقصد طرزِ حیات کو اپنا شعار بنائے اور منکرینِ اسلا
تقلید سے اجتناب کرے، خصوصاً اُن اُمور میں جن سے عقائد و افکا
غلط اور باطل رجحانات کے در آنے کا اندیشہ ہو۔ مسلمان پوری آزا
ساتھ سائنس و فلسفہ اور اسی نہج کے "مادی" علوم و فنون حاصل کر
جائز مادی ضروریات اور مناسب آسائش کو پورا کرنے کا حق رکھتے ہ
مگر ان امور میں اُن کا مطمحِ نظر حقائقِ فطرت کا مطالعہ اور بنی نوعِ انسا
کی خدمت ہونا چاہیئے نہ یہ کہ دنیاوی علوم میں اضافہ اور ترقی کے عوض
ان کا ایمان کمزور اور خدا پر اُن کا یقین متزلزل ہو جائے یا خدا اور ر
کی اطاعت میں رکاوٹ اور مزاحمت کا سبب بن جائے۔ سائنس ا
ٹیکنالوجی کے میدان میں مسلمانوں کا نصب العین یہ ہونا چاہیئے کہ یہ
علوم تعلیماتِ اسلامی کے زیرِ اثر رہیں تاکہ اُن کا ایمان و یقین اور زیا
مستحکم و پائدار ہو جائے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم کو از سرِ نو ترتیب و تشکیل دینے کی غر
سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مروجہ طریقۂ تعلیم اور نصابِ تعلیم کا جا
لیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ حصولِ تعلیم کے شوق میں یہود و نصا
کی اندھی تقلید کر رہے ہوں یا دینی و اُخروی نتائج سے بے خبر منکرین
کے بنائے ہوئے اسلام دشمن اصولوں پر چل رہے ہوں۔ ہمارے خیال م
مروجہ تعلیم خصوصاً مغربی طرزِ تعلیم سے رونما ہونے والے اخلاق و عقید
کے مضر اثرات کا سدِ باب کرنے کے لئے قرآن و سنّت کی تعلیم کو گھر گھ
عام کیا جائے اور طلباء و طالبات کے لئے ابتدائی درجہ سے تکمیلِ تعلیم تک
ہر سطح پر قرآن و حدیث کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔

Marfat.com

اسلامی نظام تعلیم کے سلسلہ میں ہماری تجاویز یہ ہیں کہ چار سال کی عمر تک ہر بچہ کو گھر پر رہ کر وہاں کے خوش گوار ماحول سے مانوس و مستفیض ہونے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ گھر کے دوسرے بچوں کے ساتھ دلجمعی کے ساتھ کھیلے کودے اور کھاتے پیئے تاکہ وہ جسمانی صحت کے ساتھ ذہنی طور پر بھی نشوونما پاتے۔ اس دوران گھر کے بزرگوں خصوصاً والدین کا فرض ہے کہ وہ بزرگانِ دین اور اسلاف کے مجاہدین کے کارناموں کو دلنشین اور سبق آموز پیرایہ میں بیان کرتے رہیں تاکہ نوعمر اور نوخیستہ بچہ کے دل و دماغ پر اپنے اسلاف کی عظمت نقش ہو جائے اور اس میں بھی عظمت، جرأت اور تعلیم حاصل کرنے کا صحت مند جذبہ پیدا ہو۔

چار سال کے بعد اور چھ برس کی عمر تک بچے کو قرآن کریم صحیح طریقہ پر پڑھنے کی تعلیم دینا چاہیئے اسی کے ساتھ اسلامی عقائد کے مبادیات اور نماز کی تلقین بھی ضروری ہے۔

ساتویں برس سے اٹھارہ سال کی عمر تک پرائمری (ابتدائی) اور ثانوی نصاب کی تعلیم دی جائے اور اسی کے ساتھ قرآن اور سُنّۃ اور دیگر علوم بشمول سائنس اور ٹیکنالوجی کی ابتدائی معلوماتی تعلیم سے بھی بچہ کو تدریجاً روشناس کرایا جاتے۔ اس مرحلہ پر تمام مدارس میں ایک ہی نصاب کے مطابق (جیسے مندرجہ بالا تمام مضامین کو طالب علم کی استعداد کو پیشِ نظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہو) تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ یہ ثانوی درجہ تک کا نصاب ہے جس کی تکمیل کے بعد طلباء کا امتحان لینا ضروری ہے۔ ثانوی (سکنڈری) امتحان میں کامیابی کے بعد ہی طلباء کو آئندہ تعلیم جاری رکھنے کی اجازت دی جائے۔ اس سلسلہ میں یہ بات اچھی طرح پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ یہ (ثانوی) امتحان محض رواجی یا رسمی نہ ہو بلکہ اس کی اہمیت اس نقطۂ فکر سے وابستہ ہو کہ یہی امتحان کسی طالبِ علم یا طالبہ کے رجحانِ

Marfat.com

طبع اور ذہنی صلاحیت کی دریافت کا موثر اور قابل عمل ذریعہ ہے۔ چونکہ اس امتحان کا نتیجہ طالب علم کی آئندہ پیشہ ورانہ زندگی کو اختیار کرنے کے سلسلہ میں واحد رہنما کا کام دے گا، لہٰذا اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا ہوگا کہ اس ضمن میں کسی کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ برتی جائے اور نہ ہی کوئی جانبدارانہ رویہ اختیار کیا جائے۔ اس امتحان میں کارکردگی کے ساتھ طالب علم کی تعلیمی استعداد، ماضی میں اخلاقی برتاؤ اور رجحانِ طبع کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے اور اس کے تمام نصابی اور غیر نصابی کارکردگی کے ریکارڈ اور دستاویز کے مجموعی جائزہ کے بعد ہی طالب علم کو آئندہ تعلیم جاری رکھنے اور پیشہ ورانہ تعلیم کے انتخاب کی اجازت اور ہدایات دی جانی چاہیئے۔ اس سلسلہ میں اس بات کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ صرف ایسے طلبا کو جو واقعی تیز فہم، مطالعہ کے شوقین، اعلیٰ تعلیم کے خواہش مند ہوں، ان کے رجحان اور ان کی صلاحیتوں کو سامنے رکھ کر کالج کی اعلیٰ تعلیم کے لئے منتخب کرنا چاہیئے۔ ایسے طلبا جو مقررہ معیار پر پورے نہیں اترتے، ان کو کالج کی اعلیٰ تعلیم کی مطلق اجازت نہیں دینی چاہیئے بہتر تو یہ ہے کہ اگر ان کی جسمانی اور اعصابی توانائی اجازت دے تو ایسے طلبا کو فوج اور پولیس کی تربیت یا دوسرے فنی پیشہ کے لئے بھیج دیا جائے جہاں ان کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں زیادہ سود مند طریقے پر بروئے کار لائی جا سکتی ہیں۔

کالج کے چار سالہ تعلیمی نصاب کی تکمیل کے بعد طلبا کا دوبارہ ذہنی امتحان لیا جائے۔ اس امتحان کی غرض و غایت طالب علم کی صلاحیت اور شعور کی پختگی کا اندازہ لگانا ہے کہ آیا وہ یونیورسٹی کی اعلیٰ (SUPER-HIGH) تعلیم کے لئے موزوں ہے یا نہیں۔ یونیورسٹی کا نصابِ تعلیم ہر خصوصی شعبہ یا پیشہ ورانہ ٹیکنالوجی کے لئے یکساں معیار اور طرز کا تیار کیا جانا چاہیئے تاکہ ہر

Marfat.com

طالب علم اپنی صلاحیت اور فطری رجحان کے مطابق استفادہ کر سکے۔ یہ آزمائشی امتحان یا ٹیسٹ عام طرز کے امتحان کے مقابلہ میں سخت اور مشکل ہونا چاہیئے تاکہ متعلقہ شعبہ میں صرف وہی طلبا شرکت کر سکیں جو نہایت ذہین، طباع، ذوق علم میں سرشار اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہیں اس موقع پر بھی طالب علم کی گذشتہ امتحانات میں کارکردگی، اخلاقی معیار اور طبعی رجحان کا مجموعی طور پر جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ متعلقہ طالب علم کی تعلیمی زندگی اور اس کی ترقی کی رفتار اور معیار کا مکمل نقشہ سامنے آجائے اور اس کی مزید پوشیدہ صلاحیتوں اور آئندہ ترقی کے امکانات کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے جو طلباء اس امتحان میں پورے نہ اتریں انہیں کسی حالت میں بھی یونیورسٹی میں داخلہ نہیں دینا چاہیئے۔ زیادہ مناسب بات تو یہ ہے کہ ایسے طلباء کو ہمدردانہ مشورہ دیا جائے کہ وہ محض شوق میں تعلیم کے مزید سال برباد کرنے کی بجائے کسی مفید اور نفع بخش پیشہ کا انتخاب کر کے اپنی صلاحیت کے جوہر دکھائیں اور اپنے لئے عزت اور ترقی کا مقام پیدا کریں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، تعلیم کے نظام کو اس طرح ترتیب دیا جائے اور عمل میں لایا جائے کہ شروع سے آخری درجہ تعلیم تک قرآن وسنت اور ان پر مبنی علوم کی تدریجی ترقی اور وسعت ایک خود کار نظام کے طور پر آگے بڑھتی جائے اور طالب علم کا رابطہ کسی مرحلہ پر اور کسی شعبہ میں بھی اسلامی تعلیم سے نہ ٹوٹنے پائے۔ یہاں تک کہ یونیورسٹی کی اعلیٰ کلاسوں میں فقہ اور تفسیر کی تدریس و تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے خواہ طالب علم کا تعلق کسی مخصوص ماہرانہ شعبہ تعلیم (SPECIALISED COURSE) سے کیوں نہ ہو۔ اسلامی مملکت کے مدارس، کالج اور یونیورسٹی میں ادائے صلوٰۃ و صوم لازمی ہو اور اس کے لئے ہر تعلیمی ادارہ میں نماز

کی سہولت کا خاص طور پر خیال رکھا جائے تاکہ طلبا عملی طور پر اسلامی تعلیم کی روح کو اپنے باطن میں جذب کر سکیں اور وہ سند یافتہ اور اعلیٰ ڈگری پانے والے ڈاکٹر، انجینیر، ماہر تعلیم اور قانون داں ہونے کے ساتھ خلوص و عجز کا پیکر بن کر بھی دنیا کے سامنے آئیں اور اسلامی تعلیمات کا عملی مظہر بن کر دین اسلام کی حقانیت کو اہل دنیا، بالخصوص ارباب علم و فکر پر واضح کر سکیں اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ طلبا کے دل و دماغ پر اساتذہ کا احترام اور وقار کا احساس پیدا کیا جائے تاکہ ہر طالب علم استاد کی عزت و اطاعت کو اپنا فرض سمجھے اور کسی حالت میں اس سے روگردانی نہ کرے۔ استاد کو قولاً اور فعلاً یہ اختیار ہونا چاہیئے کہ کسی طالب علم کی ناشائستہ حرکت پر زجر و توبیخ کر سکے اور اگر درسگاہ کی ناموس کی تحفظ کا سوال ہو تو اساتذہ کو ایسے طالب علم کا نام خارج کرنے کا بھی اختیار ہو تاکہ دیگر طلبا عبرت حاصل کریں اور اپنے آپ کو اس ذلت سے محفوظ رکھیں۔

طلبا کے اخلاق و کردار کو سنوارنے اور انھیں اسلامی تہذیب و تمدن کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے ضروری ہے کہ درسگاہوں کو سیاسی اور غیر اخلاقی حرکتوں سے ہر قیمت پر محفوظ رکھا جائے اور ان میں فلم شو، ڈرامہ رقص و سرود کی محفلیں نہ سجائی جائیں۔ کسی سیاسی لیڈر کو درسگاہوں میں سیاسی لیکچر دینے کی بالکل اجازت نہ دی جائے۔ اور نہ طلبا کو سیاست میں حصہ لینے یا کسی سیاسی پارٹی کا آلہ کار بننے کی اجازت ہو بلکہ طلبا کو سخت تاکید کی جائے کہ وہ اپنے آپ کو صرف تحصیل علم کے لئے وقف کر دیں اور گردوپیش کے سیاسی نشیب و فراز سے لاتعلق ہو کر اپنے تعلیمی نصب العین کی تکمیل میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف رہیں۔ اس کے باوجود اگر طالب علم یا کوئی گروہ ان احکامات کی تعمیل سے پہلوتہی یا انکار کرے تو ایسے طالب علم یا گروہ کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جائے۔

ان اعلیٰ مقاصد کے حصول میں اساتذہ کا کردار اور ان کا اخلاقی

Marfat.com

رجحان بھی بہت اثر انداز ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلامی درسگاہوں میں درس و تدریس کے لئے اساتذہ کے انتخاب اور تقرری میں چھان بین ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں تقرری کے طالب امیدواروں کا خاندانی پس منظر، ان کا ذاتی کردار، علمی اور فنی مہارت و استعداد، طبعی میلان اور شخصیت کی اثر انگیزی کا بھی جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ آئندہ کسی قسم کی بدمزگی نہ پیدا ہونے پائے۔ مسلمان طالب علموں کے ہم مسلک اور ہم خیال مسلمان ان اساتذہ مقرر کئے جائیں، جن کا رہن سہن اور طرز فکر بھی اسلامی تعلیمات کا مظہر ہونا چاہیئے تاکہ اُن کے زیر اثر طلباء اسلام کی راہ سے بھٹکنے نہ پائیں ان اساتذہ کے آداب معاشرت، لباس کی تراش خراش، اور زندگی کے دوسرے لوازمات کا بھی مطالعہ کرنا مناسب ہے یعنی اس بات کا اطمینان کہ ان کے قول و فعل میں کوئی ایسی بات تو نہیں جو اسلام کے خلاف ہو۔ ایسی کسی چیز کو ثقافت (کلچر) تاریخی یا معاشرتی تمثیلوں یا ڈراموں کے نام پر اسلامی درسگاہوں میں در آنے کی اجازت نہ دی جائے جس کے عناصرات میں، اسلام کے منافی جذبات و خیالات شامل ہیں اور جو طلباء کے ذہن و فکر کے بگاڑ کا سبب بن سکتے ہوں اسلامی معاشرہ کی حقیقی روح کو نوجوانوں کے ذہنوں میں راسخ کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ پرائمری (ابتدائی) سطح کے فوراً بعد ثانوی تعلیم و تدریس کے لئے لڑکے اور لڑکیوں کی علیحدہ علیحدہ جماعت بندی کا انتظام کیا جائے تاکہ ان نوخیز ذہنوں میں آزادی کے ساتھ ملنے جلنے کا رجحان بتدریج کم ہوتا جائے۔ اس بات کا خصوصی اہتمام کیا جائے کہ نوجوان لڑکیاں سخت پردہ کے ساتھ درس گاہوں میں آئیں اور قرآن و سنّت کے اصولوں کی پابندی کو اپنا شعار بنائیں تاکہ اُن کی اپنی ذہنی اور اخلاقی ترقی بغیر کسی رکاوٹ اور بیرونی عوامل سے متاثر ہوئے بغیر ترقی پائے۔

اس باب کے اختتام سے پیشتر مناسب ہے کہ اساتذہ کے مشاہروں

Marfat.com

اور تنخواہوں کے متعلق بھی کچھ اظہار خیال لیا جائے جہاں تک اساتذہ کی تعظیم و تکریم کا سوال ہے اساتذہ اپنے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کر لیتے مگر جب ہم اُن کی خدمات کے مالی معاوضے پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھکر سخت افسوس ہوتا ہے کہ ان کو حق الخدمت بمشکل ہی میسر آتا ہے، خصوصاً اس مہنگائی کے دور میں جب کہ اونچی تنخواہ پانے والے افسران بھی گراں بازاری اور دیگر مالی مشکلات کا رونا روتے رہتے ہیں لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اساتذہ کا معاوضہ کم سے کم اتنا تو ضرور ہو کہ وہ فکر معاش سے آزاد ہو جائیں۔ ساتھ ہی اساتذہ کو رہائش، طبی امداد ان کے اہل و عیال کی پرورش اور تربیت کی مناسب سہولتیں بھی مہیا کی جانی چاہئیں۔ اساتذہ نوجوان نسل کو مفید اور راہِ راست پر چلنے والی جماعت کی حیثیت سے تشکیل دینے میں اہم اور بنیادی فریضہ انجام دیتے ہیں چنانچہ ان خدمات کا تقاضا ہے کہ اساتذہ کو خوشحال پرسکون اور باعزت زندگی گذارنے کے تمام مواقع ملنے چاہئیں۔ اساتذہ کو معاشرہ میں شایانِ شان مقام نہ دینے اور زندگی کی واجب المقام آسودگیوں سے محروم رکھنے کا نتیجہ بدقسمتی سے یہی نکلے گا کہ تعلیمی ماحول تباہ ہو گا اور تعلیمی ماحول کی تباہی، دراصل قوم کے ابھرتے ہوئے باصلاحیت نوجوانوں کے اخلاق و کردار کی بربادی اور ان کے سریع الاثر ذہن و دماغ میں اضطراب و انتشار کی افزائش کے مترادف ہے

Marfat.com

باب دوم

عدل وانصاف

۱۔ عدل وانصاف کا مفہوم

ارسطو نے اپنی کتاب " ری پبلکا " (REPUBLICA) یعنی 'جمہوریت' میں عدل وانصاف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ قانوناً جائز مناسب یا اُس کے مساوی " (یعنی ترجیح اور امتیاز سے بالاتر) اسی نقطۂ نظر سے ارسطو نے عدل کو ۲ دو شعبوں میں شمار کیا ہے ایک تقسیمی اور دوسرا اصلاحاتی اول الذکر میں ملک کے باشندوں میں اعزاز یا دولت کی تقسیم یا تفویض کرنا جس کا تناسب کسی مخصوص معاشرہ کے اپنے معیار اور خوبیوں کے مطابق ہو جب کہ موخر الذکر میں کسی کے نقصان کا اندازہ اور اسی تناسب سے اس کی تلافی شامل ہے جو اس نقصان کے وقوع سے پیشتر موجود تھی۔

اس نقطۂ نظر سے عدل کی بنیاد اس دوطرفہ نظریہ پر متصور ہوگی کہ ہر فرد کو وہ سب کچھ ملنا چاہیئے جو اُس کا حق ہے اور دوسرے یہ کہ ہر نقصان یا غلط روی کی مناسب طریقہ پر تلافی معاوضہ یا معالجہ (یا انسداد) ہونا چاہیئے لیکن حق (RIGHT) اور علاج یا تلافی (REMEDY) دونوں کا تعلق قانون سے ہے چنانچہ عدل ان حقوق کے تعین اور ان کی فراہمی اور

Marfat.com

تلافی یا معاوضہ کی ادائیگی یا انسدادی کارروائیوں پر مشتمل ہے جنکی صراحت قانون میں موجود ہے۔ سالمنڈ (SALMOND) نے اپنی کتاب "فلسفۂ قانون" (JURISPRUDENCE) میں قانون کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ قانون اُن اصولوں کے مجموعہ کا نام ہے جس کو کسی مملکت یا ریاست نے عدل و انصاف کو بروئے عمل میں لانے کیلئے منظور اور نافذ کیا ہو۔ "قانون" کو شعور و استدلال کے ہنگامی ضابطہ کا نام بھی دے سکتے ہیں جسے مفادِ عامہ کی خاطر کسی ایسے فرد نے تشکیل دیا اور نافذ کیا ہو جو قوم کی حفاظت پر مامور ہو۔ چنانچہ شہنشاہیت میں حکمراں کا ہر حکم اور جمہوریت میں پارلیمنٹ یا مجلسِ قانون ساز کی منظور کردہ ہر تجویز اور مملکت کے سربراہ کی طرف سے جاری کردہ ہر ہنگامی حکم، یہ تمام قانون کی تعریف میں آتے ہیں۔

بلاشبہ عدل کو قانون کے ساتھ مطابقت اور مناسبت حاصل ہے، لیکن یہ لازم نہیں کہ ہر قانون عدل و انصاف کی میزان پر صحیح اترے، قانون اچھا، بُرا یا عدل کے منافی بھی ہو سکتا ہے۔ اس امر کا تعین کہ کوئی قانون نافذ العمل ہے یا نہیں، صرف قانون بنانے والے ادارہ یا فرد کی طرف رجوع کرنے سے ہی واضح ہو سکتا ہے۔ ماہرینِ فلسفۂ قانون کے نزدیک قانونِ فطرت یا قدرت کا قانون ہی وہ آخری ذریعہ یا اختیار کی کسوٹی یا منبع ہے جس کے حوالے سے قانون کی صحت یا عدمِ صحت کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ تھامس اکوئی ناس نے اس امر پر زور دیا ہے کہ "انسان کی فہم و فراست اور آزادانہ رائے اس مادی کائنات میں خدائی صفات کے عکس سے قریب ترین ہیں" ابدی قانون (ETERNAL LAW) کی حکمرانی منشاء و فراستِ الٰہی کے ذریعہ دنیا پر جاری ہے۔ یہی "ابدی قانون" انسانیت یا بنی نوعِ انسان کے لئے قدرت کا قانونِ اخلاق بن جاتا ہے۔ اس قانونِ قدرت کی اساس یہ ہے کہ ہر فرد کے لئے لازم ہے کہ اُس کا ہر عمل اخلاقِ فطرت کے ساتھ مطابقت اور مناسبت

Marfat.com

کا حامل ہو۔ بالفاظ دیگر قانون اثبات یا مثبت قانون (POSITIVE LAW) قانون قدرت سے متصادم نہیں ہو سکتا کیونکہ تصادم یا اختلاف کی حالت میں قانون (یعنی قانون اثبات) مطیع و ماتحت کے ضمیر پر حاوی اور غالب نہیں ہو سکے گا۔ چنانچہ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ قانون دراصل فہم و ضمیر کی آواز کا دوسرا نام ہے یعنی یہ محض کسی حکمران کی یکطرفہ خیالی لہر کا نام نہیں ہے۔

۲۔ اسلامی نقطۂ نظر

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قانون قدرت (NATURAL LAW) کیا ہے؟ اور اس کا منبع و ماخذ کیا ہے؟ مادی مکتب فکر کے مطابق قانون کا ماخذ مملکت یا ریاست کی رضا یا منشاء ہے جو پارلیمانی آئین یا عدالت کے فیصلوں کی شکل میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ریاست کے قانون کا منبع اس کا اپنا اقتدار اعلیٰ (SOVEREIGNTY) ہے لیکن قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق ساری کائنات کے اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ قانون قدرت کا سرچشمہ جو اصل میں قانون کائنات کا دوسرا نام، اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لحاظ سے کسی دنیاوی قانون کے اچھے یا برے ہونے یا اس کے نافذالعمل اور مبنی برانصاف ہونے کی کسوٹی صرف اللہ تعالیٰ کا حکم (قانون الٰہی) ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے صاف اعلان کر دیا ہے کہ جو شخص وحی الٰہی کے خلاف رائے قائم کرتا ہے وہ منکر ہے (مائدہ: ۴۴) غلط کار (مائدہ ۴۵) اور حد سے تجاوز کرنے والا ہے (مائدہ: ۴۷) ارشاد الٰہی کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور کتاب (قرآن کریم) کے نزول کا مقصد یہی ہے کہ لوگ آپس کے معاملات قرآن و سنّۃ کے مطابق حق و انصاف کے ساتھ

Marfat.com

لے کریں (حدید: ۲۵) اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ہے کہ اے پیغمبر ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ خدا کی ہدایت کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کرو اور دیکھو دغابازوں کی حمایت میں بحث نہ کرنا (النساء: ۱۰۵) دوسری جگہ فرمایا کہ لوگوں کے معاملات اور امور کا فیصلہ وحی الٰہی کے مطابق کیجئے (مائدہ: ۴۸)

چنانچہ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق عدل یا انصاف اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق کی نگہداشت اور ان حقوق میں نقص و ضرر اللہ تعالیٰ کے فرمان کی روشنی میں انسداد یا تلافی کے تعین کا دوسرا نام ہے یہ انسان کا خود ساختہ قانون عدل نہیں ہے انسانی ذہن و فکر نے تشکیل دئے ہوئے قانون واحکام صرف اسی وقت درجۂ پذیرائی ہوں گے جب ان کا منبع و سرچشمہ احکام الٰہی ہو۔

قرآن کریم کے بعد اسلامی قوانین کا منبع احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے جو چیز تم کو پیغمبر دیں اسے (برضا ورغبت) قبول کرلو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو اور خدا سے ڈرتے رہو (حشر: ۷)، قرآن کریم نے مطابق ایمان کی صحیح جانچ یا نشانی یہ ہے کہ اہل ایمان اپنے تمام معاملات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا منصف بنائیں اور آپ کے فیصلہ کو خوشی کے ساتھ قبول کریں ارشاد ربی ہے کہ اے نبی، تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہ ہوں گے (النساء: ۶۵) اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کی ہر بات وحی ربانی کے پس منظر میں ہوتی تھی۔ آپ اپنی طرف سے کوئی بات نہ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمہارے رفیق (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ رستہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں اور نہ

Marfat.com

خواہشِ نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ قرآن تو حکمِ خدا ہے جو اُن کی طرف بذریعہ وحی بھیجا جاتا ہے (نجم: ۳ تا ۴)

۳۔ عدل کے اسلامی بنیادی اصول

اسلامی نقطۂ نظر سے عدل کا سب سے پہلا اہم اصول یہ ہے کہ عدل وانصاف احکامِ خداوندی اور احادیثِ نبویؐ کے مطابق اور ہم آہنگی کے ساتھ بروئے عمل لایا جائے کیونکہ قرآن وحدیث ہی فی الحقیقت تمام دینی اور دنیاوی امور میں ہر قسم کے اختلاف اور قضیہ میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں اور انھی کی کسوٹی پر قانون اور قانونی فیصلے پرکھے جاتے ہیں۔

اسلامی عدل کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ قانون اور انصاف کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں برتنا چاہیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو (یعنی بغیر کسی رو رعایت یا ترجیح وامتیاز کے) خدا تمھیں نصیحت کرتا ہے۔ بے شک خدا سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے (نساء: ۵۸) اے پیغمبرؐ ہم نے تم پر سچی کتاب (قرآن کریم) نازل کی ہے تاکہ خدائی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کرو اور دیکھو دغابازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا (نساء ۱۰۵) آیۃ موخرالذکر کی شانِ نزول ایک مشہور واقعہ کی طرف منسوب ہے جو ایک یہودی اور ایک مسلم طماخ ابن عبیرق کے درمیان پیش آیا ابن عبیرق نے ایک زرہ چرائی مگر سزا سے بچنے کے لئے اُس نے چوری کا الزام یہودی پر لگا دیا۔ جب یہ قضیہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپؐ نے انصاف کے تحت فیصلہ یہودی کے حق میں صادر فرمایا حالانکہ اُس دور میں یہودیوں اور مسلمانوں میں باہمی رنجش چلی آرہی تھی اور یہودی قبیلہ اور قوم کی

Marfat.com

حیثیت سے نقصِ امن کا سبب بنے ہوئے تھے قرآنی ہدایت اس ضمن میں بہت واضح ہے کہ جو لوگ اپنے ہم جنسوں کی خیانت کرتے ہیں، اُن کی طرف سے (حمایت میں) بحث نہ کرنا کیونکہ خدا خائن اور مرتکبِ جرائم کو دوست نہیں رکھتا (نساء: ۱۰۷)

اسی طرح عدل و انصاف کے معاملہ میں دوست دشمن اور امیر و غریب کی تمیز بھی اسلامی عدل کے منافی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ اے ایمان والو انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لئے سچی گواہی دو خواہ اس میں تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر، تو خدا ان کا خیر خواہ ہے تو تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا اگر تم بیچدار شہادت دوگے یا شہادت سے بچنا چاہوگے تو جان رکھو کہ خدا تمہارے سب کاموں سے خوب واقف ہے (نساء ۱۳۵) (لوگو) جب تم کسی کی نسبت کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو (انعام ۱۵۳) کہہ دو کہ میرے پروردگار نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے (اعراف ۲۹) بعینہ اسلامی عدل کا یہ بھی تقاضا ہے کہ حاکم اور رعایا میں بھی کسی قسم کا فرقِ مراتب روا نہ رکھا جائے۔ اسلامی مملکت کی عدالت میں تمام افراد مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ کوئی فرد دوسرے فرد پر محض اپنی شخصی امتیاز کی بنا پر فوقیت نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ اس نظامِ عدل میں سربراہِ مملکت یا حکومت کا کوئی سربرآوردہ افسر اپنی حیثیت کو استعمال کر کے خصوصی مراعات کا دعویٰ نہیں کر سکتا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اسلام کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں، کسی کو کسی پر ذاتی، خاندانی، سماجی یا مملکتی حیثیت کی بناء پر کوئی تفوق یا برتری حاصل نہیں ہے سربراہِ مملکت یا اسلامی حکومت کا بلند پایہ افسر خواہ وہ مدعی کی حیثیت سے اسلامی عدالت میں پیش ہو یا مدعا علیہ کی حیثیت سے، اسلامی قانونِ عدل اس کے ساتھ عام شہری کی طرح سلوک

Marfat.com

کرے گا اور اسے بھی دعویٰ یا شہادت کے معاملہ میں وہی مقام دیا جائیگا جو کسی عام فرد کو دیا جاتا ہے وہ قانون سے مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ خواہ عدالت میں حاضر ہونے کا مرحلہ درپیش ہو یا قانون کے تحت فیصلہ کا، اسے بھی اپنے حریف کے پہلو بہ پہلو عدالت میں کھڑا ہو کر بیان دینا ہوگا۔ تاریخ اسلام میں قرون اولیٰ خصوصاً خلفائے راشدین کے دور میں ایسی مثالیں موجود ہیں جب امیرالمومنین یا حاکم وقت کو قاضی وقت نے عدالت میں طلب کیا تو اُسے بھی حاضر ہو کر اپنے خلاف دائر کردہ دعویٰ یا الزام کے جواب میں عام فرد کی طرح مدافعت کرنی پڑی۔

عدل اسلامی کا تیسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ انصاف شہادت کی بنیاد پر کیا جائے۔ اگر عدالت کے سامنے کوئی گواہ یا شہادت پیش نہ ہو تو اس پر محض استغاثہ یا دعویٰ کی بناء پر فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا اگرچہ واقعاتی طور پر یہ دعویٰ یا استغاثہ صحیح نظر آئے۔ لیکن جب شہادت پیش کر دی جائے تو پھر جج یا منصف کے لئے اس شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کے علاوہ اور کوئی اختیار نہیں

۴۔ شہادت یا گواہی

شہادت یا گواہی کسی عدالتی قضیہ میں بالواسطہ بھی ہو سکتی ہے اور بلا واسطہ بھی شہادت کی تیسری قسم واقعاتی نوعیت پر مبنی ہوتی ہے بلا واسطہ شہادت، خواہ تحریری ہو جیسا کہ قرآن کے ارشاد کے مطابق کسی معاملہ میں فریقین اپنا بیان یا اپنی شہادت دو معتبر شخصیتوں کی تصدیق کے ساتھ پیش کرتے ہیں (البقرہ ۲۸۲) یا چار معتبر افراد کی زبانی گواہی جو زنا کے الزام کے ثبوت میں پیش کی جانی لازمی ہے (النور: ۴ اور ۱۳) اور (النساء ۱۵) دوسرے تمام مقدموں میں دو معتبر مردوں کی شہادت کافی ہے (مائدہ ۱۰۶

Marfat.com

۱۰۷) عورتوں کی گواہی کی صورت میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے (البقرہ: ۲۸۲) واقعاتی شہادت CIRCUMSTANCIAL EVIDENCE) پر بھی فیصلہ کا جواز قرآن کریم سے ثابت ہے (یوسف ۲۶-۲۸) گواہوں پر لازم ہے کہ وہ گواہی دینے سے پیشتر حلف اٹھا کر صداقت پر مبنی گواہی دینے کی قسم کھائیں (مائدہ: ۱۰۷) قرآن کریم کا حکم ہے کہ جب گواہوں کو طلب کیا جائے تو وہ انکار نہ کریں (البقرہ: ۲۸۲) ساتھ ہی اس امر کی بھی تاکید ہے کہ گواہوں کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچائی جائے (البقرہ: ۲۸۲) گواہی یا شہادت اللہ کو حاضر و ناظر یقین کر کے دی جائے جو حقیقت اور صداقت پر مبنی ہو، خواہ یہ گواہی اپنی ہی ذات کے خلاف ہو یا والدین یا عزیز رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ اس ضمن میں امیر یا غریب کا امتیاز جائز نہیں (النساء ۱۳۵) اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ گواہی دینے میں حق اور انصاف سے کام لیا جائے خواہ وہ اپنے عزیز رشتہ دار کے خلاف ہو (انعام ۱۵۲)

اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کے خلاف بدکاری کی تہمت لگائے اور وہ کسی قسم کی شہادت دینے سے عاری ہے تو اس کے متعلق بھی قرآن کریم میں ہدایت موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ شوہر پہلے تو چار بار خدا کی قسم کھائے کہ بے شک وہ سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت (نور: ۶-۷) اس کے جواب میں اور اپنی مدافعت میں اگر بیوی بھی قرآن کریم کے مجوزہ طریق پر گواہی دیدے تو اس پر سے بدکاری کا الزام ساقط ہو جائیگا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ پہلے چار بار خدا کی قسم کھائے کہ بیشک یہ (تہمت لگانے والا شوہر) جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ یوں کہے کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو (نور: ۸-۹)

Marfat.com

۵۔ ثالثی یا پنچایتی فیصلہ

قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق آپس کے اختلافات اور تنازعات ثالث یا پنچایت کے ذریعہ بھی طے کئے جاسکتے ہیں اس کے لئے طریق کار بھی متعین کر دیا گیا ہے یعنی دونوں فریق کی طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کر دیا جائے اور دونوں ثالث واقعہ یا تنازعہ کی تفصیل اور شہادتوں کا جائزہ لے کر کسی ایک نتیجہ پر پہنچ جائیں۔ یہ متفقہ فیصلہ دونوں فریقین پر یکساں عائد ہوگا اور وہ اس کے قبول کرنے کے پابند ہوں گے۔ ثالثی کے ذریعہ کئے گئے فیصلے عدالت کے نزدیک بھی قابلِ قبول ہوتے ہیں اور وہ ان فیصلوں پر عمل درآمد کا حکم دے سکتی ہے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان کسی تنازعہ یا ناچاقی کے تصفیہ کے لئے قرآن کریم نے ثالث مقرر کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو وہ اگر صلح کرا دینی چاہیں گے تو خدا اُن میں موافقت پیدا کر دے گا کچھ شک نہیں کہ خدا سب کچھ جانتا اور سب باتوں سے خبردار ہے (نساء ۳۵) امام رازی نے اپنی مشہور تصنیف ''الکبیر'' میں اسی آیت کے حوالے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک فیصلہ کا ذکر کیا ہے جس میں کسی میاں بیوی کے تنازعہ میں آپ نے ثالث کے فیصلہ کے مطابق حکم فرمایا اور شوہر کو صاف لفظوں میں تاکید فرمائی کہ وہ اس فیصلہ (ثالث) پر عمل کرے۔

۶۔ قرض اور اُس کی وصولیابی

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ مومنو! جب تم آپس میں کسی میعادِ معین

Marfat.com

کیلئے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ اور لکھنے والا تم میں سے کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ انصاف سے لکھے۔ نیز لکھنے والا جیسا خدا نے اسے سکھایا ہے لکھنے سے انکار بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے۔ اور جو شخص قرض لے وہی دستاویز کا مضمون بول کر لکھوائے اور خدا سے جو اس کا مالک ہے خوف کرے اور زر قرض میں سے کچھ کم نہ لکھوائے۔ اور اگر قرض لینے والا بے عقل اور ضعیف ہو یا مضمون لکھنے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ قرض کی عبارت لکھوائے اور اپنے میں سے دو مردوں کو ایسے معاملے کے گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو (کافی ہیں) کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائیگی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی۔ اور جب گواہ (گواہی کے لئے) طلب کئے جائیں تو انکار نہ کریں اور قرض تھوڑا ہو یا بہت، اس کی دستاویز کے لکھنے لکھانے میں کاہلی نہ کرنا۔ یہ بات خدا کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے اور شہادت کے لئے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے۔ اس سے تم کو کسی طرح کا شک و شبہ بھی نہیں پڑیگا ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر ایسے معاملہ کی دستاویز نہ لکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جب خرید و فروخت کیا کرو تو بھی گواہ کر لیا کرو اور کاتب دستاویز اور گواہ (معاملہ کرنے والوں کا) کسی طرح نقصان نہ کریں۔ اگر تم لوگ ایسا کرو تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہے اور خدا سے ڈرو اور دیکھو کہ وہ تم کو کیسی مفید باتیں سکھاتا ہے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے (البقرہ: ۲۸۲)

اور اگر تم سفر میں ہو اور دستاویز لکھنے والا نہ مل سکے تو کوئی چیز رہن یا قبضہ رکھ کر قرض لے لو اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے (یعنی رہن کے بغیر قرض دیدے) تو امانت دار کو چاہیئے کہ صاحب امانت کی امانت ادا

Marfat.com

کر دے اور خدا سے جو اس کا پروردگار ہے، ڈرے اور (دیکھو) شہادت (گواہی) کو مت چھپانا۔ جو اس کو چھپائیگا وہ دل کا گنہگار ہوگا اور خدا تمہارے سب کاموں سے خوب واقف ہے (بقرہ: ۲۸۳)

متذکرہ احکام خداوندی کی روشنی میں قرض کے لین دین کے سلسلہ میں وضاحت کے ساتھ رہنما اصول بیان کر دئے گئے ہیں کہ (۱) ایسے تمام لین دین کے معاملات جو مستقبل میں واجب الادا ہیں، ان کے متعلق حقوق اور ادائیگی کی ذمہ داری کو فریقین ضبط تحریر میں لے آئیں اور اس تحریر (دستاویز) پر دو معتبر اشخاص کے تصدیقی دستخط حاصل کر لئے جائیں (۲) ضروریات زندگی کی چیزیں جن کی خرید و فروخت روزمرہ کی زندگی میں عام ہے اور جو دست بدست منتقل ہوتی رہتی ہیں، اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یعنی ان کی خرید فروخت یا وقتی وعدہ وغیرہ کو تحریر میں لانا ضروری نہیں (۳) نابالغ اور اپاہج یا جسمانی طور پر ناکارہ افراد کی طرف سے ان کے سرپرست اور نگراں لین دین طے کرنے کے مجاز ہیں (۴) لین دین کے معاملہ میں اگر عورتوں کی گواہی ناگزیر ہو جائے تو یہاں بھی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوگی (۵) لین دین کی تفصیلات اور شرائط کے سلسلہ میں تحریر کی جانے والی دستاویز زیر بار شخص (مقروض) کی طرف سے املا کے طور پر لکھائی جائے (یا مقروض خود اپنے ہاتھ سے تحریر کرے) اور لکھائی جانے والی ہر تفصیل کو بالکل صحیح لکھا جاوے اور الفاظ و عبارت میں ایسی ترمیم یا اصلاح سے گریز کیا جائے جس سے نفس مضمون متاثر ہوتا ہو (۶) دستاویز کے لکھنے والے (کاتب) اور گواہوں کو کسی قسم کی گزند نہ پہنچائی جائے (۷) اگر دستاویز کا لکھا جانا دشوار یا نہ ممکن نہ ہو یا قرض خواہ کو مقروض کی نیت پر شبہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں ضمانت کے طور پر کوئی شئے یا ملکیت (جائداد) قرض کی رقم کے برابر رہن رکھی جاسکتی ہے (۸) قرض دینے والا اس رہن شدہ شئے یا ملکیت کو

Marfat.com

حفاظت اور دیانتداری کے ساتھ اپنے پاس رکھے اور طے شدہ شرائط کے مطابق قرض کی ادائیگی کے فوراً بعد مقروض کو واپس کر دے بعض ماہرین قانون کے نزدیک اس رہن شدہ اسباب و ملکیت کو قرض خواہ اپنے استعمال میں لاسکتا ہے بشرطیکہ واپسی کے وقت اس رہن کردہ شئے میں کسی قسم کا نقص یا کمی واقع نہ ہوئی ہو چنانچہ اگر کوئی زراعتی زمین قرض کے سلسلہ میں رہن رکھی گئی ہو تو قرض خواہ اس زمین پر کاشت کر سکتا ہے اسی طرح رہن شدہ مکان کو بھی کرایہ پر دیا جا سکتا ہے یا قرض خواہ اس مکان کو رہائش کے طور پر اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔ اس امر کی وضاحت اور تصدیق صحیح بخاری کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رہن میں رکھا ہوا جانور سواری کے استعمال میں لایا جا سکتا ہے اسی طرح قرض خواہ کسی رہن شدہ دودھ دینے والے جانور کا دودھ استعمال کر سکتا ہے لیعنی اُس رقم کے معاوضہ میں جو اس جانور پر خوراک اور حفاظت کے طور پر صرف کی گئی ہو (صحیح بخاری ۸۴ : ۴)

قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں قرآن کریم کا حکم یہ ہے کہ اگر قرض لینے والا ادائیگی قرض سے پہلے وفات پا جائے اور اُس نے ترکہ میں جائداد (یا مال) چھوڑا ہو تو پہلے ادائیگی قرض کو ترجیح دی جائے اور اس کے بعد باقی ماندہ اثاثہ متوفی کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے (النساء ۱۱-۱۲- خلاصہ)

۷۔ (مقروض کا) دیوالیہ پن

مقروض یا قرضدار کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں قرآن کریم کا حکم ہے کہ جب تک وہ قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہو جائے، قرض کی ادائیگی معطل کر دی جائے (اور مقروض کو مناسب سہولت دی جائے) بلکہ بہتر یہ ہے کہ غیر ادا شدہ قرض لبطور خیرات و احسان معاف کر دیا جائے (البقرہ : ۲۸۰)

Marfat.com

تجارت یا کاروبار میں خسارہ کی صورت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرضہ کی ادائیگی میں موجودہ اثاثہ کے تناسب سے چھوٹ دینے کی اجازت دی ہے اسلامی فقہ کی رو سے دلوالیہ مقروض کے پہننے کے کپڑوں، رہائشی مکانات زمین اور روزی کمانے کے آلات وسامان کو قرض کی ادائیگی کے عوض قرق نہیں کیا جا سکتا۔

۸۔ فیصلہ پر نظر ثانی

اسلامی قانونِ عدل میں کسی فیصلہ پر نظر ثانی یا از سر نو غور کرنے کی گنجائش موجود ہے اور عدالت اپنے سابقہ فیصلہ کو واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔ اس سلسلہ میں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا ایک مشہور واقعہ مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک شادی شدہ عورت کو جس سے شادی کے صرف چھ ماہ بعد ایک بچہ کی ولادت ہوئی تھی، بدکاری اور ناجائز اولاد کا مجرم قرار دیکر سنگساری کے ذریعہ موت کا حکم سنایا تھا۔ مگر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فیصلہ سنا تو آپ نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ طبی نقطہ نگاہ سے شادی کے چھ ماہ بعد بچہ کی ولادت ممکن ہے لہذا اس بچہ کو حرام اور اس کی ماں کو بدکاری کا مرتکب نہیں ٹھہرایا جا سکتا اور اس پر حد جاری کی جانے والی سزا عمل میں نہیں لائی جا سکتی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔

۹۔ عدل وانصاف کا دوگونہ مقصد

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا ہے عدل وانصاف کی بنیاد دو اصولوں پر قائم ہے جنہیں ہم دوگونہ مقصد کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ ان میں

Marfat.com

ایک مقصد تو یہ ہے کہ ہر فرد کو اس کا بنیادی یا فطری حق ملے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس کو پہنچنے والے نقصانات کی تلافی کی جائے۔ حقوق اور تلافی یا تو ذات سے متعلق ہوتے ہیں یا ملکیت سے۔ قرآن دونوں صورتوں میں حقوق اور تلافی کی حفاظت کرتا ہے چنانچہ جہاں تک ملکیت کا تعلق ہے۔ قرآن کریم افراد کا حق ملکیت تسلیم کرتا ہے اور اس کی نگہداشت اور نقصان کی صورت میں معاوضہ کی ضمانت مملکت کی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ ملکیت یا جائداد کے بارے میں قرآن کا حکم ہے کہ یہ اُس کے مالک کا حق ہے اور اُسی کے تصرف میں رہنا چاہیئے (نساء: ۵۸) کسی بھی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کی جائیداد یا دولت (ملکیت) کو غیر قانونی اور ناجائز طریقہ سے ہڑپ کر جائے (البقرہ: ۱۸۸ اور نساء: ۲۹) قرآن کریم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ہر فرد کی کمائی پر اس کا اپنا حق ہے (نساء: ۳۲) اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمھیں عطا کیا ہے اس کو جائز طریقہ سے اپنے تصرف میں لاؤ (مائدہ: ۸۸ اور آل عمران ۵۱) قرآن کریم وعدہ خلافی کو معیوب قرار دیتا ہے (آل عمران: ۷۶) یتیموں کے مال و متاع کے متعلق ارشاد ربانی ہے کہ یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو، یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے (انعام: ۱۵۲)

کسی فرد کے خلاف سب سے زیادہ مکروہ اور مذموم فعل یہ ہے کہ اُس کو اس کی ملکیت یا زر و مال (چھین کر یا چوری کر کے یا کسی اور غیر قانونی اور غیر اخلاقی طریقہ) سے محروم کر دیا جائے۔ ایسا ناپسندیدہ فعل قرآن کریم کے اس بنیادی اصول کی خلاف ورزی ہے جس کے مطابق کسی فرد کے مال و جائداد کو ناحق طریقہ سے غصب نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس مذموم حرکت کے لئے سنگین سزا کا حکم دیا ہے ارشاد خداوندی ہے کہ جو چوری کرے، مرد ہو یا عورت، اُس کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ ایسں کے کئے

Marfat.com

کی سزا اور خدا کی طرف سے عبرت ہے اور خدا زبردست اور صاحب حکمت ہے (مائدہ: ۳۸)

جہاں تک ذات سے متعلق حقوق اور تلافی نقصان کا تعلق ہے۔ قرآن نے واضح ہدایات دی ہیں کہ ہر فرد کی زندگی، عزت و آبرو، اخلاق و کردار اور شہرت و نیک نامی کا احترام کیا جائے۔ ارشاد ہے کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے، یا ملک میں خرابی پیدا کرنے کی سزا دی جائے، اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو انسان کی زندگانی کا موجب ہوا، تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لیکر آ چکے ہیں، پھر اس کے بعد بھی ان میں بہت سے لوگ ملک میں حد اعتدال سے نکل جاتے ہیں (مائدہ: ۳۲) کسی جاندار کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کی وہ تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم سمجھو (۶: ۱۵۱) قتل کی سزا کے متعلق حکم الہٰی اس طرح صادر ہوا ہے کہ۔ مومنو! تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص یعنی خون کے بدلے خون کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس طرح پر کہ آزاد کے بدلے آزاد مارا جائے اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ اور اگر قاتل کو اس کے مقتول (بھائی) کے قصاص میں سے کچھ معاف کر دیا جائے تو وارث مقتول کو پسندیدہ طریقہ سے قرارداد کی پیروی یعنی مطالبہ خون بہا کرنا اور قاتل کو خوش خوئی کیساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے آسانی اور مہربانی ہے جو اس کے بعد زیادتی کرے اس کے لئے دکھ کا عذاب ہے اور اے اہل عقل! حکم قصاص میں تمہاری زندگانی کا راز مضمر ہے کہ تم قتل و خون ریزی سے بچو۔ (بقرہ: ۱۷۸-۱۷۹) اور کسی مومن کو شایاں نہیں کہ مومن کو قتل کر دے مگر بھول کر اور جو بھول کر بھی مومن کو قتل کر دے تو (اول تو) ایک مسلمان غلام

Marfat.com

آزاد کرے اور دوسرے مقتول کے وارثوں کو خوں بہا دے۔ ہاں اگر وہ (وارث) معاف کر دیں تو اُن کو اختیار ہے۔ اگر مقتول تمھارے دشمنوں کی جماعت میں سے ہو اور خود مومن ہو تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیئے اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو جن میں اور تم میں صلح کا عہد ہو تو وارثانِ مقتول کو خوں بہا دینا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیئے اور جس کو یہ میسّر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے یہ کفارہ خدا کی طرف سے قبولِ توبہ کے لئے ہے اور خدا سب کچھ جانتا اور بڑی حکمت والا ہے اور جو شخص مسلمان کو قصداً قتل کرے گا تو خدا اُس پر غضبناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا۔ اور ایسے شخص کے لئے اُس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے (نساء: ۹۲-۹۳)

قرآن کریم نے عصمت و ناموس کی حفاظت کے لئے خصوصی تاکید فرمائی ہے اور اس ضمن میں ایسے واضح احکامات صادر فرماتے ہیں جن پر عمل کرنے سے نہ صرف معاشرہ میں عزت و ناموس کی پاسداری اور حفاظت کا احساس عام ہوتا ہے بلکہ معاشرہ کا ہر فرد اپنی اور دوسروں کی عزت و آبرو کے تحفظ کو اپنا فرض سمجھنے لگتا ہے اور معاشرہ ہر قسم کی بُرائیوں اور خامیوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ آدابِ معاشرہ کے سلسلہ میں ارشاد ہے کہ مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے لوگوں کے گھروں میں گھر والوں سے اجازت لئے اور اُن کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے (نور: ۲۷) مومن مردوں سے کہدو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ اُن کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے (نور: ۳۰) اور مومن عورتوں سے بھی کہدو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں مگر جو اُن میں سے کھلا رہتا ہو۔ اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں (نور: ۳۱) اے پیغمبر اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان

Marfat.com

عورتوں سے کہدو کہ جب وہ باہر نکلا کریں تو اپنے منہ پر چادر (لٹکا کر گھونگھٹ نکال) لیا کریں۔ یہ امر اُن کے لئے موجب شناخت و امتیاز ہوگا تو کوئی اُن کو ایذا دینے کا خیال بھی نہ کریگا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے (احزاب ۵۹)
قرآن نے بیوہ عورتوں اور نادار مگر نیک کردار غلام مردوں اور عورتوں کا نکاح کرا دینے کا حکم دیا ہے تاکہ اُن کو بھی عزت اور آسودگی سے زندگی بسر کرنے کا موقع ملے، اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں نکاح کر دیا کرو اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا اُن کو اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا اور خدا بہت وسعت والا اور سب جاننے والا ہے (النور: ۳۲)
قرآن کریم نے بدکاری کو بے حیائی اور فعل شنیع قرار دیا ہے (بنی اسرائیل ۳۲) بدکاری اور حرام کاری ایک ایسا مذموم فعل ہے، جس کے خلاف مناسب اقدام نہ کرنے سے پورے معاشرہ کے اخلاقی گندگی کا شکار ہو جانے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے بے حیائی اور بدکاری کے لئے مثالی اور عبرت انگیز سزا کا حکم دیا ہے۔ مگر چونکہ اوائل اسلام میں تقریباً سارا عرب اخلاقی ابتری اور فواحش و منکرات کا شکار تھا، اس لئے فطری تقاضوں کے تحت معاشرہ کے افراد کو بتدریج ہدایت اور تنبیہ کے ذریعہ ان مذموم کاموں سے روکا گیا۔ یہاں تک ایسا مرحلہ بھی آ گیا جب اس فعل کو عصمت انسانی کے خلاف سب سے زیادہ ملعون و مکروہ قرار دیدیا گیا۔ شروع میں جب اسلام کا دائرہ تبلیغ محدود تھا اور اسلامی تعلیمات کی جڑیں نئے ابھرنے والے معاشرہ میں مضبوط نہ ہوئی تھیں، اللہ تعالیٰ نے وقتی تقاضوں کے پیش نظر ایسے احکامات نازل فرمائے جو دلوں میں ہدایت اور نیک کرداری کے احساسات راسخ کر کے برائیوں سے دور رکھ سکتے تھے چنانچہ ارشاد ہوا کہ مسلمانو! تمھاری عورتوں میں جو بدکاری

Marfat.com

کی گواہی دیں تو اُن عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت اُن کا کام تمام کردے یا خدا اُن کے لئے کوئی سبیل پیدا کردے (النساء: ۱۵) اور جو دو مرد تم میں سے بدکاری کریں تو ان کو ایذا دو۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نیکوکار ہو جائیں تو اُن کا پیچھا چھوڑ دو بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے (النساء: ۱۶) اس کے بعد جب دل و دماغ قبولِ حق کے لئے راسخ ہو گئے تو اس سلسلہ میں سختی احکامات بھی نازل کئے گئے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب اُن کی بدکاری ثابت ہو جائے) دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو دُرّے مارو۔ اور اگر تم خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو شرعِ خدا کے حکم میں تمہیں اُن پر ہرگز ترس نہ آئے اور چاہیئے کہ اُن کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو (النور: ۲) اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا عیب لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو اُن کو اسّی دُرّے مارو اور کبھی اُن کی شہادت قبول نہ کرو اور ایسے ہی لوگ دراصل بدکردار ہیں (النور: ۴)

مفسرین اور فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کریم نے یہ تعزیری احکام ایک غیر شادی شدہ مرد اور ایک غیر شادی شدہ عورت کے ناجائز جنسی فعل کی سزا کے لئے صادر کئے ہیں ناجائز جنسی تعلق کی دوسری صورت ایک شادی شدہ مرد اور پرائی شادی شدہ عورت کے درمیان اس فعل کا ارتکاب ہے۔ قرآن اس دوسری صورت میں خاموش ہے تاہم احادیث نبوی اور خلفائے راشدین کے فیصلے اس باب میں ہدایت و رہنمائی کے لئے موجود ہیں جن کی رُو سے اس جرم کی سزا رجم یعنی سنگساری کے ذریعہ موت ہے اگر طرفین میں ایک شادی شدہ اور دوسرا غیر شادی شدہ ہو تو بدکاری کا جرم ثابت ہونے پر شادی شدہ فریق کو رجم یعنی سنگسار کرکے ہلاک کر دیا جائیگا اور غیر شادی شدہ فریق کو سو سو

Marfat.com

کوڑے لگائے جائیں گے۔ زنا بالجبر کی حالت میں جس عورت کے ساتھ جبر اور زیادتی کی گئی ہے، اس کو سزا نہیں دی جائیگی مگر جبر اور زیادتی کرنیوالے کو سنگسار کر دیا جائیگا۔

قرآن کریم میں اغلام یا غیر فطری جنسی فعل کی بھی سخت مذمت آئی ہے اور سزا کی وعید سنائی گئی ہے۔ قرآنی شواہد سے اس مکروہ فعل کا ارتکاب سب سے پہلے اس قوم میں عام ہوا جس کی طرف حضرت لوطؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا اور اسی قوم کے حوالے سے اس ضمن میں مسائل و احکام مستنبط کئے گئے ہیں۔ ارشاد ربی ہے کہ جب ہم نے لوطؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا تو اس وقت انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو جو تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے اس طرح کا کام نہیں کیا یعنی خواہش نفسانی پورا کرنے کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر لونڈوں پر گرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد سے نکل جانے والے ہو (اعراف: ۸۰ - ۸۱) قرآن نے ہمیں بتایا ہے کہ اس قوم پر جب اس نے حضرت لوطؑ کی بات ماننے سے انکار کر دیا پتھروں کا مینہ برسایا گیا اور عذاب پر مامور فرشتوں نے ان کی بستی کو الٹ کر رکھ دیا۔ اس طرح وہ بدبخت قوم سطح دنیا سے نیست و نابود کر دی گئی یہ عبرت ناک سزا اس لئے دی گئی کہ وہ قوم نہ تو اپنی گناہ آلود زندگی سے تائب ہوئی اور نہ اس نے اپنے پیغمبر کا کہا مانا۔ ارشاد ربی ہے کہ اس قوم پر پتھروں کا مینہ برسایا سو دیکھ لو کہ گنہگاروں کا کیسا (عبرت انگیز) انجام ہوا (اعراف ۸۴) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس فعل قبیح کے لئے سزا کے طور پر سنگساری کا حکم دیا ہے۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ نے اس فعل کا ارتکاب کرنے والے کو موت کی سزا دینے اور اس کے جسم کو جلانے کی تجویز کی تھی۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اس بات کے قائل تھے کہ غیر فطری جنسی فعل کا ارتکاب کرنے والے کو کسی شکستہ اور خستہ

Marfat.com

عمارت کے نیچے کھڑا کرکے عمارت اُس کے سر پر گرا دی جائے حضرت عباسؓ کا قول تھا کہ ایسے بدبخت کو شہر کی سب سے اونچی عمارت سے نیچے گرا دیا جائے اور پھر اس کو سنگسار کرکے ہلاک کردیا جائے۔

قرآن کریم دنیا میں پاکیزہ اخلاق کا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے مساوات و مواخات کا درس دیا ہے (حجرات: ۱۰) اور خوش خلقی کے زرّین اصول بیان فرماتے ہیں۔ دوسروں کی تضحیک، عیب جوئی اور اُن کو بُرے القاب کے ساتھ پکارنے سے منع کیا ہے (حجرات: ۱۱) اس کے ساتھ ہی بدگمانی اور غیبت سے احتراز کا حکم دیا ہے (حجرات: ۱۲) اسلام نے پاک دامن عورتوں اور مردوں پر اتہام اور بہتان طرازی سے منع فرمایا ہے جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام کی تہمت سے جو انہوں نے نہ کیا ہو ایذا دیں تو انھوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا (احزاب: ۵۸) ایسے منافقوں اور بدضمیر لوگوں کے لئے جو پُرامن شہریوں کو بُری خبروں اور افواہ سازی کے ذریعہ پریشان کرنے اور اُن کی زندگی کو اجیرن بنانے پر تلے رہتے ہیں، قرآن میں سخت وعید سُنائی گئی ہے اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو مدینہ میں بُری بُری خبریں اُڑایا کرتے ہیں، اپنے کردار سے باز نہ آئیں گے تو ہم تم (یعنی مسلمانوں) کو اُن کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہاں تمھارے پڑوس میں بجز قلیل مدت کے (مستقل طور پر) نہ رہ سکیں گے (کہ اپنی شرارتوں پر بے باک ہو جائیں) اور ان چند دنوں کے قیام میں بھی اُن پر لعنت اور پھٹکار برستی رہے گی اور جہاں پائے جائیں گے پکڑ لئے جائیں گے اور ان کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائیگا (احزاب: ۶۰-۶۱) اسی طرح بدکاری کا الزام لگانے اور گواہی پیش نہ کرنے والوں کو بھی سخت سزا کا حکم ہے جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا عیب لگائیں اور اُس پر چار گواہ نہ لائیں تو اُن کو اسّی دُرّے مارو اور کبھی ان کی شہادت

Marfat.com

قبول نہ کرو کیونکہ فی الحقیقت یہی لوگ بدکردار ہیں (النور: ۴)

اسلام کے نزدیک شراب نوشی اور قمار بازی حرام ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں شراب نوشی کی سزا اسی کوڑوں کی مار تھی ان کے علاوہ اور دیگر جرائم بھی ہیں جو ملک اور معاشرہ کے لئے مجموعی طور پر سخت نقصان کا باعث بن سکتے ہیں جن میں بغاوت، غلط افواہیں پھیلانا، ملک میں فساد اور بدامنی کے درپے ہونا اور احکام خداوندی سے عمداً اور بے باکانہ انحراف شامل ہیں۔ ان کے انسداد کے لئے بھی قرآن نے عبرت انگیز سزا کا حکم دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں، ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دئے جائیں یا اُن کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دئے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لئے بڑا بھاری عذاب تیار ہے (مائدہ: ۳۳)

ان تعزیراتی احکامات کے علاوہ جو قرآن نے کسی فرد کی ذات اور ملکیت وغیرہ کو نقصان پہنچانے یا معاشرے کے نظام کو بگاڑنے کے ضمن میں بیان کئے ہیں کچھ اور بھی جرائم ہیں یا ہو سکتے ہیں جن کے متعلق قرآن کے احکام صراحت کے ساتھ موجود نہیں ہیں ان معاملات میں احادیث نبویؐ خلفائے راشدین کے فیصلے اور احکام، اسلامی فقہ کے عظیم ماہرین اور ائمہ کرام کے اجتہادی نظریات اور استنباطی احکام سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی مملکت کا سربراہ بھی اپنی طرف سے ہنگامی قانون اور احکام کے ذریعہ یا پارلیمنٹ اپنی صوابدید سے ضرورت وقت کے تحت قانون وضع کر کے ان جرائم کے انسداد اور ان سے متعلق سزا کے اقدامات بروئے کار لا سکتے ہیں جن کے متعلق مندرجہ بالا سطور میں قرآنی احکام کے حوالہ سے جرم و سزا کی صراحت موجود نہ ہو۔ تاہم اس صورت میں بھی قرآن کریم میں جرم و سزا کے

Marfat.com

سلسلہ میں بیان کیے گئے بنیادی اصول ہمیشہ پیشِ نظر رہنے چاہئیں تاکہ مملکت اور معاشرہ کے قیام و بقا کی ضمانت اور افراد کی نجی زندگی میں اعتدال و توازن کی فضا برقرار رہے اور ذاتی دشمنی یا ناجائز رعایت سے انسانی اقدار کو زک نہ پہنچے۔

۱۰۔ سزا کا عام تصور

انسان اپنی موروثی خامیوں، فطری کمزوریوں اور اخلاقی ناہمواریوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر قانون شکنی کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور نتیجہ میں سزا کا مستحق ہو جاتا ہے لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے مناسب اقدامات کیے جائیں۔ جرائم کی سنگینی کی مناسبت سے ضروری کارروائی کی جائے تاکہ معاشرہ مجموعی طور پر محفوظ اور ملک کا نظم و نسق پُر امن طریقہ پر چلایا جا سکے۔ جُرم کی سزا عدل کا تقاضا ہے اور اس ضمن میں کسی رکاوٹ کو خواہ وہ ہمدردی اور چشم پوشی ہی کیوں نہ ہو، خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔ فلسفۂ جرم و سزا کے ماہرین سزا کی ضرورت کے متعلق مختلف نظریات اور رائے رکھتے ہیں۔ قدیم ترین نظریہ کے مطابق سزا کا مقصد مکافاتِ عمل یا دوسرے لفظوں میں قانون شکنی کے مواخذہ میں انتقامی کارروائی (RETRIBUTIVE THEORY) ہے انتقام کی خواہش فطرتِ انسانی میں داخل ہے۔ اگر کسی فرد کو پیٹا جائے یا گالی دی جائے یا کوئی اور ناپسندیدہ کارروائی کی جائے تو اس کی فطرت کا تقاضا ہو گا کہ جُرم کے مرتکب کو بھی اسی طرح پیٹا جائے یا گالی دی جائے یا اس کے خلاف اسی قسم کی ناپسندیدہ کارروائی کی جائے جب تک ایسا ردِ عمل ظہور میں نہیں آتا، اس شخص کو چین نہیں آتا۔ تاہم نظریۂ مکافات اس امر پر زور دیتا ہے کہ سزا بھی اسی تناسب سے دی جائے جس حد تک جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی فرد

Marfat.com

کسی دوسرے کی ناک توڑ دے تو سزا کے طور پر مجرم کی بھی ناک توڑ دینا چاہیئے۔ اس سے زیادہ ضرب پہنچانا قانونِ عدل کے منافی ہوگا۔

سزا کی ضرورت کے متعلق ایک اور نقطۂ نظر ہے جس کو نظریۂ انسدادِ جرم" (PREVENTIVE OR DETERRENT THEORY) یعنی خوف دلا کر جرم سے باز رکھنے کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جرائم کو معاشرہ میں پھیلنے سے روکنے کے لئے اس کی مناسب روک تھام کی جائے تاکہ دوسرے افراد بھی اس سے سبق حاصل کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مجرم کو سخت سزا دی جائے تاکہ دوسرے لوگ اس کے عبرت ناک انجام کو دیکھ کر خود کو ارتکاب جرم سے باز رکھیں۔

اس سلسلہ میں تیسرا نقطۂ نظر بھی ہے۔ اس کو عرف عام میں نظریۂ اصلاح' (REFORMATIVE THEORY) کہتے ہیں یہ دورِ جدید کا نظریہ ہے جس کے مطابق مجرم کو سزا دینے کی بجائے اس کے اخلاق و کردار کی اصلاح کی طرف توجہ دینا چاہیئے تاکہ وہ بھی ایک مفید شہری بن سکے اس مکتبِ فکر کے ماہرین کا کہنا ہے کہ جرم سرشتِ انسانی کا خاصہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک آدمی حالات کے تحت اردگرد کے ماحول سے متاثر ہو کر جرم کی طرف مائل ہو جاتا ہے ایسے مجرم دراصل ذہنی مریض ہوتے ہیں، جن کی ذہنی یا نفسانی علاج کے ذریعہ اصلاح کی جا سکتی ہے۔

سزا کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے یہ محض مکافاتی، انسدادی، یا اصلاحی نہیں ہے بلکہ جرم و سزا کے عوامل تقاضائے فطرت اور ضرورتِ وقت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ان تمام نظریات پر مشتمل اسلامی معاشرہ کی بنیاد عدل و راست روی پر ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ مجرم کو مناسب سزا دی جائے تاکہ مظلوم کو بھی اس بات کا اطمینان ہو کہ اس کے خلاف کئے گئے ظلم کا صحیح طور پر بدلہ لے لیا گیا ہے۔ اس کے

Marfat.com

علاوہ دیگر افرادِ معاشرہ بھی اس سے عبرت حاصل کریں اور انھیں کبھی ارتکاب جرم کی ہمت نہ ہو۔ مزید برآں اس کا بھی امکان ہے کہ مجرم اپنی عبرت ناک حالت پر غور کر کے اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو کر آئندہ کے لئے توبہ کرے اور اطاعت گذار بندہ بن جائے

اسلامی نظریۂ جرم و سزا کے مقابلہ میں، اگر غور سے دیکھا جائے تو دوسرے نظریات یکطرفہ اور جانب داری پر محمول نظر آئیں گے۔ چنانچہ مکافاتی یا انسدادی نظریات کے حامی مجرم کے اصلاح اخلاق کے ذریعہ آئندہ کے لئے مفید شہری بن جانے کے امکان کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اسی طرح نظریۂ اصلاحی ظلم یا جرم کے خلاف ضروری کارروائی نہ کر کے ظلم کے ازالہ یا قصاص کی فطری خواہش کو نظر انداز کر دیتا ہے اور مظلوم یا نقصان رسیدہ فرد مناسب دادرسی سے یکسر محروم رہ جاتا ہے ہم ان تمام مادی نظریات کو اخلاقی کمزوری بلکہ سائنسی ذہن کی شکست سے تعبیر کر سکتے ہیں جس کے نزدیک تمام مجرم نفسیاتی مریض ہوتے ہیں اور نفسیاتی معالجہ کے پردہ میں لپنے تمام جرائم کی سزا سے صاف بچ نکلتے ہیں اس طریقۂ کار سے ہر اس شخص کی حق تلفی ہوتی ہے جو دادرسی کا طالب اور مستحق ہے اور جو دوسرے غیر شائستہ کردار فرد کے ہاتھوں ظلم و نقصان کا شکار ہوا ہے اس کے علاوہ اس طرزِ عمل سے ارتکاب جرم کی بڑے پیمانہ پر حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ہم بلا جھجک اور ذمہ داری کے ساتھ موجودہ مغربی معاشرہ کے اخلاقی زوال کا سبب (جہاں غیر فطری صحبت ہمجنس، بدکاری کی پردہ پوشی کے لئے اسقاطِ حمل اور غیر مردوں اور عورتوں کا جنسی اختلاط جیسے گھناؤنے جرائم علی الاعلان فروغ پا رہے ہیں) اسی قسم کے نظریات کو قرار دے سکتے ہیں، جن کے ذریعہ نہ تو اصلاحِ احوال کی گنجائش ہے اور نہ ہی انسدادِ جرم کی۔ عادی مجرموں کو مستقبل کا مفید اور قانون پسند شہری بنانا تو اہلِ مغرب کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا

Marfat.com

ہے نتیجہ یہ ہے کہ آج اہل مغرب میں جنسی اور سماجی کجروی اتنی عام ہے کہ گویا یہ بھی جدید معاشرہ کا ایک حصہ ہیں۔ حکومت اور سوسائٹی کے مقتدر اور بااثر افراد کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ اب انہی اخلاقی جرائم کو قانونی تحفظ دینے پر خود کو مجبور پا رہے ہیں۔ اس بدنصیب صورت حال کی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ کے تمام افراد حکمران طبقہ سے لے کر عام درجہ کے شہریوں سمیت سارے کے سارے اخلاقی بے راہ روی اور فواحش کی دلدل میں کچھ اس طرح پھنس چکے ہیں کہ اب انہیں باہر نکلنے کا اور اس بلائے بے درماں سے چھٹکارا پانے کا کوئی راستہ نہیں رہا قدرتی امر ہے کہ جب حالات اس قدر قابو سے باہر ہو جائیں تو تلافی مافات یا مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ انسانیت کے خلاف سنگین جرم بلکہ کھلم کھلا دشمنی ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں انسانی اقدار کو اس بے دردی سے پامال کیا جا رہا ہو وہاں انسان دوستی اور انسانیت کے فروغ کا گذر کہاں! کاش مغرب اب بھی اپنی اخلاقی گراوٹ سے شرمسار اور تائب ہو کر اس محکم و استوار قوانین کا سہارا لے جو خالق کائنات نے اپنی مخلوق کی فلاح و بہبود کے لئے نازل فرمائے ہیں کیونکہ اب اس حقیقت پر یقین لانے اور اس پر عمل کرنے کے سوا سنبھلنے اور ایستادہ پا ہونے کی کوئی اور صورت نہیں دینی تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر جتنی جلد اہل مغرب اسلامی نظریات اور قوانین کو احیائے انسانیت کی خاطر اپنا لیں اتنا ہی خود اُن کے لئے اور عالمی معاشرہ کے لئے سودمند ہو گا۔

۱۱۔ انصاف میں تاخیر۔

کہا جاتا ہے کہ انصاف میں تاخیر انصاف سے انکار کے مترادف ہے پاکستان میں خاص طور پر موجودہ عدالتی نظام کے خلاف عام شکایت یہ

Marfat.com

ہے کہ عدالتوں میں دائر کردہ مقدمات عرصہ دراز تک چلتے رہتے ہیں اور ختم ہونے نہیں آتے۔ فوجداری مقدمات کے سلسلہ میں بھی عدالتی کارروائی کبھی کبھی اتنا طول پکڑتی ہے کہ آخری پیشی بھگتانے اور مقدمہ کا فیصلہ سنانے کی نوبت آنے تک گواہوں کے بیانات اور دستاویزی یا واقعاتی شواہد بیرونی اثرات کے باعث اپنی اصلیت کھو دیتے ہیں اور گواہ لالچ یا دباؤ میں آکر اپنے موقف سے ہٹ جاتے ہیں جس سے مقدمات کا صحیح فیصلہ ممکن نہیں رہتا اس کا اصل فائدہ ملزموں کو پہنچتا ہے اور وہ سزا سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اس طرح بعض اوقات سنگین جرائم تک بغیر تلافی کے ختم ہو جاتے ہیں۔

دیوانی مقدمات کی حالت اس سے بھی گئی گذری ہے اس قسم کے تقریباً تمام مقدمات میں دوہری کارروائیاں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ پہلی مرتبہ ضابطہ کے مطابق فیصلہ اور ڈگری حاصل کرنے کے لئے اور دوسری مرتبہ اس فیصلہ پر عمل درآمد کرانے کے لئے! اس طرح ایک ہی مقدمہ میں مدعی کو دو مرتبہ عدالت سے رجوع کرنا پڑتا ہے اور ہر دو صورتوں میں طویل کارروائیوں اور پیشیوں کے [illegible] مراحل سے گذرنا پڑتا ہے جس سے صرف کثیر کے علاوہ وقت کا طویل عرصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ ان عرصہ دراز تک چلنے والی اور بسا اوقات کج بحثی سے پُر عدالتی کارروائیوں میں اوّل تو ڈگری حاصل کرنے کے لئے اور مابعد اس ڈگری پر عمل کرانے کے لئے یا اگر فیصلہ اپنے خلاف ہو تو بالاتر عدالتوں میں اپیل دائر کرنے کے سلسلہ میں مجموعی طور پر کئی سال لگ جاتے ہیں چنانچہ عدالتی کارروائی میں صبر آزما تاخیر اور کمر توڑ اخراجات ہر دو فریق کے لئے انتہائی پریشانی اور دشواری کا سبب بنتے ہیں بعض اوقات ایک مدعی جو حق بجانب قضیہ کے سلسلہ میں اپنے حق میں فیصلہ حاصل کرنے کی نیت سے عدالت سے رجوع کرتا ہے، کئی برس کے انتظار اور ناقابلِ برداشت

احات سے دل چھوڑ بیٹھتا ہے اور اپنے استحقاق سے محرومی گوارا کر کے
لتی موشگافیوں سے نجات حاصل کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔

ہمارے خیال میں موجودہ عدالتی نظام میں غیر ضروری خلل اندازی
بغیر مقدمات کو جلد از جلد نمٹانے کیلئے مندرجہ ذیل اقدامات ضروری ہیں۔

(۱) اخلاقی جرائم یا فوجداری مقدمات میں پولیس کی تفتیش اور
یشن سپرد کا طریقہ ختم کر دینا چاہیئے پولیس کو چاہیئے کہ ملزم کو گرفتار
کے فوری طور پر یا جلد از جلد عدالت کے روبرو گواہوں کے ساتھ پیش
ے اور جیسے ہی ملزم اور گواہ عدالت میں پیش ہوں مقدمہ کی سماعت
روع کر دی جاتے اور جہاں تک ممکن ہو سکے پیشی روزانہ جاری رکھی جائے
وائے ان حالات کے جب التوا ناگزیر ہو۔

(۲) دیوانی مقدمات میں ضابطہ کی کارروائیاں جن میں تحریری جواب
مہ کا داخل کرنا، متنازعہ مسائل کی ترتیب اور دستاویزات کا پیش
نا شامل ہیں، بہت جلد مکمل کر کے آخری پیشی قلیل ترین مدت کے اندر
روع کر دینی چاہیئے جو اختتام مقدمہ تک، سوائے ناگزیر التوا کے،
سلسل جاری رہنا چاہیئے۔

(۳) فوجداری یا غیر فوجداری مقدمات کا فیصلہ آخری پیشی پوری
نے کے فوراً بعد یا زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ کے اندر سنا دینے کیساتھ
فیصلہ کی نقول فریقین کو بلا معاوضہ مہیا کر کے فریقین سے دریافت
لینا چاہیئے کہ آیا ان میں سے کوئی اپیل دائر کرنے کا خواہش مند ہے یا نہیں؟
اگر کوئی فریق اپیل دائر کرنے کا ارادہ ظاہر کرے تو عدالت اس کو پابند
کرے کہ وہ ایک ہفتہ کے اندر اسی عدالت میں اپیل لکھ کر داخل کر دے
گر اس مدت میں کوئی اپیل داخل نہ کی جائے تو مقدمہ کی کارروائی کو ختم
کے عدالت کے فیصلہ کو نافذ کرنے کے لئے مناسب اقدامات لئے جائیں

Marfat.com

تاہم اگر کوئی فریق وقت مقررہ کے اندر اپیل دائر کرتا ہے تو مقدمہ کا سارا ریکارڈ اپیل کے ساتھ عدالت متعلقہ (برائے اپیل) کو بلا تاخیر روانہ کر دیا اس کے ساتھ ہی دونوں فریق کو کسی خاص (مقررہ) تاریخ پر عدالت متعلقہ (برائے اپیل) کے روبرو پیش ہونے کی ہدایت جاری کر دی جائے۔

جب دونوں فریق مقررہ تاریخ پر عدالت متعلقہ (برائے اپیل) کے سامنے پیش ہوں تو اپیل کی سماعت فوری طور پر یا جتنی جلد ممکن ہو شروع کر دینی چاہیئے۔ کارروائی کے اختتام کے فوراً بعد یا زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ کے اندر فیصلہ سنا دیا جائے اور ساتھ ہی فیصلہ کی نقول دونوں فریق کو بلا معاوضہ مہیا کر دی جائیں۔ یہی طریقہ کار تمام دیگر اپیلوں کے سلسلے میں بھی اختیار کیا جائے۔ پیپر بک (PAPER BOOK) یا ریکارڈ دن چھپوانے کے نظام کو ختم کر دینا چاہیئے اس میں بلاوجہ وقت اور پیسہ ضائع ہوتا ہے۔

(۴) فوجداری مقدمات میں ضمانت کے احکام اور دیوانی معاملات میں فوری ضرورت کے سرسری (INTERLOCUTORY) احکامات مقدمات میں شامل فریقین کے حقوق کے تحفظ کے لئے کسی مرحلہ میں جاری کر دئے جائیں لیکن اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ علیحدہ علیحدہ فائلیں رکھی جائیں تاکہ مقدمہ کی کارروائی میں تاخیر نہ ہو۔

(۵) ڈگری اور فیصلوں پر عمل درآمد کی کارروائی، اپیل کی صورت میں مقدمہ کے آخر مرحلہ کی تکمیل کے بعد اور اگر اپیل دائر نہ کی گئی ہو تو ابتدائی عدالت کے فیصلہ کے بعد ہی جتنی جلد ممکن ہو شروع کر دی جائے۔ جو فریق مقدمہ ہار گیا ہو اور جس کے خلاف ڈگری یا فیصلہ پر عمل درآمد کی کارروائی عمل ہے، اس کو اس کارروائی میں کسی قسم کی مزاحمت یا رکاوٹ ڈالنے کی مطلق اجازت نہ دی جائے سوائے ان حالات کے جہاں ڈگری کے فیصلہ پر کوئی لازمی امر تصفیہ یا وضاحت طلب ہو، یا فیصلہ بے نتیجہ ہو یا

Marfat.com

ں درآمد میں کوئی قانونی یا تکنیکی رکاوٹ ہو۔
مقدمہ کی کارروائی کے کسی مرحلہ پر بھی کوئی کورٹ فیس عائد نہ کیجائے
س ضمن میں آخری بات یہ عرض کرنی ہے کہ مقدمہ کے دونوں فریق
درمیان عدل و انصاف کی یقین دہانی اور عدالتوں پر ان کے اعتماد
ے لئے انتہائی ضروری ہے کہ جج اور مجسٹریٹ صاحبان کے تقرر میں خصوصی
حتیاط برتی جائے اور ان ذمہ دار آسامیوں پر صرف انہی افراد کا تقرر
یا جائے جن کا تعلق نیک اور قابلِ احترام خاندانوں سے ہو اور جو خود
ی اعلیٰ اخلاقی معیار، عمدہ جسمانی اور دماغی صحت اور ذہانت کے ساتھ
ساتھ پُروقار شخصیت کے حامل ہوں۔ اُن کا مشاہرہ یا معاوضہ بھی معقول
ور لازمی ضروریات زندگی کی مناسبت سے ہونا چاہیئے۔ ان کے لئے رہائش،
ی امداد اور بچوں کی تعلیم کا مناسب بندوبست سرکاری طور پر ہونا
یاہیئے تاکہ انھیں مناسب اسبابِ زندگی اور سہولتوں کی کمی کی شکایت
ہ رہے اور معاشرہ میں اُن کا وقار اور اُن کی شان برقرار رہے اور اس
معزز پیشہ کے نام کو دھبّہ نہ لگے۔

——*——

Marfat.com

Marfat.com

باب سوم

امن اور جنگ

۱۔ عام تعارف

امن داماں کا استحکام حکومت کے بنیادی فرائض میں شامل ہے لفظ "امن" سے ایسے امور ذہن میں ابھرتے ہیں جن سے اندرونِ ملک افراتفری اور بدنظمی، اور بیرونِ ملک دشمن کی تخریب کاری سے سلامتی کی ضمانت حاصل ہوسکتی ہے۔ چنانچہ ملک کے اندر اور ملک کے باہر امن کا قیام ہر حکومت کی اولین ذمہ داری ہوتی ہے اندرونِ ملک امن وسلامتی کی فضا قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ملک کے تمام افراد کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی جائے جو تمام شہریوں کی سیاسی، معاشرتی اور معاشی حقوق کی ضمانت پر مشتمل ہو۔ اول الذکر (سیاسی) آزادی سے مراد یہ ہے کہ ملک کے تمام اہل الرائے افراد کو حق رائے دہندگی (ووٹ) کا مساوی حق حاصل ہو۔ جب کہ شہری یا معاشرتی آزادی کا یہ مطلب ہے کہ ملک کے تمام باشندے قانون کی نگاہ میں ایک ہی درجہ رکھتے ہیں۔ معاشی آزادی کا اطلاق جائیداد اور ملکیت (مادی وسائل) کے حصول کے یکساں مواقع بہم پہنچانے پر ہوتا ہے۔ ان وسائل میں ہر فرد کی صلاحیت کے مطابق روزی کمانے کی آزادی شامل ہے۔

Marfat.com

جہاں تک بیرونِ ملک امن کے قیام کا تعلق ہے اس میں بین الاقوامی معاہدے، شرائط نامے اور صلح و امن کے عہد و پیمان شامل ہیں۔ حالات کے تقاضوں کے تحت اگر دشمن کے خلاف مدافعانہ یا جارحانہ جنگ کرنا پڑے تو یہ اقدام بھی اندرون و بیرون ملک بقائے امن اور سلامتی کی ضمانت کے لئے جائز بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ہم آئندہ صفحات میں اندرونِ ملک امن قانون اور نظم و سلامتی کے متعلق اور بیرونِ ملک دشمنوں اور مخالفین سے جنگ یا صلح کے متعلق قرآنی اصول کے حوالے سے اپنی معروضات قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کریں گے۔

۲۔ اندرون ملک امن و سلامتی۔

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، اندرونِ ملک امن و سلامتی کی فضا قائم رکھنے کے لئے تمام افراد کی زندگی اور مال و اسباب کا تحفظ انتہائی ضروری ہے۔ اس احساس کے بغیر لوگوں کے دلوں میں ملک سے وفاداری اور وقتِ ضرورت ایثار و قربانی کی توقع رکھنا قرینِ فہم نہیں کہا جا سکتا۔ اسی لئے قرآن کریم نے ملک کے تمام باشندوں کی جان و مال کے تحفظ اور احترام کی جابجا تاکید کی ہے۔ انفرادی ملکیت (مادی وسائل) کے تحفظ کے ضمن میں قرآن نے وضاحت کر دی ہے کہ مال و اسباب (یعنی جائیداد اور ملکیت) پر تصرف کا اختیار اور حق صرف اسی کو حاصل ہے جو اس کا مالک ہے (نساء: ۵۸) کسی غیر متعلق فرد کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے ہڑپ کر جائے (البقرہ: ۱۸۲ اور نساء ۲۹) ہر فرد کی کمائی اُس کی اپنی (ملکیت) ہے (نساء ۳۲) حکم ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، اس کو جائز طریق سے تصرف میں لاؤ (مائدہ ۸۸ اور آل عمران: ۱۵) اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو دیا ہے اس کی طرف حرص و طمع یا بدنیتی سے مت دیکھو (۱۵: ۳۸)

Marfat.com

قرآن عہد شکنی کی مذمت کرتا ہے (آل عمران ۱۶۰) اور چوری ثابت ہونے پر چور کے ہاتھ کاٹنے کی سخت سزا کا حکم دیتا ہے تاکہ اوروں کو عبرت ہو (مائدہ ۳۸) ۔

جہاں تک کسی فرد کی زندگی (حیات) کے احترام کا تعلق ہے، قرآن قتل ناحق کی شدید مذمت کرتا ہے (مائدہ ۳۲) ارشاد ہے کہ کسی انسان کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) (انعام ۱۵۲) قصاص کے بدلے میں خوں بہا کی اجازت ہے بشرطیکہ مقتول کے ورثا اس پر راضی ہوں (البقرہ ۱۷۸) مزید ارشاد ہے کہ جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا اور خدا اس پر غضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے (۴-۹۳) قرآن کریم کے نزدیک زنا، فحش اور برائی ہے (بنی اسرائیل ۳۲) اس کا حکم ہے کہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کو سو سو کوڑوں کی انتہائی اور مثالی عبرتناک سزا دی جائے (نور: ۱۳) اسی کتاب مبین یعنی (قرآن) میں غیر فطری جنسی فعل کی بھی انتہائی مذمت آئی ہے اور اس فعل شنیع کو انسانیت سے تجاوز کرنے والا کار بد قرار دیا ہے (اعراف ۸۰-۸۱) اسی کے ساتھ شراب نوشی اور جوا (قمار بازی) سے منع کیا گیا ہے (النور ۲۱۹ اور مائدہ: ۹۰)

دراصل اسلام ہی دنیا میں اصول فطرت پر قائم دین اور انسانیت کے لئے فلاح و بہبود کا سرچشمہ ہے جس نے ہمیشہ افراد کی جان، مال اور آزادی کی حمایت کی ہے اور انسانی اقدار کے تحفظ کی ضمانت دی ہے۔ اس ضمن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ دیا وہ پوری انسانیت کے لئے مشعل راہ کی اہمیت رکھتا ہے۔ اس معرکۃ الآرا،

Marfat.com

خطبہ کو تاریخ انسانیت میں حقوق انسانی کا علمبردار اور تکمیل انسانیت کا زینہ قرار دیا گیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر تعصب سے بالاتر ہو کر حقیقت کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی خطبہ انسانیت کی ہزاروں سال تک پھیلی ہوئی تاریخ میں ایسا بے مثال منشور ہے جسے بجا طور پر انسانی حقوق کے منشور (CHARTER OF HUMAN RIGHTS) کا درجہ حاصل ہے۔ اس عظیم اور تاریخی اجتماع کے موقعہ پر نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بصیرت افروز خطبہ دیا، اس کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ آج کا مادہ پرست معاشرہ غفلت انسانی کی ایک جھلک دیکھ لے اور اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اپنے گفتار و کردار کا عکس بھی اسی آئینہ میں دیکھ لے اور اپنا لائحہ عمل بھی متعین کر لے۔ آپؐ نے فرمایا۔

اے لوگو! میری بات کو اچھی طرح سن لو کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد پھر کبھی اس موقع پر تمھارے درمیان ہوں گا۔ تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟ یہ یوم النحر یعنی قربانی کا دن ہے۔ تم جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے؟ یہ شہر حرام ہے یعنی حرمت والا مہینہ ہے۔ پس میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ تمھارے خون اور تمھارے مال اور تمھاری عزتیں اسی طرح ایک دوسرے پر حرمت کا استحقاق رکھتی ہیں جیسے اس حرمت والے شہر میں اس حرمت والے مہینہ میں یہ حرمت والا دن۔ دیکھو حاضر غائب کو یہ بات پہنچا دے اور تم اپنے رب سے ملنے والے ہو سو وہ تم کو تمھارے اعمال کے متعلق سوال کرے گا۔

لوگو! ہاں بے شک تمھارا رب ایک ہے اور بیشک تمھارا باپ ایک ہے۔ ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ تمھارے غلام تمھارے

Marfat.com

غلام!! جو خود کھاؤ وہی اُن کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی اُن کو پہناؤ جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون ربیعہ بن الحرات کا خون باطل کر دیتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام سُود بھی باطل کر دیے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود (عباس بن عبدالمطلب کا سود) باطل کرتا ہوں۔

لوگو! عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ تمھارا حق عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے وہ تمھارے ہاتھوں میں خدا کی امانت ہیں پس تم اُن سے نیک سلوک کرو۔

اے لوگو! آج شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ تمھاری سرزمین میں اُس کی عبادت پھر کبھی ہو لیکن اگر ایسے اعمال ہیں جن کو تم حقیر خیال کرو، اُس کی اطاعت کرنے لگو گے تو یہ اُس (یعنی شیطان) کیلئے خوشی کا موجب ہوگا۔ پس اپنے دین میں احتیاط کرو۔

تم کو بہت جلد خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا لہٰذا تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا۔ لوگو! میرے بعد کوئی اور نبی نہیں آئیگا اور نہ اسلام کے سوا کوئی اور دین وجود میں آئیگا۔ لوگو! میری بات غور سے سنو۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، نماز قائم کرو، روزے (خصوصاً رمضان المبارک کے) استقامت کے ساتھ رکھو، خدا نے جو تمھیں مال و زر عطا کیا ہے اُس میں سے زکوٰۃ صدقہ خیرات کے طور پر غربا مساکین کی امداد کرتے رہو۔ میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر تم نے اُس کو مضبوط تھام لیا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ کیا چیز ہے؟ کتاب اللہ۔

یہ فرما کر آپ نے مجمع عام سے سوال کیا تم سے خدا کے ہاں میری نسبت پوچھا جائیگا کہ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے، تو تم کیا جواب دو گے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔

Marfat.com

تب آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ (کہ اے خدا تو گواہ رہنا)۔"

خلیفۂ اوّل امیرالمومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت پر متمکن ہو کر اپنے سب سے پہلے خطبہ میں من جملہ دیگر باتوں کے قوم سے یوں ارشاد فرمایا۔

"تم لوگوں میں جو کمزور اور ناتواں خیال کئے جاتے ہیں وہ میرے نزدیک طاقتور ہیں۔ اور تم میں جو اپنے آپ کو طاقتور سمجھتے ہیں وہ میرے نزدیک کمزور ہیں یہاں تک کہ میں اللہ کے حکم سے اُن سے وہ کچھ حاصل کر لوں جو اُن کے ذمہ واجب الادا ہے۔"

اسی طرح خلیفۂ دوم امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زمامِ خلافت سنبھالنے کے بعد لوگوں سے اس طرح خطاب کیا۔

"ان لوگوں کے لئے جو امن اور نیک کرداری کے ساتھ رہیں گے۔ میں ہمہ تن شفقت و ہمدردی ہوں۔ لیکن جو ظالم اور بدکار ہوں گے میں ان کا ایک رخسار زمین پر رکھ کر دوسرا رخسار پوری قوت سے اپنے پیروں تلے دبا دوں گا یہاں تک کہ وہ حق کی اطاعت قبول کر لیں۔ اے لوگو! تمہارے کچھ حقوق میرے ذمے ہیں جنہیں جب بھی تم چاہو طلب کر سکتے ہو۔ ان میں ایک حق یہ ہے کہ تم میں سے اگر کوئی میرے پاس اپنے کسی حق کا دعویٰ لے کر آئے تو اُسے یہ مطالبہ کرنے کا حق ہو گا کہ وہ اپنا حق لیکر واپس جائے اور دوسرا حق یہ ہے کہ تم میں سے ہر شخص مجھ سے مطالبہ کر سکتا ہے کہ میں بیت المال یا مالِ غنیمت میں سے بلا وجہ اور زائد از ضرورت کوئی چیز نہ لوں۔

خلیفۂ سوم امیرالمومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دشمنوں کی طرف سے عائد کردہ الزامات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

"میں نے مسلمانوں کی کسی جائیداد اور مال کو کبھی ناجائز طور اپنے لئے

Marfat.com

نہیں لیا۔ اور نہ کبھی کسی دوسرے کو ایسا کرنے کی اجازت دی۔ جو کچھ زر و مال جمع ہو کر میری تحویل میں آیا اُسے رفاہِ عام کے لئے صرف کیا گیا ہے۔ مجھے مالِ غنیمت کا صرف پانچواں حصّہ ملتا ہے، لیکن میں نے اُس میں سے بھی کوئی رقم اپنی ذات پر صرف کرنے کے لئے نہیں لی۔ اس جائز اور متعین حصّہ کو بھی لوگوں نے اپنی صوابدید کے مطابق صرف کیا ہے۔ میں سرکاری خزانہ سے کوئی رقم نہیں لیتا۔ میں نے صرف اُنہی سبزہ زاروں کو مملکت کی ملکیت ہونے کا اعلان کیا جو میرے خلیفہ منتخب ہونے سے پہلے مملکت کی ملکیت میں تھیں۔ میں نے ان سبزہ زاروں (باغوں اور کھیتیوں) کو صرف اس مقصد کے تحت مسلمانوں کے استفادہ کے لئے محفوظ رکھا ہے کہ ان کے متعلق کوئی قضیہ نہ ہو"،

خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ

"میری طرف سے جو احکامات جاری کئے جائیں اُن کے متعلق تم خود فیصلہ کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق ہیں یا (خدانخواستہ) نہیں ہیں تم پر ان احکامات کی اطاعت صرف اُسی وقت واجب ہے جب تم ان کی صداقت کا اطمینان کر لو۔ پھر اس کے بعد تمہاری پسند یا ناپسند کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یا اگر (الفرض محال) میری طرف سے جاری کردہ احکامات اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے برخلاف نظر آئیں تو تم میری یا کسی اور کی نافرمانی کے مرتکب نہیں قرار دئے جاؤ گے تم پر اطاعت اُسی وقت لازم ہے جب ایسے احکام اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پر مبنی ہوں۔

قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق اہل ایمان اپنے معاملات اور امور باہمی صلاح مشورہ سے طے کرتے ہیں (شوریٰ، ۳۸) اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے رسولؐ کو اہم امور میں رفقاء وصحابہؓ سے مشورہ کا حکم دیا تھا (آل عمران ۱۵۸) نیز آپ کو یہ بھی حکم تھا کہ غیر مسلموں کے معاملات بھی مشورہ کے بعد بہترین طریقہ پر

Marfat.com

انجام دیں (عنکبوت ۴۶) دین کے تمام احکام برضا و رغبت قبول کئے جائیں کیونکہ دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں (بقرہ ۲۵۶) ان احکام کے اجمالی تذکرہ سے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ اسلامی مملکت میں تمام افراد کو بلا تفریق عقیدہ و مسلک آزادی رائے اور مذہبی آزادی حاصل ہے اس آزادی کی ضمانت ان آیات سے واضح ہو جاتی ہے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر منکرین اسلام کے اعتراضات کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتلایا ہے کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان اعتراضات کا جواب دینے کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا وہ سراسر مبنی بر استدلال، قابل فہم اور مذہبی تعصبات سے بالاتر تھا۔ قرآن نے کبھی گوارا نہیں کیا کہ غیر مسلموں کے ساتھ سختی اور جبر اختیار کر کے اپنی بات منوائی جائے یا اپنے خلاف کچھ کہنے کی اجازت ہی نہ دی جائے اسی طرح اسلام کے عقیدت مندوں نے بھی تفہیم و استدلال کا راستہ اختیار کر کے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کو اس معیار پر پہنچا دیا کہ منکرین حق نے ان ابدی حقائق کو آزادی فکر و عمل کے ساتھ قبول کرنے میں کوئی عار اور جھجک محسوس نہیں کی۔ اسلام کا مشن تالیف قلوب ہے نہ کہ جبر و تخریب یہی وجہ ہے کہ اسلام ایک دفعہ اسلام قبول کرنے کے بعد کوئی مسلمان جادۂ حق سے منہ نہیں موڑتا خواہ اس راستہ میں اس کے سر مصائب و آلام کے پہاڑ کیوں نہ ٹوٹیں۔ اس کے علاوہ اس نے دیگر مذاہب کو اور ان کے ماننے والوں کو برا بھلا کہنے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے (انعام ۱۰۹)۔

اسی پُر اعتماد تعلیم و تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ معترضین اور مخالفین بھی آزادی اور اطمینان کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں حاضر ہو کر کسی روک ٹوک کے بغیر سوالات بلکہ اعتراضات کرتے اور دل و روح کو مطمئن کرنے والے جوابات سے متاثر ہو کر اسی لمحہ قبول اسلام کا اعلان کر دیتے یا اپنی غلطی تسلیم کر کے راہ ہدایت پر گامزن رہنے کا عہد کر لیتے ۔ یہی حلم و

Marfat.com

رواداری اور تالیف قلوب کا سلسلہ خلافت راشدہ کے دور میں بھی جاری رہا خلفائے راشدین اسوۂ حسنہ کی تقلید میں اپنے خلاف ہر اعتراض اور الزام کا جواب نہایت خندہ پیشانی سے دیتے تا آنکہ معترض یا مخالف کو اپنی کج فہمی کے اقرار کے سوا چارہ نہ رہتا۔ ایک معمولی حیثیت کا آدمی بھری مجلس میں خلیفۂ وقت سے بے نوفی کے ساتھ سوال کر سکتا تھا کہ اس (یعنی خلیفہ) کے لباس کو پورا کرنے کے لئے زائد کپڑا کہاں سے آیا پھر جب امیرالمومنین نے اسی لمحہ سوال کرنے والے کو نرمی اور بردباری کیساتھ حقیقت حال واضح کردی تو پھر کسی کو مزید لب گستاخی کی جرأت نہ ہوئی۔

قرآن تمام افراد مملکت کے درمیان عدل و مساوات کی تعلیم دیتا ہے تاکہ ہر فرد اپنی خداداد صلاحیت کو بروئے کار لاکر ترقی کے مواقع سے استفادہ کر سکے (النساء: ۱ اور قصص: ۴) وہ ہر فرد کے زندہ رہنے اور جائز طریقہ سے کسب معاش کے حق کو تسلیم کرتا ہے (بنی اسرائیل ۳۲)۔ جائیداد اور ملکیت حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے (البقرہ ۱۸۸) نجی معاملات میں مداخلت سے منع کرتا ہے (النور: ۲۷) اور ۱۲) خواہش مند اور مستعد مزاج افراد کے لئے شہرت اور قبول عام کے مواقع فراہم کرتا ہے (حجرات ۱۱، اور احزاب ۵۸) قرآن کے نزدیک قانون کے مطابق فیصلوں میں کسی قسم کا امتیاز روا نہیں اور نہ ہی امتیاز و ترجیح کی بنیاد پر کیا گیا فیصلہ قابل تسلیم ہے (حجرات ۶، اعراف ۳۶ اور نساء ۵۸) قرآن مذہبی آزادی کا حامی ہے (البقرہ ۲۵۶ - یونس ۹۹، الانعام ۱۰۸ اور عنکبوت ۴۶) اسی کے ساتھ وہ ہر فرد کے لئے آزادی رائے (نساء ۱۴۸، مائدہ: ۸، ۷، اعراف ۱۶۵ اور آل عمران: ۱۱۰) نقل و حرکت کی آزادی (ملک ۱۵) اور نظم و تنظیم کی آزادی (آل عمران ۱۰۴) کی بھی اجازت دیتا ہے۔ اور ہر فرد کیلئے جائز طریقہ سے روزی کمانے کا حق بھی قرآن نے تسلیم کیا ہے (آل عمران ۸ اور ذاریات ۱۹)

Marfat.com

اسلامی قانون عدل میں تحفظ امن کے نام پر نظر بندی (PREVENTIVE DETENTION) نام کی کوئی چیز نہیں۔ امام خطیبی نے اپنی کتاب "معلم السنن" میں صرف دو صورتوں میں کسی فرد کی نظر بندی کو جائز قرار دیا ہے۔ اوّل، عدالت کے حکم سے اور دوسرے، تحقیقات کی غرض سے تاکہ فردِ متعلق کسی کی رکاوٹ یا مزاحمت سے باز رکھا جا سکے۔ اس کے ماسوا کسی شہری کو قید یا پولیس کی تحویل میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں اور نہ کوئی بلا جرم ثابت ہو محض جھوٹے یا مفروضہ الزام کی بنا پر قید یا نظر بند کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اِسلام میں بغیر عدالتی اختیار کے کسی فرد کے قید کرنے کی اجازت نہیں (موطا امام مالکؒ) ابو داؤد کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس ایسے تمام قیدیوں رہا کر دیا تھا جنہیں بغیر وجہ بتائے قید کر لیا گیا تھا۔

اسلامی قانون عدل کے مطابق ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنا دعوی یا شکایت عدالت میں پیش کرے اور عدالت اس کی پابند ہے کہ وہ ان تمام دعاوی و شکایات کی سماعت کرے۔ ایک حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو یمن روانہ کرنے سے پیشتر یہ ہدایت کی کہ تم کو کسی مقدمہ میں اس وقت تک فیصلہ نہیں سنانا چاہیئے جب تک تم فریقِ ثانی (مدعا علیہ) کی معروضات بھی اسی توجہ سے نہ سن لو جس طرح فریقِ اوّل (مدّعی) کی گذارشات کو سُنا تھا۔

مملکت کے افراد کے حقوق اور آزادیوں کے تحفظ کے منجملہ بنیادی ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ اور وسیلہ عدل کا نظام ہے۔ قرآن نے ہر ایک کے ساتھ بلا امتیازِ رنگ و نسل، مذہب اور وطن، دوستی اور دشمنی، قرابت داری یا اجنبیت کے انصاف کے ساتھ پیش آنے کی سختی سے تاکید کی ہے ہم اس ضمن میں کتاب کے باب "عدل و انصاف" میں تفصیل کیساتھ ذکر کر چکے ہیں۔

Marfat.com

اس کے باوجود لوگ اگر قانون کا احترام نہ کریں۔ ظلم و تعدّی پر کمربستہ ہو کر حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائیں، امن و سکون میں خلل انداز ہوں اور دوسرے افراد کی جان و مال کو معرضِ خطر میں ڈال دیں تو ملک کے نظم و نسق کے ذمّہ دار صاحبانِ اقتدار کو طاقت استعمال کرنے کی اجازت ہے تاکہ راہِ اعتدال سے بھٹکے ہوئے لوگ اپنی ناعاقبت اندیشی کا احساس کر کے قانون کی اطاعت پر مجبور ہو جائیں۔ قرآن کریم کی دل ہلانے والی وعید ہے کہ جو لوگ خدا اور اُس کے رسولؐ سے لڑائی کریں (یعنی اطاعت سے منہ موڑلیں) اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں (یعنی سرکشی پر آمادہ ہو جائیں) اُن کی یہی سزا ہے کہ (اس نافرمانی اور سرکشی کی پاداش میں) قتل کر دیئے جائیں یا سولی پر چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں۔ یہ تو دنیا میں اُن کی رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لئے بڑا بھاری عذاب تیار ہے (مائدہ: ۳۳)

۳۔ بیرونِ ملک امن

بیرونِ ملک امن کا دارومدار ہمسایہ اور دیگر ملکوں کے ساتھ زمانۂ امن میں باہمی تعلقات اور اُن کے ساتھ کئے گئے معاہدوں اور شرائط ناموں پر ہوتا ہے۔ یا پھر جنگ کی صورت میں رونما ہونے والے واقعات بھی بیرونِ ملک امن پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! تم اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو (مائدہ: ۱) تم نے جو عہد و پیمان اللہ تعالیٰ کے کئے ہیں، اُن کو پورا کرو اور اپنی قسموں کو ایک دفعہ پختہ کر کے مت توڑو۔ تم خدا کو ضامن مقرر کر چکے ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اُس کو خوب جانتا ہے (النحل: ۹۱) اپنے تمام

Marfat.com

وعدے پورے کرو کیونکہ تم سے اُن کے متعلق باز پرس ہوگی (بنی اسرائیل ۳۴) (بے شک! وہی اہل ایمان کامیابی سے دونوں جہان میں ہمکنار ہوں گے) جو امانتوں اور عہد و پیمان کو ملحوظ رکھتے ہیں (اور قصداً یا ضرر پہنچانے کی نیت سے عہد شکنی نہیں کرتے (مومنون: ۸)

مذکرہ آیات قرآنی سے دینی اور دنیاوی عہد و پیمان، شرائط (صلح) نامے تنظیم کاری اور روزمرہ کی زندگی کے معاملات کے سلسلہ میں لئے گئے وعدوں اور اقراروں کی اہمیت اور ان کی تکمیل وایفا کی ضرورت بدرجہ اتم واضح ہوجاتی ہے۔ قرآن ان شرائط اور پیمان کو پورا کرنے کی سختی سے تاکید کرتا ہے جو دو فریق کے درمیان باہمی افہام و تفہیم سے طے پا جائیں ان شرائط سے روگردانی یا پہلو تہی کسی حالت میں روا نہیں تاوقتیکہ دونوں میں سے کوئی فریق نقض عہد کرکے دوسرے کو دھوکہ دینے اور نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے اس صورت حال سے بھی پُر وقار انداز میں عہدہ برآ ہونے کے لئے قرآنی ہدایات واضح اور منطقی اعتبار سے نہایت جامع ہیں کہ اگر تم کو کسی قوم سے دغابازی کا خوف ہو تو اُن کا عہد انھی کی طرف پھینک دو اور برابر کا جواب دو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا (انفال ۵۸) اور اگر یہ کافر چاہیں کہ تم کو فریب دیں تو خدا تمھارے لئے کافی ہے (یعنی وہ ان کافروں کی عیارانہ چال کو کامیاب نہ ہونے دے گا) وہی تو ہے جس نے اپنی طرف سے غیبی امداد سے فرشتوں کے ذریعہ اور خود مسلمانوں کی جمعیت سے تمھیں تقویت بخشی (انفال: ۶۲) یہاں تک کہ جن مشرکین مکہ نے مسلمانوں سے عہد و پیمان کئے تھے۔ ان کی ریشہ دوانیوں اور سازشی کارروائیوں کے سبب خود اللہ اور اس کے رسول نے اس عہد و پیمان پر سے برأت (لاتعلقی) اور جنگ کی تیاری کا اعلان کر دیا تھا (توبہ: ۱) تاہم اس برأت بیزاری سے ان مشرکوں کو

Marfat.com

مستثنیٰ قرار دیدیا گیا تھا جنھوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی۔ ارشاد ربانی ہے کہ البتہ جن مشرکوں کے ساتھ تم نے عہد کیا ہوا اور انھوں نے تمھارا کسی طرح کا قصور نہ کیا ہو تو اور نہ تمھارے مقابلہ میں کسی مخالف گروہ کی مدد کی تو جس مدت تک ان سے عہد کیا ہوا اُسے پورا کرو کیونکہ خدا پرہیزگاروں (متقی لوگوں) کو دوست رکھتا ہے (توبہ: ۴) اس سے ظاہر ہے کہ تکمیل و ایفائے عہد بھی تقوٰی کی نشانی اور منجملہ شرائط میں سے ایک ہے۔ اس وقت صورت حال ایسی تھی کہ عربوں میں منکرین اور بت پرست قبائل بار بار عہد شکنی کرتے تھے (انفال: ۵۶) اور مسلمان اُن سے جواب طلبی کی بنیاد پر مناسب کارروائی کرنے کے مجاز تھے۔ مگر اس کے باوجود مسلمانوں کو حکم تھا کہ اگر یہ قبائل امن و صلح سے رہنا پھر سے قبول کرلیں تو ان سے درگذر کیا جائے حالانکہ بار بار عہد شکنی کی وجہ سے وہ اس رعایت کے مستحق نہ تھے (انفال: ۶۱) لیکن یہ صورت کب تک جاری رہنے دی جاتی چنانچہ جب مشرکین مکہ کی عہد شکنی حد سے بڑھ گئی، خصوصاً اُس نازک موقع پر جب مسلمان غزوہ تبوک کی مہم پر مدینہ سے باہر تھے تو ان سے برأت کا اعلان کر دیا گیا (توبہ: ۱) تاہم اس وقت بھی مسلمانوں کو حکم تھا کہ جن لوگوں نے عہد شکنی نہیں کی اُن سے سمجھوتہ پر باہمی فیصلہ کی میعاد تک تعرض نہ کیا جائے (توبہ: ۴)

فریق ثانی کی طرف سے عہد شکنی کی صورت میں مسلمانوں کو بھی حکم ہے کہ وہ خود کو معاہدہ کے احترام کا پابند نہ سمجھیں اور اپنی مدافعت یا حفاظت میں مناسب اقدام کریں لیکن اس کے ساتھ انھیں یہ بھی ہدایت ہے کہ صورت حال کو اپنی طرف سے مزید خرابی سے بچانے کے لئے اور فریق ثانی کو اصلاح حال کا موقع دینے کی غرض سے وہ صلح نامہ یا معاہدہ سے برأت کا اعلان کرنے سے پیشتر فریق متعلق کو اپنے اقدام سے پیشگی آگاہ کر دیں۔ آنحضرت

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب دو قوموں یا فریق کے درمیان باہمی سمجھوتہ ہو جائے تو اس سمجھوتہ پر حالت پر عمل کیا جائے تاوقتیکہ اس عہد میں شریک فریقین میں سے کوئی ایک فریق عہد شکنی نہ کرے یا عہد نامہ کی میعا پوری ہو جائے اور تقاضائے وقت تجدید پیمان کی اجازت نہ دے (مشکوٰۃ شریف)

تاہم اگر عہد شکنی کھلم کھلا اور تخریب کاری کی نیت سے ہو تو اس صورت میں رسمی طور پر بھی برأت کا اعلان ضروری نہیں ہے۔ عہد شکنی ایسا قابل نفرین فعل ہے جس کے خلاف کسی تادیبی یا تخریبی کارروائی کیلئے جس کی انتہائی صورت جنگ بھی ہو سکتی ہے، کسی قسم کی پیشگی اطلاع کا اعلان شرط کے طور پر ضروری نہیں ہے ایسا اقدام اخلاقی اور حربی نقطہ نظر سے نامناسب اور ناجائز نہیں ہے۔ اس کی تصدیق اس تاریخی واقعہ سے بھی ہو جاتی ہے جب قریش مکہ کے صلح نامہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کا جواب دینے کیلئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر پیشگی تنبیہ یا اعلان جنگ کے مکہ پر حملہ کر کے فتح کر لیا۔

جب ایک اسلامی مملکت قرآن و سنہ کی بنیاد پر کوئی سمجھوتہ کر لے تو اس کی پابندی تمام ممالک اسلامیہ کے لئے مناسب قرار دی جا سکتی ہے کیونکہ ایسا صلح نامہ یا سمجھوتہ احکام خداوندی کی ترویج و تحفظ کے لئے عمل میں لایا جاتا ہے اور اس کے پس منظر میں عموماً کسی قسم کی سیاسی مصلحت نہیں ہوتی۔ لیکن وہ مسلمان جو اسلامی حکومت کی حدود سے باہر مقیم ہوں اس عہد و پیمان یا سمجھوتہ کے پابند نہیں۔ اس کی تصدیق قرآن کریم سے ہوتی ہے (انفال: ۷۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد تھا کہ میں ان مسلمانوں کی اعانت اور تحفظ کا ذمہ نہیں لے سکتا جو غیر اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے درمیان مقیم ہیں اگر ان مسلمانوں کو کسی امداد کی ضرورت ہوتی تو اس

Marfat.com

کے لئے مشرکین (غیر مسلموں) سے کئے گئے صلحنامہ یا عہد نامہ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے (انفال: ۳۷) تاہم اگر فریق ثانی (مشرکین اور کفار) صلحنامہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کریں تو اُن کا یہ اقدام کھلی جارحیت تصور کیا جائیگا اور اس صورت میں اُن کے خلاف جنگ ناگزیر ہو جائیگی۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جن لوگوں سے تم نے صلح کا عہد کیا ہے پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ تو انھیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہوں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں عجب نہیں، کہ ان کو اس سے عبرت ہو (انفال: ۵۶-۵۷)

۴۔ اسلام میں جنگ (جہاد)

کا مفہوم اور اُس کی اہمیت

حضور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین کا کام پُر امن اور دلجمعی کے ساتھ شروع کیا۔ آپؐ نے منکرین حق پر توحید کا مفہوم اور اس پر یقین کی ضرورت واضح کی اور بتلایا کہ اللہ تعالیٰ ہی سارے جہان کا خالق اور مالک ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں لیکن کفار مکہ نے اس پُر خلوص اور شفقت و محبت سے بھری تعلیم و ہدایت کے جواب میں شقاوت قلبی سے لبریز مزاحمت سے کام لیا اور ظلم و تعدی سے دعوت حق کے اثر کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس کے باوجود جب کفار قریش اسلام کی روز افزوں ترقی اور اشاعت کو نہ روک سکے تو انھوں نے آخری فیصلہ کر لیا کہ تلوار (جنگ) کے وار سے اسلام کی بیخ کنی کی جائے۔ اُن کا خیال تھا کہ مسلمان تعداد میں بھی کم تھے اور اُن کے پاس سازو سامان بھی برائے نام تھا۔ اُن کو اپنے ناپاک ارادوں میں کامیابی کا اس قدر

Marfat.com

اسلام دین حق

یقین تھا کہ انھوں نے اسلام کو مٹانے کے لئے واحد موثر اور فوری ذریعہ کے طور پر جنگ کی ٹھان لی۔ اُن کو اپنی کثرت اور زیادتی ساز و سامان کا غرّہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے فیصلہ کیا کہ اسلام کے مقابلہ میں تلوار اُٹھائی جائے اور اس وقت تک دم نہ لیا جائے جب تک مسلمانوں کو اُن کے آبائی دین (کفر و بت پرستی) کی طرف لوٹنے پر مجبور نہ کر دیا جائے یا اُن کا نام و نشان نہ مٹا دیا جائے۔ قرآن کریم بھی ان منکرین حق کے خبث باطنی اور بغض و عناد پر شاہد ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تم کو تمھارے دین سے ہی پھیر دیں (بقرہ: ۲۱۷)

یہی وہ صبر آزما اور ہمت شکن حالات تھے جن میں مسلمان محض اس لئے گھرے ہوئے تھے کہ وہ اللہ کا قانون دنیا میں نافذ کرنا چاہتے تھے اور کفر و شرک کی لعنت کو مٹا کر خدائے وحدہٗ لاشریک کی حاکمیت اور اُس کا پیغام امن و سلامتی دلوں میں راسخ کرنا چاہتے تھے چنانچہ مسلمانوں کو پہلی مرتبہ کفر و شرک کے خلاف اپنی روحانی اور مادّی طاقت کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی اجازت دی گئی اس کا مذکور قرآن کریم میں بھی ہے کہ جن مسلمانوں کے خلاف کفار کی طرف سے بلا اشتعال خواہ مخواہ لڑائی کیجا رہی ہے اُن کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ بھی کفار سے مقابلہ کریں کیونکہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے۔ خدا ان کی مدد کرے گا وہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے (حج: ۳۹) اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا دوسرا حکم نازل ہوا اور مسلمانوں کو خدا کی راہ میں جہاد کی ختمی اجازت دیدی گئی چنانچہ ارشاد ہوا ہے جو لوگ تم سے لڑتے (یعنی جنگ کرتے) ہیں تم بھی خدا کی راہ میں اُن سے جہاد کرو مگر زیادتی نہ کرنا۔ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور اُن کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے یعنی مکہ سے وہاں سے تم بھی اُن کو نکال دو (بقرہ: ۱۹۰-۱۹۱)

Marfat.com

مذکورہ بالا قرآنی آیات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو صرف انہی لوگوں سے جنگ (جہاد) کی اجازت دی گئی جنہوں نے صبر و برداشت سے باہر حالات پیدا کر کے جارحیت کا ارتکاب کیا۔ اس کے باوجود مسلمانوں کو نامناسب شدت کے ساتھ جوابی کارروائی سے باز رکھا گیا کہ کہیں جوش حمیت میں اپنے مخالفین کو نیست و نابود ہی نہ کر ڈالیں چنانچہ اسلام میں جنگ (جہاد) کا مفہوم دفاعی ہے، مبنی بر جارحیت نہیں ہے اور یہی صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ ہے (یعنی جہاد فی سبیل اللہ) جس میں دنیاوی جاہ و حشم یا حرص و طمع کا شائبہ تک نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقصد اور مثبت جذبات و نتائج پر مبنی دفاعی جنگ کو اسلام میں جہاد کا نام دیا گیا ہے (آل عمران: ۱۶۶ اور البقرہ ۱۹۰!)

جہاد کے لغوی معنی جدوجہد یا سعیٔ مسلسل کے ہیں یعنی اپنے مشن میں کامیابی حاصل ہونے تک خلوص نیت اور پوری صلاحیت اور قوت کے ساتھ مسلسل مصروف عمل رہنا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو۔ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے (توبہ: ۷۳) جہاد میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ ایک فرد اپنی تمام قوت اور صلاحیت کے ساتھ کسی ناپسندیدہ اور ناشائستہ شے یا امر کے خلاف مقابلہ کرے۔ اس سمت میں تمام ذرائع و اسباب کے ساتھ انتہائی کوشش جنگ ہی ہو سکتی ہے جسے دینی اصطلاح میں جہاد کا نام دیا گیا ہے۔

۵۔ اسلام میں جنگ (جہاد) کا مقصد۔

اسلام میں جہاد یا جنگ کا مقصد ظلم و تشدد کا خاتمہ کرنا ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو۔

Marfat.com

مگر زیادتی نہ کرنا کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا دین سے گمراہ کرنے کا فساد قتل و خون ریزی سے کہیں بڑھ کر ہے اور جب تک وہ تم سے مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ کے قریب وجوار میں نہ لڑیں تم بھی اُن سے درگذر کرو (یعنی لڑائی نہ کرو) ہاں اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم بھی انکو قتل کرو اُن سے اُس وقت تک لڑو کہ فساد نابود ہو جائے اور ملک میں خدا ہی کا دین ہو جائے اور اگر وہ فساد سے باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کرنی چاہیئے (بقرہ: ۱۹۰ تا ۱۹۳ خلاصہ اور انفال ۳۹)

چنانچہ جب ظلم و تشدد کا خاتمہ ہو جائے اور لوگ کسی دین یا مذہب کے قبول یا انکار کے لئے مجبور نہ کئے جائیں یعنی ہر فرد کسی مذہب کو بھی جس کی طرف اس کا عقیدہ و رجحان ہو، اختیار کرنے میں آزاد ہو تو ایسی حالت میں جنگ جاری رکھنا یا از سر نو جنگ شروع کرنا قرین مصلحت نہیں یہی اسلامی جنگ یا جہاد کا مقصد ہے کہ لوگ کسی مذہب کے اختیار یا انکار کرنے میں بالکل آزاد ہیں۔ اس نقطۂ نظر کی تائید میں قرآن کریم کی یہ آیت پیش کیجا سکتی ہے کہ اگر خدا لوگوں کو ایکدوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا (یعنی اہل ظلم اور منکرین کے فتنہ کو دفع نہ کرتا) تو راہبوں کے صوامع اور عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جنمیں خدا کا ذکر کثرت سے ہوتا رہتا ہے گرائی جا چکی ہوتیں۔

۶۔ صرف جنگ کے خلاف جنگ

جب ایک دفعہ جنگ چھڑ جائے (خصوصاً اسلامی جہاد) تو جب تک دشمن ہتھیار نہ ڈال دے اس وقت تک جنگ کو جاری رکھنا چاہیئے تاکہ ظلم و عدوان کی بیخ کنی کی جا سکے۔ لیکن اگر مخالف گروہ کفر و شرک سے باز رہنے کا عہد کر لے تو جہاد کا جاری رہنا ضروری نہیں ہے البتہ ظلم و تعدی اور

Marfat.com

ملک میں نقص امن کی نیت سے برپا کئے جانے والے فتنہ وفساد کے خلاف جنگ جاری رکھی جاسکتی ہے (البقرہ: ۱۹۳) جنگ یا جہاد کے محرکات یا اسباب وعلل کی بھی قرآن میں اجمالاً نشان دہی موجود ہے۔ ارشاد ہے کہ جب تک وہ تم سے مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کے پاس نہ لڑیں تو تم بھی وہاں اُن سے نہ لڑنا۔ ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل کر ڈالو۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔ (البقرہ: ۱۹۱) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ تم سے عزت والے مہینوں میں جہاد کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہدو کہ ان مہینوں میں لڑنا بڑا گناہ ہے مگر مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں جانے سے روکنا اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا جو یہ کفار کرتے رہتے ہیں خدا کے نزدیک اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اور فتنہ انگیزی خون ریزی سے بڑھ کر ہے (البقرہ: ۲۱۷) خدا کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں یعنی اُس روز سے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے ادب اور احترام کے ہیں۔ ان مہینوں میں قتال ناحق سے اپنے آپ پر ظلم نہ کرو (یعنی اپنی طرف سے جنگ شروع نہ کرنا) اور تم سب کے سب مل کر مشرکوں سے لڑو جیسے وہ تمام کے تمام تم سے لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے (توبہ: ۳۶) ایسے لوگ جو فتنہ انگیزی کے لئے منہ کے بل گرتے ہیں (جیسے جنوں میں) تو ایسے لوگ اگر تم سے لڑنے سے کنارہ کشی نہ کریں اور نہ تمھاری طرف پیغام صلح بھیجیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو اُن کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ قتل کر دو۔ ان لوگوں کے مقابلہ میں ہم نے تمھارے لئے سند صریح مقرر کر دی ہے یعنی واضح غلبہ کی بشارت ہے (۴: ۹۱)

۷۔ جہاد فرض ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ مسلمانو! تم پر خدا کی راہ میں جہاد کرنا فرض

Marfat.com

کر دیا گیا ہے گو وہ تمھیں ناگوار معلوم ہو۔ مگر عجیب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو۔ اسی طرح یہ بھی عجیب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے لئے مضر ہو۔ ان باتوں کی حقیقت کو خدا ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (بقرہ ۲۱۶) اے نبیؐ! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دو سَو کافروں پر غالب رہیں گے اور اگر سَو ایسے ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے اس لئے کہ کافر لوگ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے (انفال: ۶۵) اس سے اگلی آیت میں (انفال ۶۶) کفار سے مقابلہ کا بوجھ ہلکا کر دیا گیا ہے۔ مومنو! تمھیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو تم کاہلی کے سبب زمین پر گرے جاتے ہو (یعنی گھروں سے نکلنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت کی نعمتوں کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہیں (توبہ ۳۸) اگر تم جہاد کیلئے نہ نکلو گے تو خدا تم کو بڑی تکلیف کا عذاب دے گا اور تمھاری جگہ اور لوگ پیدا کر دے گا جو خدا کے پورے فرماں بردار ہوں گے اور تم خدا کو ہرگز نقصان نہ پہنچا سکو گے اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے (توبہ: ۳۹)

۸۔ جنگ کا خوف

جن لوگوں کے ایمان کمزور ہیں یا جو دنیادی حرص وطمع میں گِھر کر جنگ (جہاد) سے جان چُراتے ہیں، ایسے لوگوں کو قرآن نے دنیا کے فانی کی حقیقت اور اس کے عارضی فوائد و آسائش کے مقابلہ میں آخرت کی دائمی راحت اور سکون کی اہمیت سے آگاہ کر دیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے کہ بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو پہلے یہ حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو

Marfat.com

جنگ سے روکے رہو اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر جب اُن پر جہاد فرض کر دیا گیا تو بعض اُن میں سے لوگوں سے یوں ڈرنے لگے جیسے خدا سے ڈرا کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور بڑبڑانے لگے کہ اے خدا تو نے ہم پر جہاد اتنی جلد کیوں فرض کر دیا۔ ہمیں تھوڑی مدت اور کیوں نہ دی (کہ کچھ دن عیش و راحت سے بسر کر لیتے) اے پیغمبرؐ ان سے کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا اور ناپائدار ہے۔ اور آخرت کی نجات اور وہاں کی نعمت جو پرہیزگاروں کے لئے ہیں، ان دنیاوی نعمتوں سے کہیں بہتر ہیں (نسآء: ۷۷) اے جہاد سے ڈرنے والو! تم کہیں رہو، موت تو تمھیں بہر حال آگھیرے گی خواہ تم موت سے ڈر کر (مضبوط قلعوں اور) بڑے بڑے محلوں میں رہو (نسآء: ۷۸) اس کے ساتھ ہی قرآن نے ایسے مسلمانوں کو کم ہمتی سے عار دلایا ہے اور یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ جنگ کے شدائد سے کفار بھی دوچار ہوتے ہیں کہ یہی لازمۂ جنگ ہے۔ اے مسلمانو! میدانِ جہاد میں کفار کا تعاقب کرنے میں سستی اور غفلت نہ کرنا اگر تمھیں اذیت پہنچتی ہے تو تمھارے مخالفین کو اس سے زیادہ اذیت اور مایوسی کا سامنا ہوتا ہے۔ تم خدا سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے (نسآء: ۱۰۴)

۹۔ اِستثناء، عُذرخواہی اور الزام تراشی

قرآن کریم نے اُن معذور مسلمانوں کو جہاد میں شرکت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے جو اپنی ضعیفی، معذوری کے باعث جنگ کی سختیوں اور دشواریوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ اُن پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں کہ شریکِ جہاد ہوں (توبہ: ۹۱) اور نہ اُن بے سروسامان لوگوں پر الزام ہے جو سواری کا مقدور نہیں رکھتے۔ دراں حالیکہ اُن کے دل جہاد کے لئے بے چین اور مضطرب ہیں (توبہ: ۹۲) نہ تو

نابینا لوگوں پر گناہ ہے کہ (شریک جنگ نہ ہوسکے) اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر (فتح: ۱۷)

اس کے ساتھ ہی قرآن نے اُن حیلہ جو اور کج خُلق لوگوں کی بھی نشاندہی کردی ہے جو محض جہاد کی آزمائشوں سے بچنے اور اپنے عیش و عشرت میں خلل نہ آنے دینے کی نیت سے حیلہ بہانہ کرتے ہیں اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کی رخصت کے طلبگار رہتے ہیں، جہاد میں شرکت سے پہلوتہی کا الزام تو اُن لوگوں پر ہے جو دولت مند ہیں اور پھر تم سے اجازت طلب کرتے ہیں اور اس بات میں خوشی محسوس کرتے ہیں کہ وہ بھی عورتوں کے ساتھ پیچھے گھر میں بیٹھ رہیں۔ خدا نے اُن کے دلوں پر مہر کردی ہے پس وہ سمجھتے ہی نہیں (التوبہ: ۹۳)
جب تم میدانِ جنگ سے فاتح و کامران واپس جاؤ گے تو وہ تم سے عذر کریں گے (کہ ہم اپنی بعض مجبوریوں کے سبب جہاد میں شریک نہ ہوسکے) تم کہنا کہ عذر مت کرو۔ ہم تمھاری بات ہرگز نہیں مانیں گے۔ خدا نے ہم کو سب حالات (یعنی حیلہ سازی کے عذر) بتادیئے ہیں (توبہ: ۹۴) جب تم اُن کے پاس لوٹ کر جاؤگے تو وہ لوگ (یعنی جہاد سے بیٹھ رہنے والے) تمھارے روبرو خدا کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن سے درگذر کرو سو اُن کی طرف التفات نہ کرنا یہ ناپاک ہیں اور جو کام یہ کرتے رہے ہیں ان کے بدلے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے (توبہ: ۹۵) یہ لوگ تمھارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن سے خوش ہوجاؤ لیکن اگر تم (بالفرض) خوش بھی ہوگئے تو خدا اُن نافرمان لوگوں سے خوش نہیں ہوگا (توبہ: ۹۶)

۱۰۔ جہاد کی تیاری

قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ مومنو! جہاد کے لئے ہتھیار لے لیا کرو۔ پھر یا تو الگ الگ جماعت بن کر نکلا کرو یا سب اکٹھے کوچ کیا کرو (النساء: ۷۱)

Marfat.com

اور جہاں تک ہو سکے فوج کی جمعیت کے زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے دشمن کے مقابلہ کے لئے مستعد رہو کہ اس سے خدا کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی۔ اور تم جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کرو گے۔ اس کا تم کو پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اور تمہارا ذرا بھی نقصان نہ کیا جائیگا۔ (انفال: ۶۰)

۱۱۔ احتیاطی تدابیر۔

ارشاد خداوندی ہے کہ مومنو! جب تم خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلا کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو اور جو شخص تم سے سلام علیک کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔ اور اس سے تمہاری غرض یہ ہو کہ دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرو۔ سو خدا کے نزدیک بہت سی غنیمتیں ہیں۔ تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے پھر خدا نے تم پر احسان کیا تو آئندہ تحقیق کر لیا کرو اور جو عمل تم کرتے ہو خدا کو سب کی خبر ہے (النساء: ۹۱) اس کے سوا کہ مسلمانوں کو یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ جب وہ جہاد کے لئے نکلیں تو حکمت عملی کے نقطۂ نظر سے مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر نکلیں یا تمام لوگ فوج کی صورت اکٹھا کوچ کریں (النساء: ۷۱)

۱۲۔ جنگ کی حالت میں نماز (نمازِ خوف)

جنگ کی حالت میں یا میدانِ جنگ میں جب دشمنوں سے اچانک حملہ کا خطرہ ہو تو اس صورتِ حال سے مستعد اور چوکنا ہو کر نپٹنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے نماز پڑھنے اور صفیں قائم کرنے کے لئے خاص ہدایت کی ہے تا کہ دشمن تمام اسلامی فوج کو مصروفِ نماز دیکھکر یکبارگی حملہ کر کے

Marfat.com

جنگ کا نقشہ نہ بدل سکے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ اے پیغمبرؐ جب تم ان مجاہدین کے لشکر میں ہو اور اُن کو نماز پڑھانے لگو تو چاہیئے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت تمھارے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے جب وہ سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جائیں، پھر دوسری جماعت، جس نے نماز نہیں پڑھی اُن کی جگہ آئے اور ہوشیار اور مسلح ہو کر تمھارے ساتھ نماز ادا کرے۔ کافر اس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ کہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔ اگر تم بارش کے سبب بے اطمینانی میں ہو یا بیمار ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اُتار رکھو مگر ہوشیار ضرور رہنا (نساء: ۱۰۲)

۱۳۔ مراجعت یا حکمتِ عملی کے تحت پسپائی

میدان جنگ سے منہ موڑنا یا فرار اختیار کرنا بزدلی اور عدولِ حکمی کی علامت ہے۔ اسلام نے اس کی مذمت کی ہے۔ البتہ حکمتِ عملی کے طور پر وقتی ضرورت یا دشمن کو مغالطہ میں مبتلا کرنے کی نیت سے یا دوبارہ بھرپور حملہ کی غرض سے فوج کا عارضی طور پر پیچھے ہٹنا نہ صرف درست ہے بلکہ اس چال کو جنگی مہارت کی علامت تسلیم کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اے اہلِ ایمان جب میدانِ جنگ میں کفار سے تمھارا مقابلہ ہو تو اُن سے پیٹھ نہ پھیرنا۔ اور جو شخص جنگ کے روز اس صورت کے سوا کہ لڑائی کے کنارے کنارے چلے یعنی حکمتِ عملی سے دشمن کو مارے یا اپنی فوج میں جا ملنا چاہیئے، اُن سے پیٹھ پھیرے گا تو سمجھو کہ وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے (انفال: ۱۵-۱۶)

۱۴۔ اسیرانِ جنگ (جنگی قیدی)

جو کفار یا مخالفینِ اسلام اپنی تخریبی کارروائیوں کی نیت سے لڑنے جانے

Marfat.com

والی جنگ میں ناکام ہو کر قید ہو جائیں اور اس کے بعد بھی قبولِ اسلام کے بجائے اپنی ضد اور مخالفت پر اڑے رہیں تو ایسے جنگی قیدیوں کے بارے میں قرآنی احکام رہنمائی کے لئے بیان کر دیے گئے ہیں: کفار و منکرین سے جنگ ختم ہونے کے بعد جو دشمن کے سپاہی زندہ پکڑے جائیں اُن کو مضبوطی سے قید کر لو۔ پھر اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر یا قید کے عوض کچھ مال لے کر اُنکو چھوڑ دو (۴۷:۴)

۱۵- مالِ غنیمت

مالِ غنیمت اور اُس کی تقسیم کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ جان رکھو کہ جو چیز تم کفار سے میدانِ جنگ میں لُوٹ کر لاؤ (یعنی مالِ غنیمت) اُس میں سے پانچواں حصہ خدا کا اور اُس کے رسولؐ کا اور اہلِ قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے، اگر تم خدا پر اور اُس نصرت پر ایمان رکھتے ہو جو حق و باطل میں فرق کرنے کے دن (یوم الفرقان) یعنی جنگ بدر میں، جبدن دونوں فوجوں میں مٹھ بھیڑ ہو گئی، اپنے بندے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے (انفال: ۴۱)

۱۶- جہاد کا اجر (جزا)

قرآن نے مجاہدینِ حق کے لئے بڑے بڑے اجر و انعامات کا وعدہ کیا ہے جو اپنی جان و مال اور خویش و اقارب کی محبت کو خدا کی راہ میں قربان کر کے اعلائے کلمۃ الحق کے جذبہ سے سرشار ہو کر میدانِ جہاد میں بلاخوف و خطر کود پڑتے ہیں اور انجام کار غازی یا شہید کے بلند درجہ پر سرفراز ہوتے ہیں جو لوگ آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی کو بیچنا چاہتے ہیں، ان کو چاہیئے کہ خدا کی راہ میں جنگ (جہاد) کریں اور جو شخص خدا کی راہ میں جنگ کرے پھر شہید

Marfat.com

ہوجائے یا غلبہ پائے ہم عنقریب اُس کو بڑا ثواب دیں گے (نساء ۴ ۔ ۷) جو لوگ
خدا کی راہ میں شہید ہوئے، اُن کو مرے ہوئے نہ سمجھنا۔ وہ خدا کے نزدیک زندہ
(جاوید) ہیں۔ اور اُن کو رزق مل رہا ہے۔ جو کچھ خدا نے اُنکو اپنے فضل سے عطا
کیا ہے، اُس میں خوش ہیں اور جو اُن کے پیچھے رہ گئے اور شہید ہو کر ان میں شامل
نہیں ہو سکے بلکہ اس وقت مصروفِ جنگ ہیں، اُن کی نسبت خوشیاں مناتے
ہیں کہ قیامت کے دن اُن کو بھی نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (نساء
۱۶۹ - ۱۷۰) جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہوئے خدا اُن کے اعمال کو ہرگز ضائع
نہیں کرے گا بلکہ اُن کو سیدھے رستہ پر چلائیگا (یعنی صراطِ مستقیم کی ہدایت
دے گا) اور اُن کی حالت درست کر دے گا۔ اور ان کو بہشت میں جس سے
اُن کو شناسا کر رکھا ہے، داخل کرے گا۔ (محمد: ۴ تا ۶)

Marfat.com

حرفِ آخر

گذشتہ معروضات میں جو معروضات اسلام اور اسلامی تعلیمات کے متعلق مختلف نقطہ نظر سے پیش کی گئی ہیں وہ ہماری ناچیز رائے میں اس امر کی شہادت کے لئے کافی ہیں کہ اسلام بنیادی طور پر امن و سلامتی کا دین ہے اور اس کی غرض و غایت دنیا میں ایک ایسے معاشرہ (بلکہ عالمی معاشرہ) کا قیام ہے جس میں مسرت و شادمانی اور امن و سلامتی کا دور دورہ ہو اور احکام خداوندی کی روشنی میں انسانی اقدار پروان چڑھیں۔ ان معروضات اور گذارشات کے مطالعہ سے یہ الزام بھی غلط ثابت ہو جائیگا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ غور و فکر کا مقام ہے کہ جس دین کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی وحی "اِقْرَأْ" اور "عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" یعنی پڑھنے اور لکھنے کے حکم پر رکھی گئی ہو اور جو دین ہمیشہ تفکر و تدبّر، تجربہ و مشاہدہ اور تفہیم و تحقیق کی دعوت دیتا ہو، جو شرائط اور صلح ناموں، عہد و پیمان اور باہمی سمجھوتوں پر ذہنی تحفظات سے بلند ہو کر خلوص نیت سے عمل پیرا ہونے کی تلقین اور تاکید کرتا ہو اور جو ظلم و منافقت، شرک و کفر کے خلاف محض اس لئے جہاد کی اجازت دیتا ہو کہ غریب اور نادار لوگوں کے حقوق پامال نہ ہوں، اور انسانی معاشرہ کو خالق کائنات کے آگے سرنگوں کر کے دنیا میں ہر طرف خوش حالی کا ضامن بنے، کس طرح اپنی تبلیغ و اشاعت کے لئے تلوار یا طاقت کا استعمال جائز قرار

Marfat.com

دے سکتا ہے۔ اسلام میں ایسی جنگوں یا جنگی فتوحات کی کوئی گنجائش نہیں جن سے ملک گیری کی ہوس یا تجارتی میدانوں پر قبضہ جما کر زر و مال سمیٹنے یا دنیا کے گوشہ گوشہ میں نوآبادیاتی نظام قائم کرنے کا شائبہ تک بھی پایا جائے۔

اسلام کبھی ایسے جھوٹے پروپگنڈہ یا پبلسٹی (تشہیر) کی اجازت نہیں دے سکتا جس کے پس پردہ کوئی دنیاوی غرض کا حصول ہو، یا فریب وجعلسازی کے ذریعہ کسی پوشیدہ یا ظاہر غیر اخلاقی خواہش کی تکمیل ہو۔ اسلام بنیادی طور پر آزادیٔ فکر و عمل اور آزادیٔ ایمان و یقین کا علمبردار ہے۔ وہ ہر فرد کو اجازت دیتا ہے کہ جس مذہب و ملت کی طرف اس کا میلان ہو، برضا و رغبت اور بلا جبر و اکراہ اُسے اختیار کرے۔ اس دین فطرت (یعنی اسلام) میں ہر شخص کو اپنے خیال کے اظہار کی آزادی ہے۔ جائز اور قانونی طریقہ سے مال و جائداد کے حصول اور استعمال پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور قانون کی نگاہ میں ہر فرد بلا امتیاز مذہب و ملت رنگ و نسل وغیرہ مساوی درجہ رکھتا ہے۔ اسلام احترام انسانیت کا خواستگار ہے۔ وہ کفر و شرک کے خلاف صرف اس لئے جہاد کی اجازت دیتا ہے کہ دنیا میں توحید و رسالت کا بول بالا ہو اور ہر فرد اپنے خالق و مالک خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے سربسجود ہو اور اُس کی اطاعت کرے۔

اسلام صلوٰۃ و صوم کے ذریعہ اخلاقیات کی تعلیم دیتا ہے اور زکوٰۃ کے ذریعہ سخاوت و اخوت سکھاتا ہے۔ اسلام مساوات و مواخات کی بنیاد پر مفلوک الحال اور درماندہ انسانوں کی اعانت و دستگیری اور دلداری کا علمبردار ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے جو دنیاوی کاروبار تجارت اور لین دین میں انصاف، دادرسی اور عدل گستری کے اصول کو اولیت کا درجہ دیتا ہے اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ فطرتِ انسانی کو اخلاق و عملِ صالح کے سانچہ میں ڈھالنے کا خواہاں ہے۔ ملکی اور ملی معاملات میں بیرونی مداخلت اور جارحیت کے

Marfat.com

مقابلہ میں ہمت و استقلال، صبر و استقامت، تحمل و بُردباری کے ساتھ مزاحمت یا دفاع کو ترجیح دیتا ہے۔ لیکن اگر مخلصانہ اور مفاہمانہ اقدام کے باوجود سرکشی اور طغیان کا سدِّباب نہ ہو سکے اور انسانی اقدار معرضِ خطر میں پڑ جائیں تو جارحیت کے خلاف تلوار اُٹھانے (یعنی طاقت کے استعمال) کا حکم بھی دیتا ہے کیونکہ انسانیت اور حقانیت کی پامالی اسلام کے نزدیک بدترین جرم ہے اور جب تک دشمن راہ فرار اختیار نہ کرے یا اپنے مذموم ارادوں سے باز آجانے کا عہد و پیمان نہ کرے۔ تلوار کو نیام میں رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ اقدام جس کی ظاہری نوعیت خواہ کچھ ہی نظر آئے، معنوی حیثیت سے اصولِ فطرت کے عین مطابق ہے۔ اس کے بعد ہی ایسی خوشگوار فضا میسّر آئے گی اور ایسا فلاحی معاشرہ وجود میں آئے گا جس میں بسنے والا ہر فرد آزادی، مساوات اور عدل و انصاف سے سرشار کھلی پُرامن فضا میں سانس لے سکے گا یہی کچھ فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے اور اسی کے لئے انسان دنیا میں زندہ رہنا چاہتا ہے اور یہی وہ فیوض و برکات ہیں جو تاریخ کے طویل دور میں اسلام کے دامنِ عاطفت اور سایہ کرم گستری میں انسان کو پہلی بار نصیب ہوئی ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

إِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

(آلِ عمران)

اسلام دینِ حق

(انگریزی کتاب اسلام دی ریلیجن کا اردو ترجمہ)

مصنف
سید انور علی

مترجم
شیخ فقیر محمد

ناشر
سید پبلیکیشنز کراچی

Marfat.com